पतीत उद्धार

اوم

پتت اُدّھار

یش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی تجویز

سے مرتب ہو کر

در اکتوبر ۱۹۱۹ء

لال سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ کرم چند بہل پرنٹر کے چھپا

دو جلد ۱۰۰۰ قیمت فی کاپی ۲/

اوم

پتاجی تم پتت اودھارن ہار

دین شرن کنگال کے سوامی دوکھ کے موچن ہار۔ پتاجی تم پتت اُدھارن ہار

اس جگ مایا جال بھرمن ہیں سوجھے نہ سارا مسار ” ”

ستیہ گیان بن اندھ سم ڈولیں کریں استیہ اچار ” ”

پاپ پرواہ بھینکر جل میں ڈوبت ہیں منجدھار ” ”

تمری دیا بن کو سمرتھ ہے کرے دینن کو پار ” ”

پتت اُدّھار

پتت کون ہے؟ جس کے ادھار کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اس پر وچار ہونا ضروری ہے اور اس وچار میں حصہ لینا ہر ایک شخص کا فرض ہے۔ جو اپنے آپ کو منش اور انسان سمجھتا ہے۔

جو گر گیا اور اٹھ نہیں سکتا۔ وہ پتت ہے۔ راہ گیروں کے پاوں کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا۔ تڑپ تڑپ کر موت سے آشنا ہو جاتا ہے۔

جس کو علم اور گیان سے حصہ نہیں ملا وہ پتت ہے۔ اپنے بھلے برے کی تمیز نہیں کر سکتا۔

جو آلس میں گرست ہے وہ پتت ہے۔ اپنا کام وقت پر نہیں کر سکتا جو منشی چیزوں کا شیدا ہے وہ پتت ہے۔ نشہ کے چابک کے بدوں چار قدم چلنے سے عاری ہے۔

جو اپنی ضروریات کے پورا کرنے کا انتظام نہیں کر سکتا وہ پتت ہے
دوسروں کا محتاج ہے +

جو اپنے سمبندھیوں اور لواحقوں کے حقوق کو ادا نہیں کرتا وہ پتت
ہے۔ بوڑھے والدین کی خدمت نہیں کرتا۔ عورت کی ضروریات کو بہم
نہیں پہنچاتا۔ لڑکے لڑکیوں کے وجود سے نفع کما کر دولت مند بننے
کی اُمیدیں پکا رہا ہے۔ بھائی بہنوں کے ساتھ محبت اور پیار سے
گزارہ نہیں کر سکتا۔ ہمسایہ اور دوست آشناؤں کی حق تلفی کرنے کو
تیار ہے +

جو طاقت کو حاصل کر کے اُس کا ناجائز استعمال کر رہا ہے وہ
پتت ہے۔ غریب کو ستاتا ہے۔ کمزور کو لوٹتا ہے۔ نادان کو فریب
دیتا ہے۔ زیردست کو ایذا پہنچاتا ہے۔ محتاج کی حاجت روائی میں
بگھن ڈالتا ہے +

جو لوبھ اور لالچ کا بندہ ہے وہ پتت ہے۔ غیر کا حق دباتا ہے۔ روپیہ
پیسہ اور دولت کے دریا کو حرص کا بند لگاتا ہے۔ نہ اپنے ذاتی سُکھ او
آرام کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ کسی بھلے کام ہی میں کچھ لگاتا ہے +

جو نفسانی جذبہ شہوت کا غلام ہے وہ پتت ہے۔ شرم اور حیا
اُس کی آنکھ سے جاتا رہتا ہے۔ بڑے چھوٹے کسی کی پروا نہیں ہے۔
فاحشہ۔ بدکار کُتیاؤں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔ افیم۔ بھنگ۔ چنڈو۔
اور شراب پیا خانہ خراب کو اُن کے خوش کرنے کی خاطر پیار کرتا ہے۔
وطن۔ دولت اور بزرگوں کی پیدا کردہ جائداد کو اُن کے سر پر نثار کر دیتا
ہے۔ ننگا۔ بھوکا اور کنگال ہونے کے ساتھ ہی نامراد مرض آتشک
کا شکار بن جاتا ہے۔ گھر بار۔ عورت۔ اولاد۔ ماں باپ اور برادری سے

بیزار ہو کر زندگی کو تلخ کر رہا ہے ۔

جو زود رنج ۔ غصہ ور اور مغلوب الغضب ہے وہ پتت ہے ۔ عقل اور دانائی کو غصہ کے چابک سے مار مار کر بھگا دیتا ہے نہیں جانتا کہ کہنا کیا اور کرنا کیا ہے ۔ واہیات بکواس کرتا اور ناجائز حرکات کا مرتکب ہوتا ہے ۔ ان حرکات کی سزا بھگتنے کا وقت آتا ہے تو چیختا اور چلاتا ہے اب کچھ ہو نہیں سکتا ۔

جو موہ کے وش میں آگیا ہے وہ پتت ہے ۔ فانی چیزوں کی محبت میں پھنس کر پاگل بن رہا ہے ۔ انسانیت کو بدنام کرتا ہے حوصلہ کو ہارتا اور دھیرج دھرم سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے ۔

جو غرور ۔ ہنکار اور فخر کے گھوڑوں پر سوار ہے ۔ وہ پتت ہے ۔ اندھا ہو کر چلتا اور دوسروں کے نفع نقصان اور بھلائی برائی کی پروا نہیں کرتا ۔ اور اپنے کیئے ہوئے اچھے کام کو بھی برائی کا بیج بنا لیتا ہے ۔ آخر ٹھوکر کھاتا اور گر بھی جاتا ہے ۔

جو بغض ۔ کینہ ۔ کدورت اور عداوت کو اپنے دل میں جاگزیں کرتا ہے وہ پتت ہے ۔ جو دل پرماتما جگت پتا سچدانند سروپ کے جلوہ گر ہونے کا پوتر سنگھاسن ہے ۔ اس کو ناپاک ۔ گندی اور غلیظ واسناؤں کے جمع رکھنے کی روڑی بنا رہا ہے ۔ دن رات غم غصہ اور رنج کی آگ میں جلتا رہتا ہے ۔ اور نرک کا باسی بن جاتا ہے ۔

یہ سب اور انیک پرکار کے اور بھی پتت ہیں ۔ جو اپنے آپ کو پتت نہیں سمجھتے ۔ سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی خواہ کتنا ہی طاقت ور دولتمند برسر حکومت ۔ صاحب پروار اور کتنا ہی زردار ہو ۔ اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتا ۔ وہ پتت ہے پتت ہے اور پتت ہے ۔

مگر ہمارے دیش اور جاتی میں عجیب دستور ہے کہ جو لوگ آپ پتت ہیں۔ وہ اپنے کسی نہ کسی گن ۔لیاقت ۔طاقت اور دولت کے زور سے دوسروں کو پتت بنانے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں اگر کوئی نیچ نہ ہوں۔ تو اُن کو اونچ کون کہے۔ اُنہوں نے اپنے ہی بھائیوں اور پرماتما کے کروڑوں امرت پتروں کو نیچ ۔ اتی نیچ ۔ اور مہا نیچ بنا رکھا ہے ✠

جن کے پورشارتھ سے اُن کے کھانے کو روٹی ملتی ہے وہ شودر ہیں۔ جو ان کے واسطے کپڑے بناتے ۔ اُن کی سلائی کرتے جب یہ اُن کو میلا کر دیں۔ تب وہ اُن کو دھو کر صاف اور شدھ بنا دیویں جن سے اُن کا بدن ڈھکتا ہے۔ اور جن کی بدولت یہ پشو سے انسان بنائے جاتے ہیں۔ وہ نیچ ہیں۔ اور جو لوگ ان کو جوتہ بنا کر دیتے ہیں جس سے پاؤں کی حفاظت ہوتی اور یہ چلنے پھرنے کے قابل ہوتے اور مہذب کہلاتے ہیں وہ لوگ پتت ہیں۔ جو لوگ ان کے بدن سے نکلے ہوئے مل موتر آدی سے اُن کے مکانوں کو پاک کرتے۔ اُن کے گلی۔ کوچوں۔ شہروں اور محلوں کو بدبو۔ عفونت اور ہزار قسم کی بیماریوں سے بچاتے ہیں۔ وہ اتی نیچ ۔ مہا نیچ اور اچھوت ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ لاکھوں ایسے بھی ہیں۔ جن کے کام میں اب کوئی بھی ایسا نشان نہیں پایا جاتا جس سے اُن کو غلیظ یا ناپاک کہا جا سکے۔ پھر بھی وہ سب کے سب نیچ ہیں۔ اور پتت ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ سے لے کر انّ اور جل کا گرہن کرنا تو دور رہا۔ وہ ساتھ نہ چھو جاویں۔ اُن کا سایہ نہ پڑ جاوے بلکہ اُن کے وجود کے دیکھنے ہی سے اُن کی نظر بھی ناپاک ہو جاتی ہے حالانکہ وہ اسی دھرم کے پیرو ہیں جس کے یہ آپ ہیں ✠ انہیں مہاتماؤں

کو اپنا بزرگ اور مکتی داتا مانتے ہیں جن کے نبش میں ہونے کا اُن کو فخر
اُنہیں دیوتاؤں کو وہ پوجتے ہیں جن کے یہ پوجاری ہیں اُنہیں
تیرتھوں کو وہ متبرک اور پاپ ناشک مانتے ہیں جن کی یاترا یہ لوگ
کرتے ہیں۔ اُنہیں برتوں کا وہ سیون کرتے ہیں جن کو یہ مانتے
ہیں۔ وہ لوگ اپنے دھرم کا بیوہار اور بواہ شادی وغیرہ ساماجک
کردار برہمنوں سے پوچھ کر اور اُن کی آگیا لے کر اسی طرح سے کرتے
ہیں جیسا کہ یہ کرتے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ جب تک اُن کا اس
قسم کا چال چلن اور بیوہار کردار اُن کے انوکول رہتا ہے۔ اور
گودن کی رکشا کرتے اور برہمن کے آگے سر جھکائے رکھتے ہیں
یہ اُن سے نفرت کرتے۔ پاس نہ آنے دیتے۔ چھو جانے سے پرہیز
کرتے۔ اور اُن کو دور دور اور پرے پرے کرتے رہتے ہیں
وہ نیچ ہیں اِن کے پاس تک پھٹکنے نہیں پاتے۔ مگر پانچ ہی منٹ
کے بعد جب وہ مذہب کو تبدیل کر لیں۔ ہر قسم کی نیچتا اور برائی ان سے
دور بھاگ جاتی ہے۔ پھر اُن کی کیا مجال ہے کہ یہ اُن کو نفرت کی نظر سے
دیکھیں۔ اب وہ اِن کے پاس آ کر ایک آسن پر بیٹھتے ہیں۔ اِن کے
چاہات سے پانی بھرنے کا حق اُن کو مل جاتا ہے۔ اور اِن کو اُن سے
ہاتھ ملانے میں کوئی دوش نظر نہیں آتا۔

ایسے ایسے بیچارے غریب اور محنت مزدوری سے کمائی کر کے گزر
کرنے والے نردوش بے ضرر اور سادہ لوح لوگوں کو ہمارے اونچے کل
ابھمانی لوگوں نے نفرت اور حقارت سے دھکے دے دے کر مجبور
کر دیا کہ وہ اپنے باپ داداؤں کے دھرم کو چھوڑ جاویں۔ بہت سے
چھوڑ گئے۔ پھر بھی ۷-۸ کروڑ بیچارے اب تک موجود ہیں جو

ان کی دُر دُر کو سہتے اور نفرت کا شکار ہوتے ہوئے بھی اپنے دھرم پر چلے
ہوئے ہیں۔ مگر وہ کہاں تک ٹکے رہ سکتے ہیں جب اُن کو ہر قسم کی بیعزتی
اور سماجک کلیشوں کا شکار بنے رہنا پڑتا ہے ان لوگوں کی بے شمار
جاتیاں دیش کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ اور کئی ایک خانہ بدوش
ہیں۔ جو دن رات دُکھوں کا مقابلہ کرتے کرتے بیاکل ہو رہے ہیں
ضرورت ہے کہ اُن کی طرف سہائتا کا ہاتھ بڑھایا جاوے۔ بیعزتی
بدنامی۔ افلاس اور مصائب کے گڑھے سے اُن کو نکالا جاوے تاکہ
وہ انسانیت کے حقوق حاصل کر کے بھائیوں کے بھائی بن جاویں
اور سنسار کی اونت جاتیوں کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں شریک
ہو سکیں۔

استریوں کی پتت اوستھا محتاج بیان نہیں۔ بدھواؤں اور یتیموں
کا کوئی پرسان حال نہیں تو بے زبان۔ بے زبان اور نفع رساں
جانداروں کے حال زار پر نظر دوڑانے کی کس کو پرواہ ہے ؎

گاوان و خرانِ بار بردار
بہتر از آدمیانِ مردم آزار

ایسے ایسے ضروری معاملات پر غور۔ وچار اور رائے زنی کا راستہ
کھولنے کے لئے یہ چھوٹا سا ٹریکٹ شائع کیا گیا ہے۔ اور تجویز ہے کہ آئندہ
بطور ماہواری رسالہ کے اس کو شائع کیا جایا کرے۔ خریداروں کی کافی
تعداد کے ہو جانے پر ماہواری اشاعت کا انتظام کیا جاوے گا۔ اسی
ضخامت کے ۳۲ صفحے کا وہ رسالہ ہوگا قیمت سالانہ ۸ عہ ہوگی۔

بنتی ہم سب اور ہماری ساری جاتی پتت ادھارک آپ جگت پتا
پرماتما ہیں۔ کیول اُنہی کے بھروسہ اور سہارے سے یہ کام چل سکتا

اور منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ یقین کامل ہے کہ اُس دیندیال اور دینوں کے ناتھ کی کرونا کا ہاتھ ہمارے سر پر رہے گا اوم شم +

استریوں پر اتیاچار

جس وقت کوئی واقعہ انسان کے سامنے آتا ہے اُس وقت وہ اس کو دیکھتا ہے اُس کے وقوع میں آنے کی وجہ اور اُس کے نتیجہ پر غور کرتا ہے۔ تھوڑا عرصہ گذرتا ہے وہ واقعہ پرانا ہو جاتا ہے اور یاد سے جاتا رہتا ہے اُس کا کوئی بھی اثر انسان کے دل پر نہیں رہتا۔ دیکھا جاتا ہے۔ کہ عام طور پر یہی حال جاتی کی بدھوا استریوں کے ساتھ اپنی جاتی اور دیش کے لیڈروں اور خیر خواہوں کی ہمدردی کا ہے جب کسی بدھوا استری کے دردناک حالات کسی کے دیکھنے یا سننے میں آتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ ہمدردی جو وہ اُس کے ساتھ کر سکتا ہے صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس واقعہ کو لکھ کر کسی اخبار کے ایڈیٹر صاحب کی سیوا میں بھیجدیتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب مہربانی کرتے ہیں تو اس تحریر کو اپنے اخبار میں شائع کر دیتے ہیں۔ اور پیشانی پر لکھ دیتے ہیں۔ کہ ہندو بدھواؤں کا کیا بنیگا۔ زیادہ ہمدردی کرتے ہیں۔ تو اس خبر کے ساتھ دو چار سطریں اپنی طرف سے بھی لکھ دیتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ کچھ زیادہ سنسنی خیز ہوتا ہے۔ مثلاً اس قسم کا کہ ایک برہمن بدھوا ایک قصاب کے ساتھ چلی گئی مقدمہ عدالت میں گیا وارثوں نے چاہا۔ کہ واپس آجاوے۔ اس کا بواہ کسی برہمن سے کر دیا جاوے گا۔ بدھوا نے قصائی کے ساتھ رہنا پسند کیا اور

برہمنوں کے گھر میں جانا منظور نہ کیا" تو ایسے واقعہ کو دو چار اور اخبار والوں نے اپنے اخبار میں شائع کر دیا۔ اور بس بات آئی گئی ہو گئی دو چار مہینہ کے بعد کوئی اور نکل گئی۔ اس کے واسطے بھی یہی رسم ادا کر دی گئی بدھواؤں کے ساتھ ساری ہمدردی کا خاتمہ ہو گیا لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔

جب سرکار دولتمدار نے اپنے انتظام میں سہولیت کیواسطے صوبہ بنگال کی حدود میں کچھ ترمیم کی۔ جو کہ بنگال کے لوگوں کے دل پسند نہ تھی۔ تو اُن لوگوں نے اتنا شور برپا کیا۔ اور ایسے ایسے واقعات کے مرتکب ہوئے کہ الاماں۔ زمین آسمان کو ایک کر دیا۔ اور اس وقت آرام نہ لیا جب تک کہ حضور ملک معظم قیصر ہند نے دہلی میں تخت نشینی کے وقت اس ترمیم کو منسوخ نہ کر دیا۔ مگر ایک بیچاری کنواری کنیا سیتہ لتا نامی اپنی قوم کے بزرگوں کی عدالت کے سامنے زندہ جل کر خاک سیاہ کی ڈھیری ہو گئی اور اس کے بعد اور بھی کئی بیچاری معصوم دیویاں اسی طرح سے اپنی زندگی کا خاتمہ جلتی جوالا کو بھینٹ دے کر کر گئیں۔ مگر کسی بھی بنگالی اور ہندوستانی لیڈر کے کان پر جوں تک نہ چلی تھوڑے دنوں اخباروں میں رسمی رونا رویا گیا۔ پھر سب کو یہ واقعہ بھول گیا۔ اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

بدھواؤں سے جو سلوک ہو رہا ہے۔ اس کی تہ میں جانے کی ضرورت ہے بدھوا کوئی خاص ملک یا صوبہ کی پیداوار نہیں ہیں۔ جن کی بربادی اور تباہی کا اثر ساری جاتی پر کوئی نہ ہو۔ کوئی بھی استری جس نے بواہ کیا ہے بدھوا ہونے کی مصیبت سے محفوظ نہیں ہے جو عورتیں آج بدھوا ہیں۔ چند روز گزرے اُن کے خاوند زندہ تھے۔ یہ اپنے گھر کی رانی اور خاندان ور

پروار کی مایۂ ناز گنی جاتی تھیں۔ ان کی ایک دفعہ کی مسکراہٹ سے سارا پریوار باغ باغ ہو جاتا تھا پتی اُن کے شمع رخسار کے پروانہ تھے۔ ساس سسر اُن کی ایک ایک حرکت پر قربان ہوا کرتے تھے۔ بچوں کے واسطے وہ انّ پورنا بھوانی کا اوتار تھیں۔ مگر پتی کے دم چھوڑنے پر اُن کا سارا راج لٹ گیا۔ جو اُن کی توجہ اور مہربانی کے محتاج تھے۔ اب وہی اُن کی صورت سے بیزار ہیں۔ یہ دُرگتی کی حالت کس استری سے دور ہے کون کہہ سکتا ہے کہ جو استریاں آج اپنے سوہاگ اور راج کا سُکھ بھوگ رہی ہیں۔ کل کو ان میں سے کس کس کا راج لُوٹا جانے والا ہے۔ کون سوہاگ کے ہمالہ کی چوٹی سے گر کر بدھواپن کی مصیبت کے کھنڈوں میں گرنے والی ہے۔ اس واسطے بدھواؤں کی مصیبت کا سوال صرف بدھواؤں کا سوال نہیں ہے بلکہ کل ہندو استری جاتی کی مصیبت اور ادھوگتی کا یہ سوال ہے۔ جب اتنی بات سمجھ میں آجاوے تو اس بات کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ کہ یہ نہ صرف ہندو بدھواؤں کا سوال ہے۔ بلکہ کل ہندو جاتی کی ہستی نیستی اور زندگی موت کا سوال ہے۔ ہمارے بڑے بڑے دولتمند۔ وِدوان۔ قانون دان۔ سولیش اور جاتی کے خیر خواہ۔ دھرماتما اور مہاتما لیڈر دیش اور جاتی کی ترقی کے واسطے اور تو بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ دُکھ اور مصیبت بھی سہ رہے ہیں۔ مگر جس سوال پر کل جاتی کی ہستی اور زندگی کا انحصار ہے اور جس کا انتظام نہ کرنے سے کل جاتی کے موت کے مُنہ میں جا کر تختۂ دنیا سے نابود ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ نہ صرف اندیشہ بلکہ ظاہر ظہور نیستی کا سمندر سامنے نظر آ رہا ہے اور اُس میں جاتی کا دریا بڑے بیگ سے بہتا ہوا داخل ہو کر نظروں سے غائب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اُس کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا حساب کی بات ہے جس میں کوئی غلطی نہیں۔ استری جاتی کے ساتھ ہندو قوم کے مردوں کا جو سلوک

ہے اس سے استریوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ ۱۹۱۱ء کی
مردم شماری کی رپورٹ سے پایا جاتا ہے کہ صرف صوبہ پنجاب کے اندر قابل
شادی استریوں کی تعداد اُمیدوار شادی مردوں سے بقدر سولہ لاکھ کے
کم ہے۔ استریوں کی تعداد میں اس قدر کمی کا ہونا مردوں کے سلوک کی
وجہ سے ہے۔ جس سے اس سلوک کو استریوں کا قتل عام کہا جاوے
تو یہ کچھ زیادتی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس
کی طرف عوام کی توجہ وقتاً فوقتاً مبذول ہوتی رہے گی۔ تو اُمید ہے۔ کہ
کوئی نہ کوئی صورت نکل آوے جس سے موجودہ حالت میں کچھ سدھار
ہو سکے۔ اور بہت سے ایسے سجن بن میدان میں آجاویں۔ جو حالت کے
سدھار پر کمربستہ تیار ہو جاویں۔ اس کام کی طرف توجہ دینے کا اب
وقت ہے سرکار انگریزی کا امن کا راج ہے۔ اپنے اور اپنی اپنی جاتی
کے سدھار کا کام ہر ایک شخص آزادی سے کر سکتا ہے۔ پھر دوسری
فائدہ کی یہ بات ہے۔ کہ ہمارے بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں۔ جو
اپنی لیاقت اور تجربہ سے ایسے کاموں میں اپنا وقت لگا کر اُن کو پورا
کر سکتے ہیں۔ سرکار کی طرف سے اُن کو اچھی اچھی پنشنیں مل رہی ہیں
روزی کی طرف سے اُن کو کوئی فکر نہیں ہے۔ بیکاری کی وجہ سے اُن
کی طبیعت میں اکثر اشانتی رہتی ہے۔ ان کاموں میں اگر وہ لگ
جاویں۔ تو نیک شغل کے ملنے سے اُن کا وقت انند اور چین سے
گزرے گا۔ اور جاتی کی بڑی بھاری ضرورت کو پورا کرنے کا سہرا
اُن کے سر پر رہے گا۔

پتت جاتیوں کے حالات

بھاگیرتھی۔ اوڈ۔ صوبہ پنجاب کے جنوب مغربی اضلاع مظفر گڑھ
ڈیرہ غازی خاں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔ میانوالی۔ ملتان۔ منٹگمری اور ریاست
بہاول پور میں ایک قوم کے ہندو لوگ آباد ہیں۔ جو اوڈ کہلاتے ہیں اُن
کا برتاؤ نہ تو اہل ہنود کے ساتھ تھا اور نہ اہل اسلام کے ساتھ۔ اس واسطے
اُن علاقوں کے لوگ اُنکی بابت کہا کرتے تھے۔ "نہ ایڈے نہ اوڈے" یعنی نہ
اِدھر کے اور نہ اُدھر کے۔ گویا نہ ہندو اور نہ مسلمان +

یہ لوگ گزشتہ زمانہ میں جس کو قیاسی کہا جاتا ہے۔ کہ عرصہ قریب
اڑھائی سو برس کا گزرا۔ علاقہ مارواڑ بیکانیر وغیرہ سے جلاوطن ہو کر اُن علاقوں
میں آ گئے ہیں۔ ان کی جاتیوں میں ایک جاتی بیکا کہلاتی ہے۔ غالباً اُس
جاتی کا کوئی سمبندھ اُس جاتی سے ہوگا جس کے نام پر بیکانیر کی ریاست
موسوم ہوئی ہے۔ مارواڑ کا قحط مشہور ہے اب بھی وہاں اکثر قحط
ہوتے رہتے ہیں۔ تو لوگ وہاں سے نکل کر پنجاب کے اضلاع میں
دور دور تک چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ سمت ۱۹۵۶ کے قحط میں بہت سے
لوگ وہاں سے نکل کر دور دور علاقوں میں چلے گئے ہیں جن میں سے
اکثر تو اب تک بھی ضلع مظفر گڑھ وغیرہ علاقوں میں موجود ہیں۔ کئی تو
ایسے ہیں جو ان دنوں کے آئے ہوئے واپس نہیں گئے۔ اور کئی ایسے
ہیں جو آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سے یہ اوڈ لوگ بھی
قحط کے ستائے ہوئے آ گئے تھے۔ یہ لوگ عام طور پر مٹی کی کھدائی۔ کچی
مٹی کی دیواروں کا بنانا۔ نہروں اور نالہ جات کا کھودنا۔ سڑکوں اور بندھوں
پر بھرائی مٹی کا کام اور ایسے ایسے مزدوری کے کام کیا کرتے تھے بہت

عرصہ تک یہ لوگ خانہ بدوش رہے۔ گدھوں پر اپنا ضروری سامان اور بوجھ لاد کر سفر کیا کرتے تھے۔ جس مقام پر روزی کا کام مل جاتا۔ وہاں ڈیرہ ڈال دیتے۔ کام ختم ہو جاتا۔ تو دوسرے مقام کو کام کی تلاش میں چلے جایا کرتے تھے۔ اس طور پر سال کے بارہ مہینے یہ لوگ سفر میں کاٹتے تھے۔ اور بیاہ۔ شادی وغیرہ سنسکار اور رسوم کے واسطے باہمی قرار داد سے خاص خاص مقامات پر اُن کے ڈیرے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ خاص علاقوں اور مقامات میں جن لوگوں کے تعلقات۔ کام کاج اور باہمی واقفیت کے مقامی لوگوں سے بنتے اور بڑھتے گئے۔ اُن مقامات پر اُن کی آمد و رفت اور رہائش کی مدت بڑھتی گئی۔ رفتہ رفتہ بہت سے لوگوں نے مستقل طور پر اپنی رہائش کے واسطے مختلف مواضعات اور بستیوں میں اپنے جھونپڑے اور مکانات بنا لئے۔ اور بہتوں نے اراضیات حاصل کر کے زراعت کاری کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ علاقہ ضلع ملتان میں یہ لوگ اقوام زراعت پیشہ کی ذیل میں آ گئے ہیں۔ اور کوئی کوئی گروہ اور قبیلے اُن کے اب تک بھی خانہ بدوش ہیں اور اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اکثر دُرگا کے پوجنے والے ہیں۔ اس کی مورتیاں اور چھوٹے چھوٹے مندر بھی اُن کے مکانات میں تھے۔ اور اب تک بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ اور کئی لوگ ان میں دیوی کے بھگت اور سادھ بھی ہوتے ہیں۔ اور وام مارگ "اندر مارگ" کے طریق پر پوجا کیا کرتے ہیں۔ جس کا حال کسی دوسرے کو بتلاتے نہیں چونکہ ان کی رہائش جنگلی لوگوں کے موافق تھی۔ اور اُن علاقوں کے ہندو لوگوں سے اُن کے میل ملاپ کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ یہ لوگ الگ تھلگ

رہا کرتے تھے۔ اس لئے ان کے کھان پان کا ملاپ ہندوؤں سے
نہیں ہوا۔ اور مسلمان یہ تو نہیں تھے۔ کہ مسلمانوں سے مل جاتے
گو ان کی رہائش بستی اور آبادی کے باہر جہات پر ہوتی تھی۔ جہانکہ مسلمان
لوگ بستے ہیں۔ مگر اُنہوں نے اس وجہ سے کہ یہ خود ہندو تھے مسلمانوں
سے کھان پان کا بوہار جاری نہیں کیا۔ اور ہندوؤں کے ساتھ شامل
ہونے کی کوشش بھی ان لوگوں نے نہیں کی۔ اس کی وجہ ان کا
ایک پُرانا اعتقاد تھا۔ جو کہ اپنے بزرگوں سے اُن کو ملا تھا۔ اور پشت
بہ پشت سنتے اور سناتے چلے آتے تھے۔ خیال تھا۔ کہ ایک خاص
وقت آئے گا۔ جبکہ ہندو لوگ خود بخود اُن کو اپنے ساتھ شامل کر لینگے
اس کا مفصل بیان اپنے موقع پر آئے گا۔

ان لوگوں کی پوشاک عام طور پر اونی پارچات کمبل۔ دُھوسہ اور
لوئی وغیرہ کی ہوتی تھی۔ اونی سوت کے انگرکھے یہ لوگ پہنا کرتے تھے
اُن کی عورتوں کے گھگھرے تک بھی اکثر کمبل کے ہوتے تھے۔ اس قسم
کی پوشاک اگرچہ سردی کے دنوں میں بھی کچھ آرام دہ نہ تھی اور گرمی
کے موسم میں تو بڑی تکلیف دینے والی تھی۔ تاہم یہ لوگ اس کو خوشی سے
پہنا کرتے تھے۔ اور کچھ کچھ روئی کے سوت کے کپڑے بھی یہ لوگ پہن
لیا کرتے تھے۔ مگر کوئی ایسا نظر نہ آتا تھا۔ کہ جس کے بدن پر ہر
موسم میں کم از کم ایک کپڑا اونی سوت کا نہ ہووے۔ اس پوشاک کی
وجہ سے اور مٹی کا حقہ سفر میں بھی ہاتھ میں رکھنے سے یہ لوگ پہچانے
جاتے تھے۔ سرکاری سڑکوں اور نہروں پر یہ لوگ کھدائی اور بھرائی
مٹی کا کام کیا کرتے تھے۔ ان میں سے جو جو کچھ سمجھدار اور سیانے
تھے۔ وہ ان کاموں کا ٹھیکہ لے کر اپنی برادری کے لوگوں کو کام پر

لگا لیا کرتے تھے۔ اُن کے نام ہندوؤں جیسے اور برہمن سے پوچھ کر رکھے ہوتے
تھے۔ بواہ بھی برہمن کو بلا کر کروایا کرتے تھے۔ اُن کے پروہت اور بھٹ
مارواڑ سے آیا کرتے تھے۔ تیرتھ۔ یاترا اور برت بھی ہندوؤں کے موافق
کیا کرتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا۔ کہ اپنے مُردوں کو جلاتے نہیں تھے
دفن کیا کرتے تھے۔ اور یہ دفنانے کی جگہ اُن کو اکثر موقعوں پر اہل اسلام کے
قبرستان کے پاس ہی ملا کرتی تھی ٭

میں سنہ ۱۸۹۴ء میں مظفر گڑھ ڈسٹرکٹ بورڈ میں اوورسیر مقرر ہو کر جب
وہاں گیا۔ تو اُن لوگوں سے کام پڑا۔ سڑکوں کی مرمت کے کام میرے
ماتحت ہونے کی وجہ سے یہ لوگ میرے پاس آتے اور کئی دفعہ راتوں کو
ایک ہی مقام پر رہنے کا اتفاق بھی ہو جایا کرتا تھا۔ ان کے حالات کے
دریافت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مُردوں کے دفن کرنے اور اہل ہنود
کا اُن سے کھان پان کا برتاؤ جاری نہ ہونے کی وجہ اُنہوں نے یہ بتلائی
جو کہ اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آئے تھے :-

پچھلے زمانے میں سورج بنسی خاندان میں مہاراجہ سگڑ ہوئے ہیں
اُن کے ساٹھ ہزار لڑکے تھے۔ مہاراجہ کو کسی رشی نے حکم دیا تھا۔ کہ وہ
ہر روز یگیہ کیا کریں۔ اور نیا چاہ کھود کر اس کا پانی استعمال میں لایا کریں
اُن کے ساٹھ ہزار لڑکے زمین کو کھود کر فوراً نیا کنواں تیار کر لیا کرتے
تھے۔ بہت عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر دھرتی ماتا کو بڑا
کلیش ہوا۔ اور وہ بڑی درگت ہو گئی۔ کہ مہاراجہ ہر روز اُس کے پیٹ
میں سوراخ کرتا ہے آخر ایک دن ایسا ہوا۔ کہ اُنہوں نے جتنا بھی
گہرا اور چوڑا کنواں کھودا۔ مگر دھرتی ماتا نے پانی نہ دیا۔ کئی دن گزر
گئے۔ سب کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ اور پانی کی اُمید پر سب کے سب

موقع پر موجود تھے۔ اور کھدائی میں مصروف تھے کہ آخر بڑی محنت اور
انتظار کے بعد پانی نظر آیا۔ یہ خبر سُن کر کہ پانی نکلا ہے۔ سب کے سب
اُس چاہ کے اندر داخل ہو گئے۔ جب ایک بھی باہر نہ رہا تو دھرتی ماتا نے
کنوئیں کے مُنہ کو بند کر لیا۔ وہ سب کے سب دب کر مر گئے۔ حسب
رواج اُن کے مرنے پر کریا کرم کروانے والا کوئی نہ تھا۔ نہ وہ جلائے
گئے۔ اور نہ کوئی اور رسم ہندو شاستر کے موافق ادا کی گئی۔ اس واسطے
اُن کی سدگتی نہ ہوئی اور وہ سب اگت مرے۔

مرد تو سارے کے سارے مر گئے۔ اُن کی عورتیں بچ رہیں۔ جو
کئی ایک گربھ وتی تھیں۔ اُن کو بچے پیدا ہوئے۔ اُن میں سے ایک
کا نام بھگیرتھ رکھا گیا۔ وہ بڑا ہو کر بڑا بہادر اور ہونہار نکلا۔ اُس نے
اپنی ماتا سے اپنے پتا اور بزرگوں کا حال پوچھا۔ اُس نے سارا حال
اور سب کے دب کر مر جانے کا حال سنا کر اُسے کہا کہ بیٹا تمہارا دھرم ہے
کہ اپنے بزرگوں کی سدگتی کراؤ۔ اور اُن کو سورگ میں پہنچاؤ۔ یہ کام تب
ہو سکتا ہے۔ کہ تم کیلاس پربت پر جا کر سداشو بھو سے مہادیو کا تپ
کرو۔ وہ پرسن ہو کر ور دیویں۔ تو تم یہی ور مانگو۔ کہ وہ گنگا جی کو
تمہارے ساتھ کر دیویں۔ اور تم گنگا جی کو لا کر اس کنوئیں میں پرویش
کرا دو جس میں تمہارے پتر دبے پڑے ہیں۔ پس گنگا جل کے
سپرش سے اُن سب کی مکتی ہو جاوے گی۔ اور تم پتروں کے رن سے
سبکدوش ہو جاؤ گے۔ ماتا کی آگیا پا کر بھگیرتھ نے تپ کیا۔ اور مہادیو
جی نے گنگا کو اُس کے ساتھ کر دیا۔ جب وہ اپنے گرام کے پاس آیا
تو اس چاہ کا ٹھیک موقع اُسے معلوم نہ تھا۔ گنگا جی کو وہیں ٹھہرا کر
(خود) ماتا سے پتہ دریافت کرنے کو گرام میں گیا۔ اُس کے جانے کے بعد

اُس جنگل میں ایک برہمن آیا - جو اپنی گنگا نامی گم شدہ گئے کی تلاش میں
پھرتا تھا - اور گنگا گنگا پکار رہا تھا - گنگا نے سمجھا کہ بھگیرتھ اُسے
آگے کو بُلا رہا ہے - آگے کو نکل گئی - اور وہ چاہ پیچھے کو رہ گیا بھگیرتھ
نے واپس آکر دیکھا - کہ گنگا آگے کو نکل گئی ہے - دوڑ کر اُسے ملا -
اور واپس چلنے کو کہا - تو گنگا جی نے جواب دیا "کہ گنگا اُلٹی نہیں بہ سکتی"
اب تم جاؤ - کلجگ میں ایک وقت آوے گا - جب میں خود بخود موقع پر
جاکر تمہارے پتروں کا ادھار کر دوں گی - بھگیرتھ بیچارہ واپس چلا گیا
سو اب تک پتروں کا ادھار نہیں ہوا - جس طور سے ہندو لوگ کسی اپنے
بزرگ کے مرنے کے بعد تیرہ روز تک بھٹ رکھتے ہیں یعنی ہاتک
میں رہتے ہیں - دوسری برادریوں کے لوگ اُن کے ہاتھ کا پانی
نہیں پیتے - اور نہ کھانا کھاتے ہیں - اسی طور سے ہم نے ماتمی
پوشاک پہری ہوئی ہے - ہندو لوگ ہمارے ہاتھ کا نہیں کھاتے
جب ہمارے پتروں کا ادھار ہوگا پھر یہ لوگ خود بخود ہم سے مل جاویں گے
یا ہم کو اپنے ساتھ ملا لیویں گے +

اس کہانی کو اُن لوگوں نے بڑی شردھا سے مجھے سنایا - اور میں نے
بھی بڑے پریم سے سنا - پھر میں اس پر وچار کرنے لگا - پورانوں میں
مہاراجہ سگڑ کے اشومیدھ یگیہ اور اُس کے ساٹھ ہزار پتروں کے
کپل منی کے آشرم پر بھسم ہو جانے کا ذکر تو پایا جاتا ہے - مگر یہ
کتھا اُس سے میل نہیں کھاتی - میں نے وچار کیا کہ گنگا جی کا اُس
موقع تک کبھی نہ کبھی پہنچ جانا تو ممکن ہے جس وقت تک گنگا
وہاں تک نہیں پہنچتی - ان لوگوں کی یہ اُمید بنی رہے گی - کہ ہم ایک
دن شدھ کئے جاویں گے - مگر جس روز گنگا وہاں پہنچ گئی - اور ان

لوگوں کو اس کی خبر مل گئی۔ تو ان کی شرط تو پوری ہوگئی۔ مگر ہندو لوگوں
نے ان کو خود بخود تو کیا ملانا ہے ان کی خواہش اور درخواست پر بھی
کوئی توجہ نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ تو اپنے موجودہ بھائیوں کو بھی اگر
اکر سکیں تو الگ کرنے کو تیار ہیں۔ ان بیچارے ان پڑھ اور غریب لوگوں کو ملانے
کی اُن کو ضرورت ہی کیا ہے میں نے اس معاملہ کو کئی روز تک وچار کیا اور
خوب غور اور فکر سے وہ راستہ نکال لیا جس پر کہ اب مجھے چلنا چاہیئے
تھا۔ میں نے مسمیان پرمل اور جسورام کو جو ان لوگوں میں بڑے گنے
جاتے تھے۔ اور جن سے میں نے یہ قصہ سنا تھا۔ کہا کہ دیکھو تم لوگوں
کی یہ حالت بھٹ ماتم اور اشوبھ کی اسی وجہ سے ہے کہ تمہارے پتروں
کی سدگتی نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاں یہی وجہ ہے۔ پھر میں نے
کہا کہ تم کو ایسا ہی معلوم ہے کیونکہ تم پشتہا پشت سے اپنے بزرگوں سے ایسا
سنتے چلے آئے ہو۔ مگر میں نے جہاں تک اس معاملہ کا وچار کیا ہے اگر
تمہارا یہ قصہ سچا ہے۔ تو تمہارے بزرگوں کی سدگتی اور مکتی بہت سا عرصہ
ہوا کہ ہو چکی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ پھر ہم کو کیا چاہیئے گویا "اندھے کو صرف
دو آنکھیں"۔ مگر ہم کو بھی تو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ہمارے بزرگوں کی
سدگتی کس طور سے ہو چکی ہے۔ میں نے کہا کہ تم معلوم کرنا چاہتے ہو
تو مجھ سے سنو۔

تم لوگ جانتے ہو اور تمہارا اعتقاد اہل ہنود سے ملتا ہے کہ گنگا جی
مکتی کے دینے والی ہے۔ لاکھوں آدمی ہر سال جا کر اس میں اشنان کرتے
ہیں۔ مرتے وقت مرنے والے کے مُنہ میں گنگا جل ڈالتے ہیں۔ اور
مرنے کے بعد اُس کے پھول بھی وہاں لے جاتے ہیں لاکھوں آدمی ہر سال
مرتے ہیں۔ جن کی ہڈیاں گنگا جی میں اسی غرض سے ڈالی جاتی ہیں کہ ایسا

کرنے سے اُن کی مکتی ہو جاوے گی۔ اور اہل ہنود کا یقین ہے کہ مکتی ہو
جاتی ہے۔ مطلب تم لوگ حساب کرو کہ کتنے ہزار سال سے یہ گنگا ہمارے ملک
ہندوستان کے لوگوں کا اُدھار کر رہی ہے۔ یہ حساب کرنا کس کی طاقت
میں ہے۔ کہ جب سے بھگیرتھ تمہارا بزرگ اس گنگا دیوی کو زمین پر
لایا۔ اس کے ذریعے کتنے پاپیوں اور مہاپاپیوں کا اُدھار ہو گیا ہے۔
اب دوسری بات سنو۔ اگر تمہارا بزرگ بھگیرتھ گنگا جی کو ساتھ نہ لاتا۔
تو بتلاؤ کہ اتنے لوگوں کی مکتی کس طور سے ہوتی۔ گویا نہ ہوتی۔ اور ساری
کی ساری ہندو قوم اچھوت ہو جاتی۔ پھر تمہاری قوم کی طرح سب کو بُھٹ
رکھنی پڑتی۔ یعنی سب پاتک میں رہتے۔ تم لوگ یہ بھی اچھی طرح سے جانتے
ہو۔ کہ سدگتی اور مکتی اُن لوگوں کی اور اُن کے بزرگوں کی اہل ہنود کے
اعتقاد کے موافق ہوتی ہے۔ جو کہ نیک عمل کرتے ہیں۔ پُن دان میں اپنی
کمائی کو لگاتے ہیں۔ بھوکے کو روٹی اور پیاسے کو پانی دیتے ہیں۔ مگر
تمہارے بزرگ بھگیرتھ کا نیک عمل تو اتنا بڑا اور مہان ہے۔ کہ
جس کے ذریعے بے شمار پاپی لوگوں کی مکتی ہو گئی۔ ہو رہی ہے اور جب
تک ہندو لوگوں کا یہ اعتقاد اور ہندو قوم صفحہ ہستی پر موجود ہے۔ یہ مکتی برابر
ہوتی رہے گی۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ تمہارے بزرگوں کی مکتی اور سدگتی ہوگئی
ہے۔ یا نہیں۔ اور اس شخص کو میرے سامنے لاؤ۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ
تمہارے بزرگوں کی مکتی اور سدگتی نہیں ہوئی۔ یہ سن کر وہ لوگ کچھ
پچنبے میں آ گئے۔ اور حیران ہو کر بولے۔ کہ ہمارے بزرگوں کی مکتی تو ہو گئی
اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا ہو گئی؟

میں نے جواب دیا۔ کہ میں نے تو سارا معاملہ اچھی طرح سے کھول کر
تمہارے سامنے رکھ دیا ہے تم خود ہی سوچ کر کہو کہ ہو گئی ہے یا نہیں

اُنہوں نے کہا کہ مکتی ہوچکی ہے پس اُن کا بھرم دور کرنے کو کہا کہ اب تم جاؤ اور یہ لوٹا پانی کا بھر کر لے آؤ - وہ لے آئے اور ہیں سے اُن کے سامنے گایتری منتر کا پاٹھ کر کے اُس میں سے کچھ پانی پی لیا - اب اُن لوگوں کو یقین ہوگیا - کہ اب وہ ہندو قوم میں شامل ہونے کے لائق ہوگئے ہیں - اس سے جو خوشی اور انند اُن لوگوں کو ہوا اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے +

ان لوگوں نے اب خواہش ظاہر کی - کہ اُن کو ایسے طور پر شامل کیا جاوے کہ دوسرے ہندو لوگ بھی اُن سے نفرت نہ کریں - آریہ سماج مظفرگڑھ کے روبرو یہ سوال پیش کیا گیا - آریہ سماج نے اُن کی بستی چاہ کٹوال والا پر جو موضع بھوٹاپر میں شہر مظفر گڑھ سے قریب ایک میل کے فاصلے پر واقعہ ہے - ان لوگوں کو یگیوپویت دے کر ویدک دھرم کے پیرو بنانے کی تجویز کو منظور کر لیا - آریہ لوگوں نے اس سنسکار میں شامل ہونا بخوشی منظور کیا - مگر اس وقت اُن کو یہ خیال پیدا ہوا - کہ ایسے سجن پرشوں کو بھی ساتھ لے لینا چاہیے - جو گو آریہ سماج کے سبھاسد تو نہیں مگر جاتی کے سدھار اور اصلاح کے کام کو اچھا سمجھتے ہیں +

اُن دنوں میں اس قوم کے لوگوں سے کھان پان کا بوہار کرنا ایسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مسلمانوں سے - اس واسطے کئی لوگ اندیشہ کرتے تھے - کہ ایسا نہ ہو کہ برادریوں کے لوگ جھگڑا کریں - اور اس سنسکار میں شامل ہونے والوں کو برادری سے الگ کرنے کی تجویز کریں - اس وجہ سے یہی مناسب خیال کیا گیا - کہ دوسرے لوگ بھی جس قدر زیادہ تعداد میں شامل ہو سکیں اُن کو ساتھ لینے کا انتظام کیا جاوے - چنانچہ تاریخ مقررہ پر بہت سے آدمی شہر مظفرگڑھ سے چاہ کٹوال والا پر گئے - اور جس قدر آدمی اور لڑکے

۸ سال سے اوپر عمر کے اس بستی میں موجود تھے۔ اور بہت سے اُن کے
رشتہ دار جو دوسری بستیوں سے آگئے تھے۔ اُن سب کی شدھی کی رسم
ادا کی گئی۔ اور یگیوپویت اُن کو دیئے گئے۔
اس کے بعد مختلف مقامات پر جو جو لوگ تیار ہوتے گئے۔ اُن کو
شُدھ کیا گیا۔ چنانچہ تحصیل علی پور میں نالہ بہاولواہ کے کنارے
پر بہت سے آدمی جو کہ مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے جمع ہوگئے
اُن کو بھی یگیوپویت دیئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۸۸۸ء کا ہے۔
مظفر گڑھ کے چند برہمنوں نے اس شُدھی کے خلاف کچھ شور مچایا مگر
اُن کی کچھ پیش نہ گئی۔ عام لوگوں نے اس شور کو بے پرواہی سے سنا۔ اور
اُن کے ساتھ آریہ سماج کی مخالفت میں شریک نہ ہوئے۔ دکانوں پر
روٹی بنا کر فروخت کرنے والوں نے اپنی دکانوں پر اپنے برتنوں میں ان
کو روٹی کا کھلانا جاری کر دیا۔ اور پانی کا اُن کے ہاتھ سے لے کر پینا بھی
کھل گیا۔ کچھ عرصہ بعد لالہ چھنکو رام بھگیر تھی کے بھائی ہیرانند کے بیاہ
کے موقع پر مظفر گڑھ کے بہت سے ہندو بھائی جن میں سے کئی ایک
چودھری تھے۔ اور آریہ سماج کے بہت سے سبھاسد مدعو کئے گئے سب
نے اُن کے گھر واقعہ چاہ ڈھی والا پر اُن کے گھر کا تیار کیا ہوا کھوجن
گرہن کیا۔ اور کسی قسم کا خیال چھوت اور بھٹ کا عام لوگوں میں
نہیں رہا۔ البتہ بہت سے لوگ تھے۔ اور اب بھی ہوں گے جو ان لوگوں
کے ہاتھ کا نہ کھاتے ہوں۔ مگر وہ نظارۂ خاص ہیں بطور جاتی کے وہ
سب لوگ جو کہ شدھ ہوئے۔ کھان پان میں اہل ہنود کے ساتھ شامل
ہوگئے ہیں بعض لوگوں کی دلی نفرت کی ایک مثال کا لکھ دینا بھی اس
موقعہ پر ناموزوں نہ ہوگا۔ وہ اس طور سے ہے :-

راقم اُن دنوں میں ایک دفعہ بستی موچی وال میں گیا۔ بستی سے کوئی
آدھ میل کے فاصلے پر ایک خاندان اوڈ بھاگیرتھی کا رہتا تھا جو کہ شدھ
ہو چکا تھا۔ تھوڑے روز پہلے اُن میں سے ایک شخص کا دیہانت ہوگیا
تھا۔ اردگرد کے برادری اور رشتہ داری کے لوگ جو ابھی تک شدھ
نہ ہوئے تھے اس خبر کو سن کر جمع ہوئے۔ اور مرحوم کے بھائی لالہ
سدھو رام کو کہا کہ مردہ کو حسب رواج بزرگان دفن کرنا چاہیئے۔ سدھو رام
نے کہا۔ کہ مردہ کو جلایا جاوے گا۔ اور سنسکار ویدک ریتی سے ہوگا
بہت سی تکرار اور بحث کرنے اور برادری والوں کے خوف دلانے پر
بھی سدھو رام جب اپنی بات پر قائم رہا۔ اور برادری والوں کا کہنا
اُس نے نہ مانا۔ تو وہ سب لوگ روٹھ کر چلے گئے۔ اور سوائے سدھو رام
اور اُس کے پریوار کے اور کوئی بھی آدمی موجود نہ تھا۔ محکمہ نہر کے پٹواری
لالہ گوپی چند جی اور موچی وال سکول کے ہیڈ ماسٹر لالہ چندہ رام جی
موقع پر پہنچ گئے۔ اُنہوں نے سدھو رام اور اُس کے ایک لڑکے
کے ساتھ ہو کر مرتک کو شمشان بھومی تک پہنچایا۔ اور جیسا اُن سے ہو سکا
سنسکار ویدک ریتی سے کروا دیا۔

راقم اس سدھو رام کے مکان پر ماتم پرسی کو گیا۔ تو وہ میرے ساتھ
ہی بستی موچی وال میں چلا آیا۔ کھانے کا وقت تھا۔ اور کھانا چودھری
بھگوان سنگھ صاحب رئیس شجاع آباد ضلع ملتان کے ڈیرہ پر اُن کے
کاردار صاحب نے بنوایا تھا۔ میں نے سدھو رام کو بھی کھانے میں
شامل ہونے کو کہا۔ دو تین آدمی اور بھی ساتھ کھانے والے بیٹھے کاردار
صاحب نے اوڈ لوگوں سے چھوا ہوا پانی تک بھی کبھی نہ پیا تھا جب
اُن کو معلوم ہوا۔ کہ سدھو رام بھی چوکہ میں بیٹھ کر بھوجن کرے گا۔

تو اُنہوں نے اور تو کچھ نہ کہا صرف اتنا انتظام کر لیا۔ کہ سدھو رام کے
واسطے لوہے کے برتن منگوا لیئے۔ پیتل کانسی کے اپنے برتنوں میں
سدھو رام کو بھوجن دینا مناسب نہ سمجھا گیا۔ کھانا پروسا گیا سدھو رام
کے آگے لوہے کے برتن رکھے گئے سب کے سامنے کھانا رکھا گیا
اور کھانے کی آگیا دی گئی۔ تو میں نے سدھو رام کے برتن اُٹھا کر اپنے
آگے رکھ لیئے۔ اور جو کھانا میرے واسطے میرے سامنے رکھا گیا
تھا۔ وہ سدھو رام جی کے آگے رکھ دیا۔ اور کھانا شروع کر دیا۔
دیکھنے والوں نے اس کو دیکھا۔ مگر زبان سے کوئی شبد نہ نکالا ؞

ان لوگوں کی رشتہ داری زیادہ تر علاقہ ضلع ملتان میں ہے اب اُن کی
یہ خواہش ہوئی۔ کہ ارد گرد کی مختلف بستیوں سے اُن کے رشتہ داروں کو
لا کر شہر ملتان میں شُدھ کیا جاوے۔ اور یگیوپویت دیئے جاویں ؞

چونکہ ملتان اس حصہ ملک کا مرکز اور بڑا نامی شہر ہے ملتان میں
شدھی ہونے سے اس کا اثر دور دور تک پھیل جاوے گا۔ اس لیئے
یہی ضروری تھا۔ کہ شہر ملتان کے اندر اوڈ جاتی کی شدھی کی رسم ادا کی
جاوے۔ اس مطلب کے واسطے آریہ سماج مظفر گڑھ نے آریہ پرتی ندھی
سبھا پنجاب سے خط و کتابت کی۔ اور شریمتی سبھا موصوف نے پنڈت
آریہ منی جی کو جو کہ اُن دنوں سبھا موصوف کے ایک ہی واحد اپدیشک تھے
اور پنڈت منی رام کہلاتے تھے۔ اس کام کے واسطے ملتان کو روانہ کر دیا۔
اب ضروری یہ تھا۔ کہ ملتان سماج بھی اس کام میں شامل ہوتی بلکہ اس
کام کو اپنے زیر اہتمام سر انجام کو پہنچاتی جس کے واسطے اول لکھا تو گیا
تھا۔ مگر آخری فیصلہ کوئی نہیں ہوا تھا بہر حال تاریخ مقررہ سے ایک
دن پہلے راقم معہ بہت سے بھاگیرتی لوگوں کے جو کہ ضلع مظفر گڑھ کے

رہنے والے تھے۔ اور مظفرگڑھ میں شدھ ہو چکے تھے۔ ملتان میں پہنچا
شام کو وہ سب آدمی جو میرے ساتھ تھے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بلانے
کے واسطے مختلف بستیوں اور دیہات کو روانہ ہو گئے اُن کو تاکید کی گئی۔
کہ اگلے روز علی الصبح سورج نکلنے کے وقت معہ شدھ ہونے والے
اپنے رشتہ داروں کے لالہ چیتانند جی وکیل مرحوم منتری آریہ سماج ملتان
کے مکان پر پہنچ جاویں۔ وہاں سے سب مل کر آریہ سماج مندر کو چلیں گے
میں اگلے دن صبح پرانہ کال لالہ جی کے مکان پر پہنچا اور سارا حال عرض
کیا۔ لالہ چیتانند جی گو بڑے دلیر اور ہمت والے تھے۔ مگر اُن دنوں قوم
اوڈ کو کچھ ایسا نیچ اور پتت سمجھا جاتا تھا۔ کہ انہوں نے جیسا کہ مجھے اُمید
تھی۔ اس کام میں میرا حوصلہ تو نہ بڑھایا۔ بلکہ اس کے برخلاف وہ مجھے
بھی اس کام سے روکنے لگے۔ فرمایا کہ ابھی وقت نہیں ہے ہندو لوگ
اول ہی آریہ سماج کے برخلاف ہیں اس شدھی سے وہ اور بھی مخالف
ہو جاویں گے۔ اور برادریوں میں جھگڑا اور فساد برپا ہو جاوے گا رشتہ دار
رشتہ داروں سے الگ ہو جاویں گے۔ شادی شدہ لڑکیاں جو اپنے پتا کے
کے گھر میں ہوں گی۔ اُن کو سسرال والے اپنے گھر نہ لے جاویں گے۔
اور جو سسرال میں ہوں گی۔ اُن کو اپنے پتا کے گھر میں آنے کی رکاوٹ
ہو جاوے گی اس واسطے مناسب یہی ہے کہ اس کام سے باز رہو اور
پھر کسی موقع کے واسطے ملتوی کر دو۔

مجھے کم از کم لالہ چیتانند جی سے ایسے مشورہ کے ملنے کی ہرگز اُمید
نہ تھی۔ میں حیران تھا۔ کہ لالہ چیتانند جی کا اس بارہ میں ایسا خیال ہے
تو ملتان سماج کے دوسرے آریہ پرشوں کا کیا حال ہو گا میری بات
چیت لالہ جی سے ہو رہی تھی۔ کہ آریہ لوگ جن کو اس شدھی کی خبر ہو گئی

تھی۔ لالہ جی کے مکان پر آنے شروع ہو گئے۔ اب بہت سے آدمی ہو گئے اور
میری اور لالہ جی کی بات چیت کو سن کر دو دو چار چار مل کر اس شدھی کے متعلق
باتیں کرنے لگے۔ سارے مکان میں یہی چرچا پھیل گیا۔ جو نئے آتے اور
پہلے آ کر لالہ جی کو ملتے۔ اکثر وہ اُن کے پکش کے حامی بن جاتے۔ اور جن سے
میری بات چیت پہلے ہو جاتی۔ وہ میرے ساتھ اتفاق کرتے۔ اتنے میں
دن بہت چڑھ آیا اور دس بج گئے۔ مگر کوئی بھی شدھ ہونے والا ظاہر نہ
ہؤا۔ تب لالہ جی نے مجھے کہا کہ اگر اُن لوگوں کی خواہش ہوتی تو سورج نکلنے
تک وہ آ جاتے۔ اُن کی خواہش تو ہے نہیں آپ خواہ مخواہ وقت اور محنت
ضائع کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تھوڑی دیر آپ انتظار کریں
اُمید ہے کہ اب وہ نزدیک ہی آتے ہوں گے۔ اتنے میں وہ لوگ بھی آنے
شروع ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر میں شُدھ ہونے والے ساٹھ ستر آدمی
جمع ہو گئے۔ اُن کے آجانے پر یہ سوال بڑے زور سے آریہ پُرشوں کے
سامنے آگیا۔ ملتان سماج کی انترنگ سبھا کے بہت سے سبھاسد اس جگہ
موجود تھے۔ انترنگ سبھا کا اجلاس اسی مکان میں منعقد ہؤا۔ بڑی بحث
مباحثہ اور دونو پکش کے بیانات کو سن کر انترنگ سبھا نے آخر یہ منظور کیا
کہ "شدھی تو ضرور ہونی چاہیئے اور آریہ پُرش اس میں شامل بھی ضرور ہوں
مگر یہ شُدھی آریہ سماج مندر میں نہ ہو"۔

میں نے اسی فیصلہ کو غنیمت سمجھا۔ رائے بہادر پنڈت جسونت رائے
صاحب وید مرحوم سول سرجن کا ایک عالی شان مکان بوہڑ دروازہ کے
باہر نالہ کے قریب واقعہ ہے۔ وہ مکان اس کام کے واسطے تجویز ہو گیا
اب لالہ چیتانند جی کے مکان سے ایک کثیر گروہ آریہ پُرشوں شُدھ ہوئے
اور ہونے والے اوڈ لوگوں کا روانہ ہؤا۔ اس موقعہ پر کسی کے مُنہ سے

یہ بھی نہ نکلا۔ کہ بازار کے راستہ سے جانا نہ چاہیئے۔ شہر کے باہر باہر سے جانا مناسب ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ بازار میں جلنے سے یہ خبر عوام میں پھیل جاوے اور لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جاویں مکان مذکور میں ایک بڑا بھاری ہون کیا گیا۔ اور پنڈت منی رام جی نے شُدھی کا سنسکار بڑی اوتم ریتی سے کروایا۔ یگیوپویت دیئے گئے۔ اور بڑا پُرتاثیر لکچر پنڈت جی نے شدھی کے مضمون اور ضرورت پر دیا۔ اس کے بعد سب حاضرین کو ایک شُدھ ہوئے اوڈ کے ہاتھ سے مٹھائی دلوائی گئی۔ لالہ چیتنانند جی بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس خیال سے کہ شاید یہ مٹھائی نہ کھاویں۔ مٹھائی اُن کی کنیا کو جس کو وہ ساتھ لائے تھے۔ دی گئی۔ کنیا کے ہاتھ سے لے کر لالہ جی نے مٹھائی کو کو کھا لیا۔ جن لوگوں کو یہ خیال ہو گیا تھا۔ کہ لالہ جی شدھی کے حق میں نہیں ہیں۔ اُن کو یقین ہو گیا۔ کہ لالہ جی صرف مصلحت وقت کا خیال کرتے تھے۔ ورنہ در اصل شدھی کے مخالف نہ تھے۔ ملتان شہر میں کسی قسم کی مخالفت نہ ہوئی۔ بلکہ بازاروں میں یہی چرچا سنائی دیتی تھی۔ کہ اوڈ لوگ ہندو جاتی میں شامل ہو گئے ہیں +

مظفر گڑھ آریہ سماج نے اپنے مندر میں ایک پاٹشالہ جاری کر دی۔ اور اس جاتی کے بچوں کو آریہ بھاشا اور دھرم سکشا کی تعلیم کا پربندھ کر دیا چونکہ یہ لوگ عام طور پر تازہ مزدوری کر کے گذارہ کرنے والے ہیں بہت سے لڑکے تھوڑی ہی مدت کے بعد پاٹشالہ سے رخصت ہوتے رہے اور کوئی کوئی لڑکے تعلیم کے واسطے سرکاری مدارس میں داخل ہو گئے آریہ سماج کی پاٹشالا میں جن لڑکوں نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ اُن میں سے ایک نے اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ اُس نے پنجاب یونیورسٹی کا سنسکرت میں شاستری کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ اور وہ ڈیرہ غازیخاں

کے گورمنٹ ہائی سکول میں آج کل سنسکرت کا ٹیچر ہے۔ سرکاری مدارس میں تعلیم پانے والوں میں سے ایک نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ہے۔ وہ محکمہ ڈاک خانہ میں اچھی تنخواہ پر ملازم ہے۔ اور بہت سے ورنیکولر سکولوں میں ٹیچر اور سکول ماسٹری کا کام کرتے ہیں +

آریہ سماج مندر میں یہ پاٹھشالہ ۱۹۰۸ء تک رہی۔ اس کے بعد جب مظفرگڑھ میں یتیم خانہ جاری ہوا۔ تو یتیم خانہ کے ساتھ یہ پاٹشالا لگائی گئی۔ اور اس پاٹشالا کا فاصلہ بہت دور ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو آنے جانے کی تکلیف ہونے لگی۔ تو آریہ سماج نے خاص بستی کنڈیال والا پر ان لوگوں کے بچوں کے واسطے الگ پاٹشالا جاری کر دی۔ جو کہ امدادی پاٹشالا ہے۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ مظفرگڑھ سے اس کو امداد بھی ملتی ہے اور ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب مدارس ضلع مظفرگڑھ اس کا معائنہ بھی کرتے رہتے ہیں +

یہ تو مختصر حال اس جاتی کی شدھی کا ہے جس سے ان میں سے بہت سے لوگ فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ مگر یہ کام جو ہوا ہے۔ بہت ہی تھوڑا ہے۔ اس علاقہ جنوب مغربی حصہ پنجاب میں ان لوگوں کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ اندازہ کی جاتی ہے۔ جو کہ دور دراز حصۂ ملک میں آباد اور اپنا کام کاج کر رہے ہیں۔ گو عام طور پر اب وہ نفرت اور چھوت جو پہلے ان سے ہنت۔ و جاتی کے لوگوں کو تھی۔ وہ نہیں رہی۔ اور اُن لوگوں کو بھی جو ہنت۔ و جاتی سے الگ کئے جانے کا اندیشہ اور الگ ہو جانے کا خیال رہتا تھا۔ وہ عام طور پر دور ہو گیا ہے۔ مگر پھر بھی ان لوگوں کی حالت ابھی تک بہت ہی پست اور گری ہوئی

ہے۔ پرچار اور تعلیم کا پورا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بمشکل بیسواں
حصہ اس جاتی کا اس شدھی سے مستفیض ہو سکا ہے۔ باقی سب
کورے کے کورے ہیں۔ گو ان سب کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مگر ابھی
تک بہت سے ایسے ہیں۔ کہ وہ اپنے حال میں مست ہیں۔ شدھی
کی ضرورت ہی کو نہیں سمجھتے۔ اور اپنے الگ تھلگ بوہار میں خوش
ہیں اور کہیں کہیں اب تک بھی خانہ بدوش سارا سال سفر میں
گزارہ کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایک زبردست مشن ان کے
سدھار کے واسطے قائم کیا جاوے۔ جو ان کے بچوں کی تعلیم
کے واسطے پاٹشالائیں کھولے۔ اور بذریعہ پرچارکوں کے ان کو دھرم
کا راستہ بتلاوے۔ پرماتما کی دیا سے یہ سب کام بہت جلدی سے
ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ محنت اور پورشارتھ سے کام کیا جاوے۔

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچوں کی کہانی بڑی دردناک ہے۔ مگر
اس کے سننے والے بہت ہی کم ہیں۔ جب جنگل بیابان میں کوئی
ورلاپ کرے۔ اکثر وہی حال اس کتھا کا ہوتا ہے۔ تاہم اس کا
پاٹھ لگاتار جاری رہنا چاہئے۔ پرماتما کی دیا سے امید ہے۔ کہ بہت
سے دردمند دل میدان میں آویں گے۔ جن کی مجموعی ہمت اور پورشارتھ
سے ممکن ہے۔ کہ یہ سوال بہت جلد حل ہو جاوے اور بھارت کا
بیڑا پار ہو۔

عام طور پر لوگوں کا خیال تھا۔ اور اب بھی کسی کسی کا ہوگا کہ یتیم

اور اناتھ بچے خاص خاص صوبہ جات کی پیداوار ہیں۔ اور وہ راجپوتانہ
مارواڑ۔ بیکانیر اور مدھ پردیش سے لائے جاتے ہیں۔ جب اُن
دیشوں میں قحط کی وجہ سے غریب لوگ مرجاتے ہیں۔ اور اُن کے
بچے لاوارث مرجاتے ہیں۔ وہ یتیم کہلاتے ہیں۔ یہ بھی درست تو
ہے۔ مگر یاد رہے کہ قحط اور اسی قسم کی انیک ارضی اور سماوی آفات
اور مصائب سے دیگر صوبہ جات اور شہر بھی محفوظ نہیں ہیں۔ جو
مصیبت راجپوتانہ اور مارواڑ پر آسکتی ہے۔ وہ پنجاب کے اضلاع
پر بھی آسکتی ہے۔ موجودہ زمانے کا خیال کرو۔ کہ خاص پنجاب پر
کس قدر آفت اور مصیبت آج کل اور ابھی تک آئی ہوئی موجود ہے
پس ایسے یتیم ہر جگہ پر ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔ ان کی رکشا۔ شکشا
اور پرورش کا انتظام بھی جاتی کے لوگوں کو ہی کرنا چاہیئے۔ مگر یتیموں
کی پیداوار کی ایک دوسری فصل بھی ہے جو انہی بیکس بچوں کے حقیقی
سرپرست اور سنرکشک بزرگوں۔ باپ۔ دادا اور دوسرے حقیقی
رشتہ داروں کے کردار اور طرز عمل سے بہت کچھ پھولتی اور پھل لاتی
ہے۔ مثلاً اولاد کی موجودگی میں استری کے مرجانے پر جو لوگ اپنا
دوسرا بواہ کرتے ہیں۔ اول تو وہ آپ زندہ موجود ہوتے ہوئے
بھی اپنی موجودہ اولاد کو یتیم بنا دیتے ہیں۔ "ماں متیئی اور پیو قصائی"
کی تمثیل جو پرانے زمانے سے چلی آتی ہے۔ کسی تتو درشی مہاتما نے
ٹھیک ٹھیک تجربہ کر کے ہی بنائی ہے۔ ایسے بچوں سے سوتیلی ماتا کو
جہاں کوئی پیار اور محبت نہیں ہوتی حقیقی باپ کو بھی مجبوراً اپنی نئی دلہن
کے خیال کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ ایسے معصوم اور غریب بچے اپنی
پیاری ماتا کے مرنے پر پتا کی موجودگی میں اُس کی آنکھوں کے سامنے

یتیم اور اناتھ بن جاتے ہیں۔ پتا دل سے چاہتا ہے کہ ان اپنے جان
سے پیارے بچوں کی بھلائی کے واسطے بہت کچھ کرے۔ مگر اب
وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ آہستہ آہستہ نئی دلہن کی روزمرہ کی کارستانیوں
کے اثر میں آکر خود بھی اُن بچوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ ہمارے
دیش اور جاتی کے لوگ بڑے عقلمند ہیں۔ زمانہ گزشتہ کے
حالات میں مہاراجہ دسرتھ نے کیکئی کے وش میں آکر رام اور سیتا
سے کیا سلوک کیا۔ راجہ سالواہن نے اپنے اکلوتے بچے پُورن سے
کیا برتاؤ کیا۔ سنتے اور جانتے ہیں۔ نہ صرف زمانہ گزشتہ کے
نظائر جن کا اثر اس وجہ سے بھی لوگوں کے دل پر ہونا چاہئے
کہ جب اتنے بڑے راجا مہاراجا بھی اولاد کی موجودگی میں دوسرا
بواہ کرنے یا ایک سے زیادہ عورت ایک وقت میں اپنے گھر میں
رکھ کر اولاد کی طرف سے اتنے دکھوں کو پراپت ہو گئے تو معمولی
لوگوں کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ سبق آموز واقعات کو جانتے ہوئے
اور پھر اپنے گھروں۔ پرواروں اور برادریوں میں اُن لوگوں کو اپنی
آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جنہوں نے اولاد کی موجودگی میں دواہ
کئے ہیں۔ پھر بھی کوئی سکسا نہیں لیتے۔ اپنی موجودہ اولاد کو یتیم بناتے
اور بڑی عمر میں بواہ کے جنجال میں پھنس کر جلدی سے مر جاتے ہیں
اور پھر دوسری عورت سے پیدا شدہ بچوں کو بھی یتیم بنا جاتے ہیں۔
یہ پیداوار یتیموں کی باڑھ کی خود پیدا کردہ ہے۔ قدرتی نہیں
ہے۔ اسی طرح سے جو بواہ لڑکیوں کی قیمت نقد یا بٹہ دے کر
کئے جاتے ہیں۔ اور جو بواہ چھوٹی عمروں میں کئے جاتے ہیں۔ اُن سے
جو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ غالباً نصف کے قریب یتیم ہو جاتے ہیں کیونکہ

ایسے بواہوں میں پتی اور پتنی کے جوڑے کی مناسبت کا خیال نہیں ہوتا۔ اکثر بوڑھے آدمیوں کا کم سن لڑکیوں سے میل ملایا جاتا ہے۔ ایسے آدمی عمر رسیدہ ہوتے ہیں مجرد رہ کر اگر چار برس اور جینا تھا۔ تو بواہ کی حالت آکر چار چھ مہینے کے اندر ہی یم پوری کا راستہ لیتے ہیں۔ اور جو بچے اُن سے پیدا ہوئے۔ وہ یتیم ہوتے ہیں۔ یہ یتیم بھی اُن کے باپ اور ناناؤں کی مہربانی سے بنائے گئے ہیں۔ چھوٹی عمر کے بواہ میں بھی بواہ کرنے والے لڑکوں کی عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جلد مر جاتے ہیں۔ اُن کے جو بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ وہ اُن بچوں کے داداؤں کی دیا درشٹی کا نتیجہ ہیں۔ یتیموں کی پیداوار جوان خود ساختہ طریقوں سے بڑھ رہی ہے اُس کی تعداد قدرتی پیداوار سے بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر ہے۔ جس نے اس کا امتحان کرنا ہو۔ وہ اپنے ہی گلی محلہ اور شہر میں ملاحظہ کر کے دیکھ لیوے ۔

پس یہ تعداد یتیموں کی جو لوگوں نے خود بخود پیدا کی ہے۔ بہت کچھ کم ہو سکتی ہے۔ اگر لوگ وقت پر خیال کریں۔ اور ایسے کام نہ کریں۔ جو کہ اپنے خیالی اور وہمی سکھ اور آرام کے واسطے کرتے ہیں۔ مگر اس کا نتیجہ خیالی جہاں اُنکے اپنے واسطے نہایت ہی تلخ ہوتا ہوتا ہے۔ وہاں ملک کے اندر یتیموں کی تعداد کو بڑھا کر ساری جاتی کو موت کے منہ میں ڈالنے کا کام وہ لوگ کرتے ہیں ۔

اپنے اپنے سکھ اور آرام کی خواہش کے پیچھے چلتے ہوئے یہ لوگ یتیموں کی پیداوار میں دن بدن زیادتی کرتے جاتے ہیں

اور پھر ان معصوم بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں وہ اور بھی
سخت قابل نفرت اور گناہ کبیرہ کی حد سے بھی بڑھ جاتا ہے یہ
بچے موروثی اور جدی جائدادوں میں اپنے حقیقی سمبندھیوں
اور رشتہ داروں کے شریک اور حصہ دار ہوتے ہیں۔ اب وہ لوگ
دیکھتے ہیں۔ کہ یہ بچے اگر بڑے ہو گئے اور جیتے رہے تو بڑے
ضرور ہوں گے۔ پھر بڑے ہو کر اپنے حصہ جائداد کے دعوے دار
بن جاویں گے۔ اس واسطے پہلے اس کے کہ اُن کو اپنے حصہ
جائداد کے مالک بننے کا خیال پیدا ہو کیوں نہ صفحہ ہستی سے حرف
غلط کی طرح مٹا دئے جاویں۔ بھائی اپنے معصوم چھوٹے بھائیوں
کا خون اپنی گردن پر لیتے ہیں چچا اپنے ننھے سے برادر زادوں کو زہر
پلا کر ہلاک کرنے کی تجویزیں سوچتے اور عمل میں لاتے ہیں جگد
پتا پرماتما نے کیا اچھا پربندھ کیا۔ کہ انسان کا بچہ دو جسموں سے
بن کر تختہ دنیا پر آتا ہے۔ یہ اپنے والدین کے دل کا خلاصہ
جگر کا ٹکڑا۔ چال چلن کا نقشہ۔ خاندان کے قیام اور نسل
جاری رکھنے کا ایک ماتر ذریعہ اور بزرگوں کے نام کو جہان میں
قائم رکھنے کا کیا ہی خوشنما مسودہ ہوتا ہے کیا ہی احسن انتظام اور
مضبوط سلسلہ ہے۔ جس کا مدعا یہی ہے کہ سب انسان آپس
میں پریم اور پریتی سے مل کر گذارہ کریں پھر اس سلسلہ کی وجہ
سے ایک ہی بچہ کسی کا بیٹا ہے کسی کا پوتا کسی کا بھائی ہے کسی
کا بھتیجا۔ کسی کا بھانجا ہے تو کسی کا نواسا۔ پھر وہی بچہ کسی کا خاوند
کسی کا باپ۔ کسی کا دادا کسی کا ماموں۔ اور کسی کا نانا بن جاتا ہے۔
یہی حال لڑکیوں کا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک گھر میں

لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتے ہیں تو کتنے گھرانوں میں خوشی منائی جاتی ہے
اور کتنے خاندان پریم کی لہریں باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ پرم پتا کی اچھیا
تو یہی ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے سے پریم کریں۔ اور پیار اور
آنند سے گذارہ کریں۔ اگر یہ مدعا نہ ہوتا۔ تو پیدائش تو اور بھی کئی
طریقوں سے ہو سکتی تھی۔ پرمیشور انسانوں کو زمین کے پیٹ سے
کھمبیوں کی طرح نمودار کر دیا کرتا۔ ناریل اور نارنگی کی طرح درختوں
پر لگا دیا کرتا۔ یا آسمان ہی سے گرا دیا کرتا۔ مگر اس حالت میں کسی
کو کسی سے پریم نہ ہوتا۔

اس نہایت ہی عمدہ انتظام کے ساتھ پرماتما نے انسان کو عقل
کا جوہر عطا کیا۔ جس سے وہ جگت پتا کی اچھیا کو سمجھے۔ نیک اور بد کی
تمیز کر سکے۔ پُن پاپ کے سروپ کو جانے۔ اپنے اور دوسروں
کے ہِت اہت کا وچار کرے۔ مگر افسوس کا مقام ہے۔ کہ انسانوں
نے عام طور پر اس طرف توجہ نہیں دی۔ سُکھوں کی پراپتی کے سیدھے
اور صاف راستہ کو چھوڑ کر اور قدرت کے فراخ اور وسیع بوستان سے
منہ موڑ کر اُلٹے راہ پر چلنا شروع کر دیا۔ تنگدلی اور تنگ خیالی کے
تاریک غاروں میں گر کر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ مصیبت پر مصیبت آتی
ہے تو روتے ہیں پیٹتے ہیں۔ چیختے ہیں۔ اور چلاتے ہیں۔ مگر
مل کر اور اکٹھے بیٹھ کر وچار نہیں کرتے۔ کہ اس تمام کا موجب کیا
ہے۔ الگ الگ رہ کر ایک دوسرے سے چوری اپنا کام بنانے کی
فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اپنے ہی منافع کے خیال میں اپنے بھائی کے
بڑے سے بڑے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے
ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ آپس کا وشواس اور اعتبار نہیں

اپنا اپنا بھید چھپانے کی کوشش میں جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک دوسرے
کے برخلاف ہوتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے اور فساد کی نوبت پہنچاتے
ہیں۔ خون تک ہو جاتے ہیں۔ سرکار و دولتمند کو بھی دُکھ دیتے ہیں
یہ حال حضرت انسان کا ہے۔ جس کو پرماتما نے پرتھوی کا راجہ
بنایا ہے۔ اور بموجب عقیدہ اہل اسلام و نصاریٰ کے خدا نے
جس کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا!!

انسان بڑے عقلمند ہیں۔ عالم ہیں۔ دانا ہیں۔ حکیم ہیں۔
فلاسفر ہیں۔ سائنس کے جاننے والے ہیں۔ قدرت کے باریک
سے باریک رموز کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سمندر کی تہ کو
ناپتے اور اُس کے عجائبات کو ڈھونڈھنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں
پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچتے ہیں۔ نظام شمشی کے علم میں دخل
دیتے بلکہ زمین و آسمان کے قلابے تک ملا دینے میں بڑے چتر
ہیں۔ یہ تو سب کچھ ہے۔ مگر ایک موٹی بات جو قدرت میں صاف
طور پر ظاہر ہے۔ اُس کے سمجھنے کی طرف دھیان نہیں دیتے۔
سب کی بھلائی میں اپنا بھلا سمجھنے کی بجائے دوسروں کو دُکھ دیکر
آپ سکھ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ غیروں کا تو کیا ذکر۔ دو حقیقی بھائی
بھی اکٹھے مل کر گزارہ نہیں کر سکتے۔ اور ایک دوسرے کی بھلائی
کو دیکھ نہیں سکتے۔ پس جو لوگ اپنے ہی بھلے اور بُرے کو نہ سمجھیں
اُن کی قابلیت اور لیاقت کی قیمت باوجود مندرجہ بالا اوصاف کے
کیا ہو سکتی ہے۔ اس کا وچار اُن کو ایکانت میں بیٹھ کر آپ ہی
کر لینا چاہیئے۔ سکھ کی خواہش سب جانداروں کو ہے۔ اور ہونی بھی
چاہیئے۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی

برائی ہے۔ بے سمجھ حیوان اپنے سکھ کے واسطے دوسروں کو چیرتے
پھاڑتے اور دُکھ دیتے ہیں۔ مگر انسان کو پرماتما نے علم اور عقل
پردان کی ہے۔ اس لئے حیوانوں کی نسبت انسان کے ذمہ زیادہ
فرائض ہیں۔ جن کا ادا کرنا اس کے واسطے ازحد ضروری ہے۔ مگر انسان
نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ بے سمجھ جاندار تو پھر بھی پرماتما
کے حکم کی تعمیل میں اس درجہ تک قائم ہیں۔ کہ سانپ جیسا موذی جانور
بلا وجہ کسی کو نہیں کاٹتا۔ اگر وہ ڈنک چلاتا ہے۔ تو لاچار ہو کر اپنے
بچاؤ کے واسطے ایسا کام کرتا ہے۔ پھر بھی کسی معصوم انسانی بچہ
پر تو کبھی اور کسی حالت میں کبھی وار نہیں کرتا۔ انسان کے بچے مشکی
سانپ کے ساتھ کھیلتے اور اس کا سر ہاتھ میں پکڑ کر مُنہ میں ڈال
لیتے ہیں۔ سانپ کی زبان۔ کاٹنے والے دانت۔ اور زہر کی گلٹی بچہ
کے مُنہ کے اندر داخل ہیں۔ پھر بھی سانپ کو بچہ سے اتنا پیار ہے۔
کہ وہ اپنا ڈنگ نہیں چلاتا۔ معصوم انسانی بچوں سے سانپ کو اس قدر
ہمدردی ہے۔ کہ بچہ ماتا کے پیٹ میں ہو۔ اور اتفاق سے سانپ ایسی
حاملہ عورت کے پاس سے گزرے۔ تو خود بخود بے حس و حرکت ہو کر
پڑ جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت کے سامنے سانپ اندھا
ہو جاتا ہے۔ در اصل اندھا نہیں ہوتا۔ وہ جان بوجھ کر مُورچھت
صورت کو اختیار کرتا ہے۔ تا کہ حاملہ عورت اُس کو دیکھ کر ڈر نہ
جاوے۔ اور اُس کے خوف زدہ ہونے سے معصوم بچہ کو پیٹ کے
اندر کوئی نقصان نہ پہنچے +

اب حضرت انسان کو دیکھیے۔ اپنے بھائیوں کے بچوں اور اپنے
باپ کے پوتوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہمدردی تو بجائے خود رہی

از دستِ خود اُن کو تنگ کرتے۔ دُکھ دیتے۔ بھوکا رکھتے اور جان سے مارنے تک کو تیار ہو جاتے ہیں +

اس قدر یتیم بچے جو دیش میں موجود ہیں۔ اگر اُن کے ماتا پتا مر گئے تو کیا اُن کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہے؟ ہیں اور بہت سے ہیں۔ مگر اُن میں سے اکثر تو ایسے ہیں کہ ان بچوں کے زندہ رہنے کو بھی اپنا نقصان جانتے ہیں۔ ضروری اور مناسب تو یہ تھا۔ کہ یہ لوگ اپنے برادر زادوں کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبت اور پیار کرتے۔ تعلیم دے کر لائق بناتے۔ تاکہ اگر مصیبت کا وقت خاص اُن پر اور اُن کے بچوں پر خدانخواستہ آجاوے تو اس وقت یہ مددگار ہوں۔ مگر نہیں یہاں تو خود غرضی کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اس میں جب کمزور گر جاتا ہے۔ تو اس سے زیادہ زور والا اُس کو کچل کر اس کے اوپر سے گزر جاتا ہے۔ پھر وقت آتا ہے۔ کہ یہ زور والا بھی گرتا ہے پھر اس سے زیادہ زور والا اُس کے جسم کے اوپر سے گزر کر اور اُس کو کچل کر اُس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ پس میرے دوستو! اگر قدیم اور پُر عظمت (آریہ) ہندو جاتی کو نیستی کے گرداب سے بچانا ہے۔ تو انتظام کرو کہ جو گر گیا۔ اُس کو اُٹھانے والے اور آرام دے کر از سرِ نو دوڑ کے قابل بنانے والے ساتھ کے ساتھ موجود ہوں +

دنیا کا تماشہ گاہ میدانِ جنگ کے مشابہ ہے۔ آپ دیکھتے ہو۔ کہ جنگ میں دشمن کے مقابلہ پر لڑتے ہوئے جو بہادر گر جاتے ہیں۔ اُن کے واسطے پالکی اور اُٹھا کر لے جانے والے موجود ہوتے ہیں۔ جو اُن کو شفاخانہ پہنچاتے ہیں جہاں پر کہ اُن کا علاج

اور تفریح طبع کے ہر قسم کے سامان موجود ہوتے ہیں صحت اور تندرستی کو حاصل کر کے بیمار از سر نو اپنا فرض ادا کرنے کے واسطے تروتازہ ہوجاتے ہیں - اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں +

ایسا ہی مضبوط انتظام کرو - تاکہ پرماتما نہ کرے - اگر آپ بھی گر جاؤ - یا آپ کی اولاد کو ایسے حالات کا شکار ہونا پڑے تو یہی لوگ آپ کے اور اُن کے اُٹھانے کے واسطے موجود ہوں +

ان ہی حالات اور خیالات کو مد نظر رکھ کر منظفرگڈھ میں یتیم خانہ عرصہ بارہ سال سے قائم کیا گیا ہے - اصلی مدعا تو یہی ہے کہ لوگوں میں جس ہمدردی کا نام و نشان باقی نہیں رہا - اور جس وجہ سے وہ اپنے نزدیکی بے مادر و پدر بچوں سے پریم نہیں رکھتے - وہ ہمدردی لوگوں میں پیدا کی جاوے - تاکہ جس طور سے لوگ اپنے بچوں کو عزیز اور پیارا جان کر اُن کی بہتری کے سامان مہیا کرتے ہیں - ایسا ہی اپنے بھائیوں کے بچوں سے بھی سلوک کریں - تاکہ جو بچے آج ذلیل اور محتاج ہیں - کل کو بلوان اور لائق بن کر اپنے چچا اور چچازاد بھائیوں سے خُلق اور محبت سے پیش آویں - اور وقت ضرورت اُن کی امداد بھی کریں - دوسرا مدعا یتیم خانہ کا یہ ہے - کہ جن بچوں کے والدین کے مرنے پر دوسرے کوئی رشتہ دار نہیں - اگر کوئی ہیں - تو اُن کی امداد کرنے کو تیار نہیں - یا بجائے امداد کے اُن کی جان لینے کی فکر میں ہیں - ایسے بچوں کو یتیم خانہ میں لے کر اُن کی تعلیم اور پرورش کا انتظام

جاوے۔ ایسا انتظام تن من۔ اور دھن کی سہائتا کے بنا ہو نہیں سکتا
واسطے ہر خاص و عام سے پرارتھنا ہے کہ ان مدعاؤں کو دھیان میں
تاکہ خود فیصلہ کریں۔ کہ وہ کس قسم کی سہائتا اس اشد ضروری کام میں
دے سکتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو غریب اور معمولی حیثیت کا
ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ "یہ کام تو امیروں اور دولتمندوں کا ہے
تا اس کام میں دیا ہوا دان کم قدر اور ناچیز ہوگا" کیونکہ دراصل ایسا
نہیں ہے۔ بلکہ غریبوں کا دیا ہوا ایک پیسہ امیروں کے ایک روپیہ
دان سے کم نہیں ہے۔ اُن کا دیا ہوا تھوڑا تھوڑا دان بھی جمع
بہت سا ہو جاتا ہے۔ بواہ۔ شادی۔ دن تیوہار اور دان کرنے
دوسرے موقعوں پر یتیم خانہ کو یاد کر لیا کریں۔ تو یہی کافی امداد ہو سکتی
امیروں سے پرارتھنا ہے کہ غریب اور یتیم بچوں کی امداد میں دان دینا
ان کی ذمہ داری کا کام ہے۔ پرماتما نے اُن کو اس قابل بنایا ہے
لاوارث اور محتاج بچوں کی امداد اور سہائتا کر سکیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال
ہونا چاہیئے۔ کہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کل کو کس کس بچے کو یتیم خانہ کا
لینا پڑے۔ مالی امداد کے علاوہ تن اور من کی امداد کی بھی ضرورت
دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں۔ جو اپنی جوانی کا زمانہ گذار
گئے۔ بندھنوں سے آزاد ہیں۔ فکر معاش اُن کو نہیں ہے
[illegible] ہیں حکیم ہیں۔ ڈاکٹر ہیں یا کسی اور کام یا پیشہ کے
ہیں۔ مگر بیکاری میں دن گذار رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے
ہے کہ وہ اپنی خدمات یتیم خانہ کے ارپن کریں ॥

رسالہ سورگ اور نرک

جن میں گرہست کی موجودہ خرابیوں چھوٹی عمر کے وواہ اولاد کی موجودگی میں
استری کے مر جانے پر دوسرا وواہ کرنا - بذریعہ تبادلہ یا بابتہ ٹکے لے کر لڑکیوں کے
بیاہ کرنے استری جاتی سے نامناسب سلوک اور اس کی وجہ سے پڑ گیا نہ یا ان کی
اور ایسے کئی ایک دیگر پر درد حالات پر مختصر طور پر درد انگیز بحث کی گئی ہے پڑھنے
کے قابل ہے۔ یہ ایسے بد رواج ہیں جن سے دیش اور جاتی میں اناتھ اور یتیم
بچوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ سات حصوں میں چھپ چکا ہے

قیمت فی حصہ دو پیسے اور یک صد کاپی کے دو روپے

شریمان لالہ ہنسراج جی اپنی ایک چٹھی میں سکریٹری اناتھالیہ کو
رسالہ سورگ نرک کے ریویو پر یوں تحریر فرماتے ہیں آپ کے بنائے ہوئے چھ رسالے
سورگ نرک ناٹک میرے پاس پہنچے میں نے ان کو پڑھا ہے ان رسالوں میں چھوٹی
عمر کی شادی کرنا اور دیگر برائیوں کا جو شادی کے متعلق ہمارے دیش میں پائی
جاتی ہیں بڑی خوبی سے خاکہ کھینچا ہے ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں یہ خیال
پیدا ہو جاتا ہے کہ جب تک یہ برائیاں ہمارے دیش میں جاری ہیں ہمارے دیش
کا ادھار نہیں ہو سکتا۔ میری خواہش ہے کہ یہ رسالے اردو ہندی گورمکھی
زبانوں میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں عام لوگوں میں پھیلائے جائیں
آپ کی زبان بہت سادہ ہے اور طرز بیان دل پر اثر پیدا کرنے والا ہے پبلک کو
چاہیے کہ اس کام میں آپ کی سہائتا کریں ☆

آپ کا متر ہنسراج پریزیڈنٹ ڈی اے وی کالج مینیجنگ کمیٹی لاہور

یہ ٹریکٹ منتری اناتھالیہ مظفرگڑھ سے یا [illegible] کرتا
آریہ اناتھالیہ چوگڑ محلہ بیرون موری دروازہ لاہور سے طلب کریں

پتت اُدّھار

جس دیش اور جاتی میں گرے ہوؤں کو اُٹھانے کا انتظام نہیں وہ دیش اور جاتی بہت جلدی تنزل کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ ہندو جاتی خاص طور پر ایسے حالات کا شکار ہو رہی ہے یہاں استری جاتی کو دیکھو بُرا حال ہے پشوؤں سے بھی ان کا درجہ گھٹا دیا گیا ہے۔ بدھواؤں کی جو درگتی ہو رہی ہے۔ اُس کا خیال کر کے دردمند دل والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یتیموں کو لوٹنے اور جان سے ہلاک کر دینے کے واسطے اُن کے اپنے ہی سمبندھی اور رشتہ دار ہر وقت تیار بیٹھے ہیں۔ کمزوروں اور غریبوں کو ستا ستا کر زور والے اپنی طاقت کو بڑھا رہے ہیں پرماتما کے امرت پتر کروڑوں نر ناریوں کو اچھوت بنا کر دن رات جاتی کے پروار سے خارج کیا جا رہا ہے۔ دھنوان حیثیت رکھنے والے بڑے آدمی اپنی دنیاوی حیثیت کے بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں نردھن غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ زبردستوں کا زور زیردستوں کے زیر کرنے اور اُن کی ہستی کو مٹا ڈالنے پر چل رہا ہے۔ اس قسم کے سب حالات مجموعی طور پر پبلک کے سامنے لانے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اس واسطے مظفر گڑھ یتیم خانہ کی مینیجنگ کمیٹی کا وچار ہے کہ ایک ماہواری رسالہ یعنی پتت اُدّھار جاری کیا جاوے جس میں مصیبت زدہ استری پُرشوں۔ یتیموں۔ بے زبان جانوروں اور اچھوت جاتیوں کے دردناک حالات شائع ہوا کریں۔ یتیم خانہ مظفر گڑھ کے ضروری حالات خصوصاً اور دوسرے یتیم خانوں کے عموماً حالات پرکاشت ہوں گے جن کو پڑھ کر اُمید ہے کہ جاتی کے لوگ اپنی جاتی کی درگتی کو مٹانے کا کوئی اُپاؤ سوچیں گے۔ قیمت سالانہ اس رسالہ کی جو ۳۲ صفحے ۲۲×۱۸ کے اسی انداز سے کا تخمیناً ۸؍ ہوگی۔ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا۔ ایک ہزار خریدار کی درخواست آنے پر یہ رسالہ ماہواری جاری ہوگا۔ جن کو جاتی سے ہمدردی ہے وہ درخواست معہ پورا پتہ کے بھیج دیں اور اس نمونہ کو بغور ملاحظہ فرما لیں۔

المشتہر

پنڈت گنگا رام پردھان آریہ سماج مظفر گڑھ و سکریٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ و شاخ لاہور

اوم

پتت اُدّھار

حصّہ دوم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی

کی تجویز سے مرتب ہو کر

نومبر ۱۹۱۹ء میں

سرکاش سٹیم پریس لاہور میں سردار کرم سنگھ پرنٹر کے چھپا

اوم

پتت اودھار کے متعلق ریویو

پہلی دفعہ یہ ٹریکٹ ماہ گزشتہ میں چھپوایا گیا تھا۔ اُس کیواسطے شرط یہ تھی۔ کہ جب ایک ہزار خریدار اس کے بن جاویں۔ تب اس کو ماہواری رسالہ کے طور پر چھپوائے جانے کا انتظام کیا جاویگا۔ اگرچہ دو ہزار کاپیاں جو شائع کی گئی تھیں۔ اُن میں سے بہت تھوڑی باقی ہیں۔ بہت سے تو مستقل خریدار بنگئے اور بہت سی کاپیاں نقد قیمت ۲ رفی کاپی پر فروخت ہوگئیں۔ اور قریب دو سو کے کاپی رکھی گئی ہے۔ جو کہ آئندہ بننے والے مستقل خریداروں کو دی جاسکیں۔ مگر ابھی تک ایک ہزار خریدار کی تعداد پوری نہیں ہوئی۔ اور پہلے حصہ کے نکلنے پر جو جو ریویو اس کے نکلے ہیں اُن کی نقل کے ساتھ یہ دوسرا حصہ بھی بطور ٹریکٹ کے دو ہزار تعداد میں شائع کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ اس حصہ کے نکلنے پر تعداد خریداران ایک ہزار تک پہنچ جاویگی۔ تو اس کو بطور ماہواری رسالہ کے شائع کیا جاویگا۔ ناظرین سے اُمید ہے کہ وہ جلدی کرینگے۔ اور اس کے خریداران کی تعداد کو ایک ہزار تک پہنچا کر اس کی مستقل اشاعت میں مددگار ہونگے۔

(از اخبار آریہ گزٹ لاہور مورخہ ۲۱ کاتک سمت ۱۹۷۶)

یہ رسالہ جس میں "دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو اور اُس کے سدھار و چار" کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی نے چھپوایا ہے دیش کے پریمیوں کو خرید کر سبھا کے پریتن کی داد دینی چاہیے۔

(از مہاتما ہنسراج جی سابق پریذیڈنٹ دیانند کالج کمیٹی لاہور)

میں نے پتت اودھار رسالہ جو میرے بزرگ متر پنڈت گنگا رام جی نے لکھا ہے سنا ہے۔ مضمون بہت دلچسپ اور نصیحت آمیز ہیں۔ اور ... کی ... مجھے بہت ہی پسند آیا ... جی کی تقریر ... دو اور ...

پبلک کو اس رسالہ کی قدر کرنی چاہیئے

(از اخبار پرکاش لاہور - مورخہ ۱۷ - ماہ کاتک سمت ۱۹۷۶)

یتیم خانہ کمیٹی مظفر گڑھ کی تجویز ہے کہ اس نام کا ایک ماہواری سالہ اُردو میں جاری کیا جاوے جس کا اُدیش اناتھوں اور اچھوتوں کا ادھار ہو۔ پہلا نمبر بطور نمونہ (پشکل ٹریکٹ) شائع کیا گیا ہے - پتت کون ہے اچھوت اور انتیج کن کو کہا جاتا ہے - کب سے یہ اس نام سے پکارے جانے لگے - کہاں کہاں یہ جاتیاں موجود ہیں اور کس طرح اُن کا اُدھار ہو سکتا ہے - یہ تمام دلچسپ امور اس ۴۰ صفحہ کے رسالہ میں درج ہیں (ہونگے) ایک ہزار خریداروں کی درخواست آنے پر یہ رسالہ باقاعدہ طور پر ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا - قیمت سالانہ عـه/۸ اور رسالہ زیر ریویو کی قیمت ۲/ ہے - اُمید ہے کہ اناتھوں اور اچھوتوں کے لیئے درد رکھنے والے دل ضرور اس رسالہ کی سرپرستی کرینگے +

(از اخبار لیڈر لاہور - مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹ء)

پنڈت گنگارام جی شرما ریٹائرڈ اوورسیر مظفر گڑھ نواسی اُن آریہ پرشوں میں سے ایک ہیں - جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی دوسروں کی سیوا اور ترقی سمجھ رکھا ہے - آپ جب سے سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہوئے ہیں - یتیم لڑکوں کی پرورش میں لگے ہوئے ہیں - اور اس وقت اُن کی زیر نگرانی دو یتیم خانے ایک مظفر گڑھ اور دوسرا لاہور میں چل رہے ہیں - آپ نے پتت اُدھار کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا ہے جس کا پہلا نمبر شائع ہو چکا ہے اس نمبر کا ہر ایک مضمون قابل مطالعہ ہے دوسرا نمبر تیار ہو رہا ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہر شخص پنڈت جی کے خیالات اور تجربات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریگا - ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں - کہ اس رسالہ سے جو آمدنی ہوگی وہ سب یتیم خانہ کے خزانہ میں ہی جاویگی -

چندہ سالانہ صرف عـه/۸ مقرر ہے +

اوم

پتت پاون پربھو آشرا دو ہمیں آشرا اور کوئی ہمارا نہیں
ہم نے لی ہے فقط اک تمہاری شرن ہے پناہ اور کوئی سہارا نہیں
نہ ہی بدھی نہ بھگتی نہ ودیا کا بل آتما پر چڑھا پاپ کرموں کا مل
بن تمہاری دیا کے نہ سکتے سنبھل تم نے کس کس کو سوامی ابارا نہیں
مایا موہ وش ہوئے ایسے سنسار میں پھنس گئے کرودھ ۔ لوبھ اور اہنکار میں
ڈوبے نیا ہماری ہے منجدھار میں نظر آتا کوئی بھی کنارا نہیں

پتت پاون کا دربار

آؤ پیارو پتت پاون کے دربار میں چلیں

تم تندرست ہو ۔ بیماری سے بچے ہوئے ہو جسم کنچن کی طرح نروگ ہے ۔ سنسار کے بھوگ پرماتما کی دیا سے تم کو میسر ہیں ۔ محنت اور پورشارتھ سے ضروری اور مناسب سب قسم کے کام کر سکتے ہو ۔ تم کو چاہیئے ۔ کہ ہر روز شام کے بعد اپنے ضروری کھان پان وغیرہ کاموں سے فارغ ہو کر ۱۰ بجے رات سے پیشتر ہی بستر پر لیٹ جاؤ ۔ دن بھر کام کرتے رہے ہو ۔ ضرور ہے ۔ کہ بہت جلدی نیند کی گود میں بے خودی کے سرور میں مسرور ہو جاؤ گے ۔ پھر رات بھر سونے کے بعد علے الصباح چار گھڑی کے تڑکے خود بخود تمہاری آنکھ کھل جاوے گی ۔ اُس وقت فوراً بستر سے الگ ہو جاؤ آلس پریرنا کرے گی کہ چارپائی پر پڑے رہو ابھی رات ہے ۔ اُٹھ کر کیا کرو گے ۔ مگر تم اُس کے کہنے میں نہ آجاؤ ۔ تمہیں بہت سا کام کرنا ہے جو نہ کرو گے تو پیچھے رہ جاؤ گے ۔ اور پچھتاؤ گے ۔ اب ضروری حاجات

دیا یام ۔ داتن ۔ سنان وغیرہ سے فارغ ہو کر اُس کے دربار میں چلو ۔ جو سارے سنسار کا مالک ۔ خالق اور پالک ہے ۔ جتنے بھی جاندار پشو ۔ پکشی ۔ جیوان ۔ انسان جہان میں ہیں ۔ اُن سب کا سچا پتا ۔ گورو اور راجہ وہ آپ ہے ۔ اُس کے رہنے کا مقام تم سے دور نہیں ہے ۔ اُس کی تلاش میں تم کو کالے کوسوں کے سفر کی ضرورت نہیں ہے ۔ اُن کے درشنوں کے واسطے تم کو اپنے دائیں بائیں آگے اور پیچھے جانا نہیں پڑے گا ۔ صرف اپنے دل کے حجرے کو دنیا کے ہوا و ہوس اور کدورتوں کے کوڑہ کرکٹ سے صاف کرلو ۔ اِسی دل کے اندر اُس کا پرم پوتر مندر براجمان ہے ۔ یہی دل ۔ تمہارا اپنا ہی دل تو اس پرم پتا کا سنگھاسن ہے ۔ ایک بزرگ نے سچ کہا ہے :۔

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

اسی کو دوسرے لفظوں میں بتایا گیا ہے :۔

آنکھ کان مُکھ موند کے نام نرنجن لے
بھیتر کے پٹ تب کُھلیں جب باہر کے پٹ دے

تم لوگ ہندو ۔ مسلمان ۔ عیسائی ۔ سکھ ۔ آریہ اور کوئی بھی کسی بھی مذہب کے پیرو ہو تم سب کا وہی پتا ہے ۔ اور تم سب اُس کے امرت پتر ہو ۔ تم سب کو وہ پیار کرتا ہے ۔ جو کچھ بھی تم نے کہنا ہے اُسی سے کہہ ڈالو ۔ جو کچھ بھی تم نے مانگنا ہے ۔ اُس ہی سے مانگ لو ۔ مگر اتنا خیال ضرور رکھو کہ وہ تمہارے ہر قسم کے حالات اور رازوں کو جیون کا تیوں جانتا ہے ۔ تمہارے واسطے اُس نے سب ضروریات کو مہیا کر رکھا ہے ۔ کوئی ایسی خواہش نہ کرو ۔ جو تمہارے واسطے مفید نہیں ہے ۔ اور کوئی ایسا سوال نہ کرو ۔ جو تمہارے واسطے مضر ہے ۔ تم سب اُس کے بچے ہو

بچہ نہیں جانتا۔ کہ کون کام اُس کی بھلائی کا ہے۔ پِتا جو بتلاتا ہے۔ بچہ
اُس کے موافق عمل کرنے تو آنند میں رہتا ہے۔ اُسی پرم پِتا سے پوچھو
کہ تم کو کیا کرنا چاہئے۔ اگر تم سچے ہردے سے دریافت کرو گے۔ تو
تم کو سچائی کے دربار سے یہ سچی ہدایت ملے گی۔ کہ تم سب کی بھلائی میں
اپنی بھلائی ڈھونڈو۔ باپ چاہتا ہے کہ اُس کے بیٹے بیٹیاں سب کے
سب خوش رہیں۔ ایک دوسرے کو سکھ دیویں۔ آپس میں ویرودھ۔
لڑائی۔ جھگڑا دغا اور فریب کا برتاؤ نہ کریں۔ وہ سب کا سچا باپ بھی
یہی چاہتا ہے *

پس اگر تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارا پرمیشور۔ باری تعالےٰ۔ وہ باپ
جس کی بادشاہت آسمانوں پر بھی ہے۔ اکال پُرکھ۔ سچدانند سروپ۔
پرماتما تم سے خوش ہو جاوے۔ تو تم کسی بھی جاندار اپنے بھائی کی بُرائی
کے خیال تک کو اپنے دل میں نہ گھسنے دو۔ اور اگر کسی اپنے بھائی انسان
سے دشمنی کا خیال تمہارے دل میں جاگزین ہے۔ تو فوراً اُسے دل سے نکال
دو۔ اور اُسی وقت اپنی حالت پر وچار کر کے دیکھ لو۔ کہ وہ پہلے سے کس
قدر اعلےٰ رتبے پر پہنچ گئی ہے۔ پھر سب کے ساتھ مترتا اور دوستی کے
بھاؤں کو دل میں مضبوط پکڑ لو۔ تم خود ہی دیکھ پاؤ گے۔ کہ تم نے
روحانی فائدہ کس قدر حاصل کر لیا ہے *

استریوں پر اتیاچار

آجکل کی نہیں۔ دو چار پانچسو برس کی نہیں بلکہ یہ تو مہابھارت
سے بھی ہزار دو ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ جبکہ لوگوں میں آلس پرماد
اور ابرشا دویش نے پرویش کیا۔ لوگ اپنا کرتوہ بھولنے گئے۔ جہاں اور

بہت سی کوریتیاں جڑ پکڑ گئیں - وہاں استریوں کی طرف بھی پُرشوں کے وہ بھاؤ نہ رہے - جو پہلے زمانہ میں تھے - اِستری اور پُرش ایک ہی شریر کے دو انگ سمجھے جاتے تھے چنانچہ اب تک بھی اِستری کو اردھانگی کہا جاتا ہے - پرش کو پردھان یا مانا نے ضروری دی ہے - مگر یہ پردھانتا اس واسطے ہے - کہ وہ اپنے کمزور دوسرے انگ کی رکشا کرے - اور اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیوے - اس واسطے نہیں ہے - کہ وہ اپنے اس ساتھی کا جس طرح سے چاہے - جائز ناجائز استعمال کر کے اس کو اپنے قدرتی کام کے ناقابل بنا کہ اُس کا ستیاناس کر دیوے مگر اب تو اس آدھے بائیں انگ کی ہمارے لوگوں نے ایسی مٹی خراب کی ہے - جس کی کوئی حد نہیں ہے ✤

باوجودیکہ اس کے بدون پُرش کسی کام کے نہیں - اُنہیں سے پیدا ہوتے - اُنہیں کا دُودھ پی کر پلتے - اور انہیں کی پریم بھری گود میں کلول کر کے بڑے ہوتے ہیں - اور پھر اُنہیں کے خون کے پیاسے بن رہے ہیں - یہاں تک کہ بہت سے مصنّفوں اور گرنتھ کاروں نے ان کے متعلق ایسے ایسے بناوٹی اور فرضی قصے کہانیاں گھڑ کر کتابوں میں لکھ دئے ہیں جس سے ان بیچاری معصوم دیویوں کے حق میں بُرے اور گندے خیالات لوگوں کے دل اور دماغ میں بھر جاتے ہیں - کوئی کہتا ہے - عورت کو عقل نہیں ہے - اُس کی مت ایڑی کے پیچھے ہے - کوئی کہتا ہے - اس کی عقل چُونڈے کے پیچھے ہے - کوئی کہتا ہے اس کو خوش کرنے کے واسطے جھوٹ بول دینا پاپ نہیں ہے - بات بنائی گئی ہے کہ حضرت شیخ سعدی شیرازی نے عورتوں کے چرتر یعنی مکر مکاریوں کی ایک بڑی بھاری کتاب بہت سی جلدوں میں لکھی - کسی نے یہ بات اُن کی والدہ کو جا کر سُنادی - جب گھر میں گئے - تو والدہ نے اُن سے دریافت کیا - کہ بیٹا یہ سچ ہے کہ تم نے

عورتوں کے چھل چھتروں کی کوئی کتاب لکھی ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ ہاں۔ اس پر والدہ نے کہا کہ اچھا بیٹا میں جو تم کو جنم دینے والی ماتا ہوں۔ میں نے تم کو نو مہینے تک پیٹ میں رکھا۔ اور تم کو کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ پھر تیری پیدائش کے وقت کتنا دُکھ اُٹھایا۔ اور پرورش میں کتنا جتن کیا۔ راتوں کو سونا اور دنوں کو آرام لینا میں نے تیری خاطر چھوڑا۔ اور میں نے جو جو دُکھ اور کشٹ تیری خاطر اُٹھائے تو اُن سب کو تو نہیں جانتا۔ مگر پھر بھی تو عقلمند ہے۔ اور بہت کچھ جانتا ہے۔ تُو مجھے اتنا بتلا دے۔ کہ مجھ میں بھی وہ سب چھل چھتر موجود ہیں؟ اس پر لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ شیخ سعدی نے جواب دیا۔ کہ یہ سب درست ہے۔ اس واسطے کہ تو میری والدہ ہے۔ تم میں وہ سب نہیں تو کوئی دو چار کم ہونگے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ فرضی قصّہ عورتوں کے واسطے کتنا مضرت رساں اور اُن کے دلوں کو توڑنے والا ہے۔ افسوس ہے۔ کہ مرد اپنے آپ کو عقلمند جانتے اور اپنی بہنوں۔ ماتاؤں اور عورتوں کے حق میں ایسے بُرے سلوک کے روکنے کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ یہ جو کسی نے کہا ہے:۔

یکے بر سر شاخ و بُن مے برید ٭ خداوند بُستاں نگہ کرد و دید
بگفتا گر این شخص بد مے کند ٭ نہ با من کہ با نفسِ خود میکند

ہماری ہی جاتی کے مردوں کے واسطے کہا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔ استریوں کے ساتھ مختلف حالات میں مختلف خیالات کی وجہ سے جو سلوک ہو رہا ہے۔ اُس کو دیکھ سن اور جان کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ کئی ایسے بزرگوار عالی تبار لوگ ہیں۔ جو اپنی عزّت۔ بزرگی اور بڑائی کو اتنا بڑا اور جہاں سے مہاں جانتے ہیں۔ کہ صرف اتنا خیال کسی کے دل میں آجا دے۔ کہ حضرت آدم کی اولاد میں سے کوئی بھی

ایسا انسان ہے۔ جو کہ اُن کا داماد ہے۔ یا داماد ہو سکتا ہے۔ تو اُن کی بزرگی اور شرافت کو بٹہ لگ جائے گا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو جن بزرگوں کی اولاد میں سے ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور اُن کی بزرگی اور خاندانی فضیلت کو بھی دوسرے لوگ صرف اسی وجہ سے مانتے اور اُن کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ کہ وہ اُن نیک ذات بزرگوں کی نسل سے ہیں۔ اُن بزرگوں نے اپنی پیاری معصوم پاک دامن لڑکیوں کو اُن کے موافق نیک ذات اور لائق خاوندوں سے اُن کا عقد۔ نکاح بڑی خوشی اور دھوم دھام سے کر دیا۔ اور خدا تعالےٰ کی اس امانت کو اس کے حکم کے موافق مناسب مقام پر پہنچا کر شکر کا سجدہ بجا لائے۔ اُنہوں نے کوئی ایسا خیال کبھی اپنے پاک اور نورانی دلوں میں نہ آنے دیا۔ جیسا کہ اُن کی اولاد کہلانے والوں کے دلوں کو جادۂ راستی سے دور لے جا رہا ہے۔ اس خیال کی وجہ سے کئی ایسے ہیں۔ کہ اپنی پیاری نازپروردہ بیٹیوں کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ اتنا سمجھ لیویں۔ کہ اُن کا بواہ کسی مذہبی کتاب سے ہو گیا ہے۔ اُسی کتاب کی خاطر خوشامد اس کو سمبھال سمبھال اور سنوار سنوار اچھے اچھے قیمتی غلافوں۔ بستوں اور رومالوں میں رکھ رکھ کر کرتی رہیں۔ اور اُن کا مطالعہ اور پاٹھ ہی عمر بھر کرتی رہیں۔ کسی انسان کی محبوبہ چاہتی بیوی اور بچوں کی والدہ ہونے کا خیال تک دل میں نہ لاویں۔ اور خود بدولت اُن معصوم ناکردہ گناہ دیویوں کے سامنے ایک نہیں دو نہیں تین تین چار چار بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد بیویوں سے شادی بواہ اور نکاح کر کے نفسانی لذّات کا لطف اُٹھاتے رہتے ہیں۔ اور کبھی خیال نہیں کرتے۔ کہ اُن کی پیاری بیٹی اور ماں جائی ہمشیرہ بھی انسان کی بچّی ہے۔ اُس کو بھی دوسرے لوگوں کی طرح احساس۔ حواس۔ ادراک اور خواہشات پرماتما نے دی

ہوئی ہیں - اُن کو دبانے کی طاقت ایسے حالات میں ان بیچاریوں کو کہاں
سے مل سکتی ہے مگر یہ تو یہی سمجھتے ہیں - کہ یہ تو مٹی کے کھلونے اور
اور پتھر کی مورتیاں ہیں جنکو دلی کے کمہاروں اور جے پور کے سنگ تراشوں نے
گھڑ دیا ہے - اور بولنے چلنے اور کھانے پینے کی عادت ان میں برطانیہ کے
مسٹر واٹ اور امریکہ کے مسٹر ایڈیسن نے ڈال دی ہے - بس اور کچھ
بھی نہیں - اس کا نتیجہ جو کچھ ہو رہا ہے - اُس کو دیکھ رہے ہیں مگر
پھر بھی اپنے بزرگوں سے چلے ہوئے اس خیال کی اصلاح نہیں کرتے
کئی ایسے بھی ہیں - جن کا خیال ہے کہ کوئی ایسا شخص ملتا نہیں ہے -
جس کو وہ اپنا داماد بنا دیں - تلاش تو کرتے رہتے ہیں - مگر جس قسم کے
گُن وہ اپنے داماد میں چاہتے ہیں - ایسے گُنوں کا مالک کوئی نہیں ہے
اور لڑکی کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے - عمر بواہ کرنے کے یوگ جب
ہو گئی - اور کوئی داماد نہ ملا - تو کیا عمدہ طریق نکال لیتے ہیں - کہ چلو ایک
نوجوان پیپل کے درخت سے اس کنیا کا بواہ کر دو - برادری اور رشتہ داری
کے لوگوں کو جمع کرتے ہیں - اچھے اچھے کھانے کھاتے اور اُنکو کھلاتے
ہیں - اچھے اچھے زیور اور پارچات بھی تیار کئے جاتے ہیں - اور بیچاری
بے زبان کنیا کا بواہ شاستروں کا نام لے کر پیپل دیوتا سے کر دیتے ہیں -
اور کنیا کا کام یہ ہوتا ہے کہ اُس پیپل کو پانی دیتی رہے -

ایک تو جاتی کی جاتی اس قسم کی بن گئی ہے - کہ وہ لوگ دیدہ دانستہ
اپنی لڑکیوں کو کسی آدمی کے بواہ میں نہیں دیتے - لڑکی کی پرورش خوراک
پوشاک وغیرہ ضروریات کے عمدہ اور امیرانہ طور پر بہم پہنچانے سے کرتے
رہتے ہیں اور بڑے لاڈ اور پیار سے اُسے رکھتے ہیں - جب وہ شادی
کے قابل ہو جاتی ہے - تو بڑی دھوم دھام سے اُس کا بواہ رچایا جاتا
ہے - برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں - رشتہ داروں کو مدعو کیا جاتا ہے

دوستوں اور آشناؤں کو کھانے کھلائے جاتے اور خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اور لواہ کے منڈپ پر بیچاری کنیا کو لاکر بٹھلا دیا جاتا ہے۔ ور کون صاحب ہے؟ اس معصومہ کا خاوند کون چنا گیا ہے؟ جس کا گھر اس نے آباد کرنا ہے۔ آپ یہ نہ پوچھیں۔ ضرور پوچھنا چاہتے ہیں۔ تو چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اور اپنے دل کو اچھی طرح سے دبا رکھیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ کوئی سخت صدمہ پہنچے۔ جواب یہ ہے کہ وہ بانکا نوجوان ور ایک اچھی طرح سے بھٹی کے اندر پکایا ہوا مٹی کا گھڑا ہے۔ جس میں بجز کہ پینے کا پانی رکھا کرتے ہیں۔ اس گھڑے دو لھا سے بواہ کر کے فوراً ہی اس کو توڑ دیا جاتا ہے۔ لڑکی رانڈ اور بیوہ کہلاتی ہے۔ ماں اور باپ اس سے بدی کا پیشہ کرواتے اور اس کی کمائی پر خوب مزے اڑاتے اور خوش ہوتے ہیں +

ہندوستان کے لوگو! اس گرے ہوئے اور پتت ملک کو ادبار کے گڑھے اور زوال کی خندق سے نکالنے کے دعویدار و امیں آپ کے دیہ دولت پر بڑے عجز اور انکسار سے درخواست کرتا ہوں کہ کبھی آپ نے اپنے دیش اور جاتی کی اس قسم کی بری اور قابل نفرت حالت کی طرف دھیان بھی دیا ہے؟ بے شک آپ کا دربار بڑا اونچا دربار ہے۔ میری یہ کمزور آواز میں امید نہیں کرسکتا۔ کہ آپ کے عالی دربار تک پہنچ سکے۔ اس واسطے میں اپنے ناظرین سے پرارتھنا کرتا ہوں۔ کہ وہ میرے ساتھ شامل ہو کر میری کمزور آواز کے ساتھ اپنی آوازوں کو ملا کر اس آواز کو اتنی زبردست بنا دیویں۔ کہ یہ ہمارے سب چھوٹے بڑے بھائیوں کے کان میں جا پہنچے۔ پھر مجھے یقین ہے۔ کہ وہ ضرور اس طرف دھیان دینگے۔ اور سارے ملک کے سوشل اُدھار کے واسطے جو ایک بڑی اور دھان سبھا ہر سال بنائی جاتی ہے۔ جس کا اجلاس نیشنل کانگرس کے پنڈال میں ہر سال ہوا کرتا ہے۔ اور میں سنتا ہوں۔ کہ اس دفعہ ماہ دسمبر میں گورو

راما اس کی نگری امرتسر میں ہونے والا ہے۔ ضرور اس معاملہ کو بحث کا مضمون اس مہان سبھا میں بنایا جاوے گا۔ اگر یہ سبھا توجہ دے گی۔ تو یقین ہے۔ کہ استری جاتی کے اُدھار کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آوے گی۔ اگر سوشل کانفرنس کے نیتا اپنی اس سبھا کو دوسری سبھاؤں کی طرح مستقل بنا دیں۔ اور اس کا کام نہ صرف سال میں دو تین گھنٹے کے اجلاس پر ہی ختم کر دیا جاوے۔ بلکہ لگاتار جاری رکھنے کا پکا انتظام کیا جاوے۔ تو بہت سی خرابی رفع ہو سکتی ہے ٭

پتت اُدّھار سیوا

پتت ادھار سیوا کا چپ چاپ کام کرنے والے ایک جاتی کے برہمن سجن جو پنجاب کے ایک بڑے نگر میں کئی سالوں سے اس سیوا کا کام کر رہے ہیں۔ اُن کی طرف سے ایک پتّر پہنچا ہے۔ جو ناظرین کے غور اور توجہ کے واسطے درج کیا جاتا ہے :۔

پتت اوستھا۔ آجکل ہندو جاتی کے انگ عورت۔ مرد۔ بچے گنتی میں سات کروڑ ایسے ہیں۔ جن کو پتت۔ انتیج اور اچھوت کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ یہ سب کے سب ہماری ہی ایک یا دوسری قسم کی سیوا کرتے ہیں۔ کوئی تو ہمارے لئے جوتا بناتا ہے۔ کوئی کپڑا بُنتا اور کوئی جھاڑو دیتا اور ہمارے مل موتر کو اُٹھاتا اور صفائی کرتا ہے۔ اور پھر ہم ہی اُن کو پتت اور اچھوت بنائے بیٹھے ہیں۔ کسی کو پتت اور اچھوت مان لینا اور بات ہے۔ مگر وچار کر دیکھا جاوے تو پتا لگے گا۔ کہ دراصل اُن کو پتت ہماری ہی ضروریات نے بنایا ہے۔ اگر ہم مل موتر کا تیاگ شہروں سے باہر جا کر جنگل میں کریں

تو اُس کے اُٹھانے کی وجہ سے کسی کو بھی پتت نہ ہونا پڑے ۔

اگر ہم مان بھی لیں ۔ کہ جنہ سینے اور مل موتر کے اُٹھانیوالا نیچ پتت اور اچھوت ہے ۔ تو ہمارا کرتوہ کیا ہونا چاہیئے ۔ کیا ایک دھن وان کا یہ کرتوہ نہیں ہے ۔ کہ وہ نردھنوں کی سہائتا کرے ۔ اور ودوان کا یہ کرتوہ نہیں ہے ۔ کہ وہ ان پڑھوں کو پڑھاوے ۔ جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہے ۔ اُس کا کرتوہ نہیں ہے ۔ کہ وہ اپنے گرے ہوئے بھائی کو اُٹھاوے ۔ اول تو ان پتتوں کو پتت بنانے والے ہم آپ ہیں ۔ پھر لطف یہ ہے کہ اُن کے متعلق جو ہمارا اپنا فرض ہے اُس کو ہم خود ادا نہیں کرتے ۔ اُلٹا اُن غریبوں کو دور دور اور پرے پرے کہہ رہے ہیں ۔ اُن سے چھونا تو دور رہا ۔ اُن کے مُنہ کے دیکھنے اور اُن کا سایہ پڑجانے ہی سے ہم اپنے آپ کو اپوتر مان لیتے ہیں ۔ بڑے بڑے شہروں میں دھرماتما ہندو بھائی پانی کی چھبیل لگاتے ہیں ۔ اور پیاسوں کے پانی پلانے کو بڑا پُن کا کام جانتے ہیں ۔ مگر سخت افسوس کا مقام ہے ۔ کہ اکثر ان چھبیلوں پر ہمارے ان سیوا کاری پتتوں کو پانی تک نہیں پلایا جاتا ۔ کیسا حیرت انگیز ماجرا ہے ۔ کہ اپنی ہی جاتی کے بھائیوں سے ایسا بُرا سلوک جاری رکھا جاتا ہے ۔

اگرچہ ان اچھوتوں کے ساتھ ہمارے ہندو بھائی اَن گنت صدیوں سے اس قسم کا برتاؤ کر رہے ہیں ۔ تو بھی یہ بیچارے ہندو دیوی ۔ دیوتاؤں اور رشیوں کو ماننے چلے آ رہے ہیں ۔ اور اُنہی کے تیج تیوہاروں کو مناتے اور برتوں کو کرتے رہتے ہیں ۔ جس کا مطلب صاف یہ ہے ۔ کہ وہ ہندو دھرم کے پیرو تھے اور اب تک بھی ہیں ۔ اب زمانہ پلٹا کھا رہا ہے ۔ دنیا کچھ کی کچھ ہو چلی ہے ۔ مگر ہم ابھی تک تنگ خیال

صدیوں میں پاؤں پسارے بیٹھے ہوئے ہیں - ان لوگوں سے برابر
بُرا سلوک کرنے پر اُترے ہوئے ہیں - صدیوں سے ہمارا بُرا
سلوک سہتے سہتے اُن بیچاروں کے ہردے چھلنی ہو رہے ہیں - آخر
اس بدسلوکی کی بھی کوئی حد تو ہونی چاہیئے - اودھر ہمارے اس قسم کے
سلوک کے مقابلے میں عیسائی دھرماتما لوگ جو نیک سلوک اُن سے کر
رہے ہیں - اس نے ان کو اس بات پر مائل کر دیا ہے - کہ بیچارے
اپنے باپ دادوں کے اننت کال سے مانے ہوئے دھرم کو چھوڑ
جاویں - چنانچہ ہزاروں چھوڑ رہے ہیں - اور یہ اُن کی نہیں - بلکہ
ہماری اپنی پتت اوستھا اور گری ہوئی حالت کا ثبوت ہے - کہ ہم میں اس
قدر ہمت برکت اور طاقت نہیں ہے - کہ ہم اپنے بھائیوں کو اُٹھا
سکیں - جن کو ہم نے خود گرایا ہے - گویا ہم کو گرانا ہی گرانا آتا ہے -
اُٹھانے کی طاقت اور خواہش ہم میں نہیں ہے - کہتے ہیں - کہ ایک
شخص بڑا آلسی اور سُست تھا - کام کرنا نہ چاہتا تھا - اور نہ کچھ کرتا تھا
اسی وجہ سے کنگال تھا - کھانے پینے کا سامان مہیّا نہ کر سکتا تھا -
افلاس اور غریبی کا شکار بنا رہتا تھا - اُس کی عورت بیچاری فاقے
کرتی کرتی تنگ ہو گئی تھی - اور ہر روز اُسے کہتی رہتی تھی - کہ اپنے شہر
میں کوئی روزگار نہیں ملتا - تو کسی دوسرے مقام پر جا کر کوئی نوکری
کرو - بال بچے بھوک سے مر تو نہ جاویں - وہ یہی جواب دیتا - کہ میں کہاں
جاؤں - اگر جاؤں تو باہر بھی روزگار اور نوکری نہ ملے - تو پھر کیا
کروں - خواہ مخواہ مصیبت کا شکار بن جاؤں - اتفاق ایسا ہو گیا - کہ
فوج میں بھرتی کرنے والے فوجی افسر اُسی گاؤں میں آ گئے - اور لوگوں
کو فوج میں ملازم رکھنے کے واسطے بھرتی کرنے لگے - عورت نے جب
یہ خبر سُنی - تو خوش ہو گئی - خاوند سے کہا کہ اب تو کام بن گیا ہے -

نوکری دینے والے یہاں خود آ گئے ہیں۔ اُن کے پاس جاؤ اور بھرتی ہو جاؤ۔ جواب دیا کہ تو میری اچھی عورت ہے۔ کہ مجھے فوج میں بھرتی ہونے کی صلاح دیتی ہے۔ جانکہ بندوق کی گولی سامنے سے آکر چھاتی میں لگے۔ اور موت کا شکار جھٹ پٹ ہو جاؤں۔ عورت چپ ہو گئی۔ اور کھانے کے واسطے اُس نے اُڑد ثابت پکائے۔ جب آنسان جی کھانے بیٹھے۔ تو مُنہ میں کوئی کوئی دانہ اُڑد کا ایسا آیا۔ جو گلا نہیں تھا جس کو روڑ کہتے ہیں۔ عورت سے کہنے لگا۔ کہ اِتی روڑ گلے نہیں ہیں۔ عورت نے اس دفعہ ڈرتے ڈرتے کہا کہ دیکھو جیسے چولھے کے اوپر تو سارے کے سارے اُڑد چڑھائے گئے تھے۔ جو نہ گلنے تھے۔ وہ بچے ہی رہے۔ اسی طرح سے فوج میں بھی سب کے سب سپاہی بندوق کا شکار نہیں ہو جاتے۔ جن کو پرماتما نے بچانا ہے۔ وہ بچے ہی رہتے ہیں۔ اسی واسطے میں کہتی ہوں۔ کہ اب وقت ہے فوج میں ملازمت کر لو۔ اس پر وہ صاحب بولے۔ کہ بھلی عورت میں تو جانتا ہوں کہ میں گل جانے والوں میں سے ہوں۔ اس واسطے میں نوکری فوج کی نہیں کرتا۔ پیارے بھائیو غور کرو کہ ہمارا کبھی یہی حال نہ ہو جاوے کہ ہم بھی گل جانے والوں میں شمار کیئے جاویں۔

پیارے ہندو بھائیو غور کرو۔ کہ جن کو ہم اچھوت کہتے ہیں۔ اور جن کے سایہ سے ہم دور بھاگتے ہیں۔ وہی لوگ جب ایک انگریز افسر کے پاس جا کر نوکر ہوتے ہیں۔ تو اُن کی عزت کتنی بڑھ جاتی ہے جب ایک مہتر جاتی کی استری آیا بن کر ایک انگریز افسر کے بچوں کو سنبھالنے اور کھلانے کا کام لیتی ہے اور اُن بچوں اور اُن کے ماتا پتاؤں کے ساتھ ایک فٹن گاڑی میں سوار ہو کر چلتی ہے۔ تو آپ لوگوں کے سلوک کو یاد کرتی ہوئی کس کس قسم کے خیالات اُس کے دل میں آتے ہونگے

اس کو آپ خود درج سکتے ہیں۔ ان چند سطور میں پتتوں کی حالت کا تھوڑا سا ذکر میں نے کیا ہے۔ سمجھدار ناظرین کے واسطے یہی کافی ہے آخر میں میں آپ کو اپنے کرتوہ پالن کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ آپ اپنے ان بھائیوں سے پریم کا برتاؤ کرنا سیکھیں۔ اُن کو اپنے دھرم کی سکشا دینے اور لکھانے پڑھانے کا کام کریں۔ اُن سے نفرت کرنا چھوڑ دیں اور دکھ مصیبت میں اُن کی سہائتا کیا کریں ٭

اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ جہاں وہ بڑے بڑے پرلوبھن کے ملنے پر بھی اپنے دھرم کو نہ چھوڑینگے۔ وہاں آپ کے لیئے بھی زیادہ سے زیادہ سیدا اکاری ثابت ہونگے۔ خود میں نے ان اچھوت بھائیوں سے ایسا سلوک کیا۔ اور اس سے کیا کیا نتائج پیدا ہوئے۔ اُس کا ذکر آئندہ کسی لیکھ میں کرونگا ٭

(ہندو جاتی کا ایک چھوٹا سا سیوک)

لالہ ہیمراج تینجہ سکنہ ملتان سپرنٹنڈنٹ بیکو آفس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع مظفر گڑھ

ویش اور جاتی میں بہت سے ایسے لوگ ہوئے ہیں اور ہونگے بھی جن کے اولاد نہیں۔ مگر دنیا کی دولت اُن کے اپنے خرچ خوراک کی ضروریات سے زیادہ ہے وہ جانتے ہیں۔ کہ ایک دن اُنہوں نے اس سنسار سے چل جانا ہے۔ اور اس سب دھن دولت کو چھوڑ جانا ہے۔ ان کے بعد ان کے وارث وہ لوگ ہونگے۔ جو ایام زندگی میں اُن کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اس دولت

کہ ایسے ہاتھوں میں جانے سے بچاویں۔ اور اس سے کوئی ایسا کام
کریں۔ جس سے اُن کا لوک اور پرلوک سُدھرے۔ وہ وچار کرتے
رہتے ہیں۔ کبھی کوئی تجویز سوچتے ہیں۔ اور کبھی کچھ خیال کرتے ہیں
کسی کا اعتبار نہیں ہے۔ آج اس کام کو مکمل کرتے ہیں۔ کل کریں گے
فلاں دوست سے صلاح لیویں۔ فلاں سمبندھی سے مشورہ کریں۔ اس
قسم کی وچاروں کو دل میں لاتے رہتے ہیں۔ مگر لکشمی دیوی کی مایا
اتنی زبردست ہے۔ کہ اس پر غالب آجانا ہر ایک شخص کا کام نہیں
ہے۔ سوچتے ہی سوچتے رہ جاتے ہیں۔ پران پکھیرو جسم کے پنجرے
سے اُڑ جاتا ہے۔ دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ بعض ایسا کرتے
ہیں۔ کہ وصیت لکھ کر چھوڑ جاتے ہیں۔ کہ اُن کے مرنے کے بعد
اُن کی جائداد میں سے فلاں فلاں دھرم کا کام کیا جاوے۔ یہ دونو
ہی قسم کے لوگ غلط راستے پر چلتے ہیں۔ جو کچھ نہیں کرتے۔ اُنہوں
نے کبھی کچھ نہ کیا۔ جنہوں نے صرف وصیت کی۔ اُن کا کبھی عام
طور پر کچھ نہیں بنتا۔ کیونکہ دھن تیاگنے کے بعد اُن کے دھن دولت کے
مالک دوسرے لوگ ہیں۔ اُن کی مرضی ہے کہ اُس کے لکھنے اور کہنے
پر عمل کریں۔ یا نہ کریں۔ اتنا تو وچار نہ کیا۔ کہ جس وقت وہ خود
اس دھن کا مالک ہے۔ اور اُسے کُلّی اختیار ہے۔ کہ جس طور پر اور جس جس
نیک کام میں چاہے۔ وہ اس دھن کو خرچ کرے۔ اُس وقت تو کچھ
بھی نہ کیا۔ جس وقت دھن اُس کی ملکیت اور اختیار سے باہر ہو گیا۔
اُس وقت کے واسطے دوسرے لوگوں کو کہہ دیا۔ کہ تم نے اس میرے
دھن کو جو فی الحقیقت اب اُس کا نہیں ہے۔ فلاں کام میں خرچ
کر دینا۔ یہ غلطی ہے اور سراسر غلطی ہے۔ لالہ ہیمراج جی کے بھی کوئی
سنتان نہ رہی تھی۔ اُنہوں نے وچار کیا کہ جو دھن اُن کو باپ دادا

کے ورثہ میں ملا ہے۔ اور جو اُنہوں نے خود پیدا کیا ہے۔ اُس کو اپنے
ہاتھ سے کسی نیک کام میں لگا دیا جاوے۔ اُن کی دھرم پتنی شریمتی
پریم دیوی جی نے اُن کے اس ارادے کے ساتھ اپنا اتفاق کیا اور
اس کے پورا کرنے میں اپنے پتی کے ساتھ شامل ہو گئی۔ یہ دیوی
شریمان پنڈت گوردت ایم۔ اے ودیارتھی مرحوم سکنہ ملتان کی حقیقی
ہمشیرہ ہیں۔ چنانچہ ان دونو پتی پتنی نے مشورہ کیا۔ کہ اُن کا دھن
اضلاع ملتان اور مظفر گڑھ میں ہندو قوم کی دھارمک۔ آتمک اور
سماجک اُنتی کے کام میں خرچ کیا جاوے۔ چنانچہ پہلے پہل اُنہوں
نے ۱۸۹۵ء میں ایک کمیٹی بنائی۔ جس کا نام ہیراج پریم دیوی فنڈ
کمیٹی ہے۔ اور اُس وقت مبلغ تیس ہزار روپیہ اس کمیٹی کے سپرد
کیا۔ کہ اس کی آمدنی سے ایک خیراتی شفاخانہ جاری کر دیا جاوے۔
اور اُس کے خرچ سے جو کچھ بچت ہو۔ وہ بامداد یتیماں اور دیگر
کارہائے خیر پر خرچ کیا جاوے۔ چنانچہ خاص مظفر گڑھ میں یہ
شفاخانہ کئی سال تک جاری رہا۔ اور اس سے ہزاروں ہندو مسلمان
بیماروں نے فائدہ اُٹھایا۔ اور ایک سو روپیہ سالانہ یتیم خانہ مظفر گڑھ
کو دیتے رہے۔ بلکہ یتیم خانہ مظفر گڑھ جس مکان میں ہے۔ وہ
مکان بھی لالہ صاحب موصوف نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے
یتیم خانہ مظفر گڑھ کے واسطے دے دیا۔ اور اندراج ملکیت کا یتیم خانہ
کمیٹی کے نام پر کروا دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد لالہ جی مظفر گڑھ سے
نقل مکان کر کے اپنے وطن اور جائے پیدائش ملتان میں چلے آئے
اور شفاخانہ بھی ملتان ہی میں لایا گیا۔ آریہ سماج ملتان کی پتری
پاٹھشالا کو اُس کے خرچ میں بہت سی امداد دیتے رہے۔ اور اور بھی
بہت سی امداد ہر قسم کے خیراتی کاموں میں کرتے رہے۔ اور

شفاخانہ سے ہزاروں مریضوں کو فائدہ پہنچتا رہا۔ آخر ۲۴ اکتوبر
۱۹۱۷ء کو اپنے مرنے سے پہلے ایک وصیت لکھی۔ جس میں لکھا
ہے۔ کہ ان کے کل متروکہ ۱۰۰۹۴۸ روپیہ میں سے ۳۸۱۳۳ روپیہ
تو ہیمراج پریم دیوی فنڈ کے ادھکار میں ہے۔ اُس کی آمدنی میں سے
اول ایک سو روپیہ سالانہ امداد یتیموں میں دیا جایا کرے۔ اور بقایا
سے شفاخانہ چلایا جاوے۔ باقی سرمایہ ۶۲۸۱۵ روپے کا ادھکار
اس وصیت کے رُو سے آپ نے اپنے عزیزان لالہ جسونت رائے
صاحب ایم۔ اے سب جج لاہور۔ اور لالہ سدانند صاحب ایم اے
پروفیسر کو جو کہ مشہور پنڈت گورودت صاحب ایم۔ اے ودیارتھی
کے فرزندارجمند ہیں۔ دیا۔ کہ وہ اس کا ایک فنڈ بنا کر اُسکی آمدنی
کو اضلاع ملتان اور مظفرگڑھ کے ہندو قوم کی شاریرک۔ آتمک اور
سماجک اُنتی میں خرچ کریں۔ اس سے تعلیم دیویں۔ حرفت کاری
سکھاویں۔ بدھواؤں اور یتیموں کے اُدّھار میں خرچ کریں جس طرح
سے مناسب سمجھیں عمل کریں یہ سب انتظام خود کریں۔ یا اغراض
مندرجہ بالا کے پورا کرنے کو یہ سب جائداد منقولہ مع جائداد غیر
منقولہ مکانات سکنی و اراضی زرعی کے کسی سوسائٹی کے حوالے
کریں +

اس وصیت کے بعد بتاریخ ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو لالہ ہیمراج
جی کا سورگباش ہو گیا۔ ان کے بعد لالہ جسونت رائے صاحب اور
لالہ سدانند صاحب نے جو ہیمراج پریم دیوی فنڈ سوسائٹی کے بھی ممبر
ہیں۔ اس کام کو ہاتھ میں لیا۔ اور جو روپیہ قرضہ پر لالہ جی نے لوگوں کو
ضمانت جائداد غیر منقولہ پر دیا ہوا تھا۔ اُسے وصول کرنا شروع کیا اور
وصول کر کے بنکوں میں جمع کروانے لگے۔ لالہ ہیمراج جی کے وقت

بنک میں ۹۳۰۰ روپیہ تھا۔ ۳۰۔ جون ۱۹۱۹ء کو بنکوں میں ۷۳۴۳۵ روپیہ ہو گیا۔ اور ۳۹۴۳ روپیہ نقد ہاتھ میں تھا۔ ساتھ ہی یہ تجویز کی۔ کہ ایک ششماہی میں جس قدر منافع آمدنی سود وغیرہ سے ہوا کرے۔ وہ اگلی ششماہی میں خرچ کر دیا جایا کرے۔ چنانچہ اس روپیہ سے علاوہ مستقل شفاخانہ ہیمراج پریم دیوی ملتان کے جس میں ایک لائق آیورویدک وید کام کرتے ہیں۔ اور ہزاروں بیماروں کا علاج مفت کرتے ہیں۔ ضلع مظفر گڑھ کے مواضعات اور بستیوں میں بخار کے موسم میں کونین تقسیم کی جاتی ہے جس سے غریبوں کو بہت آرام ملتا ہے۔ یتیم خانہ مظفر گڑھ کو علاوہ ایک سو روپیہ سالانہ کے مبلغ ۳۸۵ روپیہ دیا گیا ہے جس کے خرچ سے ایک مقابل کا کمرہ بنایا جاوے گا۔ اور دروازے پر لالہ ہیمراج جی کی یادگار دو سنگ مرمر کے پتھروں پر نصب کی جاوے گی۔ اور ضلع ملتان اور مظفر گڑھ کے طالب علموں کو جو سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں وظائف دئے جاتے ہیں۔ ایسے ۲۲ طلبا کو یکم جنوری ۱۹۱۹ء سے ۳۰۔ جون ۱۹۱۹ء تک جو روپیہ امداد میں دیا گیا ہے۔ اس کی میزان مبلغ ۲۱۰۸ روپے ۱۲ آنے ہوتی ہے لالہ جسونت رائے صاحب کی تجویز ہے۔ کہ ضلع ملتان اور مظفر گڑھ میں استریوں کی بیماری اور وضع حمل کے وقتوں میں امداد کیواسطے تعلیم یافتہ دائیاں تیار کی جاویں۔ جو استریاں اس کام کے واسطے تعلیم پانا چاہیں۔ اُن کے ایام تعلیم میں خرچ گزارہ کے واسطے کافی امداد بطور وظیفہ کے اُن کو دی جاوے گی۔

اس تحریر کا مدعا یہ ہے۔ کہ جو لوگ لالہ ہیمراج کی سی حالت میں ہیں۔ وہ اُن کی نظیر سے اپکار کے کام میں اپنا دھن خرچ کرنا

سیکھیں اور اپنے لوک اور پرلوک کو سُدھاریں - جیسا کہ شری مان لالہ ہیمراج جی نے کیا - اپنی دھرم پتنی شریمتی پریم دیوی کے خرچ اور دان کے واسطے اُنھوں نے علاوہ اس کے استری دھن اور زیورات وغیرہ کے لئے مبلغ ۱۰۰۰۰ روپیہ مخصوص کر دیا ہے - اور وہ دیوی بھی اپنے پتی کے نقش قدم پر چل رہی ہے +

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

دیش اور جاتی کے یتیم اور اناتھ بچوں کی طرف دیش اُپاسیوں کی توجہ جس قدر ہونی چاہیئے - اب تک نہیں ہوئی - ایسے لوگ تو ہیں - جو اناتھ بچوں کو دیکھ کر دیا کا بھاؤ من میں لاتے ہیں - اور کچھ دان بھی دیتے ہیں - مگر وہ بھاؤ صرف پر اُپکار کے خیال سے ہوتا ہے - اس کو اپنا ذاتی کام جیسا کہ فی الحقیقت ہے - نہیں سمجھا جاتا - یہی وجہ ہے کہ جاتی کے ہزاروں بچے جو اپنے بھلے بُرے کو جان نہیں سکتے - دھرم سے پتت ہو گئے - بھیکھ مانگنے والے فقیروں کے چیلے بن گئے - بدچلن - اوباش اور جُوئے باز ہو گئے - اور آوارہ پھر رہے ہیں - کوئی اُن کا مددگار نہیں - کوئی اُن سے ہمدردی کرنے والا نہیں - اور کوئی نہیں جس کے پاس وہ اپنے دُکھ - درد اور مصیبت کے حال کو بیان کر کے یہ اُمید رکھ سکیں - کہ اُن کی ڈھارس بندھائی جاوے گی - وجہ یہ ہے - کہ یہ لوگ ان بچوں کو اپنا اور اپنی کل اور جاتی کا انگ نہیں سمجھتے - اگر موج آئی - تو کسی کو بطور دان اور خیرات کے کچھ دے دیا - ورنہ کوئی لازمی امر نہیں ہے - کہ وہ اس کی طرف توجہ دیں - کیا یہ بات تعجب

اور حیرانی میں ڈالنے والی نہیں - کہ ایک شخص اپنے بچوں کیواسطے
تو اس قدر سرگردان اور مصروف کار رہے - کہ اُن کی پرورش اور
بہتری کے واسطے ضروری سامانوں کے حاصل کرنے کو تو اپنی ساری
طاقت اور لیاقت کو خرچ کرے - یہاں تک کہ دھرم ادھرم کا
خیال بھی چھوڑ کر اپنی آتما تک کو ہنن کر ڈالے - مگر اپنے باپ -
داداؤں کے بچوں کی مصیبت اور موت کی طرف سے بالکل بے پروہی
اختیار کرے - نہ صرف اس قدر بلکہ خود اُن کی بربادی کا کارن بن
جاوے دنیا میں ہر ایک چیز حرکت میں ہے - یہ حرکت اگر ترقی کی
طرف نہیں ہوگی - تو تنزّل ضرور ہوگا - خود غرضی اور نفس پرستی کا
اس قدر زور ہوگیا ہے - کہ دوسرے سب لوگوں کو غیر سمجھتے سمجھتے
نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے - کہ اپنے بچوں کے حقوق کو بھی پامال
کرنے کا رواج دن بدن بڑھتا جاتا ہے - اور نج آتما کے ہنن کرنے
کی بے شمار نظیریں دن بدن دیکھنے میں آنے لگی ہیں - جن واقعات
کا دھیان کرکے ہی آدمی حیران رہ جاتا ہے - یہ پرماتما یہ وہی رشیوں
کی بھومی ہے - جس میں پروپکار کی خاطر لوگ اپنے پرانوں تک کو تیاگ
دینے کو تیار ہو جاتے تھے - اور یہ موجودہ لوگ اُنہیں بزرگوں کی سنتان
ہیں - جو روزمرہ پشو پکشی کیٹ - پتنگ آدمی کی بھی رکھشا کیا کرتے
تھے - موجودہ زمانہ میں کیا ہو رہا ہے - اُس کی ایک مثال کا درج کیا
جانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے وہ اس طرح پر ہے - کہ ایک غریب پنڈت
محنت مزدوری کرکے اپنا گزارہ کیا کرتا تھا - باپ - دادا کا بنایا ہوا رہنے
کا مکان بھی تھا - جس میں اپنے دوسرے بھائیوں سے اپنا حصّہ لے کر
رہا کرتا تھا - اُس کی استری آنکھوں سے لاچار تھی - دیکھ نہ سکتی تھی -
چیچک کی بیماری میں نظر جاتی رہی تھی - اُن کے دو لڑکے پیدا ہوگئے -

جب ایک کوئی پانچ سال کا۔ اور دوسرا کوئی دو سال کا تھا۔ اُس شخص
کا انتقال ہو گیا۔ یعنی وہ شخص مر گیا۔ مرنے کے بعد ہندو لوگوں میں جو
رسم رواج کریا کرم اُٹھانے وغیرہ کا ہوتا ہے۔ اُس کے مطابق سب
ریت رسم پوری کی گئی۔ آخری دن جب اُٹھالے کے واسطے برادری
رشتہ داری اور پنچایت کے لوگ جمع ہوئے۔ اور رواج کو پورا کر کے
جب اس سبھا کے رخصت ہونے کا وقت آیا۔ تو وہ اناتھنی بیوہ
اس سبھا کے سامنے آئی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ آپ صاحبان نے
رسم و رواج تو سب کچھ پورا کر لیا۔ کرپا کر کے مجھے بتلا دیں۔ کہ مجھ
اناتھ۔ اندھی۔ بیکس بیوہ کا بھی کوئی گزارے کا انتظام آپ نے سوچا
ہے؟ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ میرا پتی غریب آدمی تھا۔ وہ جیتا تھا۔ میں
نہ جانتی تھی۔ کہ وہ محنت کر کے یا بھیکھ مانگ کر یا کس وسیلے سے کُنبہ
کے گزارے کے واسطے جو کچھ بھی لاتا تھا۔ اُس میں ہم چار پرانیوں
کا اچھا بُرا نرواہ ہو جاتا تھا۔ اُس کے پاس کوئی سرمایہ اور بچا ہوا دھن
نہیں تھا جس کو کھا کر میں چند روز اپنا اور اپنے ان معصوم بچوں کا
پیٹ پالن کروں۔ ان کو کیا معلوم ہے۔ کہ اُن کا پالن کرنے والا پتا
اب سنسار میں نہیں ہے۔ یہ تو رو رو کر مجھ سے پوچھتے ہیں۔ اماں
ہمارا بابا کہاں گیا ہے۔ میں اُن کو یہ کہتی رہتی ہوں۔ کہ بیٹا رو مت
وہ تمہارے واسطے مٹھائی اور کھلونے لینے کو گیا ہوا ہے۔ جلدی آجاویگا
مگر آج کے دن اُٹھالے اور لوک لاج کی رسم کے پورا ہونے تک تو مجھے
اور اُن کو بھی کچھ نہ کچھ اِدھر اُدھر سے کھانے کو مل ہی جاتا تھا۔ کل
تو کیا آج ہی رات کو کوئی میری بات بھی نہ پوچھیگا۔ اور میں آپ تو
اپنے پیٹ کو گرہ دے کر ایک دو دن رات تک فاقہ کر ہی لونگی۔ مگر
جب یہ بچے مجھ سے کھانے کو روٹی مانگیں گے۔ میں اُن کو کیا دونگی؟ اور

کہاں سے لاکر دونگی؟ آپ کرپا کر کے مجھے بتلا دیں۔ کہ میں اب کیا کروں اور کس سے سہائتا مانگوں۔ ساری سبھا اندھی بیوہ کی اس دُکھ بھری درخواست کو سن کر اسکی طرف متوجہ ہوئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کہ اس عرضداشت کا جواب کس کی طرف سے اور کس قسم کا دیا جاتا ہے۔ اندھی کا بوڑھا باپ بولا۔ کہ بیٹی میں حیران ہوں کہ تم کو جواب کیا دوں۔ تو جانتی ہے۔ کہ تیری ماتا بہت عرصہ گزرا۔ سورگ لوگ کو چل بسی ہے۔ تیرے بھائیوں کی عورتیں جس قسم کی ہیں۔ اُن کے سبھاؤ کو بھی تم جانتی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں۔ کہ تم کو اپنے ساتھ لے چلوں۔ مگر کل کو اگر تمہاری بھرجائیوں سے تمہاری بن نہ آئی۔ اور انہوں نے تم کو گت سے پکڑ کر نکال دیا۔ تو میں کیا کرونگا۔ بیوہ نے کہا کہ اس صورت میں میں آپ کے ساتھ کس طرح سے جا سکتی ہوں۔ آپ لوگ میرے دیوروں کو کہیں۔ کہ وہ ہی کوئی انتظام کر دیویں حاضرین نے دیور کے مُنہ کی طرف دیکھا۔ اور اس انتظار میں لگے۔ کہ کیا جواب دیتا ہے۔ اور دیور نے بھی محسوس کیا۔ کہ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور مجھ سے اس بیوہ کے سوال کا جواب سُننا چاہتے ہیں۔ بڑی سنجیدگی سے کہا کہ صاحبان ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا تو اور کس کا واسطہ ہے۔ تمہارے بھائی کی یہ عورت۔ اور تمہارے باپ کی بہو ہے۔ یہ بچے تمہارے بھائی کے لڑکے اور تمہارے باپ کے پوتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی پرورش کرو۔ اس پر وہ بولا۔ کہ یہ حساب کا معاملہ ہے۔ اور دیکھنے کی بات ہے۔ اگر اس عورت کا کچھ حساب ہمارے ذمہ نکلے تو ہم کو اس کے ادا کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ ہم کوئی بے دھرمی اور پاپی نہیں ہیں۔ کہ غریب بیوہ کی کوئی رقم دبا لیویں۔ لوگوں نے کہا

کہ وہ حساب اور لیکھا کیا ہے - اس پر جواب دیا - کہ دیکھیں - میں
آپ کے روبرو اس عورت کو سمجھا دیتا ہوں - اور اُمید ہے - کہ یہ
خود میری بات کی تصدیق کرے گی - لوگوں نے کہا کہ بہت اچھا - تو
عورت کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں بولا :-

"دیکھ رن تیرے پائے دا کاج اساں بڑا ویکے کیتا ہا
اتے اوندا بدلہ اوس کنوں کجھ نہیں گھدا وغیرہ"

یعنی اے رانڈ تمہارے خاوند کا بواہ ہم نے اُس کے عوض میں
لڑکی دے کر کروایا تھا - اُس بدلے والی لڑکی کا معاوضہ اس سے کچھ
وصول نہیں ہؤا - اگر تجھے کوئی لڑکی پیدا ہو جاتی - تو ہمارا حساب
بے باق ہو جاتا - اب تم نے پیدا کر دئے دو لڑکے - اب اُلٹا ہم پر
اپنا اور ان لڑکوں کی پرورش کا بوجھ ڈالنا چاہتی ہے - ہم نے اپنے
معاوضہ کی رقم کی وصولی کا علاج تو یہ کیا ہے - کہ باپ کے رہائشی
مکان میں تمہارے خاوند کا جو حصّہ ہے - اور جس میں تم رہتی ہو -
اُس حصّۂ مکان کو اُس معاوضہ کے بدلے حساب میں ڈال کر تمہارے
خاوند کا لیکھہ بیباق کر لیا ہے - اب تو ہی انصاف سے بتلا - کہ تیرا
کیا ہمارے ذمّے نکلتا ہے - ہم اُس کے ادا کرنے میں کوئی عذر نہ
کریں گے -

یہ لیکھا سن کر بیچاری نے کہا کہ اچھا دیوروں نے بھی اپنی رقم
پوری کر لی - اب میں ہاتھ جوڑ کر پنچایت سے بنتی کرتی ہوں - کہ اس
پر میرا کوئی حق ہے - یا نہیں ؟ پنچایت نے مشورہ کیا - کہ چندہ کر کے
اس کو چار روپے ماہوار دئے جاویں - اور کوئی چھوٹی سی کوٹھڑی کرا
پر لے کر اُس کے رہنے کو دی جاوے - کیونکہ اس کے رہنے کے مکان
سے نکال دئے جانے کا نوٹس تو اس کے دیور دے ہی چکے ہیں -

پنچایت کے اس فیصلہ پر دیور بولا۔ کہ آپ لوگ میری ناک کاٹ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا۔ کہ اچھا چندہ میں تم بھی اپنا حصہ ڈال دو۔ تمہاری ناک نہیں کٹے گی۔ اس پر وہ چپ ہو گیا۔ اس کے بعد پنچایت والوں نے دو آدمی مقرر کئے۔ کہ وہ لوگوں سے چندہ ماہوار لکھواویں۔ یہ آدمی جس شخص کے پاس چندہ لکھوانے کو جاتے دیور صاحب بھی چلے جاتے۔ اور کہتے کہ اس میں میری بدنامی ہے۔ آگے آپ کی مرضی ہے۔ لوگوں کو نہ دینے کے واسطے ایک بہانہ مل گیا۔ اور کسی نے بھی چندہ دینا منظور نہ کیا۔ اندھی بیچاری دس یوم تک بہ مشکل گزارہ کرتی رہی۔ اس انتظار میں کہ لوگ اس کا کیا انتظام کرتے ہیں۔ کسی نے کچھ نہ کیا تو ریل پر سوار ہو کر بچوں کو ساتھ لے کر وطن کو چھوڑ پردیس کو چلی گئی اُس کے دونوں بچے یتیم خانہ مظفر گڑھ میں داخل کئے گئے ❖

سوال ہو سکتا ہے۔ کہ کیا یہ سب باتیں جو جاتی کے اندر تباہی کے سامان پیدا کر رہی ہیں۔ جاتی کے خیر خواہوں سے چھپی ہوئی ہیں؟ ان کو یہ لوگ دیکھتے اور جانتے نہیں ہیں؟ دیکھتے ہیں اور جانتے بھی ہیں۔ تو کیا سب لوگ ان کو پسند کرتے ہیں؟ اور ان کا عام رواج دل سے چاہتے ہیں؟ ایسا بھی نہیں ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے دور کرنے کا اوپاؤ جیسا کہ چاہیئے وہ نہیں کرتے؟ جس سے یہ خرابی بجائے اس کے کہ کسی قدر کم ہو۔ روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ایک ایک آدمی میں اس قدر طاقت نہیں ہے۔ کہ بدی کے برخلاف آواز اُٹھا سکے۔ اور اُسے دور کر سکے۔ اور مل کر کام کرنے کی خوبی اور مہماں کو اب تک ہمارے لوگوں نے سمجھا نہیں ہے کہتے تو سب ہیں کہ اتفاق بڑی اچھی چیز ہے۔ بقول

زاتفاق مگس شہد مے شود پیدا + خدا چہ لذتِ شیریں در اتفاق نہاد

مگر اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے۔ لوگ کوشش کرتے ہیں۔ اور اکٹھے مل کر بنج۔ بیوپار اور سوداگری اور دھرم پروپکار کے کاموں کو جاری بھی کرتے ہیں۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد وہی جو ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ باہم جانی دشمن بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔ بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا یہ نتیجہ نکلا؟ کہ مل کر کوئی بھی کام نہ کرنا چاہیئے۔ اور ہر شخص کو اپنے اپنے ارادوں کے پورا کرنے کی کوشش الگ تھلگ رہ کر کرنی چاہیئے۔ اور ہر ایک شخص کو اپنی اپنی ڈفلی بجانا اور اپنا اپنا ہی راگ الاپنا چاہیئے۔ اگر ایسا کیا جاوے۔ تو کوئی بھی مستقل اور پائدار کام چل نہیں سکتا۔ ایک آدمی کتنا ہی لائق اور کام کرنے والا ہو۔ کتنا ہی ہوتا چاہے اوتار ہو اُس کے کام کرنے کی مدت محدود ہے۔ وقت آتا ہے کہ وہ اپنے کام سے الگ ہو جاوے۔ اگر کوئی اس کا قائم مقام کام کو جاری رکھنے والا نہیں ہے۔ تو کام فی الفور بند۔ اگر کوئی جانشین ہے تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ کہ وہ سب باتوں میں ہو بہو اس کا ہم پلہ ہو ایک نے خود محنت۔ مشقت اور ہزار طرح کی تکالیف اُٹھا کر بہت سے مخالف حادثات کا مقابلہ کر کے اس کام کو بنایا ہے۔ اور دوسرے نے بنے بنائے کام پر ادھکار پایا ہے۔ اس طرح سے بہت سے کام کرنے والوں کا کام جو کہ سنسار کی بھلائی اور سدھار کے واسطے جاری کیا گیا تھا۔ بڑی بڑی خرابیوں۔ بُرائیوں اور بگاڑ کا موجب بن رہا ہے۔ اور بہت سے لوگ گورو۔ اوتار اور پرمیشور تک بن کر بھولے لوگوں کو ٹھگ رہے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی کمائی پر خود پاپوں میں ڈوب رہے اور اُن کو ڈوبا رہے ہیں۔ اس واسطے

لازمی اور ضروری ہے۔ کہ بھلے پُرش ایشور پرماتما پر وشواس رکھ کر ہی بھلے کاموں کو شروع کریں۔ اور پریتم اور پریتی سے مل کر اُنہی کاموں کو اپنا آورش بنا کر کام میں لگ جاویں۔ اُن کے تھوڑا تھوڑا کرنے سے بھی بہت سا کام ہو جاوے گا۔ جاتی کے یتیموں کی پرورش۔ نگرانی۔ تعلیم اور سرپرستی کا کام اتنا بڑا ضروری۔ لازمی اور عظیم الشان ہے۔ اور نہ صرف خیرات اور پروپکار ہی کا کام ہے بلکہ اپنی جاتی اور سنتان کی رکھشا بھی اسی پر منحصر ہے اپنے بزرگوں کے نام کو جہان میں قائم رکھنے کا ایک یہی ذریعہ ہے۔ اور جتنا بڑا یہ کام ہے۔ اتنا ہی ضروری ہے۔ کہ ہر قسم اور درجہ کے لوگ اپنی اپنی حیثیت۔ توفیق اور حالت کے موافق اس میں حصّہ لیویں۔ جو لڑکے ودیا رکھتی ہیں۔ اور اس ضرورت کو سمجھ سکتے ہیں۔ وہ جتنا خرچ اپنی ضروریات پر کرتے ہیں۔ اگر ایک روپیہ میں سے ایک پیسہ بچا کر اس میں دیویں۔ تو کتنا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ جو لوگ گرہستی ہیں۔ ہزاروں روپیہ بیاہ۔ شادی۔ تعمیر مکان و جائداد پر خرچ کرتے ہیں پارچات اور زیورات پر ان کا خرچ کافی ہوتا ہے۔ ایسے خرچوں کے موقع پر اگر جاتی کے غریب اور یتیم بچوں کی ضروریات کا خیال کر کے کم از کم ایک روپیہ میں سے ایک پیسہ یا ایک روپیہ فی صدی دان کر دیا کریں۔ تو کتنا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ جو لوگ گرہستیہ کی منزل سے گزر چکے ہیں اور جن کے لڑکوں نے ان کے گھروں کو سنبھال لیا ہے۔ اور جنہوں نے سنسار کے بھوگوں کو بھوگ لیا ہے۔ زمانہ کے نرم گرم کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ گرہستھ کے جنجال سے نکل کر یتیم بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں شامل ہو جاویں۔ اس کام کو ہاتھ میں لے کر اپنی لیاقت اور تجربہ کی برکت سے ہر قسم کے

نقائص اور کمیوں کو دور کریں - جو لوگ اُپدیشک اور سنیاسی ہیں۔
وہ جہاں کہیں کہ یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم کا کام ہو رہا ہو پدھارا
کریں - کام کا ملاحظہ فرماویں - اور بہتر بنانے کی تجاویز کرم چاریوں
کو بتلاویں - اور جہاں کہیں وہ لوگوں کو اُپدیش دیویں - دیگر ضروری
دھرم وشئوں کے ساتھ ساتھ یتیموں کی ضروریات کی طرف بھی اُن
کی توجہ دلایا کریں - اس طور سے جاتی کے سب لوگ اگر کام کی طرف
دھیان دیویں - اور استریوں کو بھی توجہ دلادیں - تو پرماتما کی دیا سے
اس کام کے پورا ہونے میں دیر ہی کیا ہے ۔

یتیموں کی پرورش اور حفاظت کے سلسلہ سے جو جو فوائد جاتی
کے لوگوں کو پہنچ سکتے ہیں - اور جتنی مصیبت اور تباہی سے جاتی اور
قوم بچ کر منزل مراد تک جا سکتی ہے - اُس کی قدر اور قیمت اندازہ
سے زیادہ ہے - خیال کر کے دیکھا جاوے - کہ کتنے لوگ ہیں جن
کے گھر میں اولاد نہیں ہے - ہزار طرح کی کوشش کرتے حکیموں
ڈاکٹروں سے اولاد کے حاصل ہونے کے واسطے علاج کرواتے
اور ہزاروں روپے ایسے علاجوں پر خرچ کرتے ہیں - کچھ بھی
نہیں بنتا ہے - دیوی - دیوتاؤں کی منّتیں مانتے - پیر فقیروں
کے مزاروں پر قیمتی غلاف چڑھاتے - برہمنوں اور فقیروں کو بھوجن
خیرات اور دان دیتے - جوتشیوں اور رمّالوں کی خدمت خوشامد کرتے
جن - بھوت کے تماشہ گروں کی خوشامد کرتے - ان کاموں پر ہزاروں
روپیہ برباد کرتے - اور دن رات چنتا کی چتا میں جلتے رہتے ہیں
نہ دن کو آرام ہے نہ رات کو چین - ہر وقت سرد آہیں نکالتے
رہتے ہیں - ہائے اُن کے بعد اُن کی دولت - جائداد کا کون مالک
ہوگا - دنیا میں آکر وہ نامراد جانے والے ہیں - اس دُکھ اور

مصیبت کو بے شک وہ لوگ محسوس نہیں کر سکتے۔ جن کو پرماتما نے لاڈلی اولاد بخش رکھی ہے۔ مگر ایسے لوگ بھی تعداد میں کچھ کم نہیں ہیں۔ جو کہ اس نعمت سے محروم ہیں۔ ایسے لوگوں کو اولاد کا مل جانا کتنا بڑا کام ہے۔ اور یہ کام یتیم خانہ میں یتیم بچوں کی پرورش کے انتظام سے پورا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق کئی واقعات میں سے ایک کا لکھ دینا بھی ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح سے ہے کہ ایک صاحب کا خط موصول ہؤا ہے جس میں سے اُس کے نام کو چھوڑ کر باقی عبارت کو ذیل میں نقل کر دیا جاتا ہے :-

"مہاشہ پنڈت گنگا رام جی و لالہ نہال چند جی! نمستے

دل میں خیال پیدا ہؤا کہ بعد وفات جائداد کا مالک کون ہوگا۔ جو مخالف تھے۔ وہی مالک تھے۔ عرصہ سے یہ خیال پیدا ہؤا۔ کہ اگر کوئی یتیم بچہ مل جاوے۔ تب اُس کو متبنّیٰ بنا کر اُس کی پرورش کروں۔ یہ خیال سکرٹری آریہ سماج .. .. .. کو ظاہر کیا۔ اُنہوں نے بڑی خوشی سے لائل گزٹ میں مضمون دیا۔ اور یتیم خانہ سے خط و کتابت شروع کی۔ جواب آنے پر بابو .. .. جی پلیڈر سکرٹری آریہ سماج میرے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔ اول یتیم خانہ .. .. .. میں گئے۔ وہاں سے حسب منشا اروڑہ خاندان کا کوئی لڑکا نہ ملتا تو میں ہو کر لاہور یتیم خانہ مظفر گڑھ میں پہنچے۔ پنڈت گنگا رام جی کے درشن ہوئے۔ اُنہوں نے بڑی مہربانی کی۔ یتیم خانہ کے لڑکے دکھائے بوجہ عمر زیادہ ہونے کے کوئی لڑکا پسند نہ آیا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ مظفر گڑھ جا کر اروڑہ خاندان کا چھوٹا لڑکا پسند کر لیویں۔ اُن کے فرمانے پر ہم مظفر گڑھ پہنچے۔ وہاں بابو نہال کشن صاحب وکیل

پریزیڈنٹ کی اجازت سے لڑکے دیکھے گئے۔ اُن میں سے ایک لڑکا اروڑہ خاندان کا بہ عمر ۸ سال مسمی .. .. پسند کیا۔ کمیٹی نے مہربانی فرماکر تبنیّت نامہ دس روپے کے اشٹام پیپر مجھ سے لکھواکر اور رجسٹری کرواکر لڑکا میرے حوالے کر دیا۔ کمیٹی یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مہربانی سے لڑکے کی پرورش بھی اچھی طرح سے ہو رہی ہے۔ اور میری مراد بھی پوری ہوگئی ہے۔ یتیم خانہ مظفر گڑھ کے جتنے لڑکے دیکھے۔ بہت اچھے۔ تندرست ہیں۔ اور انتظام بہت اچھا دیکھا۔ یتیم خانہ قابل تعریف ہے۔ اگر یتیم خانہ کی طرف عام پبلک کی توجہ ہو جاوے۔ تو اس یتیم خانہ سے بہت لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اُمید ہے۔ کہ پرماتما اپنی کرپا کرے گا۔ اور پبلک کو ضرور فائدہ پہنچیگا *"

اس خط میں یتیم خانہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ لکھنے والے نے اپنے خیال اور رائے کے موافق لکھا ہے۔ مگر کام کرنے والوں کو معلوم ہے۔ کہ کام میں کس کس قسم کی کمی اور نقص موجود ہیں۔ جن کے درست کرنے کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے۔ پرماتما کی دیا ہوگی۔ دلیش نواسیوں کی توجہ اس طرف ہونے سے سب کام ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا *

ہمدردیٔ حیوانات

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

ہر ایک ملک میں۔ ہر زبان میں تمام مخلوقات سے بڑھ کر درجہ

انسان کو دیا گیا ہے۔ انگریزی میں انسان کو "پیراگون آف نیچر" یعنی قدرت کی لاثانی مخلوق۔ عربی میں اشرف المخلوقات اور سنسکرت میں اُتم یونی کے لفظ سے ملقب کیا ہے۔ انسان کے لفظ میں ہی ہمدردی۔ محبّت۔ پریم اور پروپکار کے گُن بھرے ہوئے ہیں۔ اسم بامسمّیٰ بننے کے لئے انسان کا فرض ہے کہ ان اوصاف کو اپنے اندر قائم کرے۔ حیوانوں میں پروپکار کا مادہ نہیں۔ دوسرے سے ہمدردی نہیں۔ اگر کوئی لقمہ۔ نوالہ اور شکار سامنے آئے۔ تو حیوان اس پر لڑ مریں گے۔ دوسروں سے ہمدردی کا مادہ پرماتما نے کیول انسان ہی کو بخشا ہے۔ ہم لوگ اگر انسان کہلاتے ہوئے نفس پرستی۔ مطلب براری اور خودغرضی میں محو رہیں۔ تو درحقیقت انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ دنیا میں انسان کا درجہ بیشک سب جانداروں سے پرمیشور نے اونچا بنایا ہے۔ مگر سب سے بڑے اور اونچے انسان کا فرض اپنے سے چھوٹوں اور نیچے والوں کی بھلائی اور بہتری کا خیال رکھنا بھی تو ہے۔ جیسا کہ انسانی کے جسم میں نیچے کا حصّہ پاؤں ہیں اور سب سے اوپر کا حصّہ سر۔ اگر صرف سر کی حفاظت اور خوشامد کی جاوے۔ پاؤں کا کوئی خیال نہ رکھا جاوے۔ تو پاؤں کی تباہی کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سر بھی سلامت نہ رہ سکے گا۔ اسی طرح سے بنی نوع انسان میں مختلف لیاقتوں اور درجوں کے لوگوں میں شودر کو پاؤں کہا گیا ہے۔ جن کو گرا گرا کر اونچے کل براہمن لوگوں نے نیچ۔ انتیج اور اچھوت بنا دیا ہے۔ اُنکے ناش ہونے سے کابین لوگوں کی بزرگی بھی رہ نہیں سکتی۔ اسی طرح سے کل ذی رُوح مخلوق کا بھی کوئی نہ کوئی ایسا تعلق باہمی ہے جس سے ایک کے نقصان کا اثر دوسرے پر کچھ نہ کچھ پہنچنا ضروری ہے

وقت ہے کہ عالم اور شائستہ ۔عقلمند اور مہذب لوگ اس پر وچار کریں ۔جس طرح سے اعلےٰ درجہ کے انسانوں کو ادنے درجہ کے انسانوں سے نیک سلوک کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی طرف بھی گو اکثر صاحبان کی توجہ ہو رہی ہے ۔انسانوں کی خرید و فروخت بطور غلاموں کے بظاہر بند ہو چکی ہے ۔اور جس قدر کام اس صیغہ میں کرنا باقی ہے ۔وہ بھی بہت زیادہ ہے ۔جس کے واسطے پتت اُدھار کی سخت ضرورت ہے ۔ٹھیک اسی طرح سے اعلےٰ درجہ کے ذی روح مخلوق انسانوں کو ادنے درجہ کے ذی روح مخلوق پکشی ۔پشو ۔پرند ۔چرند وغیرہ کے ساتھ بھی پریم کا بھاؤ اور مہربانی کا سلوک کرنے کی ضرورت ہے ۔اس سلوک کی طرف بنی نوع انسان نے جیسا کہ چاہیئے توجہ نہیں کی ۔اور بہت سے تو ایسے ہیں جو کہ اس طرف توجہ دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے ۔ایسے جانداروں کا جائز استعمال کرتے اور اُن سے جائز فائدہ اُٹھاتے اُٹھاتے لوگوں نے اُن کو خوراک کے کام میں لانا بھی بہت عرصہ سے شروع کیا ہؤا ہے ۔جس سے ایسے جانداروں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے ۔خوراک کے علاوہ پوشاک کے واسطے ہزاروں اور لاکھوں جانور مارے جاتے ہیں ۔پرندوں کے خوبصورت پروں سے جسم کی آرائش اور زیبائش کو بڑھانے کے واسطے لاکھوں خوبصورت اور پرماتما کی مہما کو پراتہ کال میں بڑی میٹھی اور سریلی آواز سے گانے والے پرندوں کو جان سے ہلاک کیا جاتا ہے ۔نتیجہ بڑا خراب ہو رہا ہے ۔دُودھ ۔گھی اور مکھن جو کہ انسان کی مقوی اور صحت بخش خوراک ہے ۔ان جانوروں کی تعداد روز بروز کم ہونے سے نایاب ہوتی جاتی ہے ۔زراعتکاری کے واسطے ہل چلانے والے ۔کنوؤں سے پانی نکالنے والے ۔گاڑی اور گڈوں کے کھینچنے والے جانور ایسے کمیاب ہو گئے ہیں ۔کہ جہاں ایک

اچھا کام کرنے والا بیل دس روپیہ میں مل جاتا تھا۔ اب پچاس ساٹھ روپیہ میں بمشکل ملتا ہے۔ گویا ان جانوروں سے مناسب سلوک نہ ہونے کا اثر انسانوں کی خوراک پر پڑ رہا ہے جس جنس کی خوراک جس مقام پر کافی ہوتی ہے۔ وہاں وہ جنس بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے جس کی خوراک کا سامان جس مقام سے معدوم ہو جاوے۔ اُس مقام پر اُس جنس کی ہستی بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ یورپ کے لوگوں نے حیوانی گوشت کو اپنی خوراک کا اتنا بڑا جزو بنالیا ہے۔ کہ باوجود بہت سی تیاری کے یورپ اپنی خوراک کے واسطے اپنی ضروریات کے موافق اتنا گوشت پیدا نہیں کر سکتا۔ دوسرے ملک کے جانوروں کو یورپ کے لوگوں کی خوراک کا سامان بننا پڑتا ہے۔ یورپ کے لوگ بڑے عالم اور عقلمند ہیں۔ اپنی دُنیاوی ضروریات۔ خوراک اور پوشاک کا انتظام پہلے ہی سے کر لیا کرتے ہیں۔ ۱۹۲۰ء کے واسطے ان لوگوں نے اندازہ لگایا ہے۔ کہ کل یورپ کی خوراک کے واسطے جس قدر گوشت درکار ہے۔ اُس کی تعداد اتنی بڑی ہے۔ کہ جس قدر گوشت یورپ کے ملکوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اُس کو استعمال کر کے چالیس لاکھ ٹن باہر کے ملکوں۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ جنوبی امریکہ۔ افریقہ وغیرہ دنیا کے ملکوں سے لایا جاوے گا۔ چالیس لاکھ ٹن کا حساب کرو۔ گیارہ کروڑ من کے قریب ہوتا ہے۔ کتنے کروڑ جانور جان سے ہلاک کئے جاویں گے۔ تب اتنا گوشت ایک سال کی خوراک کے واسطے مہیّا ہو گا۔ سال بسال ایسا ہونے اور اس ادنےٰ درجہ کی ذی روح مخلوق کے گھات کا جو اثر اعلےٰ درجہ کی مخلوق انسان پر ہو سکتا ہے۔ اُس کا اندازہ سمجھدار لوگ سنجیدگی کے ساتھ وچار کر کے لگا دیں۔ تو اُمید ہے کہ وہ اس کا کوئی مناسب انتظام سوچیں گے۔ جو لوگ اس سوال کو مذہبی سوال بنا کر آپس میں جھگڑے ٹنٹے کر لیا کرتے ہیں۔ اُن کی ہمت

ہیں التماس ہے۔ کہ وہ اِسے دنیا دی گزران کا سوال خیال فرماکر اس پر غور اور فکر سے توجہ فرماکر اس کے نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں +

یورپ کی تہذیب آجکل ساری دنیا کی اُستاد بن رہی ہے۔ اسواسطے یہی سبق ساری دنیا کے لوگ بھی سیکھ جاوینگے۔ اور یورپ کی تقلید کا اثر ساری دنیا کے لوگوں کی خوراک پر پڑنے سے جو کچھ ہونے والا ہے۔ اُس پر وچار کرنا بھی ضروری ہوگا۔ ہر ایک جاتی اور قوم کے عالم۔ فاضل اور عقلمند لوگ اس سوال پر وچار کریں۔ اور اپنے اپنے وچاروں کو ظاہر کرکے انسانوں کی جسمانی ترقی اور روحانی اطمینان کے سامانوں کو پیدا کریں +

آل انڈیا ہندو سبھا کے سکرٹری پنڈت دیورتن جی کا پتر اور اُس کا جواب

شریمان پنڈت گنگارام جی۔ نمستے

آپ کا بھیجا ہؤا رسالہ پتت اُدھار نامی مطبوعہ ماہ اکتوبر ۱۹۱۹ء مجھے ملا۔ اور اُسے پانے کے ساتھ سب سے پہلا کام میں نے اُسے اول سے آخر تک پڑھنے کا کیا ہے۔ مجھے آپ کے شبھ سنکلپ اور اپنی جاتی کے بےکس اور بے مددگار لوگوں کے ساتھ دلی ہمدردی اور پریم کے جذبات کے ساتھ نہ صرف پوری ہمدردی ہے بلکہ میں اس کے لیئے ایک طرف آپ کو اور دوسری طرف اُس سرچشمۂ خوبی پرماتما کو جو کل بھلائی کے چشمہ ہوکر نیک تحریکوں کو آتما کے اندر پیدا کرتے ہیں۔ دھنیاد دیتا ہوں۔ اور سچے دل سے اُس پرماتما سے دُعا

بھاؤ سے پرارتھنا کرتا ہوں ۔ کہ وہ آپ کے شُبھ سنکلپوں کی پورتی
میں آپ کی سہائتا کریں ۔ میں اپنے بھاووں کے پرکاش کو یہیں
تک سماپت کر دیتا ۔ اگر میں یہ سمجھتا ۔ کہ آپ کے شُبھ کاموں اور
شُبھ بھاووں کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کر دینا ہی کافی ہے
اور آپ کیول اتنے ہی سے سنتشٹ ہو جاوینگے ۔ لیکن آپ کی تحریر نے
مجھ پر یہ اثر کیا ہے ۔ کہ آپ صرف ہمدردی ہی نہیں ۔ بلکہ اپنے
شبھ سنکلپوں میں کامیابی بھی چاہتے ہیں ۔ اور اس لئے میں اس
کامیابی کے مقصد کو جو کہ میری ناچیز ہستی کا بھی مقصد ہے ۔ مدّ نظر
رکھ کر نیچے کی چند سطور زائد کرنا چاہتا ہوں ۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ
آپ بھی اُنہیں اُسی بھاؤ سے گرہن کرینگے ۔ کہ جس بھاؤ کو سامنے رکھ کر
میں نے اُنہیں قلمبند کیا ہے :۔

اوّل ۔ میرے خیال میں ان بھاووں کی کامیابی کے لئے ضرورت
ہے ۔ کہ اپنی ہندو جاتی کے ہر ایک پہلو میں پتت لوگوں ۔ کے
ادھار کے لئے باقاعدہ دل بدھ ہو کر کام کیا جاوے ۔ جسے انگریزی
میں آرگنائزڈ ایفرٹ (Organized effort) کہا جاتا
ہے +

دوم ۔ یہ دل بدھ جماعت مقادم طور سے اُن لوگوں کی ہو ۔ کہ
جو اپنی زندگی کا مشن مقادم طور سے ہندو جاتی کی سیوا کرنا سمجھتے
اور محسوس کرتے ہیں ۔ اور دوسرے لوگ اُن کی سہائتا میں شریک
ہوں ۔ جو روپیہ اور وقت سے اُن کی وقتاً فوقتاً مدد کرنے کو تیار
ہوں +

سوم ۔ یہ ہندو دھرم سیوکوں کی جماعت ہندو جاتی کے کسی
خاص مذہبی فرقہ یا جماعت کے ساتھ یگانگت یا مخالفت کا سمبندھ

نہ رکھتی ہو - بلکہ ہندؤوں کی ہر ایک جماعت جس قدر پتت اُدھار کا کام کر رہی ہو - اُس کے لئے اُن کی داد دیتی اور ہمدردی رکھتی ہو - اور اُسے نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہو - بلکہ اُس کام کی حد تک اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے اور اُن سے خود امداد حاصل کرنے کے لئے تیار رہتی ہو +

چہارم - یہ دَل بدھ جماعت اپنے اسی مقصد یعنی ہندو جاتی کے ہر ایک پہلو میں پتت لوگوں کی سیوا کرنے اور ہندو جاتی کے بنیادی ویدک اصولوں اور آچرنوں کا پرچار کرنے کے لئے پرچارک تیار کرنے - ٹریکٹ اور کتب شائع کرنے وغیرہ کا کام کرتی ہو - اور ہندو جاتی کی دھارمک و سماجک آرتھک اور راج نیتک اوستھا کو اُبھارنے کے لئے دھرم سیوک یا سیوا برت دھاری لوگوں کی جماعت کھڑی کرنے میں لگاتار مصروف ہو اگر آپ کا ان بُنیادی اصولوں کے ساتھ اتفاق ہو تو اب تک اس پہلو میں آل انڈیا ہندو سبھا کی طرف سے جس قدر کام کیا گیا ہے - اُس کے بارہ میں پھر عرض کرنے کی اجازت حاصل کرونگا +

آپ کے شُبھ سنکلپوں میں آپ کا ساتھی

دیورتن شرما سکرٹری آل انڈیا ہندو سبھا - ۱۷ نومبر ۱۹۱۹ء

اناتھ آشرم لاہور - ۲۰ نومبر ۱۹۱۹ء

پریہ مانیہ ور پنڈت دیورتن جی - نمستے

کرپا پتر - جو آپ نے پتت اُدھار کو پڑھ کر میرے نام تحریر فرمایا ہے - میں اُس کے واسطے آپ کا مشکور ہوں - اور میں اُمید کرتا ہوں - کہ جس سبھا کے آپ جیسے اُدار آتما منتری ہیں - پرماتما کی دیا سے اس سبھا کو اپنے مقاصد کے حصول میں کامیابی ہوگی - میرے ادیش کی کامیابی کے

واسطے جو مشورہ آپ نے مجھے دیا ہے۔ میں اُس کے واسطے آپ کا
دھنباد کرتا ہوں۔ اور اس کے متعلق جو کچھ میرا وچار ہے۔ وہ آپ کی
سیوا میں عرض کر دیتا ہوں۔ آپ کے فقرہ اول و دوم سے مجھے پورا
پورا اتفاق ہے۔ فقرہ سوم کی نسبت عرض ہے۔ کہ پتت اُدھار کا دوسرا
حصہ آپ کے پتّر موصول ہونے سے پیشتر تقریباً پریس میں جا چکا تھا۔
اس کی تیاری پر اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جاوے گا۔ کہ
دوسرے فرقوں اور مذہبی جماعتوں سے کس قسم کا سلوک کیا جاویگا۔
مگر اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ حقیقت پوشیدہ ہی رہ سکتی
ہے۔ کہ یہ تحریک مہرشی سوامی دیانند کی ہے جس نے سوئے ہوئے
بھارت باسی رشی سنتان کو سنگھ ناد سے اس واسطے جگایا۔ کہ وہ اپنی
حالت کو سدھار کر سنسار کے اپکار میں پرورت ہو جاوے اُس نے
آواز لگائی۔ کہ उत्तिष्ठ प्रात: कालो जात: اور وہ آواز
اب تک بھی ہزاروں۔ لاکھوں دھرم اور منش جاتی کے سیوکوں کے کانوں
میں گونج رہی ہے۔ اُسی آواز سے پریرت ہو کر آریہ سماج قائم ہوئے۔
اور آریہ سماج مظفر گڑھ نے بھارت کے اناتھوں اور یتیموں کی رکشا۔
اور سکشا کے واسطے اناتھ آلیہ کھولا۔ اور اناتھ آلیہ اور دیگر پروپکار
کے کاموں کو چلانے کے واسطے ایک سوسائٹی بنائی۔ جس کا نام
سوسائٹی یتیم خانہ مظفر گڑھ ہے جس کے قواعد کی ایک کاپی ہیں آپ کی
سیوا میں ارسال کرتا ہوں۔ اسی سوسائٹی کے زیر ہدایت یہ پتت ادھار
نامی رسالہ شائع ہوگا۔ البتہ اس کام میں ہندو جاتی کے کسی بھی مذہبی
فرقہ یا جماعت کے ساتھ مخالفت کا سمبندھ نہ ہوگا۔ بلکہ اِسے ہر
ایسی جماعت کے ساتھ جو پتت ادھار کا کام اپنے قواعد اور عقیدہ
کے موافق کر رہی ہوگی یا کرے گی۔ ہمدردی ہوگی۔ اور اُس کے کام

میں جہانتک کہ دھرم کے خلاف نہ ہو۔ امداد کی جاوے گی۔ اُن کا اختیاز ہے کہ وہ ہمارے اس کام کو جہاں تک کہ اُن کے دھرم کے برخلاف نہ ہو۔ امداد دیویں + فقرہ چہارم میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اُس کے ساتھ ہم کو پوری ہمدردی ہے۔ مگر آپ خیال فرماویں۔ کہ سارے جہان کے کام کوئی بھی ایک شخص یا سبھا۔ سوسائٹی پورے طور پر نہیں کر سکتی۔ ان ادیشوں میں سے جو آپ نے اس فقرہ میں درج فرمائے ہیں۔ راج نیتک اوستھا کو اُبھارنے کے کام کے علاوہ باقی سب کاموں سے اتفاق ہے۔ اس مطلب کے واسطے ملک کے اندر ایک تو نیشنل کانگریس بڑا کام کر رہی ہے۔ آپ کی آل انڈیا ہندو سبھا بھی میں اُمید کرتا ہوں کہ اس کام کو اچھی طرح سے کر رہی ہوگی۔ اس سوسائٹی کا کام تو اناتھوں۔ یتیموں۔ غریبوں۔ بےکسوں اور بدھواؤں کیواسطے سرو سادھارن کے دل میں ہمدردی اور دیا کے بھاوؤں کا پیدا کرنا ہے بجائے خود آپ یہ خیال فرماویں۔ یہ تھوڑا کام نہیں ہے۔ جبکہ کام کرنے والوں کی تعداد آپ جانتے ہیں۔ کہ بہت قدرے قلیل ہے پس صرف پولیٹیکل کام کے سوائے باقی جس قدر کام آپ کی آل انڈیا سبھا یا کوئی اور سبھا کر رہی ہوں۔ یا کرنیوالی ہوں۔ یا کر چکی ہوں۔ اُن کی بابت جو کچھ آپ تحریر فرماویں گے۔ اُس کی طرف مناسب توجہ دی جاوے گی + آپ کا شُبھ چنتک۔ گنگا رام سکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ

رسالہ جات گرہست سدھار حصہ اول و دوم۔ دھرم شکشا کی دھارنی ہندی و اُردو۔ اور رسالہ جات سورگ اور نرک یتیم خانہ مظفر گڑھ اور اُس کی شاخ لاہور سے قیمتاً مل سکتے ہیں +

پتت اُدّھار

جس دیش اور جاتی میں گرے ہوؤں کو اُٹھانے کا انتظام نہیں وہ دیش اور جاتی بہت جلدی تنزل کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ ہندو جاتی خاص طور پر ایسے حالات کا شکار ہو رہی ہے یہاں استری جاتی کا برا حال ہے بدھواہوں کی درگتی ہو رہی ہے یتیموں کو لوٹنے اور جان سے ہلاک کر دینے کے واسطے اُن کے اپنے ہی سمبندھی اور رشتہ دار تیار بیٹھے ہیں۔ کمزوروں اور نردھنوں کو ستا ستا کر زور والے اپنی طاقت کو بڑھا رہے ہیں۔ پرماتما کے امرت پُتر انگنت نر ناریوں کو اچھوت بتا کر جاتی کے پریوار سے خارج کیا جا رہا ہے۔ ایسے بہت سے حالات ہیں جن کو خیال کر کے دردمند دل والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سب حالات کو پبلک کے سامنے لانے کے لئے کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اس واسطے یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی کا وچار ہے۔ کہ ایک ماہواری رسالہ **پتت اُدھار** جاری کیا جاوے جس میں ان حالات کے ساتھ یتیم خانہ مظفر گڑھ اور اُس کی شاخ لاہور و بیٹ سوہنی اور دوسرے یتیم خانوں کے حالات بھی پرکاشت ہونگے۔ ایک ہزار خریدار ہونے پر جاری ہوگا۔ ماہ اکتوبر میں ٹریکٹ کے طور پر پہلا حصّہ نکالا گیا تھا۔ بہت سے خریدار بن گئے ہیں مگر چونکہ ابھی تعداد پوری نہیں ہوئی۔ اس واسطے یہ دوسرا حصہ بھی بطور ٹریکٹ کے ناظرین کے سامنے ہے۔ کوئی خاص تاریخ مقرر نہیں ہو سکتی۔ پوری تعداد خریداروں کے ہونے پر بصورت رسالہ ماہواری نکلے گا۔ قیمت سالانہ عہ/۸ ہوگی۔ یہ پرچہ ۲ر فی کاپی کے حساب سے دیا جاویگا۔ درخواست پر مل سکیگا۔

لونید ک

پنڈت گنگارام سکرٹری کمیٹی یتیم خانہ مظفر گڑھ و شاخ لاہور

اوم

پتت اُدّھار

حصّہ سوم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی

تجویز سے دسمبر ۱۹۱۹ء میں

مرتّب ہو کر

لال سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ کرم چند بہل پرنٹر چھپا
اور لالہ گنگا رام پبلشر نے شائع کیا

تعداد جلد ۱۰۰۰ قیمت فی کاپی ۲ر

اوم

پتت اُدھار کے متعلق ریویو اور حال کا اظہار

دوسری دفعہ یہ ٹریکٹ ماہ نومبر ۱۹۱۹ء میں دو ہزار کی تعداد میں چھپوایا گیا۔ اس میں سے دو سو کاپی تو شریمان لالہ ہیمراج جی تنیجہ مرحوم کے دھرم ارتھ فنڈ کی طرف سے اُس کے ٹرسٹیان شریمان رائے جسونت رائے اور شریمان لالہ سدانند نے منظور فرمایا ہے۔ کہ اضلاع مظفرگڑھ اور ملتان کے لوگوں میں تقسیم کر دئے جاویں۔ اور قریب چھ سو کاپی کے امرتسر میں موقعہ اجلاس انڈین سوشل کانفرنس کے لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ اُن کی لاگت کا خرچ کئی ایک سجنوں نے اپنی گرہ سے تھوڑا تھوڑا کر کے دے دیا۔ کئی صاحبان نے تو آٹھ آنے سے لے کر دس روپے تک دیا۔ ایک صاحب نے ایک سو روپیہ دیا۔ اور ایک صاحب نے پچیس روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور چار صد کاپی آئندہ خریداران کے واسطے رکھی گئی ہیں۔ مستقل خریداروں کو بھی کاپیاں روانہ کر دی گئی ہیں اور بہت سی اُن صاحبان کی سیوا میں ارسال کی گئی ہیں۔ جنہوں نے خریدار بننے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور بہت سی نمونہ کے طور پر لوگوں کو دی گئی ہیں۔ کسی قدر دو آنہ فی کاپی کے حساب سے فروخت ہو کر باقی تھوڑی سی کاپیاں رہ گئی ہیں اُمید ہے کہ یہ سب بھی لگ جاوینگی +

اُس حصہ میں وہ ریویو درج کئے گئے ہیں۔ جو کہ پہلے حصہ ماہ اکتوبر والے کے شائع ہونے پر موصول ہوئے تھے۔ جو کہ اخبارات آریہ گزٹ۔ لیڈر اور پرکاش میں نکلے۔ اور شریمان مہاتما ہنسراج جی سابق پردھان دیانند کالج کمیٹی لاہور اور شریمان پنڈت دیلورتن جی سکرٹری آل انڈیا ہندو سبھا

کی طرف سے آئے تھے - دوسرے حصہ کے پریس میں جانے کے بعد جو ریویو آئے ہیں وہ اس حصّہ سوم میں درج کیئے جاتے ہیں - اور اس حصّہ سوم کو بھی بطور ٹریکٹ کے شائع کیا جاتا ہے - اس وجہ سے کہ ابھی تک پورے ایک ہزار خریداروں کا سالانہ چندہ فی کس عہ۸ر وصول نہیں ہوا - ناظرین سے اُمید ہے کہ بہت جلدی سے خریداران کے چندہ بھجوانے میں مدد کرینگے - تاکہ رسالہ ماہواری کے طور پر اس کی رجسٹری کرائی جاوے - جب تک ایک ہزار خریدار کا چندہ وصول نہ ہوگا یہ پتت اُدھار بطور ٹریکٹ کے مہینہ میں ایک بار شائع ہوتا رہیگا *

اور سجّن پرشوں کی اطلاع کے واسطے یہ بھی درج کیا جاتا ہے - کہ امرتسر میں انڈین سوشل کانفرنس کے موقع پر پتت اُدھار فنڈ کی طرف سے ساڑھے چار ہزار چھوٹی بڑی کتابیں مفت تقسیم کی گئیں جن کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ ہوتی ہے - اور یہ ڈیڑھ سو روپیہ سجّن اور دیش ہتکاری لوگوں نے ادا کر دیا ہے - جس کا اوپر بیان ہوچکا ہے وہ کتابیں حسب ذیل تھیں :-

پرمیشور وانا نوں - سچا دان - دھرم سکشا کی مہارنی - گرہستھ سدھکا حصّہ اول و دوم - لیستر مرگ پر وشرام کرنے والی جاتی کے اُدھار کی ایک تجویز - سورگ اور نرک حصّہ دوم تا ہفتم - پتت اُدھار حصہ اوّل و دوم *

پتت اُدھار کا کام بنیاد سے اور چھوٹے درجہ کے لوگوں سے شروع ہونا ضروری ہے - اور بستی بستی اور گاؤں گاؤں میں پتت اُدھار سیوکوں کی ضرورت ہے جن سجّنوں کے ہاتھ میں یہ پمفلٹ پہنچے - اُن کی سیوا میں عرض ہے - کہ جہاں تک ممکن ہو - اپنے دوستوں اور سمبندھیوں کو اس سرو ہتکاری کام میں شامل ہونے کی پربھنا کریں - اس کے متعلق اپنی رائے سے بھی اطلاع دیویں *

وہ ریویو اور رائے حسب ذیل ہیں :-

اول - لالہ شہزادہ رام جی سبھاسد آریہ سماج انارکلی لاہور ایسے پرشوں میں سے ہیں۔ جو اپنا بہت سا وقت دھارمک اور ساماجک مضامین کے وچار اور اپنے وچاروں کے پرچار میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس مطلب کے واسطے اُنہوں نے بہت سی پستکیں تصنیف کی ہیں۔ ان پستکوں نے سروسادھارن کے دلوں میں ایسا پربھاؤ ڈالا ہے۔ کہ اُن میں سے اکثر تین تین دفعہ شائع ہو چکی ہیں۔ اور برابر اُن کی مانگ لگی ہوئی ہے۔ وہ پستکیں عجیب کشش اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اُن کو شروع کر کے جب تک انسان ختم نہ کر لے۔ تب تک دوسرا کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ ان پستکوں کے نام یہ ہیں۔ ویدک پرارتھنا پستک۔ گرہ شنکشک ارتھات گرہستھ سدھار۔ دھرم سادھن۔ سورگ کی سیڑھی۔ ایشور پوجا۔ ایشور ملاپ۔ مکتی کا ستیہ گیان۔ یہ لالہ شہزادہ رام پترت اُدھار کے پہلے شائع ہوئے پمفلٹ کو پڑھ کر حسب ذیل پتر بھیجتے ہیں :-

شریمان پنڈت گنگارام جی مہاراج۔ نمستے

نوبدن ہے کہ میں نے آپ کا رسالہ پترت اُدھار نہایت پریم اور غور سے مطالعہ کیا۔ جو خیالات دیش اور جاتی کے سدھار کے بارے میں آپ نے درج فرمائے ہیں۔ وہ اتنے قیمتی ہیں۔ کہ اگر اُن کو عمل میں لایا جاوے۔ تو منش جاتی کی کایا پلٹنے میں سندیہہ نہیں۔ آپ کے پوتر وچار نہایت ہی سبق آموز ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ آپ نے ان خیالات کے پرچار سے دیش اور جاتی کی بڑی بھاری خدمت کی ہے اور اس میں آپ ہر کس و ناکس کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ آپ کی تحریر کا اصل مقصد انسانی زندگی کو عملی اور سادھن سمپنیہ بنانا ہے

یہ رسالہ بار بار پڑھنے اور غور کرنے کے یوگیہ ہے۔ آپ کے پوتر وچار
ہردے سے نکلے ہوئے ہیں۔ ست تو یہ ہے کہ جب کوئی مصنّف کسی
ایسے مضمون پر قلم اُٹھاتا ہے جس کو وہ پورے طور پر محسوس بھی کرتا
ہے۔ تو اُس کی طرز تحریر میں ایک خاص قسم کی رنگت آجاتی ہے۔ جو
اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ چونکہ آپ کی زندگی کا انتم ادیش منشت جاتی
کا ادھار اور اناتھوں کی رکشا کا ہے۔ جس کو آپ گذشتہ تیس سال
سے نہایت پریم اور شردھا سے کر رہے ہیں۔ اور اس لئے آپ کے
لکھے ہوئے ایک ایک اکشر میں مقناطیسی اثر ہے۔ میرے کمزور قلم
میں شکتی نہیں۔ کہ میں اپنی دلی پرسنتا کا جو اس رسالہ کے پاٹھ سے
مجھے پراپت ہوئی ہے۔ اظہار کر سکوں۔ تاہم میں آپ کا مشکور
ہوں۔ اور آپ کے اُپدیش کے اثر کو بڑے زور سے محسوس کر رہا
ہوں۔ میری پرم دیو پرماتما سے پرارتھنا ہے۔ کہ وہ دیالو بھگوان
آپ کے پوتر سنکلپوں کو نر اور ناری کے کانوں تک پہنچانے کا آپ
ہی ذریعہ بنیں۔ تاکہ اُن کی سنتان دُکھوں سے مکت ہو کر نئی زندگی
حاصل کرے۔ آپ کا شبھ چنتک شہزادہ رام مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء

(اخبار اروڑ بنس سدھارک لاہور۔ مورخہ ۲۲۔ نومبر ۱۹۱۹ء)

پنڈت گنگا رام جی بانی یتیم خانہ مظفر گڑھ۔ جن کا ذکر سدھارک میں
اس سے پیشتر کئی بار آچکا ہے۔ اور جن کا ایک مضمون اس ایشو میں
بھی کسی دوسری جگہ شائع ہوا ہے۔ ایک ایسے بھارت پتر ہیں۔ جن کے
ہردے میں سچائی اور دھرم نے پورا پورا گھر کیا ہوا ہے۔ آپ بھارت
کے لئے وہ کام کر رہے ہیں۔ جس کی ایک سچے بھارت پتر سے اُمید کی
جا سکتی ہے۔ آپ کی زندگی کا بہت سا حصہ ایسے علاقہ میں گذرا ہے۔

جو اروڑ گرڈھ کہا جا سکتا ہے۔ اس اروڑ گرڈھ میں آپ نے بہت سے اُتم کام کر کے جاتی اروڑبنس کو بہت سا لابھ پہنچایا ہے۔ یتیم خانہ مظفر گرڈھ جس میں زیادہ تعداد اروڑ بنس کے طلبا کی ہے آپ نے مظفر گرڈھ اور گرد و نواح کے یتیم بچوں کی رکھشا کے لئے بنایا ہوا ہے۔ آپ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ تیار کر کے شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ ٹریکٹ بہت مفید ہوتے ہیں۔ حال میں آپ نے ایک ماہواری رسالہ پتت ادھار نام کا جاری (کرنے کا وچار) کیا ہے۔ اس کا پہلا نمبر (پشکل ٹریکٹ) ہمارے پاس پہنچا ہے جس میں یہ مضمون ہیں:-

(۱) پتت کون ہے؟

(۲) پتت جاتیوں کے حالات ÷

(۳) بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے ÷

(۴) استریوں پہ اتیاچار ÷

ان مضامین کو مطالعہ میں لا کر کون ایسا شخص ہے۔ جس کا دل پگھل نہ جاوے۔ اور پنڈت جی کے اُوچیہ بھاؤں کی داد نہ دے۔ دو آنے فی کاپی اس کا دام ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ دھناڈیہ بھائی اس رسالہ کی کاپیاں خرید کر عوام میں تقسیم کریں ÷

از سوامی اچیوتانند جی مہاراج

یہ پستک بہت اچھی بنی ہے۔ اس کے پرچار سے بہت کچھ دیش کو لابھ ہوگا۔ اس لئے اس کو سب لوگ پڑھیں۔ دھناڈیہ پرشوں کو اس کی کاپیاں بانٹنی چاہئیں ÷

ہستاکشر اچیوتانند سب کا شبھ چنتک۔ ۱۱ مگھر سمت ۱۹۷٦

اوم ओ३म् اوم

پتت پاون پربھو آشرا دو ہمیں آشرا اور کوئی ہمارا نہیں
ہم نے لی ہے فقط اک تمہاری شرن ہے پتا اور کوئی سہارا نہیں
ہے اودیا یہاں کیسی چھائی ہوئی سب دھرم اور کرم کی صفائی ہوئی
آس تم سے ہے ایشور لگائی ہوئی اس دوارے سا کوئی دوارا نہیں
دیدپاٹھی نہ یہاں برہم گیانی رہے دیر جودھا نہ کھشتری لاثانی رہے
ناہی داتا رہے اور نہ دانی رہے - اپنا اپنا ہی چلتا گذارہ نہیں

پتت پاون کا دربار

روزمرہ بلاناغہ تم اپنے سچے پتا سنسار کے مالک کے دربار میں جانے کی عادت ڈالو - اور اگر ایک ایک ہی برکت کو کچھ عرصہ میں حاصل کرنے کا جتن کروگے تو تم کو خود معلوم ہو جاوے گا کہ کتنا سکھ اور آنند تم نے پا لیا ہے - ایک دفعہ جب تم نے اس کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیا اور کسی بھی اپنے بھائی انسان کے ساتھ دشمنی اور نفرت کا بھاؤ اپنے من میں نہ رکھا - اور اسی بھاؤ کو ساتھ لے کر تم کچھ عرصہ تک اس سچے دربار میں جاتے رہے - جہاں تمہاری کوئی بھی بناوٹ اور دکھلاوا چھپا ہوا نہیں رہ سکتا تو یہ بھاؤ ہمیشہ تمہارے من میں بنا رہیگا - پھر چلتے پھرتے - سوتے جاگتے کسی بھی جاندار سے ویر اور برائی کا خیال تمہارے دل میں نہیں آویگا - رفتہ رفتہ تم دیکھو گے کہ جن کو تمہارے برخلاف دشمنی اور عداوت کے خیالات ہر وقت ستایا کرتے تھے - اور وہ تم سے آنکھ نہ ملا سکتے تھے - اُن کے دل بھی کدورتوں سے صاف ہو گئے ہیں - اب موقع آوے گا کہ جو دشمن تھے وہ دوست بنجاویں

بدخواہ خیرخواہ ہو جاویں۔ جن سے ڈرتے ہوئے ہر وقت اپنی کمزوری۔ بیماری اور تکلیف کو چھپایا جاتا تھا۔ اُنہیں کے آگے اپنے سب حالات کو ظاہر کر دیا جاوے تاکہ پریم سے مل کر تمہاری کمزوری کو دور کریں۔ تمہاری بیماری کا اپنے فایدہ اور آرام کی خاطر علاج کریں۔ تمہاری تکلیف اور دُکھ کو اپنا دُکھ جانکر اُس کے مٹانے کا او پاؤ سوچیں۔

پیارے ناظرین اب آپ اپنے من کے اندر اندازہ کریں اس حالت کا جبکہ ارد گرد کے لوگ آپ کے دشمن ہوں۔ بھائیوں کی شکل سے آپ کو ڈر لگتا ہو۔ پڑوسی اور ہمسائے آپ کے بدخواہ ہوں۔ شہر اور گاؤں کے لوگوں کو آپ سے ہمدردی نہ ہو اور آپ صرف ایک اکیلی اور واحد شخصیت کے مالک ہوں جبکہ کوئی بھی آپ کو اپناتا نہیں۔ اور پھر اُس کے مقابلے میں اندازہ کرو اس حالت کا جبکہ کوئی بھی آپ کا دشمن نہیں ہے سب کو آپ سے ہمدردی ہے۔ بھائی آپ کو نہ صرف دیکھ کر بلکہ آپ کا دھیان کرنے ہی سے پریم میں مگن ہو جاتے ہیں پڑوسی اور ہمسائے آپ پر ایسے موہت ہیں۔ کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے اپنا خون گرانے کو اپنا کرتویہ جانتے ہیں۔ شہر اور گاؤں میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جو آپ کو اپنا نہیں جانتا۔ سب کے سب یہی سمجھتے ہیں کہ آپ خاص اُنہیں کے ہو اور اُنہیں کے واسطے ہو۔ جدھر آپ نظر ڈالتے ہیں سبھی لوگ آپ کے بھائی۔ دوست اور متر نظر آتے ہیں۔ غیر آپ کے واسطے کوئی بھی نہیں۔ اب آپ ہی بتلادیں کہ ان دونو حالتوں میں جتنا فرق ہے۔ دوزخ اور بہشت کا فرق۔ نرک اور سورگ کا۔ بھید اتنا نہیں ہے۔ آپ خود سمجھ لوگے کہ جہاں آپ پہلے نرک میں سڑ رہے تھے۔ اب سورگ کی ٹھنڈی۔ آرام وہ خوشبودار ہوا میں وشرام کر رہے ہو اور جہاں دوزخ کے بچھو اور سانپ ہر وقت

آپ کے جسم کے اندر اور باہر ڈنگ لگا لگا کر آپ کو بیکل اور پریشان کر رہے تھے۔ اب آپ فردوس کے گلزاروں میں گلگشت کرتے اور گوناگوں لذیذ میوہ جات کو نوش فرما رہے ہو دوستو آپ لوگ اپنی حالت میں اس قسم کی تبدیلی چاہتے ہو تو پتت پاون پتا کے سچے دربار کی مذکورہ بالا سچی ہدایت پر عمل کرو۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ کو خود معلوم ہو جاوے گا کہ اس کا پھل کیا ہوتا ہے÷

پتت اُدّھار

پتت اُدھار کا کام جس قدر عظیم الشان ہے اُس کا خیال کرکے ہر ایک انسان حیرت کے دریا میں غرق ہو جاتا ہے۔ ہے پرماتما یہ کتنا بڑا کام ہے میں خود پتت ہوں۔ تو میں پتت اُدھار کیسے کر سکتا ہوں۔ یہ خیال ہر ایک شخص کے دل میں آ جاتا ہے جو کہ اپنے اندر کی حالت کو ایکانت میں بیٹھ کر وچار کرتا ہے اور آتما کی روشنی سے اپنے ہردے کے اندر تاریک گُفاؤں کی پڑتال کرتا ہے پھر وہ جانتا ہے کہ میں نہ پتت ہی نہیں بلکہ نربل بھی ہوں۔ اگیانی بھی ہوں۔ نردھن بھی ہوں۔ میری ایک تچھ اور ناچیز ہستی ہے۔ میں اس کام کو کس طرح سے نبھا سکوں گا÷

اس پر وچار کرنے سے پتہ مل سکتا ہے کہ یہ کام بیشک بڑا مہان اور عظیم الشان ہے۔ بڑے سے بڑا انسان اپنی ودیا۔ بل یوگیتا پورشارتھ سے اسے پورا تو کیا اس کا ایک انش بھی سنوار نہیں سکتا۔ مگر جب انسان غور سے دیکھیے تو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ کام تو خود پرماتما کا ہے۔ اور اسی کے سہارے اور بھروسے پر یہ کام ہو سکتا ہے

بیشک ہم لوگ پاپوں میں گرسست ہیں مگر پاپوں کے بچا رنے کی سکتی بھی تو اُسنے تھوڑی بہت کچھ نہ کچھ دے ہی رکھی ہے۔ ہم اگر اس تھوڑی تھوڑی طاقت سے بھی کام لیویں تو کتنا کام ہو سکتا ہے۔

خیال کرو کہ ایک پانچ سال کا نربل بچہ ایک راستہ پر کھڑا ہے اس راستہ میں ایک بہت گہرا گڑھا ہے۔ جو کیچڑ اور پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اُس کے نزدیک ایک اندھا آدمی جو دیکھ نہیں سکتا اُسی راستے پر چلتا ہوا آ رہا ہے اگر اُسے روکا نہ جاوے تو ضرور ہے کہ وہ اس گڑھے میں مُنہ کے بل گر جاوے سارے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو جاویں سر۔ مُنہ اور ڈاڑھی گندے پانی سے خراب ہونے کے ساتھ بیچارہ سردی سے بھی تکلیف اُٹھاوے۔ وہی صغیر سن بچہ اگر اُسے اتنا کہے کہ پتاجی آپ ذرا ٹھہر جاویں سیدھے اس راستہ پر نہ آویں۔ یہاں کیچڑ اور گندے پانی سے بھرا ہوا گڑھا آپ کے آگے موجود ہے۔ میں آپ کو اس سے بچا کر چلنے کی امداد دیتا ہوں۔

خیال کرو کہ اس نربل۔ کمزور اور اگیانی بچہ کے ذریعے پرماتما کی دیا سے کتنا بڑا کام ہوگیا جس انسان کے ذریعہ یہ کام ہوا۔ وہ تو درمیان میں ایک اوزار کے طور پر پرماتما کی طرف سے استعمال میں لایا گیا ہے اس طور سے ہر ایک جاندار پشو۔ پکشی۔ استری۔ پُرش بچہ۔ بوڑھا بیمار بھی خواہ حقیر سے حقیر ہو اس مہان اور عظیم الشان کام کی پورتی میں بطور ایک ذریعہ یا وسیلہ کے استعمال میں آسکتا ہے اور اس کے ذریعہ بڑا بھاری کام ہو سکتا ہے۔ ایک لنگڑا اور ایک اندھا مل کر کس طور سے ایک دوسرے کا م دھار کر سکتے ہیں۔ اس کو سب لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں پس اول اچھیا اور ارادہ کا ہونا لازمی اور ضروری ہے اس کے بعد ہزار طرح کی سبیل اس کام کے واسطے پرماتما کی دیا سے خود بخود نکل سکتی ہے۔

اپنی اپنی حیثیت اور مقام کے موافق ایک عاجز سے عاجز اور کمزور سے کمزور جسم بھی بڑے سے بھاری طاقتور اور حکومت مجسم انسان کو دُکھ سے بچانے کا کارن بن سکتا ہے۔

امر واقعہ ہے کہ ایک ضلع کے مالک ڈپٹی کمشنر صاحب کو ہاتھی کی سواری کا شوق تھا چنانچہ اُنہوں نے دورہ میں اپنی سواری کے واسطے جہاں اُن کے پاس بڑے بڑے قیمتی گھوڑے موجود تھے ایک ہتھنی کو بھی منگوایا۔ دورے کا سفر آپ اکثر اسی کی عماری میں چڑھ کر کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک مقام سے کوچ کیا۔ کچھ سوار اور اہلکار گھوڑوں پر سوار آپ کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے اور اسباب سب کا سب اول روانہ ہو چکا تھا اور آپ علاقہ کو دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔ نصف کے قریب فاصلہ طے ہوا تھا کہ بارش اُترنے لگی۔ سردی اتنی ہو گئی کہ سب کے سب ٹھٹھرنے لگے معمولی کپڑے سب کے پاس تھے۔ صاحب بہادر کے سردی سے دانت بجنے لگے۔ ایک سوار کے گھوڑے پر زین کے نیچے ایک پرانا دُھسہ ڈالا ہوا تھا۔ جو اُس نے گھوڑے پر سے اُتار کر صاحب بہادر کو دیا اور صاحب بہادر نے بصد شکریہ اُسے قبول فرمایا۔ اور سردی سے کچھ بچاؤ ہوا۔

دنیا میں ہر وقت تغیر کا دَور چل رہا ہے کسی کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ بڑے چھوٹے اور چھوٹے بڑے بنتے چلے آتے ہیں رہٹ کے لوٹے کبھی پانی سے بھرے اور کبھی خالی ہو جاتے ہیں۔

۱۹۱۴ء میں جرمنی کے قیصر ولیم کی کیا حالت تھی ۱۹۱۸ء میں کیا ہوا۔ اور اب کیا حال ہے۔ نکولس زار روس کا کیا انجام ہوا۔ سو میرے دوستو! یہاں علم۔ طاقت عقلمندی اور لیاقت ہی کا صرف

نام نہیں ہے یہاں تو نیک نیّتی۔ پاپوں سے بچنے کی بڑی اچھیا اور پرماتما کی ایشرباد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ پرسپر میل اور پورشارتھ سے کمر باندھ کر تیار ہو جاویں تو کونسا شبھ کام ہے جس کو آپ پورا نہیں کر سکتے اس واسطے آپ کو پتت اُدھار کے کام میں شامل ہو جانے سے سنکوچ نہ ہونا چاہیئے۔ سب سے پہلے آپ کا یہ کرتویہ ہے کہ آپ اس کی اشاعت کو اپنے اور اپنے دوستوں کو اس کے خریدار بنانے سے ایک ہزار تک پہنچاویں۔ اس کے باقاعدہ جاری ہونے سے آپ کو معلوم ہو جاوے گا۔ کہ آپ لوگ اپنی متحدہ طاقت سے پرماتما کی کرپا سے کیا کچھ کر سکتے ہیں ۔۔

پتت اُدھار سیوا

(منجانب ایک پتت اُدھار سیوک جن کا مضمون حصہ دوم میں درج ہوا ہے) ۔۔

اوم

آج سے آٹھ سال پہلے میرے اندر اپنی جاتی کی ہینی دشا کا چتر کھنچ گیا تھا۔ ہندو لوگوں میں اونچی ذات کے لوگ جو بُرا برتاؤ اچھوت ہندوؤں سے کرتے ہیں اُس کا نظارہ سامنے لا کر مجھے بڑا دُکھ محسوس ہوتا تھا۔ اُنہیں دنوں میں میں نے ہندی میں ایک نظم کی پنکتی لکھی تھی اُس میں اپنے خیال کو میں نے ان الفاظ میں قلمبند کیا تھا:۔

بدسلوکی سے ہمارے ہندو اِنتر جاتی کے
ہوا ہے مُحاری جیسا ئی ورشہ کیسے شوک کا

اچھوت ہندو جاتیوں سے بہت بُو اچھی طرح
بچھڑے ہوؤں کو ملا کے جاتی کی بڑھتی کرو

ان بچنوں کے لکھنے ہی سے مجھے شانتی نہ ہوئی اور میرے من میں یہ بھاؤ بڑھنے لگا۔ کہ صرف لکھ دینے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ جب تک عملی کام نہ کیا جاوے۔ میں نے چاہا کہ اچھوت سیوا کا کام میں خود کروں "جہاں چاہ وہاں راہ" کا نیم سچا ثابت ہوا۔ جاتی کے ایک ہتکاری مہاشہ نے اس کام میں مجھے امداد کا دینا منظور کر لیا اور میں اچھوت سیوا کے کام میں لگ گیا۔

جن لوگوں کی سیوا میں نے شروع کی پنجاب میں اُن سے بڑھ کر اور کوئی جاتی پتت نہیں سمجھی جاتی ایشور کے انیک ناموں میں سے ایک نام پتت اُدھارن بھی ہے۔ اس لئے میں اس کام کو اپنا کام نہیں بلکہ ایشور ہی کا کام سمجھ کر کرتا ہوں میرے کام کی شاخیں حسب ذیل ہیں:۔

اول۔ ان لوگوں کے دُکھ اور سُکھ میں زبانی اور عملی طور پر ہمدردی کرنا۔

دوم۔ اُن کو دھرم پستکوں کی کتھاؤں کا سنانا۔

سوم۔ اُن کو دیشی بھاشاؤں کا لکھنا اور پڑھنا سکھانا۔

چہارم۔ اُن کے نام کرن آدی سنسکار ویدک ریتی سے کرانا۔

پنجم۔ اپنے ہر ایک بیوہار اور برتاؤ سے ویدک دھرم پر ان کی شردھا کو بڑھانا۔

کام کی انہیں شاخوں کو سامنے رکھ کر میں نے کام کیا ہے اور کرتا ہوں۔ اس سے جو جو نتائج پیدا ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) میری اس زبانی اور عملی ہمدردی کی وجہ سے جو لوگ دھرم سے علیحدہ ہو گئے تھے وہ بہت سے واپس آ گئے ہیں سینکڑوں کو اپنے دھرم میں وہ پریتی اور کشش معلوم نہیں ہوتی جو کہ پہلے تھی اور سینکڑوں دوسرے دھرموں میں جانے سے بچ گئے ہیں۔

(۲) بھگوت گیتا۔ رامائن اور مہابھارت وغیرہ کی کتھائیں سُننے سے اُن لوگوں کو خود ان دھرم گرنتھوں کے پڑھنے کا شوق ہو گیا اور اُنہوں نے مجھ سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اب اُن میں سے بیسیوں آدمی اتنا پڑھ گئے ہیں کہ وہ مذکورہ بالا گرنتھوں کی کتھا خود کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر روزمرہ کتھا ہوتی ہے ان میں جو آپ پڑھ نہیں سکتے وہ سُننے کو آتے ہیں۔

(۳) سینکڑوں آدمی ہندی اور گورمکھی پڑھ گئے ہیں اُن کی سمجھ کے موافق ایک مذہبی پستک دھارمک خیالات کے اندولن کے بمُنت تیار کی گئی ہے جس کو پڑھ کر وہ لوگ اپنے دھرم وچاروں پر پکے ہو گئے ہیں۔ اور اپنے دھرم کے وروودھیوں کا مقابلہ کرنے لگے ہیں۔

(۴) ان لوگوں کے پُرانے اناریہ نام تبدیل کئے گئے اور نئے نام نام کرن سنسکار کے وقت بڑے اچھے اور اُتم رکھوائے جاتے ہیں جیسا کہ ہنسراج۔ ویسراج۔ نارائن داس۔ نانک چند۔ رام داس وغیرہ۔ اور سینکڑوں کے سروں پر چوٹیاں رکھوا دی گئی ہیں۔ بواہ جو وید وروودھ ریتی سے ہوا کرتے تھے۔ سینکڑوں ویدک ودھی سے کرائے گئے ہیں مرتک سنسکاروں میں بھی ویدک ودھی پر چلت کی گئی ہے۔ یعنی دفن کرنے کی جگہ جلانے لگے ہیں۔

(۵) میں نے اپنے بول چال اور برتاؤ سے اُن لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ تم لوگ ہندو ہو اور میں بھی ہندو ہوں اسی لئے میں تم لوگوں کے پاس آتا ہوں۔

جب میں اُن لوگوں کو ہندو کہتا اور اُن کے ہندو ہونے کے وجوہات سمجھانے لگا۔ تو وہ لوگ بڑے حیران ہوئے مگر اب وہ اپنے

آپ کو ہندو کہتے ہیں۔ میں ہمیشہ اپنی بات چیت کے وقت اس بات کا پورا پورا خیال رکھتا ہوں کہ کیا میری یہ بات چیت اور سمجھاؤں کا سنانا۔ پڑھانا۔ لکھانا۔۔ دینا لینا وغیرہ سب کا سب انہیں ویدک دھرم یا ہندو دھرم کی طرف لے جا رہا ہے یا نہیں۔ انہیں کوششوں سے وہ پُنر جنم آدی سدھانتوں کے ماننے میں پکے ہوتے جاتے ہیں اور میرے اس قسم کے برتاؤ سے اب وہ میرے بنتے جاتے ہیں۔ میری بیماری۔ تکلیف وغیرہ میں ہمدردی کرتے ہیں اور اپنی دقتوں اور تکلیفوں میں مجھ سے سہائتا لیتے ہیں۔ اس طور پتت اُدھار سیوا سے ان لوگوں میں دھارمک تبدیلی آگئی ہے اس تھوڑی سی سیوا سے وہ ہمارے بن گئے ہیں اگر ہر ایک بڑے شہر اور قصبہ میں ایسا ہی اچھوت اُدھار کے سیوک ہوں تو جہاں پتت اُدھار ہو جاوے وہاں پتت اُدھار سیوا سے جس پرمانند کی پراپتی ہوتی ہے وہ بھی سیوکوں کو مل جاوے۔ اس پتت اُدھار سیوا سے میں نے جو کچھ پرمانند لابھ کیا ہے وہ بتلایا نہیں جا سکتا کیونکہ وہ انبھو کی وستو ہے +

"بھاتی کا ایک تچھ سیوک"

پیارے ناظرین! اس لیکھ کو پڑھ کر بہت سے ہونگے جن کو اس کے ماننے میں کچھ پس و پیش ہو۔ اُن کی تسلی اور اطمینان کیواسطے میں اپنے علم کی بنا پر تحریر کرتا ہوں۔ کہ یہ لیکھ بالکل درست ہے۔ میں خود پنڈت جی کے ساتھ کئی ایسے مقامات پر گیا اور جب کبھی مجھے وقت ملے جایا کرتا ہوں۔ جہاں وہ کتھا کرتے ہیں لڑکے لڑکیوں کو پڑھایا کرتے ہیں وہ لوگ مل کر بھجن گاتے ہیں۔ پنڈت جی دن رات اسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کام کے واسطے اُن کو ۱۰-۱۲ بلکہ ۱۵-۱۶ میل تک روزمرہ پیادہ سفر کرنا پڑتا ہے جس سجن کی امداد سے یہ

پنڈت جی کام کرتے ہیں ہیں اُن سے کہنے والا ہوں - کہ ایک بائیسکل پنڈت جی کو لے دیویں تو جتنا کام یہ پیادہ سفر کرکے کرتے ہیں اس سے تین گنا کام ہونے لگے ۔۔

استریوں پر اتیاچار

پچھلے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک لالچی بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ملک پر حملہ آور ہوا - اُس نے دیکھا کہ حملہ آور کے پاس فوج بہت ہے لڑائی کرنے سے ناحق خلق خدا کا خون ہوگا - کہلا بھیجا کہ آپ لڑائی کی تکلیف نہ کریں ہم آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں - آپ ہمارے مہمان ہیں مہربانی کرکے ہمارے ہاں کا کھانا منظور فرماویں - حملہ آور خوش ہوگیا اور مقررہ وقت پر معہ امراء وزراء اور عملہ کرام کے میزبان کے گھر پہنچا - ملاقات کی بات چیت اور خاطر تواضع کے بعد کھانے کے تھالی اور دستر خوان آنے لگے - دوسرے سب ہمراہیوں کے سامنے تو کھانے کے لطیف اور خوش مزہ قسم قسم کے سامان رکھے گئے تھے - مگر لالچی بادشاہ کے سامنے جو دستر خوان رکھا گیا تھا اُس پر سے ڈھکنا اُٹھایا گیا تو دیکھا کہ اُس میں کھانے کی اصل چیز تو کوئی نہیں البتہ سونے اور جواہرات کے بنے ہوئے نقلی کھانے بھانت بھانت کے خوب قرینہ سے چُنے ہوئے موجود ہیں - دوسرے سب لوگ کھانے لگے مگر بادشاہ صاحب حیران رہ گئے - میزبان نے کہا - کہ آپ تناول فرماویں - جواب میں کہا کہ آپ نے ہم سے کوئی مسخری کی ہے اس میں کھانے کی اصل چیز تو کوئی نہیں - سونے اور جواہرات کا بنا ہوا نقلی کھانا ضرور رکھا ہوا ہے میزبان نے کہا کہ مہربان میں نے تو جناب کے واسطے وہی کھانا تیار

کہہ دیا ہے جس کی جناب کو بھوک ہے ۔ اگر آپ کو زر و جواہرات کی بھوک نہ ہوتی تو اتنا لمبا سفر کر کے اپنے عملہ اور لشکر کو دُکھ نہ دیتے اور راستہ والے امن پسند لوگوں کا قتل عام کرتے کرتے آپ مجھ عاجزہ کے گھر تک نہ آتے ۔ آپ کو اسی لعل و یاقوت کی بھوک نے تو پریشان کر رکھا ہے ورنہ کھانے کے لذیذ اور عمدہ سے عمدہ سامان تو جناب کے دولتخانہ میں سب کے سب موجود تھے ۔ بہت بہتر اگر آپ اس کھانے کو تناول نہیں فرما سکتے ۔ تو آپ کے واسطے وہی کھانا حاضر ہے جو کہ دوسرے لوگ کھا رہے ہیں ۔ اس واقعہ کو دیکھ اور سن کر لالچی بادشاہ کو کچھ عقل سی آ گئی ۔ میزبان پر ناراض نہیں ہوا ۔ بلکہ اُس کی دوستی کا دم بھرنے لگا ۔ اور کچھ عرصہ کے واسطے اُس کے شہر اور ملک میں رہ کر وہاں کے حالات اور رسم و رواج کو دیکھنے لگا ۔

ایک روز اس بادشاہ کے دربار میں ایک مقدمہ پیش ہوا ۔ مدعی کا دعوے یہ تھا کہ اُس نے مدعا علیہ سے ایک کھیت مول لیا تھا جب ہل چلانے لگا تو کھیت میں سے ایک خزانہ برآمد ہوا ۔ مدعا علیہ کا حق جان کر اس کو لینے کے واسطے کہا گیا تو مدعا علیہ نے لینے سے انکار کر دیا ۔ اور کہا کہ میں اپنا کھیت فروخت کر چکا اس واسطے جو کچھ کھیت کے اندر سے نکلا ۔ اس پر میرا کوئی دعوے نہیں ہے اگر یہ خزانہ میرا ہوتا تو سالہا سال تک جو یہ کھیت میرے قبضہ میں رہا ۔ اُسی وقت مجھے یہ خزانہ مل جاتا ۔ دونوں کے بیانات کو سن کر عادل بادشاہ نے مدعی سے پوچھا کہ تمہارے گھر کوئی نوجوان کنوارا لڑکا ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ ہے پھر مدعا علیہ سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کوئی نوجوان کنواری لڑکی ؟ اس نے بھی کہا کہ ہے ۔ اس پر عادل بادشاہ نے فیصلہ کر دیا کہ اچھا چلے جاؤ اُس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں بیاہ کر دو اور جس قدر یہ خزانہ ہے ۔ لڑکی

کے جہیز ہیں دے دو۔

طامع بادشاہ بھی اُس روز دربار میں موجود تھا۔ مقدمہ کی روئداد اور فیصلہ کو سن کر حیران ہو گیا۔ اور عادل بادشاہ سے کہنے لگا۔ کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا۔ زمین سے نکلا ہوا روپیہ تو بادشاہ کا حق ہے یہ تو سرکار کے خزانہ میں جانا چاہئے تھا۔ اپنے ملک میں ہم تو ایسے مقدمہ کا یہی فیصلہ دیتے۔

یہ بات سن کر عادل بادشاہ بھی حیران ہوا اور پوچھا۔ کہ آپ کے ملک کا قانون ایسا ہے تو مہربانی کر کے آپ بتلاویں کہ آپ کے ملک میں بارش ہوا کرتی ہے؟ جواب ملا کہ ہاں ہوا کرتی ہے اس پر پھر سوال کیا کہ کیا آپ کے ملک میں پشو اور پکشی حیوانات بھی ہوتے ہیں؟ اس کا جواب بھی یہی ملا کہ ہاں ہوتے ہیں۔ اس پر عادل بادشاہ نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا کہ بس بارش آپ کے ملک میں انہیں بے زبان پشو پکشی حیوانات کے واسطے پرماتما کی دیا سے ہوتی ہے۔

تو کیا یہ بات سمجھ میں آنی کوئی مشکل ہے کہ قدیم (آریہ) ہندو جاتی اگر اب تک جیتی ہے اور بستر مرگ پر پڑی ہوئی دم لے رہی ہے تو یہ دھرماتما اور پتی بِرتا استریوں کے دھرم کی وجہ سے ہے۔ ورنہ پُرشوں نے جو سلوک عام طور پر استریوں سے کیا ہے اس کا پھل تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ یہ جاتی اب سے بہت عرصہ پہلے پرلوک کو سدھار گئی ہوتی۔ دھرم کے نام سے یہ لوگ اپنی کنیاؤں پر کتنا ظلم کر رہے ہیں اس دیش (ہندوستان) میں ایسے علاقے ہیں اور اُن علاقوں میں اس قسم کے دھرم اور عزت کے شیدائی لوگ رہتے ہیں کہ وہ اپنی کنیاؤں کا بیاہ کسی دوسی سے نہیں کرتے۔ مذہبی کتابوں میں پیپل کے درختوں اور مٹی کے گھڑوں سے کنیاؤں سے بیاہ کرنے کا ذکر تو پرتت اُدھار کے حصۂ دوم میں ہو ہی

چکا ہے ایک اور دھرم کی بات لوگوں نے مکتی دھام کے حاصل کرنے کے واسطے بنا رکھی ہے وہ یہ کہ وہ اپنی کنیاؤں کا بواہ دیوتاؤں سے ہو گیا ایسا سمجھ لیتے ہیں۔ جب کنیا ۱۲-۱۴ سال کی ہو جاتی ہے۔ تو اُسے کسی کسی دیوتا کے مندر میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اسی مندر میں رہتی اور مورتیوں کی پوجا کیا کرتی ہیں۔ یہیں پر اُن کو رہنا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا وغیرہ ضروریات کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ گھر والوں سے اب اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مندر کے پوجاری ہی اب اُن کے مالک اور سرپرست ہیں دن بھر وہ مندر میں ٹھیرتی اور پوجاریوں اور یاتریوں کی کو چیشٹاؤں کا شغل بنی رہتی ہیں۔ اُن کو دیوداسی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اُن کی اچھیا ہے کہ جو چاہیں کریں۔ اور جس کے ساتھ چاہیں سہواس کریں۔ اس حالت میں جب تک کہ عمر بڑی نہیں ہوتی۔ اُن کی خاطر خوشامد بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ مگر اس حالت میں بیمار ہونے اور عمر رسیدہ ہو جانے پر جس نرک کا باس اُن کو ملتا ہے کون کٹھور ہردہ ہے جو اس کا خیال کر کے آنسو نہ بہائے۔ مگر ہمارے لوگ دھرم کے نام پر جان دینے والے اس کو بھی دھرم کا کام سمجھتے ہیں اور اپنی بہنوں اور لڑکیوں کو اس حالت میں دیکھ کر کوئی بھی درد اُن کے دل میں نہیں اُٹھتا جب قصائی پشو کو ذبح کرتا ہے تو کوئی بھی درد اُسے معلوم نہیں ہوتا۔ یہی حال ہمارے بھائیوں کا بھی ہے ÷

ہمارے بہت سے بھائی یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ ایسا رواج ہمارے علاقہ میں نہیں ہے۔ ہم کو ایسے واقعات کے سننے اور جاننے سے کیا فائدہ ہے۔ ایسے بھائیوں کی سیوا میں گزارش ہے کہ دیش کے مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے ابلا استریوں کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے آپ کے ہاں کوئی خاص طریقہ مروج نہیں۔ تو آپ کے ہاں کوئی دوسرا

دوسرا طریقہ ہے جو اس سے بھی خراب ہے آپ خود دو چار کر دیکھیں اگر آپ کو کوئی طریقہ نظر نہیں آتا تو مجھ سے دریافت فرماویں۔ میں آپ کو اُس علاقہ کا وہ طریق بتلا دونگا۔ اور فے الحقیقت اگر ہندوستان میں کوئی ایسا علاقہ ہے جہانکہ استریوں کے ساتھ ظلم اور اتیاچار کا برتاؤ نہیں ہوتا تو وہ علاقہ دھنیہ ہے۔ مگر اصل بات یہ بھی ہے کہ جس قسم کے رواج کسی علاقہ میں مروج ہیں۔ اُن کو وہاں کے رہنے والے عام لوگ خراب اور دھرم کے درودھ جانتے ہی نہیں اور اسی واسطے وہ کچھ سنستی پیدا نہیں کرتے۔ آج میں استری جاتی کی صرف ایک ہی اپیل کو بزرگانِ قوم کی خدمت میں پیش کرونگا جو حسب ذیل ہے :۔

استری کے واسطے بدھواپن کی جو حالت ہے اُس کو مرد محسوس نہیں کر سکتے۔ اگر وہ محسوس کر سکتے تو ممکن نہیں ہے کہ آجتک اس کیواسطے کچھ نہ کرتے۔ بدھوا استری کو سارا جہان اندھیری اندھیرہ دکھائی دیتا ہے کوئی بھی روشنی کی جھلک اُس کے واسطے درشٹی گوچر نہیں ہو سکتی جتنے بھی اُس کے سمبندھی ہوتے ہیں۔ وہ سب اُس سے اُداسین ہو جاتے ہیں اور اُس کے وجود ہی کو نحوست اور بدبختی کا مجموعہ سمجھ کر اس سے پیچھا چھوڑانا چاہتے ہیں۔ ماں باپ جو ایک وقت اُس کو اپنی جان سے پیاری جانتے تھے اب اُس کی صورت سے بیزار ہیں۔ تو ساس اور سسر کو بھلا اُس سے ہمدردی ہی کیا ہو سکتی ہے۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اسی خوبصورت ناگن نے تو اُن کے لخت جگر۔ پرانوں سے پیارے نوجوان پتر کو ڈس لیا ہے اسی کے آنے پر اُن کا لائق اور ہونہار لڑکا موت کا لقمہ بن گیا ہے۔ یہ نہ آتی تو وہ کیوں مرتا +

پس اس طرح سے ان بیچاریوں کے ماں۔ باپ۔ ساس۔ سسر۔ اور باقی بھی سب سمبندھی اُن کے دشمن بن جاتے ہیں اگر اُن کے پاس

کوئی جائداد۔زیور وغیرہ نہیں ہیں تو کوئی اُن کی امداد کو تیار نہیں ہوتا۔اگر کچھ
اُن کے قبضہ میں ہے تو اُن سے چھین لینے کے واسطے سازشیں گھڑتے
اور بدچلنی کا الزام لگا کر اُن کی مٹی پلید کرنے تک کو تیار ہو جاتے ہیں
اور جائداد کو چھین کر بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔بیچاری لاچار ہو کر
کسی طرف کو نکل جانے کے سوائے اور کوئی ٹھکور نہیں پا سکتی۔اپنی عقل
اور بدھی کے موافق جو جو کام کرتی ہیں۔جب وہ ظاہر ہوتے ہیں۔تو
لوگ حیران ہوتے ہیں۔افسوس کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ ہمدردی
کا بھاؤ ظاہر کرتے ہیں۔مگر اس افسوس اور زبانی ہمدردی سے کیا بن
سکتا ہے۔ان ابلاؤں کی اپیل مختلف صورتوں میں قوم کے دھرماتما
لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہے۔کئی تو اپنی بدنامی کو چھپانے کے واسطے
تیرتھ استھانوں میں چلی جاتی ہیں۔بچہ پیدا ہوتا ہے تو پارچہ میں لپیٹ
کر کسی سڑک یا ندی کے کنارے رکھ آتی ہیں۔کئی مٹی کا تیل بدن پر ڈال کر
جلتی ہوئی جوالا کی بھینٹ ہو جاتی ہیں۔کئی دان دیوتا کا آشرا لیتی ہیں۔کئی
کنوئیں میں گر کر اور دریا میں ڈوب کر جان دے دیتی ہیں۔چنانچہ ان
دنوں کی تازہ خبر اخباروں میں گشت کر چکی ہے کہ علاقہ مدراس میں ایک
ہندو موٹر ڈرائیوری کے کام پر ملازم تھا۔کئی روز تک بیمار رہ کر فوت
ہو گیا۔اُس کی ایک عورت اور ایک دو سال کا بچہ موجود تھا۔عورت
نے وچار کیا۔کہ خاوند کے بغیر اُس کی جو حالت ہوگی اس میں گزارہ کرنا
اُس کے واسطے نہایت مشکل ہوگا۔دن رات کی ناقابل برداشت مصیبت
سے تو اچھا ہوگا۔کہ پانچ منٹ کے اندر اپنی زندگی کا خاتمہ کر ڈالے مگر
اُس کے مرنے کے بعد اُس کے معصوم لڑکے کو کون پالیگا۔اور
کون اس سے پیار کرے گا۔ایسا کبھی اُسے کوئی نظر نہ آیا۔آخر یہی سوچا
کہ جس مقام پر وہ خود جانے والی ہے بہتر ہوگا کہ اپنے عزیز از جان لڑکے

کو بھی ساتھ ہی لے جاوے۔ لڑکے کو کپڑے کے ساتھ اپنی چھاتی سے باندھ لیا۔ اور کنوئیں میں گر گئی۔ اور جان پرماتما کو دے دی لاش کنوئیں سے نکالی گئی۔ تو بچہ چھاتی سے بندھا ہؤا تھا اور اپنی ماتا جی کے ساتھ ہی پرلوک کو سدھار چکا تھا۔ تینوں لاشوں کو لوگوں نے جلایا۔ دیکھنے اور سننے والوں نے اور مرتکوں کے ساتھ شمسان بھومی میں جانے والوں نے ہاہا کار تو مچایا۔ مگر کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ جو بدھواؤں کی آئے دن کی اس قسم کی اپیلوں کو سن کر اور حالات کو دیکھ کر اس بات کا بیڑا اُٹھاوے کہ جس سے آگے کو اس قسم کے اپدرو وقوع میں نہ آویں۔ تاہم اتنا تو سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک ایسے ظلموں سے استریوں کو بچانے کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ تب تک کوئی سپھلتا ہزار قسم کی ترقی اور دولتمندی کے باوجود نہ ہوگی۔ بائیس کروڑ ہند۔ و بھائیوں میں سے دیکھنا درکار ہے۔ کہ کتنے ہیں جو اس مصیبت سے اپنی ابلا جاتی کو بچانے کے واسطے ہردے سے آہ کا دُھواں نکالتے ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ مناسب تجویز کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ؞
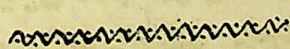
~~~~~~~~~~~~~~~~

کیا لطف گر غیر کی بیتی کہانی کو لکھوں
کیوں نہ تیرے دل کے میں رازِ نہانی کو لکھوں

میرا خیال جب پتت اُدھار جاری کرنے کا ہؤا۔ اپنے متروں اور دوستوں سے اس کا ذکر کیا۔ تو کئی صاحبان نے مشورہ دیا کہ ایسے رسالہ کو لوگوں کے دل پسند بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کوئی عمدہ دلکش کہانی درج ہؤا کرے کیونکہ لوگوں کو عام طور پر ناولوں اور قصے کہانیوں
~~~~~~~~~~~~~~~~

کے پڑھنے کا شوق زیادہ ہے اگر وہ کسی اخبار کو پڑھتے ہیں تو زیادہ تر انہیں کہانیوں کی خاطر پڑھا کرتے ہیں ٭

میں نے اس پر بہت سا وچار کیا۔ میرا مدعا تو اُن سچے واقعات کو لوگوں پر ظاہر کرنے کا ہے۔ جو کہ عام طور پر لوگوں کے رنج کے تعلق کے ہیں اور جن سے روزمرہ سب لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے اور جن کو پڑھ اور سن کر ان کی تصدیق ناظرین اپنے ہی گھر۔ محلہ۔ بستی۔ گاؤں۔ قصبہ۔ اور شہر کے اندر فوراً ہی کر لیا کریں۔ اُن کو اس بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوا کرے کہ یہ واقعہ کس شہر اور ملک کا ہے۔ جن لوگوں کا ذکر اور احوال اس قصہ میں ہے۔ وہ کس قسم کے لوگ ہوں گے۔ اور وہ زمانہ کیسا ہو گا جس میں اس قسم کے واقعات وقوع میں آتے ہوں گے۔ ایسی حیرانی اور استعجاب سے اپنے ناظرین کو بچانے کے واسطے میرا تو یہی وچار ہے کہ میں ایسے لوگوں کے حالات کو بیان کروں جن کی تلاش کے واسطے میرے ناظرین کو اپنے گھر اور گاؤں سے باہر جانا نہ پڑے۔ بلکہ بعض واقعات میں تو وہ ایسے صاحبان کا درشن خاص اپنے ہی پیرہن۔ صافہ۔ چولہ۔ پاجامہ۔ کرتہ دھوتی۔ پگڑی۔ ٹوپی اور جوتی کے اندر ہی کر لیا کریں۔ اس واسطے مجھے کسی فرضی اور بناوٹی قصے۔ کہانیاں گھڑنے اور بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناظرین سے میری یہی درخواست ہے۔ کہ جن صاحبان کا ذکر آپ کو پستک اُدھار کے اندراجات میں ملے۔ آپ اُن کو ملنا دیکھنا اور اُن سے بات چیت کرنا چاہیں۔ تو اپنے ہی اردگرد۔ اپنے ہی محلہ اور گاؤں میں اُن کی تلاش کر لیا کریں ٭
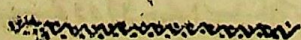
کانگڑہ کا بھونچال

ہزاروں اور لاکھوں جانداروں کا انت کال۔ یہ ضلع کانگڑہ کا بھونچال ۱۹۰۵ء میں ماہ اپریل کی پانچویں تاریخ کو صبح کے پانچ بجے نازل ہؤا۔ گھروں اور مکانوں کے اندر جو لوگ چارپائیوں پر سوتے ہوئے یا جاگتے موجود تھے زمین کے غرق ہونے اور مکانات کی چھتوں اور دیواروں کے گر پڑنے سے کئی تو زمین میں غرق ہو گئے اور بہت سے چھتوں اور دیواروں کے نیچے آ کر فوراً ہی موت کا شکار بن گئے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے جسم پر ایسا سخت صدمہ اور چوٹ نہ آئی۔ جس سے وہ جلد مر جاتے اور کسی لکڑی یا پتھر کے نیچے پڑے رہنے کا سہارا جن کو مل گیا وہ گرے ہوئے اور ٹوٹے پھوٹے مکانات میں دبے ہوئے بھی بہت عرصہ تک جیتے رہے۔ اگر امداد جلدی مل جاتی۔ تو بہت سی جانیں ضائع ہونے سے بچ جاتیں اور وہ لوگ صحیح سلامت نکال لئے جاتے۔ مگر تار اور ڈاک کا سب سلسلہ ٹوٹ گیا۔ انتظام کرنے والے افسر اکثر مر گئے۔ اُن کے پریوار اور خاندان تباہ ہو گئے۔ مسٹر ڈیرنگ ڈپٹی کمشنر صاحب دورہ کی وجہ سے باہر تھے۔ اُن کی لڑکی اور میم صاحبہ سشن ہوس کانگڑہ میں مقیم تھیں۔ دونو مر گئیں۔ الیٹ صاحب بہادر سشن جج بوجہ تبادلی کے ۴ اپریل کی شام کو چارج دے کر روانہ ہو گئے وہ بچ گئے۔ اُن کی جگہ جو صاحب تشریف لائے اور اُن سے چارج لیا وہ راہی ملکِ عدم ہو گئے۔ لالہ اچھرو رام منصف صبح کی سیر کے واسطے باہر گیا ہؤا تھا۔ بچ گیا۔ اس کے دو لڑکے دب گئے۔ جن میں سے ایک سلامت نکلا۔ دوسرا مر گیا۔ نذیر حسین نائب تحصیلدار دورہ پر تھا۔ مگر دورہ کا مقام

صدرے سے نزدیک ہونے کی وجہ سے ۴- اپریل کی شام کو گھر میں آ گیا خیال
تھا کہ اگلے دن علی الصباح مقام دورہ پر چلا جاوے گا مگر اسے تو اجل
کھینچ کر لائی تھی - بیچارہ موت کا شکار ہو گیا منشی رام داس تحصیلدار
معہ پٹواری مکان کے نیچے آ گیا - کسی کونہ میں پڑا تھا - چوٹ اور صدمہ سے
مرا نہیں - بال - بچے - استری جتنے کہ مکان میں موجود تھے سب دبے
پڑے تھے - وہ بیچارہ تنگ و تاریک کونہ میں چھت کے نیچے کچھ دبا ہوا
کچھ کھلا ہوا پڑا تھا - مدد کے واسطے پکار رہا تھا - کوئی خدا کے واسطے -
پرمیشور کے واسطے - اپنے پیر پیغمبر کے واسطے - گورو اوتار کے واسطے
اس غریب کو موت کے منہ سے بچاوے اور اس کے دبے ہوئے بال
بچوں کو قبر سے نکالے - برابر تین روز تک اس کی آہ و زاری اور المدد
المدد کی پکار سنائی دیتی رہی - بھوکھ پیاس اور رنج و الم کا شکار بیچارہ
منشی رام داس تحصیلدار جس کی آنکھ کے اشارہ پر چپراسی جمعدار -
تحصیل کے اہلکار - نمبردار - ذیلدار اور ہزاروں رعایا کے لوگ دوڑتے
ہوئے چلے آیا کرتے تھے اور جو حکم - جی حضور اور غریب پرور کہہ کہہ
کر حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے - بڑی منت اور عاجزی سے مدد کے
واسطے پکار رہا ہے لوگ پاس سے گزرتے چلے جاتے ہیں وہ سب
اپنی اپنی فکر میں ہیں کسی کا گھر گر گیا ہے کسی کی عورت اور بچے دب
کر مر گئے - کسی کا کوئی سمبندھی اور رشتہ دار گم ہے اس بیچارے
کی طرف کسی نے توجہ نہ دی تین روز تک آواز آتی رہی - آخر بند ہو گئی اور
بیچارہ پرلوک سدھار گیا -

دیوی کے مندر میں دبے ہوئے لوگوں کو نکالا گیا تو عجیب قسم کے
حالات ظاہر ہوئے جن کے یہاں تحریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے
ایک عورت دیوی کی یاترا کے واسطے آئی ہوئی تھی - ایک چھت کے نیچے

آگئی۔ کوئی سوراخ ایسا تھا جس سے کہ وہ اپنا ہاتھ باہر نکال سکتی تھی۔ پیاس سے بیاکل ہو کر پانی مانگ رہی تھی جب کسی نے پانی نہ دیا تو اُس نے کہا کہ میرے ہاتھ میں ایک طلائی بند ہے اس کو کوئی لے لیوے اور مجھے پانی کا گھونٹ دیوے۔ ایک آدمی نے کہا کہ ہاتھ نکالو بند لے کر پانی دیتے ہیں۔ اُس نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ہاتھ کے مورچہ میں سے کھینچکھ بٹ نکال لیا گیا۔ پانی اس خیال سے نہ دیا کہ اگر پانی ملنے کی وجہ سے یہ بچ گئی۔ تو صرف یہ ایک بند ہی ہمیں ملا نہ دینے سے ضرور ہے کہ یہ جلدی مر جاوے۔ کیونکہ آج پانچویں روز سے یہ دبی پڑی ہے اور کب تک زندہ رہ سکتی ہے پھر اُس کا باقی سب زیور بھی ہمارا مال ہے وہ بیچاری عاجزی کرتے کرتے اور دُہائی دیتے دیتے تھک کر خاموش ہو گئی۔ یہ واقعہ ۹۔ اپریل کو گزرا۔ پرماتما کی کرپا ہوئی۔ کہ ایک چھوٹی سی بدلی نمودار ہوئی۔ اُس میں سے پانی اور آہن کے گولے برسے۔ گری ہوئی عمارت کے ملبہ پر جو گولے برسے۔ اُن میں سے دو گولے کسی طاخ میں سے گزرتے ہوئے اُس عورت کے منہ کے اندر داخل ہو گئے۔ جس سے اُس کی پیاس بجھی اور وہ مرنے سے بچ گئی۔ اب امداد کیواسطے باہر کے لوگ موقعہ پر پہنچنے شروع ہو گئے۔ آریہ سماج کی طرف سے بخشی سوہن لعل صاحب پلیڈر مع اپنے مددگار آریہ پُرشوں کے ۹۔ اپریل کی شام کو اور برہمو سماج کی طرف سے بابو ابناش چندر مجمدار اور ستاتن دھرم سبھا کی طرف سے ڈاکٹر پنڈت سندر لعل جی بھی دفتہ رفتہ موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور سرکاری افسر اور سفر مینا فوج کے سپاہی بھی پہنچ گئے۔ ۱۰۔ اپریل کو بیرونی مددگاروں کا کام جاری ہو گیا۔ اور گرے ہوئے مکانوں کو کھود کھود کر اُن کے نیچے سے زندہ اور مردہ لاشوں کو نکالا گیا۔ یہ عورت بھی زندہ نکل آئی۔ اور اپنا قصہ اُس نے سُنایا۔

یہ حالت آبادی میں رہنے والے سب لوگوں کو پیش آئی جو موت کا شکار خود ہوئے جن کے رشتہ دار۔ عزیز۔ عورتیں۔ لڑکے۔ لڑکیاں اور ماں باپ ہوئے اُن میں ڈاکٹر تھے۔ حکیم تھے۔ پولیس کے افسر تھے فوج کے کمانڈر تھے۔ سول کے عہدہ دار تھے۔ وکیل تھے۔ بیرسٹر تھے دولت مند تھے۔ غریب تھے۔ سیٹھ تھے۔ ساہوکار تھے۔ تھانہ دار تھے۔ پولیس کے انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ تھے غرضکہ ایسے سب لوگ جن کے پاس علم۔ دولت۔ اختیار۔ حکومت۔ قابلیت اور بھی جس قدر اوصاف آدمی کو اعلےٰ درجہ پر پہنچانے والے ہوتے ہیں ان سب کے رکھنے والے تھے مگر تقدیر کے آگے کسی کی کوئی پیش نہ گئی ❊

جن کے سر غرور کی وجہ سے آسمان پر ہوتے ہیں جو زمین پر رہنے والوں کو حقیر سمجھا کرتے ہیں جو اپنے کسی بھائی کے سلام کے جواب تک دینے کو اپنی تحقیر سمجھتے ہیں۔ جن کے قلم کی ایک ہی حرکت سے لوگوں کے جان و مال سب کچھ برباد ہو سکتے یا بچ سکتے ہیں۔ جو اپنے جیسے انسانوں کی روح کو جسم سے الگ کئے جانے کے حکم دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ ایسے سب قسم کے لوگ تھے جن کو ایک دم زدن کے اندر موت کا شہباز اپنے زبردست چنگل میں لے کر اُڑ گیا۔ اور کسی کا بھی پتہ نہ ملا ❊

پس اے میرے دوستو! اگر اس ایک ہی واقعہ سے ہم لوگوں میں کوئی ہے۔ جو سبق لینا ضروری سمجھتا ہے تو سبق لیوے چار دن کی زندگی کے آرام کے واسطے غرور۔ نخوت۔ تکبّر۔ خود غرضی۔ ایذا رسانی اور اپنے غریب بھائیوں کو ستا ستا کر اُن سے استحصال ناجائز کے ذریعہ رشوت ستانی سے باز آ سکتا ہے تو باز آ وے۔ اس میں نہ صرف ان لوگوں کا ہی چھٹکارا اور بھلائی شامل ہے۔ جو مظلوم کیے جاتے ہیں۔

بلکہ خاص اُس کے واسطے ۔ اُس کی ذات کے واسطے ۔ اُس کی اولاد کے واسطے ۔ اور اُس کی قوم کے واسطے بھی مفید ہے جو کہ کوئی سبق حاصل کرے ۔ شیخ سعدی صاحب نے کیا سچ فرمایا ہے ؎

دورانِ بقا چو بادِ صحرا بگذشت — تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد — بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت

دیوان کھیم چند صاحب بیرسٹر ایٹ لا مظفر گڈھ

ایک بڑی عمدہ اور آسان تجویز سوچ رہے ہیں جس سے ایک ناخواندہ اور اَن پڑھ آدمی ایک دو گھنٹہ روزمرّہ دل لگا کر محنت کرے تو عرصہ تین ماہ کے اندر اپنی ضرورت کے موافق لکھنا اور پڑھنا سیکھ سکتا ہے ۔ اتنی لیاقت حاصل کر کے اگر اُسے دل لگاؤ اور شوق ہو تو وہ خود اپنے مطالعہ سے زیادہ ترقی کر سکتا ہے ۔ جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں منشی ہیں ۔ کلرک ہیں ۔ ریل ۔ ڈاک اور تار کے محکموں میں ملازم ہیں ۔ اُستاد ہیں ۔ پٹواری ۔ قانونگوے ہیں ۔ غرضیکہ ایسے ہزاروں اور لاکھوں آدمی ہیں ۔ جو کہ لکھے پڑھے کہلاتے ہیں ۔ اور ایسے روزگار رکھتے ہیں جن کا کام لکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہ لوگ دیوناگری اور بھاشا جانتے ہیں ۔ اُردو ۔ انگریزی اور گورمکھی جانتے ہیں ۔ اُن کے نزدیک رہنے والے کئی سمبندھی ۔ رشتہ دار دوست ۔ نوکر ۔ ملازم ۔ لڑکے ۔ لڑکیاں ۔ مرد ۔ عورت کئی ایسے ہیں ۔ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ۔ ان پڑھ اور ناخواندہ کہلاتے ہیں ۔ علم اور ودیا کے سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت اور خوبی پر بحث کرنے کا وقت اب نہیں رہا ۔ لکھے پڑھے لوگ اگر اپنے متعلقین ان پڑھوں

کو اس طریق سے پڑھانا شروع کرا دیویں - تو تھوڑے ہی عرصہ میں کتنے ہزاروں اور لاکھوں استری پُرشوں ان پڑھوں کی ذیل سے نکل کر پڑھے ہوؤں کی تعداد کو بڑھا سکتے ہیں - دیوان کھیم چند جی قاعدہ تیار کر رہے ہیں - اس کے بن جانے پر مفصل حال بتلایا جاوے گا*

زندگی سپھل کرنے کا ایک کام

کوہستانِ ہمالیہ میں ہندو جاتی کے یتیم لڑکے لڑکیوں کی رکشا اور سکشا کے واسطے ایک اناتھ آلہ کھولا گیا ہے - فی الحال تو پانچ سات لڑکے لڑکیاں اس میں داخل ہوتے ہیں - اُمید ہے کہ اور بھی بہت سے بچے اس میں آویں گے - اس کے واسطے ایک یوگیہ اور قابل مینجر یا سپرنٹنڈنٹ کی ضرورت ہے - جو بچوں کی رکشا اور پالن پوشن ماتا پتا کے سمان کرنا جانتا ہو - ہمارے دیش میں بہت سے سن رسیدہ سرکار سے پنشن پانے والے سجن موجود ہیں - جن کا وقت بیکاری میں گذرنے سے اُن کو بھی ہمیشہ اشانتی لگی رہتی ہے - اور دھا سب کام کے نہ ہونے سے وہ دُکھی اور بیمار رہتے ہیں - ایسا کوئی سجن پُرش اس کام کو سنبھال کر اپنا جنم سپھل کرنا چاہے تو عمدہ موقعہ ہے - دھرم کا کام ہے - روپیہ کمانے کا مقام نہیں ہے - بھوجن اچھادن سے اس کی سیوا کی جاوے گی - اور معمولی خرچ کے واسطے بیس روپے ماہوار بھی بھینٹ کئے جاویں گے - جو صاحب جانا چاہتے ہوں - وہ ڈاکٹر کدار ناتھ - ایل آر سی - پی - ایس - ایل - ایم - سرجن فزیشن اینڈ ڈینٹسٹ - ایڈ کلفٹ ڈبلیو - سی - شملہ کے پتہ پر اپنی درخواست بھیجدیویں *

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے وہی نہیں۔ جن کے کہ ماتا پتا مر گئے ایسے بہت سے بچے ہیں جن کے ماتا پتا جیتے جاگتے ہیں۔ دھنوان ہیں۔ دولت مند ہیں۔ مگر پھر بھی یہ بچے اناتھ ہیں اور یتیم ہیں۔ وہ لڑکے وہ ہیں جو مادر زاد اندھے ہیں۔ یا چھوٹی عمر میں بوجہ چیچک یا کسی اور کارن سے آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے ہیں۔ ایسے بچوں سے عام طور پر چونکہ ہندو والدین کو اُمید نہیں ہوتی۔ کہ کچھ کمائی کریں گے اس واسطے ایسے بچوں کی غور و پرداخت اور سکشا کا کوئی پربندھ نہیں کرتے اور نہ کھانے پینے اور پوشاک کی طرف ہی توجہ دی جاتی ہے نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ایسے بچے بڑے ہو کر دھرم سالوں اور مندر شوالوں میں جا کر سادھو فقیروں کی سنگت میں جا ملتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایسے فقیر جو اکثر تمباکو۔ چرس۔ بھنگ اور افیون وغیرہ منشی چیزوں کے استعمال کے عادی ہوتے ہیں۔ ان بچوں کو بھی ان چیزوں کا استعمال سکھا دیتے ہیں۔ پھر ایسے بچے جب ان فقیروں کی صحبت سے انہیں کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ تو ماں باپ اُن سے آہستہ آہستہ قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ ان بیچاروں کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ جائداد میں اُن کا جو حصہ ہوتا ہے وہ اُن کے دوسرے بھائی دبا لیتے ہیں۔ یہ بیچارے بیکسی کی حالت میں دکھوں اور مصیبتوں کے پنجہ میں پھنس کر موت کا گراس بن جاتے ہیں۔

ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں کے باہر میں نے ایک ایسے لڑکے کو دیکھا۔ جبکہ اُس کی عمر کوئی آٹھ سال کی تھی۔ اُس کے والدین کو بھی اُس کی طرف سے بے پرواہی تھی۔ میں جب کبھی اُس گاؤں کی طرف

جاتا - تو اس کا حال دریافت کر لیا کرتا - ہوتے ہوتے وہ لڑکا نشہ باز ہو گیا - اور نشہ کی ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے اپنے گھر سے ایک طلائی زیور چرایا - جو اپنے گاؤں کے ایک شخص کے پاس فروخت کیا راز فاش ہو گیا - زیور کا خریدنے والا روپوش ہو گیا - اس کا بوڑھا باپ اس خوف سے کہ اس کے لڑکے کے خلاف فوجداری مقدمہ ہو گا - اور وہ سزایاب ہو جاوے گا - پھانسی کھا کر مر گیا کئی سال کے بعد یہ لڑکا بھی جوان ہو گیا - اور نشہ میں چور رہنے لگا - اور نشہ ہی کی وجہ سے موت کا شکار ہوا ×

اس غریب لڑکے کا قابل افسوس انجام مظفر گڈھ میں یتیم خانہ کے جاری ہونے کے کارنوں میں سے ایک ہے - تاکہ ایسے اناتھ لڑکوں کو یتیم خانہ میں لے کر ان کی پرورش اور سکشا کا انتظام کیا جاوے جس سے وہ بڑے ہو کر اپنے اور دوسروں کے واسطے مصیبت برپا کرنے والے نہ ہوں - بلکہ کچھ پڑھ کر اور کچھ کام سیکھ کر اپنا گذارہ عزت اور آرام سے کر سکیں - اور دوسروں کے واسطے بھی کچھ کار آمد ہو سکیں - چنانچہ اس وقت پانچ اندھے لڑکے اس یتیم خانہ میں موجود ہیں جن میں سے چار تو یتیم خانہ مظفر گڈھ کی شاخ لاہور میں پراگیہ پریکشا کے واسطے تیاری کر رہے ہیں اور بھجنوں کا گانا اور ہارمونیم اور جوڑی کا بجانا بھی سیکھ رہے ہیں ان کی سکشا کے واسطے ایک پنڈت جی آشرم میں آ کر ان کو پڑھایا کرتے ہیں - پرماتما کی دیا سے امید ہے کہ یہ سنسکرت پڑھ کر اور بھجن گانا سیکھ کر دیش اور جاتی کی جہاں کچھ سیوا کر سکیں گے - اپنے نرواہ کے واسطے دکھی بھی نہ ہوں گے ×

اندھوں کے علاوہ آنکھیں رکھنے والے لڑکے بھی جن کے ماتا پتا

مر گئے ہیں۔ ہندو جاتی میں جس قسم کا سلوک اپنے نزدیکی رشتہ داروں کے ہاتھ سے پاتے ہیں۔ اُس کے متعلق ایک امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت یتیم خانہ میں آئی جس کے ساتھ ایک لڑکا کوئی سات سال کی عمر کا تھا اور دوسرا بچہ ایک سال سے کم عمر کا اُس کی گود میں تھا۔ اُس نے اپنا حال اس طرح سے سنایا۔ کہ "وہ اور اس کا بھائی جب چھوٹی عمر کے تھے اُن کے والدین مر گئے۔ اُن کی ایک بُھوا یعنی اُن کے باپ کی ایک ہمشیرہ موجود تھی۔ یہ دونوں اُس کے پاس چلے گئے اور اُس کے گھر میں رہنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک دُکاندار جو آم کی فصل کے موسم میں آم کے درختوں کا پھل خرید لیا کرتا تھا۔ اُن کی حفاظت اور نگرانی کر کے پک جانے پر خود فروخت کیا کرتا تھا۔ اس قسم کا کام کرنے والوں کو بیع خر کہا جاتا ہے۔ وہ بیع خر تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک آم کا باغ آم کے موسم میں خرید کیا۔ اُسے ضرورتاً ایک لڑکے کی تھی۔ جو اُس کے کام میں مدد کرتا۔ اور اُسے گھر سے جا کر روٹی لادیا کرتا۔ اور اور بھی کئی ضروری کام ہوتے ہیں جن کے واسطے اُسے ضرورت تھی۔ وہ اُن کی بُھوا کے پاس آیا اور کہا کہ تمہارا بھتیجا تمہارے پاس بیکار رہتا ہے۔ اس کو میرے حوالے کر دو۔ بُھوا جی نے بڑی خوشی سے لڑکا اُسے دے دیا۔ اس کو روٹی کی بچت ہو گئی۔

لڑکا باغ میں کام کرتا رہا۔ باغ میں ایک مولوی صاحب رہا کرتا تھا پانچ وقت نماز پڑھتا اور مذہبی کام اور وعظ بھی کیا کرتا تھا۔ اُس نے بیع خر اور لڑکے کے تعلقات سے واقفیت حاصل کر کے لڑکے سے ہمدردی کا اظہار شروع کر دیا۔ جب کبھی بیع خر لڑکے پر سختی کرتا۔ تو مولوی صاحب اس کی حمایت کیا کرتے۔ باغ کا پھل جب ختم ہو گیا۔ اب بیع خر نے تو اس مقام کو چھوڑنا تھا۔ مولوی صاحب نے بیع خر

سے کہا کہ تم نے باغ کا پھل تو فروخت کر دیا - یہ لڑکا تمہارے کس
کام کا ہے - یہ بھی مجھے دے دو - اور پچاس روپے اس کا میرے
پاس چھوڑنے کا ہرجانہ بھی لے لو - بیع بر رضامت ہوگیا اور میرے
بھائی کو مولوی صاحب کے حوالے کر دیا - میری بھاوجی نے اُس سے
کوئی بات پرس نہ کی میں کیا کر سکتی تھی - رو پیٹ کر چُپ ہو رہی آخر
بھاوجی نے ایک لڑکا تھا اُس کے بدلے میرا بیاہ ایک دوکاندار سے
جو عمر میں مجھ سے بہت زیادہ تھا کر کے اپنے لڑکے کا بیاہ اُس کی
بہن سے کر کے اپنا گھر آباد کر لیا - میرے پیٹ سے یہ لڑکا پیدا
ہوا جو اب آٹھ سال کی عمر کا ہے دو سال ہوئے میرا خاوند مر گیا -
اُس کے چھوٹے بھائی نے مجھے اپنے گھر میں ڈال لیا - پہلے تو
میرے اس لڑکے کو اچھی طرح سے رکھتا تھا جب سے اُس کا یہ
چھوٹا لڑکا پیدا ہوا ہے اس بڑے لڑکے کو تنگ کرتا ہے میری
بنتی ہے کہ میرے اس بڑے لڑکے کو یتیم خانہ میں داخل کیا جاوے

چنانچہ وہ لڑکا یتیم خانہ میں لیا گیا +

اس بیان پر کسی حاشیہ چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جس قوم
کے بچے ایسے حالات کا شکار ہوں - وہ قوم دنیا پر کب تک رہ سکتی ہے
اس کا جواب ناظرین خود وچار لیجیں +

ہمدردیٔ حیوانات

ادنےٰ درجہ کی ذی روح مخلوق سے اچھا سلوک کرنے کی بابت
ہنود کے شاستروں میں بڑی تاکید کی آگیا پائی جاتی ہے اور ان
آگیا کو بعض بعض حالات میں ایسی اہمیت شروع سے دی گئی ہے

پالن کرنے کا رواج ایسا بُرے طور پر ہو گیا ہے کہ بجائے اچھا سلوک
کرنے اور ایسے پرانیوں کی رکشا کرنے کے اُن کی ایذا رسانی اور جانستانی
ہو رہی ہے ۔ مثلاً ہندو لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بیل مہادیو جی کا واہن
ہے ۔ بیل پر مہادیو جی سوار ہوا کرتے تھے ۔ معمولی بیل تو سب کے
سب بیل ہی ہیں ۔ اگر بیل میں کوئی خصوصیت ہو تو اُس کو مہادیو
جی کے بیل کا اوتار کہنے کی گنجائش ہو سکتی ہے ۔ اگر کوئی ایسا خاص
شکل وصورت کا عجیب الخلقت بیل دیکھنے میں آ جاوے ۔ تو ہندو
عورتیں فوراً ہی اُسے مہادیو جی کا بیل ماننے کو تیار ہو سکتی ہیں مائیں
جو کام کہیں ۔ بچوں کو اس کام کے کرنے کی عادت کا پڑ جانا بھی
قرین قیاس ہے ہندوؤں کے اعتقاد کی اس نبض کو جن لوگوں نے
اچھی طرح سے معلوم کر لیا اُنہوں نے مصنوعی طور پر بیلوں اور بچھڑوں
کو عجیب الخلقت بنانے کی ترکیب دستکاری کا رواج دیا ۔ ایک چھوٹے
بچھڑے کو ذبح کرکے اُس کے مختلف اعضا کو دوسرے بیلوں کے
جسم پر مختلف موقعوں پر پیوند کر دیا ۔ اور ایسی حکمت سے جوڑا کہ یہ
مرے ہوئے جانور کے جوڑ تازہ تازہ لگائے جانے سے زندہ جانور
کے جسم سے اس طور سے پیوستہ ہو جاویں کہ یہ خشک نہ ہوں ۔
کسی بیل کی پشت پر زبان کو پیوند کر دیا ۔ اور مشہور کر دیا کہ یہ مہادیو
جی کا دو زبان والا بیل ہے کسی گائے کے جسم پر دُم کو پیوست
کر دیا ۔ اور کہا کہ یہ پاروتی جی کی دو دُم والی گئو ہے ۔ اسی طرح کسی کے جسم
پر ٹانگ اور کسی کے جسم پر کان پیوند کرکے عجیب الخلقت (مہادیو
اور پاروتی جی کی) گئوشالہ کا سامان جمع کر لیا ۔ ہندو مرد و عورتوں کو اور
کیا چاہئے یہ خبر سن کر آتے ۔ دانے کی تھالیاں اور گڑ کی روڑیاں
لے کر پوجا کے واسطے گھروں سے چل دئے ۔ مہادیو کی گئوشالہ کے

پوجاریوں کو آمدنی زیادہ ہونے لگی۔ اُنہوں نے جو کہ ہندو تو ہوتے نہیں۔ اس کام کو اپنا کسب بنا لیا ہے۔ ہردوار کے میلہ پر سکٹا اس طرح کی بسا کھی پر۔ اور ایسے ایسے مقامات پر جہاں کہ ہندو مرد عورتیں تیرتھ یاترا کے واسطے جمع ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے جمگھٹ پہنچنے لگے کسی بھی ہت وعقلمند نے وچار نہ کیا۔ کہ اگر یہ جانور پیدائش سے ایسے ہوتے ہیں تو ہمارے گھروں اور شہروں میں بھی تو اس قسم کی پیدائش کبھی نہ کبھی تو ہونی چاہیئے۔ مگر انہوں نے جان لیا۔ کہ شو جی جو کیلاس پر رہتے تھے۔ اُن کے نادیہ بیل کی نسل بھی کوہستان میں چل رہی ہے۔ ہزاروں آدمی اس قسم کے بچھڑے بچھڑی اور گھوڑوں کو لے کر ملک کے چاروں طرف دورہ لگاتے اور ہندوؤں کی دولت کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ اس بے رحمی اور پشو ہتیا کے دور کرنے کا علاج یہی ہے۔ کہ جس جگہ کوئی ایسا نندی کی گئوشالہ کا پوجاری ایسے عجیب الخلقت جانور کی بھینٹ پوجا لیتا ہوا نظر آوے اُسے دیا کچھ نہ جاوے بلکہ اس امر کی تحقیقات کرانے کو اُس پر زور دیا جاوے کہ وہ بتلاوے یہ جانور اس شکل۔ صورت اور حلیہ کا اس نے کہاں سے لیا ہے۔ اتنا جتن کرنے سے اُس کا سارا بھید کھل جاوے گا۔ اور آئندہ کے واسطے ایسے لوگ اس قسم کی ہتیا کرنے سے باز رہیں گے۔

بھارت ماتا کے تین پُتّر

اپنا آپ گرا دے جس کو
دوسرا کون اُٹھا وے اُس کو

بھارت ماتا کے تین سپوت ہیں :-

اول - اہلِ ہنود ۔

دوم - اہلِ اسلام ۔

سوم - اہلِ نصاریٰ ۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر عجیب اتفاق ہے کہ سب کے سب ایک دوسرے کو پتت سمجھتے ہیں - ہندو کہتے ہیں کہ مسلمان اور عیسائی پتت ہیں کیونکہ یہ گئو ہتیا سے باز نہیں آتے مسلمان کہتے ہیں کہ ہندو اور عیسائی دونو پتت ہیں - کہ یہ سور حرام کا استعمال کرتے ہیں عیسائی کہتے ہیں کہ یہ دونو غلطی پر ہیں حضرت مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے کے کفارہ پر ایمان نہیں لاتے جس سے سب جھگڑا گناہ ثواب کا طے ہو جاتا ہے - کچھ بھی کیوں نہ ہو - ایک دوسرے کے پاس خواہ کوئی وجوہات ایک دوسرے کے پتت بتلانے کی ہوں - مگر سب سے بڑی وجہ وہی ہے جو کہ اوپر بتلائی گئی ہے مگر اب ایک اُمید کی جھلک نظر آنے لگی ہے حضرات اسلام کے بزرگوں نے امرتسر کے مقام پر فیصلہ صادر فرمایا ہے - کہ آئندہ اپنی قوم کے لوگوں کو ہدایت کریں - کہ وہ بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی نہ کریں - یہ فیصلہ اس وجہ سے نہیں - کہ گائے بڑا مفید جانور ہے - اس کے بچانے سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا بھلا ہوتا ہے اور نہ اس وجہ سے کہ گائے ایک غریب جانور ہے اس کی مسکینی پر رحم کھا کر اس کو ایذا نہ دیا جاوے - یہ فیصلہ اس وجہ سے

ہے کہ ہندو لوگ اس کی حمایت کرتے۔ اس کے مارے جانے سے ان کو دُکھ ہوتا ہے۔ خیر کچھ بھی وجہ ہو۔ ہندوؤں کی وکالت کی وجہ سے اگر بزرگانِ اسلام غریب گائے کو جو نہ صرف ہندوؤں کو فائدہ پہنچاتی ہے بلکہ مسلمان۔ عیسائی سب کے واسطے گوناگون کے الوانِ نعمت تیار کرتی ہے۔ بچانے کی طرف مائل ہوتے ہیں تو بھی اُن کی مہربانی ہوگی گائے کے علاوہ بھینس۔ بھیڑ۔ بکری وغیرہ کی ہتیا سے جو نقصان ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ بزرگانِ قوم اس کی طرف بھی توجہ دینگے۔ حضرت شیخ سعدی مرحوم کے مقولہ پر غور فرماکر ان غریب جانوروں کے حال پر رحم فرماوینگے تو ہندو مسلمانوں کا کھان پان بلکہ رشتہ ناطہ میں بھی میل ملاپ پورے طور پر ہو سکیگا +

شنیدم گوسفندے را بزرگے ۔۔۔ رہانید از دہان و دستِ گرگے

شبانگہ کارد برحلقش بمالید ۔۔۔ روانِ گوسفند از وے بنالید

تو از چنگالِ گرگم در ربودی ۔۔۔ چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

پنشن اُدھار سیوا

ہمارے ملک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے سرکار دولتمدار کی ملازمت میں اپنی عمرِ جوانی کو خرچ کیا۔ بوڑھے ہوجاتے پر سرکار نے اُن کی خدمات کا لحاظ کرکے بڑھاپے میں اُن کے گزارے کے واسطے پنشن دی تاکہ وہ اپنے بقایا ایام زندگی کو آرام سے کاٹیں سرکار کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ ایسے لوگ اپنے گزارہ کی طرف سے بے فکر ہوگئے اس حالت میں اُن کو سوچنا چاہیے کہ جو وقت اُن کو ملا ہے اُس کو کس شغل میں خرچ کریں۔ بہت سے ایسے ہیں۔ جو کوئی نہ کوئی بنج بیوپار جاری کردیتے

ہیں۔ اور بعض دوسری جگہ پر ملازمت کر کے روپیہ پیسہ کے کمانے میں لگ جاتے ہیں بہت تھوڑے ایسے بھی ہیں جو کہ اپنے اس انمولیہ سمے کو پرماتما کے بھجن اور اُس کی مخلوق کی سیوا میں خرچ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ایک بزرگ کے اس فرمان کو درست مان کر اس کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں ؎

خواہی کہ خدا ے بر تو بخشد
باخلقِ خدا ے کن نکوئی

مگر زمانہ خود غرضی اور نفس پرستی کا ہے بزرگوں کے اقوال و نصائح پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے۔ اور کوئی کوئی ماتا کا لال نکلتا ہے جو کہ انجام کو وچار کر ایسا کام کرے جو کہ کرنا چاہیئے۔ پرماتما کی دیا ہے کہ زیادہ نہیں تو بھی کئی سجن پُرش ہمارے دیش میں ایسے موجود ہیں۔ جو اپنی عمرِ عزیز کے اس حصہ کو مخلوق کی سیوا اور سُکھ پہنچانے میں خرچ کرتے ہیں۔ ایک اُن میں سے ہمارے معزز مہربان لالہ سنت رام جی کھتری ہیں سکنہ اچھرہ ہیں۔ جو آجکل لاہور شہر۔ پُرانی انارکلی رسالہ بازار میں رہتے ہیں آپ ریلوے کے محکمۂ ڈاک میں ہیڈ سارٹر تھے۔ پچپن سال کی عمر کے پورے ہونے پر سرکار سے پنشن لیلی۔ کل افسران اور ماتحتان اُن کی کارگذاری اور سلوک سے خوش تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے پر اہل عملہ نے بڑے پریم اور محبت سے رخصتانہ کی پارٹی دی اور بہت سے لوگ عزت افزائی کے طور پر اُن کو مکان تک پہنچانے کے واسطے آئے۔ اب اُنہوں نے وچار کیا کہ اپنا وقت پروپکار میں خرچ کیا جاوے۔ تو ہی زندگی سپھل ہو سکتی ہے بس اسی کام میں لگ گئے آریہ سماج یتیم خانہ اور دوسرے ہر قسم کے اوپکار کے کام میں جو بھی اُن کے سامنے آجاویں اُن کی طرف توجہ دیتے اور اُن کو دل و جان سے کرتے ہیں

آریہ سماج انارکلی لاہور نے جب گزشتہ قحط کے وقت غریبوں کو سات سیر فی روپیہ آٹا دینے کی تجویز کی۔ بدھواؤں اور غریبوں کو پارچات کے تقسیم کرنے کا انتظام کیا تو لالہ سنت رام جی پر ہی ادھکاریان سماج کی نظر پڑی جو کہ دیانتداری اور محنت سے اس کام کو سرانجام دے سکیں گے۔ چنانچہ اس کام کو آپ نے اپنے ذمہ لیا۔ اور مستحقین کی تلاش اور تحقیق کے واسطے دن بھر پیادہ پا چلنے میں خرچ کرنے لگے۔ اپنے تجربہ کی بنا پر ایسا پکا کام کرتے رہے کہ کوئی غیر مستحق اس دان سے کچھ نہ لے سکے۔ غریبوں اور محتاجوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر فائدہ پہنچایا۔ اس کا روزمرہ کا حساب ایسا عمدہ اور صاف تھا۔ کہ مارشل لا کے دنوں میں جب منتری جی کے برخلاف مقدمہ کھڑا ہو گیا۔ تو لالہ سنت رام جی کی گواہی ایسی مضبوط اور رجسٹروں میں تحریری ثبوت کی بنا پر لکھوائی گئی تھی۔ کہ عدالت نے منتری جی کو بے قصور باعزت رہا کر دیا۔

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی شاخ لاہور کے لڑکوں کی ہر ایک ضرورت کے وقت اپنے دوستوں سے امداد لیکر اس ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔ اور جہاں کہیں اُن کی برادری اور رشتہ داری میں کوئی سنسکار اور دان دینے کا موقع ہوتا ہے۔ کافی دان یتیم خانہ کے واسطے لے آتے ہیں اگر کوئی عورت راستہ میں بیٹھی اپنی کسی مصیبت کی وجہ سے رو رہی ہے تو اُس کا حال دریافت کر کے جہاں تک اُن کی طاقت میں ہے اُس کے کام کو سرانجام کرا دیتے ہیں۔ ان کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں جس وقت دیکھو خنداں نظر آتے ہیں صحت عمدہ ہے ہمارے دوسرے پنشنر بھائی صاحبان اگر لالہ سنت رام جی کو دیکھ کر اُن کی طرح پروپکار میں اپنا وقت خرچ کریں تو اُن کا اپنا کتنا بھلا ہو اور دوسروں کا کتنا اوپکار کر سکیں۔ پرماتما ہمارے بزرگ بھائیوں کو ایسی سومتی دے جیسی کہ تو نے لالہ سنت رام جی کو دی ہے۔ فقط
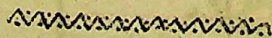
پتت اُدّھار

جس دیش اور جاتی میں گرے ہوؤں کو اُٹھانیکا انتظام نہیں وہ دیش اور جاتی بہت جلد تنزّل کے گڑھے میں گر جاتے ہیں ہندو جاتی خاص طور پر ایسے حالات کا شکار ہو رہی ہے یہاں ستری جاتی کا بُرا حال ہے بدھواؤں کی درگتی ہو رہی ہے۔ یتیموں کو لوٹنے اور جان سے ہلاک کر دینے کیواسطے اُن کے اپنے ہی سمبندھی اور رشتہ دار تیار بیٹھے ہیں کمزوروں اور بدھوؤں کو ستا ستا کر بدردوا لے اپنی طاقت کو بڑھا رہے ہیں۔ پرماتما کے امرت پُتران گنت نرناریوں کو اچھوت بنا کر جاتی سے پریوار سے خارج کیا جا رہا ہے ایسے بہت سے حالات ہیں جنکو خیال کرکے دردمند دل والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سب حالات کو پبلک کے سامنے لانے کے لیے کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے اسواسطے یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی کا ارادہ ہے کہ ایک ماہواری رسالہ پتت اُدّھار جاری کیا جاوے جس میں ان حالات کے ساتھ یتیم خانہ مظفر گڑھ اور اُس کی شاخ لاہور اور دیگر شہنی اور دوسرے یتیم خانوں کے حالات بھی پرکاشت ہونگے۔ ایک ہزار خریدار ہونے پر جاری ہوگا۔ ماہ اکتوبر و نومبر میں ٹریکٹ کے طور پر پہلا اور دوسرا حصہ نکالا گیا تھا۔ بہت سے خریدار بن گئے ہیں مگر چونکہ ابھی تک تعداد پوری نہیں ہوئی اس واسطے یہ تیسرا حصہ بھی بطور ٹریکٹ کے ناظرین کے سامنے ہے ابھی تک کوئی خاص تاریخ مقرر نہیں ہو سکتی۔ خریداروں کی پوری تعداد ہونے پر بصورت رسالہ ماہواری نکلیگا۔ قیمت سالانہ عہ ۸ر ہوگی۔ یہ پرچہ ۱ر فی کاپی کے حساب سے دیا جاویگا۔ درخواست کرنے پر منیجر یتیم خانہ مظفر گڑھ شاخ لاہور سے مل سکیگا۔

نویدک — پنڈت گنگا رام سکرٹری کمیٹی یتیم خانہ
مظفر گڑھ شاخ لاہور

اوم

پتت اُدّھار

حصّہ چہارم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سُدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی کی

تجویز سے ماہ جنوری ۱۹۲۰ء میں

مرتب ہو کر

لال سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ کرمچند بہل پرنٹر چھپا
اور پنڈت ڈی۔ ایس اگنی ہوتری نے شائع کیا

قیمت فی کاپی ۲/
تعداد جلد ۰۰

ओ३म्

پتت اُدّھار کی ضرورت اور اظہارِ حال

پتت ادھار کی ضرورت کیا ہے؟

اس سوال کا جواب دُنیا کے حالات کو بغور دیکھا جاوے تو ایسا نہیں ہے۔ کہ انسان کی سمجھ میں نہ آسکے۔ ضرورت اتنی بڑی ہے۔ کہ اتنے عرصہ تک اس کے ظاہر نہ ہونے سے جسقدر نقصان ہوگیا ہے۔ اُسکی تلافی مشکل ہے جن کاموں کے واسطے پتت اُدھار کی ضرورت ہے۔ ان کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ اس کا ایک پمفلٹ میں سما جانا تو کیا دفتروں کے دفتر بھی اس کے واسطے کافی نہیں ہیں۔ بدی اور پاپ کے بیج من اور آتما کی دھرتی میں پڑتے جاتے ہیں۔ اور خودرَو پودوں کی طرح نشو ونما پاکر بڑے بڑے درخت ہوتے جاتے ہیں۔ گھر والوں کو پتہ اُس وقت لگتا ہے جبکہ اُن کے زہریلے پھلوں سے کُنبہ کا ناش ہونے لگتا ہے چھوٹی سی ایک شرارت کس طور سے ایک سخت خطرناک نظارہ کو سامنے لے آتی ہے۔ اس کے اظہار کے واسطے ایک واقعہ کا لکھدینا ضروری ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شریر آدمی کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ شرارت کی سوجھا کرتی تھی۔ ایک دن اُس نے ایک دُکاندار کے پاس بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی بات چیت شروع کر دی۔ اور آنکھ بچا کر ایک برتن میں سے تھوڑا سا مٹھائی کا شیرہ لے کر دیوار پر لگا دیا۔ چونکہ قابل فروخت چیزیں برتنوں میں دیوار کے ساتھ ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ اس شیرہ پر مکھیوں نے آنا اور بیٹھنا شروع کر دیا۔ مکھیوں کا جمگھٹا دیکھ کر ایک چھپکلی بھی اُدھر کو آئی۔ اتفاق سے ایک سانپ بھی خوراک کے فکر میں دوکان کے اسباب میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اس نے چھپکلی کو دیکھا

اور فوراً پکڑ لیا۔ دُکاندار نے ایک بلّی پال رکھی تھی۔ اُس نے سانپ کو پکڑنا
چاہا۔ اسی وقت دو فوجی سپاہی سودا لینے کو دوکان کے سامنے آ کر کھڑے
ہوئے۔ اور اُن کے ساتھ ایک شکاری کُتّا تھا۔ اُس نے چھلانگ مار کر بلّی کو
گردن سے پکڑ لیا۔ دوکاندار نے بلّی کو بچانا چاہا۔ لوہے کا دو سیر وزن کا وٹہ
کُتّے کے سر پر مارا۔ کُتّا چکر کھا کر زمین پر گر گیا۔ مُنہ اور ناک سے خون جاری
ہوگیا۔ اور مرنے لگا۔ سپاہیوں میں سے ایک نے اپنی تلوار کو کمر سے کھولا اور
ایک ایسا وار چلایا۔ جس سے دوکاندار کا سر تن سے جُدا ہوگیا۔ اِن سپاہیوں
کو سرکار کی پولیس نے گرفتار کر لیا۔ تحقیقات پر پتہ لگا۔ کہ اس واردات
کی ابتدا تو صرف ایک انگلی شیرہ کو دیوار پر لگانے سے ہوئی تھی +

اب غور کا مقام ہے کہ ایسے ایسے کتنے واقعات روزمرّہ وقوع میں
آتے ہیں جن سے بڑے بڑے بھینکر پاپوں کا آغاز ہوتا ہے۔ مگر اُنکی طرف
کوئی بھی دھیان نہیں کرتا۔ کتنے لوگ ہیں جو کہ دیش اور جاتی کے بچّوں کو
حقہ۔ تمباکو۔ سگرٹ۔ بھنگ چرس۔ مدک۔ چنڈو۔ افیون اور شراب خانہ خراب
کے بلانوش بنانے میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔ اِن کا روزگار ہی یہ ہے
کہ لوگوں کو اِن منشیات کا عادی بنا دیں۔ اس خدمت کا معاوضہ اُن کو
آدر سمان اور دھن دولت کے نذرانہ سے دیا جاتا ہے۔ والدین جنکے بچّوں کو
یہ لوگ بگاڑتے ہیں۔ اُن کے آگے ہاتھ جوڑتے اور لڈّو۔ پیڑا۔ برفی کے تھال
بھینٹ میں لا کر اُن کے چرنوں کو پوجتے ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ جمع کر کے
اُن کو یگیہ سمپورن کرنے کو دیتے ہیں۔ بگاڑنے والے تو اتنے ہیں مگر اُنکے
مقابلہ میں ایسا کوئی محکمہ تو کیا کوئی آدمی بھی نہیں ہے۔ جو کہ بے سمجھ بچوں کو
اِن لوگوں کے چنگل میں پھنسنے سے بچا وے۔ اِن زہریلے نشوں اور طرح
طرح کی بدعادات کا شکار اُن کو نہ ہونے دیوے +

کھیل۔ تماشہ۔ ناٹک اور ناچ پر جس قدر وقت اور دھن خرچ کیا جاتا ہے

اور ان سے جس قدر بگاڑ لوگوں کے چال چلن اور اخلاق کا ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ کس نے لگایا ہے۔ چوپٹ۔ شطرنج۔ گنجفہ۔ تاش وغیرہ کھیلوں اور جوئے بازی میں جس قدر ناش دھن اور عمروں کا کیا جاتا ہے۔ اس کا حساب کرنے کی کس کو ضرورت ہے۔ چھوٹے بچوں کے بواہ کر کے ایک سال کی عمر جنکی نہیں ہے۔ ایسی کنیاؤں کو بدھوا بنا کر بٹھلایا جاتا ہے۔ بوڑھے آدمی کم سن لڑکیوں سے بواہ کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کیا جاتا ہے بہت سی خفیہ ایجنسیاں جاری ہیں۔ جو لڑکیوں اور کم سمجھ مصیبت زدہ عورتوں کو چُرا کر۔ بہکا کر اور پھسلا کر غیر وطن میں لے جاتے ہیں۔ اور سستے داموں میں فروخت کرتے ہیں۔ جیسا کہ بڑے بڑے شہروں اور منڈیوں میں دساور سے آیا ہوا مال فروخت کرنے کو آڑھتی اور دلال موجود رہتے ہیں۔ اسی طرح پر لڑکیوں اور عورتوں کی خرید و فروخت کا بازار گرم ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے با اختیار اور کلین لوگ اس بیوپار میں حصہ دار ہیں۔ اور اس قسم کے سوداگرن اور ان کے مال کی حفاظت کرتے اور اُن کی رہایش اور خوراک کا انتظام کرتے ہیں اور اُن کے راز چھپاتے اور فاش ہو جانے پر ان کی امداد کرتے ہیں۔ کوئی جاتی کا خیر خواہ ہے جو اس طرف توجہ کرے

پینتالیس سال عمر کے ایک سیٹھ صاحب نے بارہ سال کی کنیا سے بواہ کیا لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے واسطے اڑھائی لاکھ روپیہ دان کر دیا جس دیش میں چار آنہ کے عوض میں جھوٹی گواہی دینے کو کئی لوگ تیار ہو جاتے ہیں۔ خیال فرماویں کہ ۲½ لاکھ دان کی رشوت سے کس قدر لوگ مداح اور ثنا خوان بن سکتے ہیں۔ ایسے ایسے اور ان سے بڑھ کر ہزاروں قسم کے پاپ اور دکھوں سے لوگ پیڑت ہو رہے ہیں۔ رشوت ستانی آگ غضب ڈھا رہی ہے۔ قحط۔ طاعون اور مہاماری پیچھا نہیں چھوڑتی۔ انسان انسان کے کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔ حفاظت اور رہنمائی کرنے والے آپ ہی لوگوں کے دھرم

دھن اور عزت کا ناش کرنے کو جہاں اپنا کرتویہ سمجھ لیویں ایسے حالات میں پتت اُدّھار کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی سوال کرتا ہے تو اس کی زبردستی نہیں تو اور کیا ہے۔

چلتے ہوؤں کو گرانا اور گرے ہوؤں کو کچل ڈالنا غریبوں کو لوٹنا دکھیوں کو ستانا جہاں معمولی بات ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ پتت اُدھار کی ضرورت کیا ہے؟

پتت ادھار کی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے۔ اسی واسطے اس کا ظہور پرماتما کی دیا سے ہوا ہے۔ اب اس کے جاری رکھنے اور کام کرنے کا ڈھنگ بھی دیکھنا ہے۔ کئی سجن ایسے ہیں جو اس وجہ سے کہ یہ اردو حروف میں شائع ہوتا ہے۔ اسکو پڑھنے کی عزت بخشنا نہیں چاہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دیوناگری اکشروں میں اس کو شائع کیا جاوے۔ میرا وچار تو ہے مگر میں اس ضرورت کو محسوس کرتا ہوں کہ دوسری بھاشاؤں میں بھی نکلتا رہے خیالات کا پرچار پورے طور پر اُسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ جس بھاشا کو کوئی جانتا ہے اُسی بھاشا میں پیش کئے جاویں۔ آریہ بھاشا میں اس کی ضرورت کو میں بھی مانتا ہوں۔ موجودہ صورت میں اس کے چل نکلنے پر آریہ بھاشا کا ایڈیشن نکالنے کا انتظام کیا جاویگا۔ کاغذ کے نرخ اور پریس کی دقتوں کو سب لوگ نہیں جانتے کیونکہ اُن کا واسطہ نہیں پڑا۔ اُمید قوی ہے کہ آہستہ آہستہ ہر پرکار کی روکاوٹ دُور ہو کر میدان صاف ہو جاوے گا۔

پتت اُدھار کے ایڈیشن کا استری جاتی میں پرچار ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ جو کہ آریہ بھاشا اور گورمکھی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ آریہ بھاشا کے خواہشمندوں کی فہرست میں نے بنانی شروع کر دی ہے۔ کافی تعداد کے ہو جانے پر انتظام کیا جاوے گا۔ بعض ایسے سجن پرش ہیں جو خود اردو اور ہندی جانتے ہیں اور اُن کے پریواروں میں استریاں ہندی جانتی ہیں۔

اُن کی بھی خواہش ہے۔ کہ اگر ہندی میں ہو تو جہاں وہ آپ پڑھا کریں۔ پرچار میں بھی اس کا پاٹھ ہو جایا کرے۔ ایسے سب صاحبان سے اُمید ہے کہ اول وہ اسکی اشاعت کو ایک ہزار تک پہنچانے کی کوشش کریں بہت سے بھائی ایسے ہیں جنہوں نے اس کی اشاعت میں کافی امداد دی ہے ایک صاحب نے چوبیس خریداروں کا چندہ بھجوایا ہے۔ دوسرے نے سولہ کا چندہ بھیجدیا ہے تیسرے نے چھ خریداروں کے نام دئے ہیں چوتھے نے دس آدمیوں کے نام اس کے خرچ پر جاری کر دینے کے واسطے چھ ماہ کا چندہ ادا کر دیا ہے۔ پانچویں نے اپنے خرچ پر آٹھ سناتن دھرمی بھائیوں کے نام پر جاری کر دینے کو لکھا ہے۔ ایسا ہی اور بہت سے بھائی ہیں جو اس کے واسطے خاص کوشش کر رہے ہیں۔ ایک نے بتیس ۳۲ اور دوسرے نے تیس اور تیسرے نے چوبیس ۲۴ کاپیاں منگوائی ہیں۔ اور چوتھے کے پاس اڑتالیس کاپیاں اس کی درخواست پر بھیجی گئی ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ پتت اُدھار کی اشاعت کافی ہوگی۔ اُردو کے علاوہ دیوناگری اور گورمکھی اکشروں میں بھی اسکو شائع کرنا پڑے گا۔

پتت اُدھار کے متعلق اتنا اور میں ذکر کر سکتا ہوں کہ اس کے فنڈ میں ایک صاحب نے مبلغ مالغ ۲۵ دلوا دیا ہے اور ایک دوسرے سجن نے مبلغ عـہ ماہوار اُس تاریخ سے دینے کے واسطے وعدہ فرمایا ہے۔ جبکہ پتت اُدھار کے واسطے ایک اُپدیشک مقرر کیا جاوے ۔

جب تک پورے ایک ہزار خریدار کا چندہ وصول نہ ہو جاوے۔ مہینہ میں ایک دفعہ پتت ادھار بطور ٹریکٹ کے شائع ہوتا رہے گا۔ حصہ دوم کے پریس میں جانے کے بعد جو ریویو حاصل ہوئے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔

نشر بیان پنڈت پورنا نند جی اُپدیشک آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب

شریمان پنڈت گنگا رام جی مظفرگڑھ نواسی کا سمپادت پتت اُدّھار نام کا اردو رسالہ میں نے پڑھ کر سنا۔ رسالہ کی ریتی۔ ونش سدھار۔ بدھوا سہائے۔ اناتھوں کی رکھشا کا ہے۔ انہیں وشیوں کا ورنن اس پتر میں کیا گیا ہے۔ پتر بدی اسک ہے۔ تتھا اپیوگی ہے۔ پنڈت جی اس پتر کو اچھے روپ میں نکالنا چاہتے ہیں۔ اتہ آریہ جنتا کو اُچت ہے کہ پتر کی سہایتا کرکے اسکے مالک اناتھ آسرے مظفرگڑھ کو اتساہت کرے ٭

شریمان لالہ دھرم داس سوری وکیل ہائی کورٹ الہ آباد اپنے مرسلہ پتر میں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

پریہ مہاشے!

میں نے آپ کے رسالہ پتت اُدھار کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے مضامین کو نہایت دلچسپ اور سبق آموز پایا ٭

شریمان سردار تیج سنگھ جی بی۔ اے وکیل ملتان تحریر کرتے ہیں:۔

شریمان پنڈت گنگا رام جی! تسلیم

میں نے آپ کا رسالہ پتت اُدّھار حصہ دوم پڑھا۔ اسکے مختلف مضامین کے پڑھنے سے بہت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ میں اس کا خریدار ہونا سویکار کرتا ہوں۔ براہ مہربانی میرا نام درج رجسٹر کرلیویں اور پہلا پرچہ بذریعہ وی پی ارسال کریں ٭

شریمان پنڈت رام بھجدت جی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل ہائیکورٹ لاہور تحریر فرماتے ہیں:۔

پرچینیہ بھراتا پنڈت گنگا رام جی نمستے!

میں آپ کو آپ کے رسالہ ماہواری سوسومہ پتت اُدھارک کے جاری کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ میں نے تین ماہ کے تین ٹریکٹوں کا معقول حصہ پڑھوا کر بغور سُنا۔ میری رائے میں نہایت ہی دل کو گرفت کرنے والی صاف سلیس۔ نرم لیکن برجستہ عبارت میں آپ نے مختلف مضامین پر بحث کی ہے۔ آپ نے پتت کے جو شبد سُننے دئے ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے بڑے بڑے اصحاب کا دل ہل جائیگا۔ ورنہ محسوس کرینگے۔ کہ آخر ہم بھی تو سچے معنوں میں۔ پتت یعنے اپنی آدرش اور گرتو یہ سے گرے ہوئے ہیں۔ اوڈوں کی شدھی کے متعلق جو آپ نے پولائی ہسٹری کو ہمارے روبرو پیش کیا ہے۔ وہ نہایت سبق آموز اور مفید ہے۔ اگرچہ میں خوش ہوتا۔ اگر آپ اس بڑی شدھی کا جو میری رائے میں بلحاظ تعداد اور پبلک وقعت کے قابل ذکر تھی۔ نفوڑا ذکر فرماتے۔ آریہ سماج ملتان۔ اور جن خاص خاص آریہ پُرشوں نے جو آپ کی نیک مثال کی پیروی کرکے بڑی بھاری تعداد میں اوڈوں کی شدھی کا کام کیا تھا۔ اُن کا کام قابل تعریف تھا۔ میں اُس وقت اُس جلسہ میں بلایا گیا تھا۔ اور آریہ سماج ملتان کے لئے وہ بڑا شان کا دن تھا۔ استری جاتی اور یتیموں کے متعلق آپ کے خیالات نہایت ہی قابل قدر اور قابل تقلید ہیں۔ خیالات کا اظہار اور آپ جیسے دھرماتما و چال چلن اور تجربہ کار بزرگ کے خیالات کا اظہار خلق خدا۔ کی بہتری اور تعلیم حقیقی کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ اور میں نہایت ہی خوش ہوں کہ آپ نے اس سلسلہ افشائے خیالات کو جاری کر دیا ہے پرماتما آپ کو برکت اور طاقت دیں۔ اور آپ کی شُبھ کامناؤں کو پورن کریں مجھے آپ نہایت ہی ممنون کرینگے۔ اگر آپ مہاراجہ کا چاریہ پر مہنس پتری سوامی دیانند سرستی جی مہاراج کی جملہ تحریرات کو جو پتت ادھارک و شیمیں ہوں یک جگہ اکٹھا کرکے شائع کرا دینگے۔ اوم شم

سیوک رام بیج

از شیخ غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل وکیل مظفرگڑھ

مکرم بندہ جناب پنڈت صاحب جی۔ تسلیم!

میں نے آپ کے مرسلہ دو نمبر رسالہ پتت اُدّھار کے بغور پڑھے ہیں آپ نے جس دلی شوق اور محبت سے پتت جاتی کے اٹھانے کا کام شروع کیا ہے۔ واقعی قابل تحسین ہے۔ استریوں کے متعلق جو فاسد خیالات عوام میں رواج پاگئے ہیں۔ اُن کی تردید دوسرے نمبر میں بہت خوبی سے کی گئی ہے۔ ایک ایسے رسالہ کی واقعی ضرورت ہے۔ جو فلسفیانہ بھول بھلیاں چھوڑ کر عام فہم الفاظ میں اس نیک مقصد کی تبلیغ یعنے پرچار کرے۔ اُمید ہے کہ آپ اس میں ہر طرح کامیاب ہوں گے۔ رسالہ جات کے عطیہ کے لئے مشکور ہوں +

ماسٹر ڈھولا رام جی ملتان نواسی حال مقیم لاہور لکھتے ہیں!۔

شریمان مانیہ ور پنڈت جی۔ نمستے

میں نے ہر دو حصص پتت اُدّھار کے غور سے مطالعہ کئے ہیں۔ استریوں پر اتیاچار۔ پتت جاتیوں کے حالات کے مضامین خاصکر شریف زادوں کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے اور ہمدردی حیوانات پر جو مضامین لکھے گئے ہیں۔ وہ بھی ان سے کم نہیں۔ مگر یہ دو حالات پہلے دو حالات پر بہت کچھ منحصر ہیں۔ اس قسم کے رسالے ہر زن و مرد کو مطالعہ کرنے چاہئیں۔ اگر ایسے سستے ناگری میں بھی ہو جاویں تو مستورات کے مطالعہ سے عملی نتائج پیدا ہوں گے +

دان کا موقعہ اور پاتر کو دان

امرتسر میں ۷۔ فروری ۱۹۲۰ء کو لالہ چنداس جی سٹیشن ماسٹر

غازی گھاٹ ضلع مظفرگڑھ کی پُتری کا بواہ لالہ نانک چند جی جنرل مرچنٹ
بلند شہر کے سپتر ڈاکٹر رام چند جی سے ہوا۔ اس موقعہ پر دونوں
طرف سے دان ادھ دکشنا کے مبلغ ما عـــہ ہر دو صاحبان نے دئے
جس میں سے حسب ذیل کاموں کے واسطے مبلغ پانچ پانچ روپیہ دان
میں دئے گئے۔ یتیم خانہ فیروزپور صہ۔ یتیم خانہ مظفرگڑھ صہ۔ کنیا اناتھ
آلہ جالندھر صہ۔ یتیم خانہ بریلی صہ۔ یتیم خانہ اجمیر صہ۔ یتیم خانہ آگرہ صہ
پتت ادھار فنڈ مظفرگڑھ صہ۔ گئوشالہ گجرات بیٹ سوہنی ضلع مظفرگڑھ صہ ÷

پتت اُدّھار سیوک

ہمّت مرداں مدد خدا۔

ماتا کے لال جس کام کو شروع کرتے ہیں۔ پرماتما کی دیا سے وہ
پورا ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ اب شریمان لالہ سنت رام جی
گورنمنٹ پنشنر نے یہ ارادہ کر لیا ہے۔ کہ یتیم خانہ مظفرگڑھ کی شاخ لاہور
کا اپنا مکان ہونا چاہئے جس میں ہر ایک ضرورت کے واسطے الگ
الگ کمرے بنائے جاویں۔ اور اس کام کے واسطے آپ نے روپیہ جمع
کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ مبلغ پانچ روپیہ لالہ سرچند اس کچھین چیف گڈس
کلرک جالندھر شہر اور مبلغ دو روپیہ لالہ دولت رام صاحب کچھین اپنے برادران
سے اُن کی کنیاؤں کے بواہ کے موقعہ پر کیا ہوا دان لائے ہیں۔ اِن کے اس
مشورہ کو سن کر شریمان پنڈت راجندر پرشاد جی بی۔ اے وکیل مظفر
گڑھ اُپ پردھان آریہ سماج و سبھاسد کمیٹی یتیم خانہ مظفرگڑھ نے جو لاہور
میں تشریف لائے تھے مبلغ ایک سو روپیہ اس کام کے واسطے منظور فرمایا
ہے۔ پرماتما کی دیا سے لالہ سنت رام جی کا یہ شبھ سنکلپ امید ہے کہ
بہت جلدی ہی پورا ہو جاوے گا ÷

اوم

پتت پاون پربھو آشرا دو ہمیں آشرا اور کوئی ہمارا نہیں
ہم نے لی ہے فقط اک تمہاری شرن ہے پتا اور کوئی سہارا نہیں
دین بھارت ہے دکھیا بہت ہو رہا لٹ چکا اب یہاں باقی رکھا ہے کیا
ہے پتا لو بچا ہے پتا لو بچا اور در پہ تو جانا گوارا نہیں
اتنی بنتی پتا سو ییکار کرو۔ ہم اناتھوں کا ناتھ اب اُدھار کرو
تم ہی جسونت سنگھ کا سُدھار کرو۔ ہاتھ آگے کسی کے پسارا نہیں

پتت ہونے کا عام اقبال اور اُدھار کا سوال

بھارت ورش کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے اور بزرگوں نے مانا ہے۔ کہ جیو آتما یعنے روح نفسانی لذات میں پھنسنے کی وجہ سے پتت ہو گیا ہے۔ حضرت عیسےٰ مسیح کے پیروان اپنی بائبل مقدس کے حوالہ پر کہتے ہیں کہ خدا کے حکم کی نافرمانی حضرت آدم نے کی اور ممنوع درخت کا پھل کھایا اور وہ باغ عدن سے نکالا گیا۔ اور اہل اسلام کا مذہب یہ بتلاتا ہے کہ حضرت آدم ابتدائی انسان نے درخت گندم کا پھل کھایا اور بہشت بریں سے فرش زمین پر گرا دیا گیا۔ مطلب تینوں روایتوں کا ایک ہے۔ الفاظ کا فرق۔ طرز بیان کا کچھ فرق ضرور ہے۔ مگر مدعا سب کا وہی ایا ہے کہ حضرت انسان جگت پتا پتت پاؤن پربھو۔ خدائے عزوجل قادر مطلق کی پناہ اور ہدایت کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے بھاگنے لگا۔ پتت ہو گیا اور اپنے منصب جلیلہ سے گرا دیا گیا۔ فی الواقعہ یہ بات سچ ہے۔ حضرت مولوی معنوی

مولانا روم نے بھی فرمایا ہے

ہم خدا خواہی وہم دُنیاے دُون
این خیال ست و محال ست جنون

سب مذاہب کی الہامی کتابوں اور ہادیان مذاہب کی ہدایتوں کا خاص مدعا یہی ہے۔ کہ انسان کو اس گراوٹ سے اُٹھا کر اس کے اصلی مقام پر کھڑا کیا جاوے۔ جو جو کچھ بھی ان بزرگان قابل تعظیم نے کیا اور اپنے اس کرتویہ کے پالنے میں جو جو دُکھ اور تکلیفیں اُٹھائیں اُن کا اس قدر قرضہ اُن کے پیرواں کے سر پر ہے جسکو وہ عمر بھر پانی بھرتے رہیں تو ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر عام طور پر لوگوں نے مذہب کو صرف ایک ڈھکوسلا یا کہ فیشن سمجھ رکھا ہے۔ اس کے احکام کی تعمیل کو لوگ ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک ہندو اسواسطے ہندو ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہندو کہتا ہے اور مسلمان سے چھوا ہوا پانی نہیں پیتا۔ ایک آریہ صرف اسواسطے آریہ ہے کہ وہ مورتی پوجا نہیں کرتا۔

کہتے ہیں کہ ایک جاٹ نے رواج کے موافق ایک سادھو کو اپنا گورو بنا لیا۔ اور اُس سے کوئی گپت گورو منتر سیکھ لیا۔ اور اُسے اپنے گھر میں لے آیا۔ دو چار روز تک اس کی خاطر خوشامد کرتا رہا۔ اچھا کھانا اُس کے واسطے بنواتا اور دودھ دہی مکھن بھی اُس کی نذر کرتا۔ رخصت کیوقت ایک روپیہ بھی اُس کی بھینٹ چڑھا دیا۔ گوروجی رخصت ہو گئے۔ تو جاٹ کی عورت نے کہا کہ تم نے غضب کیا۔ جتنا ان اور آٹا ہمارے ایک ہفتہ کے گذارہ کے واسطے کافی تھا۔ یہ گورو تو تین دن میں ہی چٹ کر گیا۔ اگر یہ دو تین مہینے میں ایک دفعہ بھی آتا رہا تو ہمارا گذارہ کیسے ہوگا اس پر جاٹ نے کہا۔ کہ میری پیاری عورت تم کو جاننا چاہئے کہ میں نے یہ گورو کس لیئے دھارن کیا ہے؟ ہمارے مقدمات برادری میں۔

رشتہ داری میں - سرکار دربار میں ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں ان مقدمات میں اپنا پکش سچا کرنے کے واسطے کئی دفعہ قسم کھانی پڑتی ہے - میں تیری قسم نہیں کھا سکتا کہ تیری ہستی سے میرا گھر آباد ہے - بچوں کی قسم نہیں کھا سکتا - کہ یہ تو میرے گھر کا چراغ اور میری آنکھوں کا نور ہیں - کئی دفعہ مجھے قسم نہ کھانے کی وجہ سے اپنا دعوے چھوڑنا پڑا ہے اور میں مقدمہ ہار چکا ہوں - میں کئی مدت تک سوچتا رہا کہ کیا علاج کروں - آخر مجھے یہی سوجھا کہ ایک گورو دھارن کر لوں - سال بھر میں اُسکی دو چار دن کی روٹی اور خاطر تواضع کا خرچ تو ضرور ہوا کرے گا - مگر قسم کھانے کے وقت ادھر اُدھر جھانکنا نہ پڑے گا - جھٹ گورو دیو جی کو یاد کر کے قسم کھا لیا کروں گا - اس قسم سے جتنا فائدہ ہم کو ہوگا - اُس کے مقابل میں گورو دیو جی کا دو چار دن کا روٹی پانی کا خرچ کیا حقیقت رکھتا ہے *

میرے دوستو اگر بجنسہ یہی حالت مذاہب کے پیروان کی نہیں ہے تو ذرا غور سے دیکھو اور اپنے ہی آتما اور دل میں وچار کر کے اس سوال کا جواب اُس سے دریافت کرو - کہ ہندو لوگ اپنے ہندو بھائیوں سے کیوں لڑتے ہیں اور مسلمان ہوتے ہوئے اپنے اسلامی برادران سے کیوں دشمنی اور نفرت کے خیالات دل میں رکھتے ہیں - عیسائی ہو کر اپنے خداوند کے گلہ کی بھیڑوں کو کیوں ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں سکھ ہو کر سنگورو نانک دیو اور کلغی دھر گوبند سنگھ مہاراج کے سیوکوں سے کیوں بدسلوکی کر رہے ہیں - اور آریہ ہو کر اپنے ہی آریہ بھائیوں اور بزرگوں کو کیوں بُرا بھلا کہنے اور کوسنے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں ؟

میرے دوستو جہاں تک آپ اپنے ہردے میں وچار کریں گے - آپ کو معلوم ہو جاوے گا - کہ ان لوگوں کا یہ اختلاف - لڑائی جھگڑا اور بدسلوکی کسی مذہبی اصول کی بنا پر نہیں ہے - اور نہ یہ روحانیت کے

متعلق کوئی دینی اور مذہبی جنگ و جدال ہے۔ صرف دُنیاوی مفاد
اور مایا کے پرم جال میں پھنسے ہوئے ہم لوگوں کا سنسار کے دھن
دولت اور مان بڑائی کی خواہش میں کولاہل اور شور شرابہ ہے جس
میں پھنس کر ہم لوگ وچار نہیں کرتے۔ کہ ہمارا اعتقاد اور عقیدہ کیا
ہے اور ہم کر کیا رہے ہیں۔ ہندو کہلا کر جو لوگ نہیں دیکھتے کہ شری مان
مریادا پرشوتم مہاراجہ رام چندر جی نے تو صرف اسی خیال سے کہ اُنکے
پتا جی کا کہا ہوا قول سچا رہ جائے اور پرتگیا کے بھنگ ہونے کا دوش
اُن کے معزز باپ پر نہ لگے۔ اجودھیا کے راج کو چھوڑا۔ اور بنباسی
تپسی بن کر چودہ سال تک جنگلوں میں پھرنا منظور کیا۔ اُن کے بھائی
شری لکشمن جی نے بڑے بھائی کی محبت اور پیار کی وجہ سے اُن کے
ساتھ جنگل میں رہ کر ہر طرح کی سیوا اور خدمت کو کسی کے کہنے سننے
پر نہیں۔ اپنے ہی انتر آتما کے فرمان سے اپنے ذمہ لیا۔ دوسرے بھائی
بھرت نے جنکو راج دلانے کے واسطے اُن کی ماتا کیکئی نے رام کو بنباس
دلانے کی تجویز نکالی تھی۔ راج کو منظور نہ کیا۔ بلکہ رام کا داس بنکر
اُن کی غیر حاضری میں رعایا کی آسودگی کے واسطے راج کا انتظام کرتا
رہا۔ آپ لوگ خود جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو۔ اور پھر بھی رام کے بھگت
اور سیوک کہلاتے ہو ؛

مسلمان اور مومن ایماندار اپنا نام رکھتا ہوئے جو لوگ غور نہیں
کرتے کہ اُن کے ہادی پیشوا حضرت محمدؐ رسول خدا نے معاش اور
مفاد کا کس قسم کا نمونہ اُن کے سامنے رکھا۔ فرمایا کہ "الفقر فخری"
یعنے فقیری۔ افلاس اور دولتمندی کا نہ ہونا میرا فخر ہے میری بزرگی
اور بڑائی اس میں ہے کہ میں مالدار نہیں ہوں۔ مسکینی اور غریبی میں
گذارہ کرتا ہوں۔ اور اُن کے چاروں یاران حضرات ابوبکر۔ عمر۔ عثمان

اور علی نے اُن کے بعد مسند خلافت کو دُنیا کے پر لوبھنوں سے
سے دور رہ کر لالچ - لوبھ - طمع اور مان بڑائی کو پیار نہ کر کے زینت
دی - ان میں سے صرف حضرت عمر کی زندگی کا ایک ہی واقعہ میں آپ
لوگوں کو یاد دلاتا ہوں اور وہ اس طور سے ہے کہ اُن کے عہد خلافت
میں لشکر اسلام نے یوروشلم پر چڑھائی کی - کچھ عرصہ تک لڑائی ہوتی
رہی - آخر شرائط صلح کے طے ہونے کا وقت آیا تو اہالیان یوروشلم نے
سپہ سالار لشکر اسلام کو کہلا بھیجا - کہ ہم لوگ حضرت خلیفہ عمر کی موجودگی
میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں - جب تک خلیفہ خود بدولت تشریف نہ لاویں
ہم کوئی شرائط منظور نہ کرینگے ۔

سپہ سالار نے یہی پیغام خلیفہ عمر کی خدمت میں بھجوا دیا - خلیفہ موقعہ
پر جانے کو تیار ہو گئے - ملک ریگستان کا اور فاصلہ دور کا تھا - ایک معمولی
بسترہ کھانے کو کچھ ستّو اور سواری کے واسطے ایک شتر اور ایک غلام
کے سوائے کوئی سامان اور انسان ساتھ نہ لیئے - شتر پر ایک نے سوار
ہونا تھا اور دوسرے نے مہار کو پکڑ کر آگے آگے چلنا تھا - حضرت نے
غور کیا کہ سارا سفر میں سوار ہو کر چلوں - اور غلام بیچارہ پیادہ پا سفر
کرے - اس میں بے انصافی ہے - فیصلہ اس طور سے کیا کہ خلیفہ اور
غلام باری باری سے مناسب مناسب فاصلوں تک سواری اور ساربانی
کا کام کریں - یہ غلام تو اُن کا مرید بھی تھا - اور معتقد بھی تھا - ہر چند اُس
نے چاہا - کہ خلیفہ سارا سفر سواری پر طے کریں - اُسکو مہار پکڑ کر پیادہ پا
چلنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی - اس کا روزمرّہ کا یہی کام ہے - مگر خلیفہ نے
اُس کی ایک نہ مانی - اور جادہ انصاف سے ایک قدم زیادہ سواری پر چلنا
منظور نہ کیا - قضیہ طے ہو گیا تو فاصلہ کے مناسب حصّے قرار دئے گئے - پہلے حصّہ
میں خلیفہ سوار ہوئے تو دوسرے میں غلام - اتفاق ایسا ہوا کہ آخری

حصہ سفر پر غلام کے سوار ہونے کی نوبت آئی - خلیفہ ساربانی کر
رہے تھے اور شتر کی مہار ہاتھ میں پکڑ کر اپنے خدائے واحد کی یاد میں
مست راستہ طے کرتے جاتے تھے کہ منزلِ مقصود کے قریب آپہنچے ۔ لشکر
اسلام کے سپاہی اور سرداران در طرف ثانی کے رعایا اور افسران ایک
بڑی تعداد میں پیشوائی کے واسطے آگے آئے ہوئے انتظار کر رہے تھے
کہ دور سے ایک شتر آتا ہوا دکھائی دیا - طرف ثانی کے لوگوں نے سمجھا کہ
کوئی راہ گذر مسافر ہوگا - کیونکہ خلیفہ کا جلوس تو بڑے کرّوفر اور شان
و شوکت سے رونق افروز ہوگا - مگر مسلمان لوگ خلیفہ کے حالات سے
واقف تھے کہ کیسی سادگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں - اُنھوں نے سمجھا کہ
شاید یہی خلیفہ ہوں - مگر اُن کو بھی یہ تو معلوم نہ تھا کہ خلیفہ صاحب خود
بدولت ساربان بنے ہوئے چلے آرہے ہیں - دونوں فریق کے لوگ راستے
پر جم کر کھڑے رہے - شتر نزدیک آتا جاتا تھا - تو مسلمان سوار کی طرف غور
سے دیکھتے اور پہچاننا چاہتے تھے - مگر سوار کی شکل صورت خلیفہ کے حلیہ
اور شباہت سے مطابقت نہ کھاتی تھی - اسوجہ سے وہ بھی خیال کرنے
لگے کہ شاید کوئی اور مسافر ہو - رفتہ رفتہ شتر نزدیک آپہنچا - لوگوں نے
دیکھا اور منتظر لشکر اسلام کے سرداران اور سپاہیوں نے پہچان لیا - کہ
یہی تو ہمارا پیارا سردار خلیفہ عمر ہے بس - پھر کیا تھا - خلیفہ کا اس قسم کا ایک
ہی عمل جب مخالفوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا - خلیفہ کے فیصلہ اور فرمان
پر سر تسلیم خم کر دیا - اور جو کچھ خلیفہ نے زبان سے فرمایا - اس پر ذرا بھی چوں
وچرا نہ کی - غور کا مقام ہے ایسے نیکو سیر ہادیوں اور پیشواؤں کے پیرو
مسلمان مومن لوگ آپ ہی اس طرف دھیان نہ دیویں کہ آجکل وہ کس
قسم کے کام اپنی روحانی ترقی کے واسطے کر رہے ہے تو اور کون دے گا +
اہلِ نصاریٰ مسیح ناصری کے پیروان اُسکو خدا کا اکلوتا بیٹا جانتے اور

اس پر ایمان لانے والے بھائی اپنے خداوند حضرت مسیح کے حالات پر غور فرماویں۔ روحانیت اور وحدانیت کی پیاس میں وہ بارہ سال کی عمر میں گھر سے نکل بھاگا۔ تاکہ خانہ داری کے جھگڑوں سے آزاد رہ کر علم الٰہی کو حاصل کرے۔ ہمیشہ ہی تلاش کرکے تھک گئے مگر اس کا کوئی پتہ نہ ملا۔ نہ معلوم اس نے کن کن مہاتما یوگیوں کی سیوا میں رہ کر دھرم کی سکشا پائی۔ مگر پائی ضرور۔ وہ اٹھارہ سال تک اپنے ملک اور ملک والوں سے دور رہا۔ اس کی زندگی کی اتنی لمبی مدت کا حال گو انجیل مقدس کی بہت سی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی روح القدس نے الہام نہیں فرمایا مگر اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ وہ اٹھارہ سال کسی نہ کسی بُدھ کے علاقہ میں تعلیم پاتا رہا۔ چنانچہ کئی محقق لوگ کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح آریہ ورت کے یوگیوں اور بودھوں کے ست سنگ اور شاگردی سے فیض یافتہ ثابت ہوتے ہیں +

حضرت مسیح پرماتما کے بھگت اور امرت پُتر تھے۔ اس میں کس کو شک ہوسکتا ہے عیسائی بھائی اُن کو خدا کا اکلوتا بیٹا کہتے ہیں۔ دراصل اس کا مطلب یہ تو کسی صورت میں ہو نہیں سکتا۔ کہ دوسرے انسان خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ بلکہ اُس ملک میں اُن دنوں اُن کے برابر پرماتما کی آگیاؤں کا پرچار کرنے والا دوسرا کوئی نہ تھا۔ اس وجہ سے اُن کو اکلوتا بیٹا کہا جاوے تو اس کے ماننے کو ہم بھی تیار ہیں۔ اب اُنکی ہدایت اور حکم کی طرف خیال کرو۔ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپیڑا مارے تم دوسری گال بھی اس کے آگے کردو۔ شتروں کی قطار کا سوئی کے ناکہ میں سے گذر جانا ممکن ہے۔ مگر دنیا کا بندہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکتا +

عیسائی بھائی مانتے ہیں کہ یہ اور اسی قسم کی پُرکار کی علاوہ وجہ کی

تعلیم اُن کے خداوند مسیح کی ہے۔ جس کو اُن کی بائبل میں لکھا ہوا سب
لوگ پاتے ہیں ÷

گوروکے سکھوں کو اپنے دس گوروؤں کی تعلیم خود معلوم ہے۔ کوئی
دوسرا اُن کو کیا بتلا سکتا ہے۔ نانک دیو جب نوجوان ہوئے۔ اُن کے پتا
نے اُن کو بیس روپیہ بیوپار کے واسطے دیئے۔ اُنہوں نے وچار کیا کہ سچا
سودا اور سب سے بڑھ کر نفع لانے والا بیوپار تو یہی ہے۔ کہ سادھو فقیروں
کو بھوجن دیا جاوے۔ بیس روپیہ کا آٹا دال گھی خرید کر فقیروں کو روٹیاں
کھلادیں۔ بھائی لالو کے گھر میں گئے۔ اُس کا سادہ بھوجن گرہن کیا۔ رائے
بولار کا بھیجا ہُوا کھانا نہ کھایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔
آپ نے دونوں کھانوں کو ہاتھ میں لے کر نچوڑا۔ بھائی لالو کے کھانے میں سے
دودھ اور رائے بولار کے کھانے میں سے خون برآمد ہُوا۔ اس سے محنت
کی حلال کمائی کا کیسا اوتم اُپدیش نکلتا ہے۔ ایسے ایسے بہت سے ستیہ
اُپدیش گوروؤں کی بانی اور اُن کے سداچار سے ملتے ہیں۔ گورو کے سکھ
صاحبان خود وچار کر دیکھیں کہ اُن کا بیوہار کس قسم کا ہے ÷

آریہ صاحبان اپنے آپ کو اس زمانہ کا بڑا بھاری ریفارمر سمجھتے ہیں اُن
کے سوامی نے جو نیم آریہ سماج کے بنائے۔ آریہ سماج میں داخلہ کے وقت جن
پر اُن کو دستخط کرنے پڑتے ہیں۔ ان میں ایک یہ نیم بھی ہے کہ سنسار کا
اُپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اُدیش ہے۔ ویدوں کی آگیاؤں کا ماننا۔ پرماتما
کو سرودیاپک سروانتریامی جان کر پاپوں سے بچنا۔ دوسرے کے حق کو
غصب نہ کرنا۔ سب کو متر جاننا۔ کسی سے بھی برائی نہ کرنا۔ جو کچھ من میں ہو
وہی زبان سے کہنا اور ویسا ہی عمل میں لانا وغیرہ وغیرہ۔ اور بہت سی
ہدایات ہیں جنکو دوسرے مذاہب پر اپنے دھرم کی بڑائی اور برتری ثابت
کرنے کے واسطے یہ لوگ بڑی لمبی چوڑی دیا کھیائیں کیا کرتے ہیں۔ یہ

لوگ بھی کرپا کرکے وچار کریں۔ کہ اُن کا طریق عمل اپنے بزرگوں رشی مُنیوں اور مہرشی دیانند کے سداچار کے موافق ہے۔ یا کسی دوسری طرف کو جارہا ہے +

مندرجہ بالا سطور میں جو مختصر ذکر چند ایک مذاہب کی ہدایات اور روایات کا لکھا گیا اس کو وہ لوگ سچ مانتے ہیں۔ کسی دوسرے کو اس میں دست اندازی کرنے کا ادھکار نہیں ہے اور نہ ہم کو ضرورت ہے کہ ان میں سے کسی کے عقیدہ پر اعتراض کریں۔ ہم تو یہی کہینگے۔ کہ جو کچھ اُن کی مذہبی کتابوں اور الہامی حکمناموں میں درج ہے وہ حرف بحرف سچ ہے۔ مگر ان لوگوں کا اپنا طریق عمل دُنیا کا تماشہ دیکھنے والے کو شک میں ڈال دیتا ہے۔ اور وہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر اُن کے مذہب کی ہدائتیں اور اُن کے ہادیوں اور پیشواؤں کے اعمال ایسے ہی تھے تو یہ لوگ خود اُن کے برخلاف کیوں کرتے ہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔

میرے پیارے دوستو وچار کرو۔ کہ تم لوگ اپنی مذہبی اور الہامی کتابوں اپنے ہادیوں اور گوروؤں کے درختوں کے پھل ہو۔ اور تمہارے عقائد اور خیالات کی پرورش اُنہی کی ہدایات کی امداد اور آبیاری سے ہوئی ہے اب تم لوگ اپنے اعمال اور اپنے بزرگوں کے اقوال کا مقابلہ کرو۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق پاؤ گے۔ آپ کا عقیدہ جو کچھ ہے اور آپ کے بزرگوں کے نیک اعمال کی جو یادداشت آپ کی مذہبی کتابوں میں لکھی ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس کے برخلاف ایک لفظ بھی کہہ دیوے۔ تو تم لوگ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے ہو۔ مگر اپنے طریق عمل سے تم ثابت کر رہے ہو اور تم خود اس بات کے ماننے سے انکار نہ ہوگا۔ کہ تمہارا طریق عمل کچھ اور ہے اور تمہاری مذہبی کتابوں کا فرمان اور تمہارے بزرگوں اور پیشواؤں

کا طریق عمل کچھ اور ہے۔ گویا تم خود اُن کے برخلاف ہو یا صاف طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تم اُن درختوں کے پھل نہیں ہو۔ دوسری صورت میں اگر تم اصرار کروگے کہ تم ضرور اُن کے پھل ہو تو نتیجہ یہی نکلیگا کہ تمہارے بزرگ ایسے نہ تھے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو۔ اور تمہاری مذہبی کتابوں میں لکھا ہوا ہے +

اب مقدمہ فیصل ہو گیا کہ تم لوگ خود اسبات کا ثبوت ہو کہ تمہاری کتابوں میں جو حکم ہے تم خود اس کو نہیں مانتے اور تمہارے پیشوا بھی ایسے نہ تھے جیسا کہ تم اُن کو ظاہر کرتے ہو۔ سیر دُنیا کا مسافر حیران ہو جاتا ہے کہ وہ کیا کہے اور کیا لکھے۔ جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ باتیں تو روحانی کرتے ہو۔ مگر تمہاری ساری توجہ اور وقت نفسانی کاموں کے وقف ہو رہے ہیں۔ تم لوگ دین کو آگے رکھ کر دُنیا کے ہوا و ہوس میں پھنسے ہوئے ہو۔ تمہارا آپس کا لڑائی جھگڑا اور فساد صرف اس جیفہ مردار کے واسطے ہے۔ پھر تم کیوں نہیں کہتے کہ ایسے لوگ دُنیا کے بندے ہیں اور لاشہ مردار کے اُوپر اپنے چار پاے دوستوں کی مانند لڑ رہے ہیں۔ میرے دوستو یہ تحریر سخت ضرور ہے۔ مگر اس میں سچائی بھری ہوئی ہے اگر تم اپنے اپنے مذاہب کو سچا اور سچے خدا کی طرف سے ہدایتوں کا مجموعہ مانتے ہو۔ تو سب سے پہلے آپس میں لڑائی چھوڑ دو۔ دُنیا کی جائیداد اور روپیہ پیسہ کے تعلق میں جو تم لوگ اپنے بھائیوں سے لڑتے اور مقدمہ بازی کر کے ایک دوسرے کو نیچا دکھاتے ہو۔ اس کام کو چھوڑ دو صبر اور شانتی کے ساتھ اپنے دلوں کے اندر جب انصاف سے کام کروگے تو دیکھوگے کہ تمہارا کوئی بھی جھگڑا باقی نہیں رہیگا۔ اور تم کو وہ روحانی سرور ملیگا۔ جس کے حاصل ہونے کی اُمید تم کو سورگ بہشت اور مکتی دھام میں ہے + اوم شم

پتت انسان اور پتت جاتی

پتت انسان دو قسم کے ہیں۔ اول وہ جو پتت ہیں مگر اپنے آپ کو پتت نہیں سمجھتے۔ دوسروں کو پتت سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کو گرانا اور پتت بنا دینا ہی اپنی بڑائی کا ثبوت اُن کے ذہن میں سمایا ہُوا ہے۔ اُن کو اپنے کرموں کی طرف خیال کرنے کا کبھی موقعہ ہی نہیں ملتا۔ نیچ سے نیچ کرم کرتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو اونچ سمجھتے ہیں +

دوسرے وہ لوگ ہیں جو اتنے پتت نہیں۔ مگر چونکہ دوسرے لوگ اُن کو پتت سمجھتے ہیں اور ہر حالت میں اُن کو نفرت سے دیکھتے دُور دُور اور پرے پرے کرتے رہتے ہیں۔ اسواسطے وہ پتت ہیں اور اپنے آپ کو پتت سمجھتے ہیں۔ بھگت کبیر نے کہا کہ بھلا ہُوا ہم نیچ بھئے سب کو کریں سلام۔ پیدا ہوتے اونچ گھر ڈوب مرتے ابھمان +

گنگا دیوی نے تو بھگیرتھ کو جب وہ آسے واپس چلنے کو کہنے لگا جواب یہ دیا کہ گنگا اُلٹی نہیں بہتی مگر یہاں تو خوب اُلٹی گنگا بہائی جاتی ہے جیسے کہ چکی کا نام گاڑی کہا جاتا ہے اور گاڑی کو چکی کہتے ہیں۔ یہاں اونچ کا نام نیچ ہے اور نیچ کو اونچ کہا جاتا ہے۔ ہمارے دیش میں عام طور پر سب سے نیچ مہتر جاتی کو گنا جاتا ہے۔ اِن لوگوں کا کیا عمدہ انتظام ہے کوئی غلطی کوئی قصور اُن کے کسی آدمی سے ہو جائے ایک دوسرے کے برخلاف کوئی شکایت کا مقدمہ پیش آوے وہ اپنی برادری کی پنچایت میں فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور کسی عدالت میں بذریعہ نالش کے چارہ جوئی نہیں کرتے۔ اس کے مقابل میں جو لوگ اونچ کہلاتے اور اونچ جاتی کا ابھمان کرتے ہیں اُن کے آپس کے جھگڑوں اور مقدمات کو عدالتوں میں پیش ہونے اور ایک دوسرے کو مجرم ثابت کرنے کے واسطے جسقدر

بہتان اور افترا بنایا جاتا ہے اس کو دیکھ کر اندازہ صاف لگایا جا سکتا
ہے کہ اونچ اور نیچ کے الفاظ اپنے اصلی معانی کے لحاظ سے کن
لوگوں پر گھٹتے ہیں ۔

اچھا یہ تو ہے اصل حقیقت ۔ اب اس کا علاج کیا ہے ۔ جو لوگ حقیقت
میں پتت ہیں اور اپنے آپ کو پتت نہیں جانتے اور دوسرے لوگ بھی اُن
کو پتت نہیں کہتے ۔ اگر اُن کو یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ پتت ہیں تو اُن میں
اتنی طاقت اور ہمت ہے اور اس قسم کے سامان اُن کے پاس ہیں ۔ کہ
وہ اپنی اوستھا کو سدھار سکیں ۔ ان کے واسطے تو اسی قدر کافی ہے کہ
وہ اخلاق کے خاص اصول کی میزان میں اپنے اعمال اور احوال کو وزن
کریں انہیں خود معلوم ہو جاوے گا ۔ کہ کس درجہ تک ان کو اپنے اعمال
کے سدھار کی ضرورت ہے ۔ مثلاً رشوت خوری اچھا کام نہیں ہے ۔ جو
شخص اس بدعملی کا شکار ہو رہا ہے ۔ وہ اپنے من کے اندر وچار کر کے دیکھے
تو اُسے خود معلوم ہو جاوے گا ۔ کہ وہ پتت ہے ۔ اگر وہ اپنے سُدھار
کی ضرورت کو سمجھتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ جن حالات کی وجہ سے مجبور
ہو کر اس مکروہ کام کو کر رہا ہے ۔ اُن حالات کو درست کرے ۔ اکیلا نہیں کر
سکتا تو اپنے سمبندھیوں دوستوں اور خیر خواہوں سے مدد کا خواستگار
ہو ۔ اگر کوئی آدمی شراب کے نشہ میں مخمور رہنے کا عادی ہے تو وہ اس
بدعادت کو ترک کرے ۔ اگر ایسا مجبور اور لاچار ہو گیا ہے کہ اس سے خود
بخود بچ نہیں سکتا ۔ تو اپنے دوستوں سے مشورہ لیوے ۔ اگر وہ خود اور
اُس کے خیر خواہاں کوشش کریں تو شراب تو کیا ہر قسم کے نشہ سے انسان
کا بچ جانا ناممکن تو کیا مشکل بھی نہیں ہے ۔ اسی طرح سے سوچنے والے
سوچ سکتے ہیں کہ ایسے پتت لوگ بدوں اسکی کہ ان کو کوئی پتت کہے اپنا
علاج خود کر سکتے ہیں ۔ ہر ایک ایسا شخص جو کیرکٹ سے گُنوں اور لیاقتوں

کو رکھتا ہؤا۔ ودیا اور گیان کی نعمتوں کا مالک ہوتا ہؤا کسی ایک یا دو بری عادات یا نقص کی وجہ سے پتت منڈلی کے شمار میں آسکتا ہے۔ اگر کوشش کرے تو آپ اُنّت ہوسکتا اور ہزاروں پتتوں کا اُدھار کر سکتا ہے ایسے لوگوں کے واسطے تو صرف اشارہ کافی ہے

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

البتہ دوسرے پتتوں کے واسطے کام کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو پتت سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے یہ سنسکار پشتہا پشت سے چلے آتے ہیں۔ ایک بزرگوں سے ملا ہؤا خیال کس طرح سے انسان کے افعال پر نازک سے نازک وقت میں بھی غالب آسکتا ہے اُس کے واسطے ایک چھوٹے سے واقعہ کا لکھ دینا ناموزوں نہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ایک رات کو ایک برہمن کے گھر میں چور داخل ہوگئے اور گھر کا سامان تلاش کر کے گٹھڑیاں باندھنے لگے۔ برہمن کی آنکھ کھل گئی۔ اور اُس نے فوراً ہوشیار ہو کر چوروں کے پکڑنے کی تیاری کر لی۔ چوروں کو بھی اس بات کا پتہ لگ گیا۔ ایک تو چھلانگ مار کر نکل گیا۔ مگر دوسرے کو برہمن دیوتا نے کمر میں دونو بازو ڈال کر پکڑ لیا۔ چور عقلمند تھا۔ برہمن کی آتما کی کمزوری اور وسوسہ سے واقف تھا جونہی کہ اُس نے برہمن کی پکڑ میں آکر معلوم کیا۔ کہ برہمن زبردست ہے اور مَیں اپنی طاقت کے زور سے جتنی بھی کوشش کروں رہائی نہیں پا سکتا۔ جھٹ بولا کہ ادھو میں تو چوہڑا ہوں۔ اتنا فقرہ سُننا تھا کہ برہمن دیوتا نے فوراً اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ چور صاحب یہ جا وہ جا۔ چلتے ہوئے +

اسی طرح سے ایسے پتت لوگوں کا اول تو یہ خیال کہ وہ پتت ہیں ایسا زبردست ہے کہ اُن کو اُٹھنے نہیں دیتا اور نہ اُن کے خیال ہی میں یہ بات آتی ہے کہ ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح انسان ہیں۔ جو حقوق ان لوگوں

کئے ہیں وہی حقوق ہمارے بھی ہیں۔ ویدانت مت کے لوگ ایک قصہ
سنایا کرتے ہیں کہ ایک بھیڑ بکری چرانے والے کے ہاتھ ایک دفعہ ایک
جنگل میں ایک شیر کا چھوٹا سا نوزائیدہ بچہ آگیا۔ اُس نے اس بچہ کو اپنے
ریوڑ میں رکھا اور بھیڑ بکری کا دودھ پلا پلا کر پرورش کی۔ شیر بچہ دن
بدن بڑا ہوتا گیا۔ بکری کے بچوں کے ساتھ چلتا پھرتا اُن کی طرح کھاتا پیتا
رہا اور بڑا ہوگیا۔ اس نے سمجھا کہ جیسی یہ سب بھیڑیں ہیں میں بھی ایکسان
میں سے ہوں عرصہ گذرتا گیا۔ ایک روز اتفاق سے ایک شیر بھی اُدھر کو آ
نکلا۔ اس نے دیکھا کہ شیر بکری بنا ہوا پھرتا ہے۔ اُس کو ملا اور اُسے سمجھا
دیا کہ تم شیر ہو نہ کہ بکری۔ بس اتنے سے وہ شیر ہوگیا جنگل کی بادشاہی
اس کے واسطے خالی ہوگئی۔ وہ بادشاہ بنگیا۔ اب یہی حال ہمارے ان
بھائیوں کا ہے جن کو ہمارے اعلےٰ اور کولین جاتی کے لوگوں نے اچھوت
اور نیچ بنا رکھا ہے اُن کو یہ بتلانے کے واسطے عیسائی صاحبان کوشش
کر رہے ہیں۔ اور بہت کچھ اُن لوگوں کی پتت ادستھا کو انہوں نے اُنت کر
ڈالا ہے مگر دو خیال ہیں جن کی وجہ سے ہم لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے ان
بھائیوں کے اُٹھانے کا انتظام ہم خود کریں۔ ایک تو یہ کہ وہ لوگ ہمارے
بھائی ہمارے ہمسایہ اور انہیں بزرگوں کی اولاد سے ہیں جس کی ہم ہیں۔
دوسرا ہمارے بزرگوں کے ناموں کی عزت اُن کے خیال میں ہم لوگوں سے
کچھ کم نہیں ہے۔ رام اور کرشن کے پیارے ناموں پر وہ اسی طرح سے
موہت ہیں جیسا کہ ہمارے لوگ ہیں۔ ایک مہتر جاتی کی استری نے جس
کا نام رام دیوی ہے مجھے کہا کہ پنڈت جی کئی لوگ ہمارے پاس آتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے مذہب پر آجاؤ۔ اور کئی لوگ اُن کی باتوں کو سنتے
بھی ہیں میں اُن کو یہی کہتی ہوں کہ ایک پتا کو چھوڑ کر دوسرے کو پتا بنانا
ہمارا کام نہیں ہے۔ ہمارا اپنا دھرم جو کہ باپ دادا نے نہ چھوڑا میں اسکو کیوں

چھوڑ دیں۔ تو کیا میرے دوستو تم لوگ ایسے بھلے لوگوں کو اُنتی کرنے
میں مددگار نہ بنو گے۔ مانا کہ اُن میں بہت سی کمزوری ہے۔ اور اُن
کا کام جو کہ دراصل اُن کا نہیں آپ ہی کا کام ہے گندہ اور غلیظ ہے
مجھے ایسا لکھتے ہوئے شرم سی آتی ہے کہ گند اور غلاظت تو ہے آپ
کی اور شدھی اور صفائی ہے کام اُن کا۔ پھر بھی میں اُن کے کام کو گندہ
اور غلیظ لکھ رہا ہوں۔ آپ کا فرض نہیں ہے کہ آپ ایسے کام سے رہائی
پانے کے لئے اُن کی مدد کریں۔ آپ کا چھوٹا بچہ گند کر کے اُسے ہاتھ سے
چوکہ لگاتا ہے آپ پانی سے دھو کر اُسے صاف اور شُدھ کر کے چھاتی سے لگا
لیتے ہو۔ آپ کا ایک روپیہ ناپاک جگہ پر گرتا اور گندہ کیچڑ سے لت پت ہو
جاتا ہے۔ آپ اُسے دھو کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہو۔ تو کیا آپ کے بھائی
آپ کے بزرگوں رام اور کرشن کے ناموں کا ورد کرنے والے انسان
جو کہ پرماتما کے ایسے ہی امرت پتر ہیں جیسے کہ آپ لوگ ہو۔ ایسے گندہ اور
ناپاک ہو گئے کہ آپ کی کوئی تدبیر اُن کے درست کرنے میں کامیاب نہیں ہو
سکتی۔ آپ کا بھی صرف خیال ہے۔ چونکہ آپ نے اس طرف توجہ نہیں کی
اسواسطے یہ کام مشکل اور ناقابلِ تسخیر معلوم ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ
اس کے کرنے کا خیال کریں تو آپ دیکھینگے کہ کیسا پوتر اور مفید یہ کام ہے۔
پرماتما خود پتت اُدّھار ہے اور یہ خاص اُسی کا کام ہے۔ پھر آپ اس کام
سے نفرت کس طور سے کر سکتے ہو۔ کیا انسان کُتے سے بھی غلیظ اور ناپاک
ہو سکتا ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ کُتا آپ کے چوکہ میں جا سکتا ہے مگر
جنکو آپ نے اچھوت بنا رکھا ہے۔ اُن کے ساتھ آپ کا سلوک کیسا ہے
میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اس طرف توجہ دینگے۔ دونوں قسم کے پتت اگر
شدھ ہو جاویں اور اُنتی کے راستہ پر چلنے لگیں۔ تو دُنیا میں کتنا بڑا
انقلاب آ سکتا ہے جسکو دیکھ کر اُمید ہے کہ ہمارے عیسائی بھائی بھی

کہہ اُٹھینگے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر آگئی ہے۔ اوشم شم

اِستریوں پر اَتیاچار

آہا۔ انگریزی باجہ بج رہا ہے۔ آتشبازی کی گل جھڑی لگ رہی ہے۔ ڈھول۔ ڈف۔ نفیری اور نقارہ بجانے والے میراسی بھاگے ہوئے جارہے ہیں۔ فقیر۔ برہمن۔ سادھو بھیک مانگنے والے سینکڑوں آدمی سرتوڑ دوڑے جاتے ہیں۔ آج کیا ہے۔ کیا کوئی دسہرہ ہے۔ یا کہ دیوالی کا تیوہار ہے؟ واہ آپ نے نہیں سُنا کہ سیٹھ لابھا لال جی کے گھر میں لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ دوستوں۔ آشناؤں اور برادری کے لوگوں کی خوب ضیافت کی ہے۔ ناچ رنگ کی محفلیں کئی دن تک گرم رہینگی۔ بہت اچھّا ہُوا۔ پرماتما بالک کو چرنجیو کرے ؛

آپ نے کچھ اور بھی سُنا؟ وہ کیا! ہمارے پڑوس میں سیٹھ گنگا مل جی رہتے ہیں۔ بڑا بھاری بیوپار ہے۔ کروڑپتی کہے جاتے ہیں۔ کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔ اِن کے گھر میں کچھ اُمیدواری تھی جس کا حال میری ماتا جی کو معلوم تھا۔ دن پورے ہوئے تو ماتا جی کو خیال آیا کہ اب کچھ نہ کچھ پیدا ہُوا ہوگا۔ کوئی خبر نہیں۔ لی چل کر پوچھیں تو سہی۔ ابھی باہر کے دروازہ پر کھڑی تھی کہ گنگا مل جی کی ماتا بڑی غمگین شکل بنائے ہوئے باہر کو جارہی تھی۔ ماتا جی نے ان سے پوچھا۔ کہو سیٹھانی جی بہتی کو دن تو پورے ہوگئے کیا پیدا ہُوا ہے۔ روتی ہوئی بولی۔ ہاں ہُوا ہے پتھر۔ گویا لڑکی پیدا ہوئی ہے یہ کہکر چلی گئی۔ اب نہ کوئی خوشی سے بولتا ہے نہ اُس رات کو گھر میں کھانا ہی بنایا اور کسی نے کھایا۔ زچہ بیچاری کا روتے روتے حلق خشک ہوگیا اور یہ بزاشتہا ہو کر جگر کو کھانے لگی۔ کیونکہ اب اسکو کسی انعام کے

ملنے کی اُمید باقی نہیں رہی۔ نہ کوئی بچہ کی خبر لیتا ہے نہ زچہ کی ×

ایسے واقعات روزمرّہ واقع ہُوا کرتے ہیں اور آپ سب بھلی پرکار جانتے ہیں کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا سواگت اُن کے جنم کے وقت ہی کس طور سے ہُوا رہتا ہے۔ اس کے بعد بچّے ہر وقت ماتا پتا کے محتاج اور ادھین ہوتے ہیں وہ اپنی رکشا آپ نہیں کر سکتے۔ اُن کا پالن پوشن جیون مرن سب کچھ ماتا پتا کے اوپر منحصر ہے پھول کا پودہ گرمی کے موسم میں ایک دن بھی وقت پر پانی کے نہ ملنے سے مُرجھا جاتا ہے۔ بچوں کی حالت پھول سے زیادہ نازک ہوتی ہے۔ گذرے سمے میں تو ہزاروں کنیاؤں کے گلے گھوٹے جاتے تھے۔ اور افیم وغیرہ زہر دے کر ان سے پیچھا چھوڑایا جاتا تھا۔ اُن دِنوں کی ایک بڑھی عورت نے مجھے بتلایا تھا۔ کہ جس وقت لڑکیوں کو جیتے ہی گڑھا کھود کر زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس کی بدھی یہ تھی کہ کنیا کے ایک ہاتھ میں گڑ کی ڈلی۔ اور دوسرے ہاتھ میں روئی کی پُونی دے کر اُس کو گڑھے میں بٹھلاتے اور یہ منتر پڑھتے تھے "گڑ کھائیں پُونی کتیں۔ آپ نہ آئیں ویران نوں گھلّیں"۔ اس منتر کو پڑھتے ہوئے معصوم ننھی جان پر مٹی ڈال کر فی الفور دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس منتر کا ارتھ یعنے مطلب یہ ہے کہ تم جو پرلوک کو جاتی ہو وہاں یہ گڑ کھانا اور اس پونی کو کاتنا۔ پھر اس گھر میں ہرگز نہ آنا۔ بھائیوں کو بھیجتے رہنا۔ یعنے تمہارے بعد اس گھر میں کوئی لڑکی پیدا نہ ہووے۔ لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوتے رہیں ×

بھلا ہو سرکار انگریزی کا اور منتظم انگریز افسران کا جنکی مہربانی سے لڑکیوں کا اس طور پر زندہ درگور کیا جانا تو قریب قریب بند ہو گیا۔ مگر ماتا پتا کی نیت بد ہو تو پھول سے زیادہ نازک نوزائیدہ بچے کو ہلاک کر ڈالنا ان کے واسطے کیا مشکل ہے۔ لڑکیوں کی طرف سے غفلت۔ پرورش میں عدم توجہی بیماری میں علاج سے بے پرواہی۔ اور ایسے ہی دیگر نقصوں کی وجہ سے

جو کنیا ابتدائی عمر میں مرتی ہیں اس کا دوش بھی تو جاتی ہی کے سر پر ہے *

قدرت کے حساب میں کوئی غلطی نہیں۔ عام طور پر لڑکے اور لڑکیوں کی پیدائش تعداد میں برابر برابر ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ جس قدر تعداد ایک سال کے اندر عمر والی لڑکیوں کی اسی عمر کے لڑکوں سے کم ہے۔ اُس کی بابت یہ خیال نہ کیا جاوے کہ اس قدر لڑکیاں لوگوں کی غفلت بے توجگی اور لڑکیوں سے نفرت کی وجہ سے موت کا شکار ہوئی ہوں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے کاغذات بتلاتے ہیں۔ کہ ایک سال عمر کی ہندو لڑکیاں بمقابل اسی عمر کے ۱۰۰ لڑکوں کے ۹۶٫۶ ہیں اور پانچ سال عمر کی لڑکیاں ۹۱٫۷ اور دس تا پندرہ سال کی عمر کی لڑکیاں بمقابل اسی عمر کے ایک سو لڑکوں کے ۸۲٫۳ شمار میں آتی ہیں۔ دوسرا حساب اس طور سے ہے کہ ایک سے پانچ سال تک عمر کی لڑکیاں اسی عمر کے لڑکوں سے تعداد میں ۲۰۱۰۹۲ کم ہیں۔ اور پانچ سے اوپر دس سال تک عمر کی لڑکیاں اسی عمر کے لڑکوں سے ۸۰٫۴۰ کم اور دس سے اوپر پندرہ سال تک عمر کی لڑکیاں اسی عمر کے لڑکوں سے ۸۸۸۵۵ کم اور پندرہ سے اوپر بیس سال تک عمر کی لڑکیاں اسی عمر کے لڑکوں سے ۸۶۳۱۳۱ کم ہیں۔ یہ حساب صوبہ پنجاب کا ہے۔ گویا لڑکیوں سے جس قسم کا سلوک ہندو جاتی نے جائز ٹھہرایا ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیس سال کی عمر ہونے تک قدرتی طور پر جتنے لڑکے اور لڑکیاں مرتی ہیں۔ لڑکیوں کی موت کی تعداد اُس سے بقدر ۳۹۳۲۰۶ کے زیادہ ہے۔ پس لڑکیوں کی اس قدر تعداد کثیر کے اس قدر چھوٹی عمر میں مرنے کی وجہ پُرشوں کا استری جاتی سے سلوک ہے اور یہ نتیجہ کس قدر افسوسناک ہے اسکو ناظرین خود محسوس فرما دیں۔ اس نتیجہ تک پہنچنے کے واسطے کیا کیا ذریعے کام میں لائے جاتے ہیں ان پر بھی غور فرمایا جاوے۔ ہزار معل

پرورش میں غفلت اور بیماری میں بے پرواہی کا شکار ہوتی ہیں ہزاروں
چھوٹی عمر میں بیاہی جا کر وضع حمل کے وقت مرتی ہیں۔ ہزاروں بوڑھے
خاوندوں سے بیاہی جاتی ہیں اور چھوٹی عمر میں بیوہ ہو کر رشتہ داروں
کے سلوک اور ظلم سے تنگ آکر خودکشی کرتی۔ غم۔ غصہ اور رنج کی وجہ سے
بیمار ہو کر اور بھوک سے ستائی جا کر مرتی ہیں۔ یا کہیں کو نکل جاتی ہیں۔ غرضیکہ
اسباب کے امر واقعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندو قوم میں استری
جاتی سے پُرشوں کا سلوک ہی اس قسم کا ہے جسکو استریوں کا قتل عام کہا
جاوے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا ۞

قتل عام کے نظارہ کا تیسرا پہلو بھی کرپا کرکے ملاحظہ فرماویں جو حسب
ذیل ہے:۔

شہر دہلی میں ۲۹۸۳۶ شہر لاہور ۲۹۰۶۴ شہر امرتسر میں ۱۵۷۷۱
ملتان میں ۳۴۰۷۷ راولپنڈی میں ۹۰۵۸۔ انبالہ میں ۹۴۹۳ جالندھر میں
۵۱۰۰ سیالکوٹ میں ۳۸۱۲ اور فیروزپور میں ۶۴۱۶ عورتیں مردوں سے
کم ہیں۔ گویا اس قدر ہندو مردوں کے واسطے عورتیں موجود نہیں ہیں۔ یعنے
پنجاب کے ان نو (۹) بڑے شہروں میں جہاں کہ کل آبادی ہندو مردوں کی ۲۵۴۲۹۰
ہے ان میں ۱۱۶۲۸۳ مردوں کے حصہ میں عورت نہیں۔ یعنے ان کا بواہ نہ ہوا
ہے اور نہ ہوگا۔ کیونکہ عورتیں اس قدر تعداد میں کم ہیں ۞

قتل عام کے مینار کا چوتھا پہلو بھی ملاحظہ فرمایا جاوے جو حسب ذیل ہے:۔
پنجاب میں کنوارے ہندو مردوں کی تعداد ۲۴۱۳۲۶۵ ہے۔ اور
کنواری ہندو عورتوں کی تعداد ہے ۱۳۲۶۸۳۰۔ اب اگر ایک مرد کیواسطے
ایک ہی عورت سمجھی جاوے تو ۱۱۸۶۷۳۵ مردوں کے حصہ میں کوئی عورت
نہیں آسکتی۔ علاوہ ازیں ایسے رنڈوے مرد جن کی عمر ایک سال سے ایک پچاس
سال تک ہے تعداد میں ۲۴۲۸۲۹ ہیں۔ جن کے بواہ بھی گنجائش ہو تو ہو سکتے

ہیں اور ان میں سے بہت سے کوشش کرینگے کہ اُن کے بواہ ہو جاویں اور کامیاب ہوں گے۔ پس اس تعداد کو بھی کنوارے مردوں کی زیادتی تعداد میں شامل کیا جاوے تو ۱۲۴۹۳۶۴ ایسے مرد ہوتے ہیں۔ جن کے واسطے عورتیں موجود نہیں ہیں پھر ممکن ہے ہے اور ایسا ہو رہا ہے جو کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے ہندو لوگ ایک عورت کے مرنے پر دوسرا اور اس کے مرنے پر تیسرا چوتھا بواہ بھی کر لیتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو اولاد نرینہ کے نہ ہونے پر ایک عورت کی زندگی میں بھی دوسرا بواہ کر لیتے ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے ایسا سمجھا جاوے کہ قابل شادی کنواری عورتوں میں سے کم از کم پانچ فیصدی تو ضرور ہی ایسے زبردست لوگ لے جاوینگے۔ جو کہ [illegible] ہوتی ہیں۔ اس تعداد کو بھی شامل کر کے قابل شادی عورتوں کی تعداد قابل شادی مردوں سے ۹۵۰۰۵۴ یا تقریباً پندرہ لاکھ کے کم ہے ؞

قتل عام کے بیمار کی پانچویں پہلو کی طرف سے دیکھا جاوے تو یہ تعداد سولہ لاکھ تک پہنچتی ہے۔ جن کے گھروں کے آباد ہونے کی صورت نظر نہیں آتی۔ اب کوئی بتلا دے کہ یہ پندرہ سولہ لاکھ مرد ترقی نسل کے لحاظ سے کس شمار میں لائے جاوینگے۔ ان میں سے کسی ایک کا بچہ بھی اُسکے بزرگوں کی نسل کو جاری رکھنے کے واسطے اُس کے آخری سوانس لینے کے وقت موجود نہیں ہوگا جس حسرت اور نا امیدی میں یہ لوگ اپنی عمر کے دن رنج والم غم وغصہ۔ پاپ اور بدچلنی سے گذار رہے ہیں۔ جس دُکھ اور قلق سے یہ اپنا آخیر دم دینگے۔ کیا اس کا کچھ اثر باقی لوگوں اور کل جاتی پر پڑ رہا ہے یا نہیں۔ جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھیں جن کے کان ہیں وہ سُنیں کہ یہ صرف انہیں کی بربادی نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ دُنیا کے عیش وعشرت میں مست ہیں۔ مال ومتاع اور بال بچوں کی خوشی میں آنند لوٹ رہے ہیں اُن کے اور اُن کی اولادوں کے واسطے بھی یہی قسمت بنائی جا رہی ہے۔ اُن کا بھی ایک دن یہی

انجام ہوگا ✦

یہ سولہ لاکھ آدمی جن کے حصہ کی عورتوں کو مردوں کے ناجائز سلوک
نے ہلاک کردیا۔ اور سات لاکھ بیوہ۔ ان کے ماتا پتا وغیرہ پریمی سمبندھیوں میں
سے ایک کے ساتھ صرف ایک ہی سمجھا جاوے تو ظاہر ہے کہ پنجاب کی ہندو آبادی
میں سے ۴۶ لاکھ مرد عورت دن رات جل رہے ہیں۔ موت کو بلاتے ہیں وہ آتی
نہیں۔ تاہم ایک دن آئے گی ضرور اور کل جاتی کی ۷۰ لاکھ گنتی میں سے ۴۶
لاکھ کو دُکھوں سے چھُڑا جائیگی۔ پھر ان کی جگہ دوسرے تسکار رہتیا ہو جاوینگے۔
یہ لوگ کون ہونگے؟ وہ جو آج اپنی جاتی کے دُکھت بھائی بہنوں کی پرواہ
نہیں کرتے اور اپنے مد میں مست ہیں۔ ناظرین خود حساب لگا کر دیکھ سکتے ہیں
کہ باقی ۲۴ لاکھ کو اسی اوستھا میں لاکر نیستی کے سمندر میں غرق ہونے کے واسطے
کتنے سال کا عرصہ درکار ہے۔ وقت ہے کہ جو لوگ عیش وعشرت میں مگن ہیں
غفلت کی نیند سے جاگیں۔ اپنے مصیبت زدہ بہن بھائیوں کے لئے نہیں تو
کم از کم اپنی ہی بربادی کے سیلاب کو روکنے کا کوئی جتن کریں ✦

ہے جگت جننی تو دیا کر اپنے غافل اور مدمست بچوں کو پریم کی لوری دے
جس سے وہ ایرشا دویش اور آلس کو چھوڑ کر پرُاپکار میں لگ جاویں ✦

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

بوڑھے بھارت ورش تیری حالت پر جس قدر آنسو بہائے جاویں تھوڑے
ہیں۔ کیونکہ تمہیں تو تیرے ہی سپوت جگر خراب کرنے اور بربادی کے گرداب میں
غرق کرنے کا بھرپور جتن کر رہے ہیں۔ غیروں کے ظلم سے تو جلدی نجات مل
سکتی ہے۔ مگر جب اپنے ہی ناش کرنے لگیں تو اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے
عرصہ ۶-۷ ہزار سال سے تجھ پر اودیا اور جہالت کی کالی رات کا سایہ پڑا ہوا

اگیان کے بادلوں کی گھنگھور کالی گھٹاؤں نے بڑھ چڑھ کر نباہی کے سامان پیدا کئے۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا۔ پرماتما پر بھروسہ تیری سنتان نے چھوڑ دیا اور اس کی آ گیا پالن سے منہ موڑ کر مادہ اور پرکرتی کی سیوا اختیار کر لی۔ مایا کے موہ جال میں پھنسکر اپنوں کو بیگانہ بنا لیا۔ جب تیری اولاد پرماتما سروشکتیمان کی اُپاسک تھی۔ اُس سمے رام۔ لچھمن اور بھرت جیسے بھائی ہوا کرتے تھے مگر اب تو بھائیوں کی پریتی سمندر پار چلی گئی۔ آپس میں پریم کا نام نہ رہا۔ دھرم رساتل کو چلا گیا۔ دھن اور دولت کے حصول ہی کو جیون کا اُدیش جاننے لگے۔ لڑکیوں کو بیچ کھانے میں کوئی بچیا اور شرم نہ رہی۔ بھائیوں کے خون کرنے اور مار ڈالنے میں لوگوں نے اپنی ترقی اور بہبودی سمجھ لی ؛

اِدھر اُدھر نگاہ ڈال کر دیکھا جاوے تو ایسے اُپدروؤں کی ہزاروں نظیریں اور پرمان ملینگے جس سے ثابت ہوگا کہ حقیقی برادران کا آپس کا سلوک کس قسم کا ہے۔ ایک بھائی کے مر جانے پر دوسرا بھائی اسکی بدھوا۔ دُکھیاری استری اور اس کے اناتھ یتیم اور بیکس بچّوں سے کس قسم کا سلوک کرتا ہے تاہم اُس کے ظاہر کرنے کو چند امور واقعہ کا لکھ دینا بھی نامناسب نہ ہوگا :-

چند سال ہی کا ذکر ہے اُمید ہے کہ اخبار کے مطالعہ کرنیوالے سجن پُرشوں کی یادداشت سے بھول نہ گیا ہوگا کہ جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ایک شخص مسمی باشی رام نے اپنے حقیقی بھائی ٹھاکر رام کے چار سالہ بچے کو بڑی بیرحمی سے قتل کیا۔ پولس کے سامنے باشی رام نے اپنے جرم کا اقبال کیا۔ اور بچّے کی لاش کو جو ایک بوری میں باندھی ہوئی تھی ایک اندھیری کوٹھڑی میں سے نکال کر پولیس کے سامنے پھینک دیا۔ بچّے کے جسم پر طرح طرح کی چوٹوں کے نشان نمایاں تھے۔ جب سخت اور شدید

ضربوں سے اس معصوم کی جان نہ نکلی تو اس کے گلے میں رسی ڈالکر بوری میں بند کر دیا جس میں سسک سسک کر اس نے جان دیدی +

ضلع مظفر گڑھ کے لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو گا جبکہ ایک بستی ساہجو کے ایک شخص نے اپنے بھائی کے مرنے کے بعد اُسکی جائیداد کو اپنے قبضہ میں لانے کے واسطے اس کے پانچسالہ معصوم بچے کو دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا۔ بیچارہ آن کی آن میں یم لوک کو سدھار گیا +

راقم ایک دفعہ ایک قصبہ میں گیا۔ لوگوں نے مجھے سُنایا کہ ایک ۵-۶ سال عمر کا لڑکا آوارہ پھرتا رہتا ہے اس کو کھانے کو کتنا ہی دیا جاوے تو بھی اس کی بھوک دور نہیں ہوتی۔ لوگوں کے گھروں میں روٹی کا ٹکڑا مانگتا رہتا ہے جو مل جائے کھا جاتا ہے اور رات کو جہاں نیند آئے سو جاتا ہے اس کا بڑا بھائی موجود ہے وہ اسکی خبر نہیں لیتا اور نہ کچھ کھانے کو دیتا ہے۔ میں نے اس بچہ کو تلاش کیا۔ اس کے سر اور گردن پر پچھلی طرف کئی زخم تھے۔ مکھیاں بھن بھنا رہی تھیں۔ بیچارہ درد سے لاچار تھا۔ نہ کبھی کسی نے اُس کے زخموں کو دھویا اور نہ دوائی یا مرہم لگائی۔ میں اس لڑکے کو ساتھ لے کر اس کے بھائی کے گھر گیا۔ دو تین آدمی اور بھی ساتھ ہو گئے تھے۔ اُسکو کہا گیا کہ تمہارا یہ بھائی آوارہ پھرتا ہے اور دُکھی اور لاچار ہے کوئی اس کا علاج نہیں کرتا۔ مناسب ہے کہ تم اسکو یتیم خانہ مظفر گڑھ میں بھیجدو۔ دوسرے لوگوں نے بھی بہت کچھ سمجھایا۔ مگر اُس نے بالکل منظور نہ کیا۔ پہلے تو کئی قسم کے بہانے پیش کئے۔ اس میں میری بدنامی ہوگی لوگ کیا کہینگے۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد ایک چھوٹے بھائی کی پرورش نہ کر سکا۔ میری عورت کو لوگ بُرا کہینگے۔ کہ اسی نے دیور کو روٹی نہ دی اور چھوٹی عمر میں گھر سے نکال دیا۔ اور بھی بہت کچھ کہا۔ مگر جب دوسرے لوگوں نے اُسکو شرمندہ کیا اور سمجھایا تو آخر یہ کہا کہ چند روز میں اُن کے ہاں ایک

برباد ہونے والا ہے۔ اُس کے بعد لڑکے کو یتیم خانہ مظفر گڑھ میں ضرور بھیج دوں گا۔ مگر یہ صرف اُس کا ایک حیلہ تھا۔ کیونکہ جب میں اُس برباد کے بعد وہاں گیا تو دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ بچہ اُس نے ایک فقیر کے حوالہ کر دیا جو کہ بھیک مانگتا ہوا اس قصبہ میں آیا تھا۔ اور یہ بھی سُنا گیا۔ کہ اُس فقیر نے دس روپیہ لے کر یہ لڑکا دوسرے فقیر کو دے دیا۔ جس نے اُسے اپنا چیلہ بنا لیا +

ہمدردی حیوانات

حیوان جنکو کہا جاتا ہے اِن میں بھی جسم کے اندر ایک آتما یعنے روح موجود ہے جو دُکھ اور سُکھ کو محسوس کرتی ہے۔ دُکھ سے بچنے اور سُکھ کے حاصل کرنے کی خواہش اُس کو ہے پرماتما کے نیموں کے موافق ایک آتما حیوانی جسموں کے اندر نواس کر رہے ہیں۔ اُنکے دُکھ اور سُکھ کیطرف پورانے زمانہ میں پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ اور اُن کو ایذا دینا گناہ اور پاپ سمجھا جاتا تھا جب لوگوں میں گوشت خوری کا رواج عام ہو گیا اور شاستروں اور ویدوں کے نام سے یگیوں کے ذریعہ قتل بہایم کا رواج بڑھ گیا۔ تو مہاتما بدھ نے اہنسا دھرم کے پرچار پر زور دیا۔ اور لوگوں کی توجہ اس طرف کھچی۔ تو عام طور پر لوگوں نے مان لیا کہ اپنے بھائی گناہ ہے۔ ثواب کا کام نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایذا رسانی کا بیج ناش نہ ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ پھر لوگوں میں پورانے سنسکار جاگ اُٹھے۔ اور لوگ دھڑا دھڑ پشوؤں کو مار کر خوراک کے کام میں لانے لگے۔ ہندو لوگوں میں گئو کی توقیر پورانے زمانہ سے چلی آتی ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے جانوروں پر لوگوں نے خوب ہاتھ صاف کیا۔ مگر گائے پر

نہ صرف آپ ہی نظر عنایت رکھی۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی گائے
پر دست درازی کرنے سے باز رکھنے میں کوشش کرتے ہی رہے۔ مگر ان
کی کوششیں کچھ ایسے قسم کی تھیں۔ جن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہی
ہوتا رہا۔ جھگڑا اور فساد برپا ہو جایا کرتے۔ انسانوں کے خون تک نوبت
پہنچتی رہی کٹارپور کا مقدمہ ایک نمونہ ہے جس میں بوجہ فساد اور خون
کے ارتکاب کے ڈیڑھ سو کے قریب اچھے اچھے ہندو بڑے آدمیوں کو قید
حبس دوام اور موت کی سزائیں عدالت نے دیں۔ وقت آگیا جبکہ گئوؤں کی
پکار کیطرف لوگ توجہ دیویں۔ مہاتما گاندھی کے نشۂ قوم بھاؤ اور نیک سلوک
نے اپنا اثر دکھلایا۔ حضرات بزرگان اسلام کو اس اشد ضروری سوال پر
غور فرمانے کا موقعہ ملا۔ اُنہوں نے تجویز فرمایا کہ بقرعید کے موقعہ پر بالارادہ
اہل اسلام گائے کی قربانی کو بند کریں۔ اس کا نتیجہ بہت کچھ سکھدائی ہوگا
اب اتنا تو ہو گیا ہے کہ مقامات امرتسر اور قصور وغیرہ میں مسلمان بھائی
اس بات پر تیار ہو گئے ہیں۔ کہ وہ گئوہتیا سے بالکل پرہیز کریں۔ اور جن لوگوں
کے خاندان اسی روزگار پر پلے رہے تھے۔ وہ بھی دل سے خواہشمند ہیں
کہ اس بیوپار کو چھوڑ دیویں۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے بال بچوں
کا گذارہ کس طرح سے کریں۔ اُن کے سبیل روزگار کا کوئی پربندھ ہونا چاہئے
پنجاب کے ایک بڑے نگر میں میں گیا معلوم ہوا کہ اس نگر میں قریب سوا سو
خاندان آباد ہے جن کا گذارہ اسی روزگار پر ہے وہ لوگ دیہات میں گشت کر کے
اور گائے بیل بچھڑے بچھڑیاں خرید خرید کر لاتے ہیں اور ہتیا کیواسطے کافی
نفع لیکر فروخت کر دیا کرتے ہیں۔ اسی روزگار سے ان لوگوں کا اس تنگی کے
زمانہ میں گذارہ ہوتا ہے دوسرا کوئی کام وہ جانتے نہیں۔ عام طور پر وہ لوگ نردھن
اور غریب ہیں۔ اس کام میں وہ آپ بھی خوش نہیں۔ مگر اب وہ کیا کریں۔ اس موقعہ
پر صرف یہی سوال نہیں ہے کہ ان لوگوں کے گذارہ کی کوئی سبیل نکالنی چاہئے

بلکہ اس کے ساتھ اور سوال بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا حل اشد ضروری ہے
ایک تو یہ کہ جو لوگ ان جانوروں کو جان بوجھ کر ان لوگوں کے ہاتھ اپنی خاص
مطلب کے واسطے فروخت کر دیا کرتے ہیں وہ لوگ ان جانوروں کو کیا کریں کیونکہ
اگر وہ ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کی پرورش کرکے ان سے فائدہ اٹھا سکتے تو
وہ ان کو ہندو ہوتے ہوئے کیوں فروخت کرتے۔

دوسرا یہ کہ ان جانوروں کے جسم سے جن لوگوں کی اُدر پورنا ہوتی تھی وہ
کیا کریں اور کیا کھاویں جس سے اُن کی ضرورت کی ایک چیز اُن سے الگ
کرنے پر اُسکی جگہ کوئی دوسری چیز اُن کے واسطے مہیا ہو سکے۔ تیسرا بڑا
بھاری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چمڑہ کا بیوپار جو ان جانوروں کے مقتل ہیں
کام آنے کی وجہ سے چل رہا ہے۔ ہزاروں آدمی ہیں جو کہ لاکھوں روپیہ اس
بیوپار سے کماتے ہیں اور صرف اسی بیوپار کی وجہ سے وہ مالامال ہو گئے ہیں
وہ کیا کریں۔ اور بھی کئی سوال ممکن ہے کہ پیدا ہوں۔ فی الحال ان چاروں
سوالوں پر اُمید ہے کہ شری مہاتما گاندھی جی اور دوسرے بزرگان اہل ہنود
اور اہل اسلام وچار کرینگے اور اُمید ہے کہ ایسا وچار ضرور کر رہے ہونگے
کیونکہ اتنے بڑے بڑے کام صرف جوش اور جلد بازی سے سرانجام کو نہیں
پہنچا کرتے۔ پنجاب اور دیگر صوبہ جات ہند میں ہندو و مسلمان بزرگان بلحاظ
لیاقت۔ علم۔ شرافت اور دھن دولت کے پرماتما پروردگار عالم کی دیا اور
مہربانی سے اس قابل ہیں کہ ان سوالات کا تسلی بخش حل کر سکیں۔ صرف
یہی نہیں بلکہ ہمارے بڑی بڑی ریاستوں کے نواب۔ راجے اور مہاراجے
ہیں۔ جن سے ان سوالوں کے حل کرنے میں بڑی بھاری امداد مل سکتی ہے۔
بلکہ ان سب کے سر پر شہنشاہ مہاراجہ ادھیراج شاہنشاہ قیصر ہند جارج
پنجم کا چھتر سایہ موجود ہے۔ جن کی نیک دلی اور رعایا پروری پر پورا پورا
بھروسہ اور یقین ہے کہ وہ اگر ضرورت پڑے تو ان سوالوں کے حل میں پوری

سہایتا فرما وینگے ۔

میں اپنے اہلِ قلم ایڈیٹران و نامہ نگارانِ اخبارات اہلِ ہنود و اہلِ اسلام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان سوالات کے حل میں اپنی جواہر نگار قلموں کو حرکت دیں۔ اور اشانتی میں گرتے ہوئے بھارت ورش میں از سرِ نو شانتی کا راج لانے کا جتن کریں ۔

گئوشالہ گجرات بیٹ سوہنی

اہلِ ہنود کے بزرگوں نے اپنے شاستروں کے احکام کی تعمیل میں اور ظاہر ظہور ہی نوعِ انسان کے فوائد کو دیکھ کر بھی سارے حیوانوں چارپایوں میں سے گائے کو بڑا قابلِ قدر۔ مفید اور نفع رساں عطیہ پروردگار عالم کا جان کر اسکی پرورش اور حفاظت کو اپنے لوگوں کے واسطے لازمی اور ضروری قرار دیا ہے اس کا اثر یہاں تک پہنچا ہے۔ کہ اہلِ ہنود گائے کو گئو ماتا کے نام سے پکارتے ہیں۔ گائے کو بچانے کے واسطے جہانتک ان کا وش چلے اور نہ بھی چلے تو اس کے گھات کو دیکھ کر پاگل تک ہو جاتے ہیں۔ یہ نظارہ اس دم تک بھی موجود ہے مگر اس کے مقابل دوسرا انجام بھی نظر آتا ہے جو کہ اس کے بالکل برخلاف ہے چونکہ دھرم اور ایمان دُنیا سے کوچ کر چکا ہے۔ لوگ دھرم کے کام بھی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس میں بھی فریب سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً اہلِ ہنود کا اعتقاد بنا ہوا ہے کہ برہمن کو گائے دان میں دی جائے تو بڑا ثواب کا کام ہے اسواسطے زمانہ قدیم سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ دولت مند لوگ اچھی عمدہ اور دودھ دینے والی گائے سدا جاری اور دھرماتما برہمنوں کو دان دیا کرتے تھے۔ نہ صرف گائے ہی دیتے بلکہ گائے کی پرورش اور خوراک کا بوجھ بھی آپ اٹھایا کرتے تھے۔ اُن دنوں میں

برہمن بھی سچے برہمن ہُوا کرتے تھے۔ وہ خود اور اُن کی اِستریاں اور بال
بچے سب کے سب گائے کی خدمت بڑے پریم سے کرتے تھے۔ اور اپنے
ججمانوں سے دئے ہوئے دان پر گذارہ کرتے ہوئے ایسے کاموں میں لگے
رہتے تھے جن سے ججمانوں کی بھلائی رکشا اور دن بدن ترقی ہوتی رہے مگر
اب زمانہ بدل گیا ہے۔ لوگ ایسی گائے برہمن کو دان دیتے ہیں جو تین چار
بچے دے چکی ہے۔ بزبل اور کمزور بھی ہے۔ برہمن کا گذارہ اِن لوگوں کے
دان پر ہے اِنکار کرے تو روز کی روٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس لئے دان
میں گئو کو لے لیتے ہیں۔ مگر اب ایسی گائے کو جس سے فائدہ کی تو اُمید نہیں
اور جس کے کھانے کو روزمرہ خوراک درکار ہے۔ برہمن غریب کہاں تک پرورش
کر سکتا ہے چند روز تک رکھ کر اُسے فروخت کر دیتا ہے اور اس قسم کی گاداں
کے خریداروں سے اس کا تعلق بنجاتا ہے۔ ایک دفعہ عرصہ قریب تیس سال
کا گذرا کہ ضلع مظفرگڈھ کی کچہری میں ایک برہمن نے درخواست دی کہ اسکی
ایک گائے نیلام کر دی جاوے وہ سرکار کو نیلام کا حق یعنے فیس ادا کریگا
گائے کے نیلام کی بولی ہو رہی تھی کہ میرے بزرگ مہربان پنڈت کنور کرشن
جی ہیڈ کلارک دفتر ڈسٹرکٹ بورڈ کسی اتفاق سے اپنے دفتر سے باہر آئے
تو انہوں نے سُنا کہ ایک برہمن بوڑھی گائے کو نیلام کرا رہا ہے اور اس قسم
کی گاداں کے خریدار بولی دے رہے ہیں۔ پنڈت جی کو گئو رکشا کے خیال
نے اپیل کی اور انہوں نے آپ بولی دے کر شاید سات روپیہ کو وہ گائے خرید
کر لی ؛

برہمن کے مقابلہ میں ایک نیک دل مسلمان منشی اللہ یار خاں دستی کے
دل میں بھی ایک خیال آیا۔ اور وہ پنڈت جی کے پاس آیا۔ اور کہا کہ آپ کو
اس گائے کی پرورش میں دقت ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے یہ گائے
صرف اس کی جان بچانے کے خیال سے خریدی ہے۔ کوئی مفاد اس سے آپ کو

مل نہیں سکتا۔ میں زمیندار ہوں آپ گلئے مجھے دے دیویں۔ میرے
مال مویشی کے ساتھ یہ رہے گی۔ مجھے اگر اس کی خوراک پر کچھ خرچ بھی
کرنا پڑا تو اُس کا معاوضہ مجھے اس کے گوبر اور پیشاب میں سے کافی مل
جاوے گا، ور جس خیال سے آپ نے اس گاؤ کو خریدا ہے وہ پورا ہو گا۔
اس گاے کا بُرا ہرگز نہ منایا جاوے گا۔ اس واقعہ کا خیال میرے دل میں
بطور ایک بیج کے موجود تھا۔ ۱۹۰۷ء میں چودھری چندو لعل صاحب بجاج
سکنہ بستی گجرات تحصیل سنانواں ضلع مظفر گڑھ نے بہت سی اراضی جو
کہ جنگل غیر آباد تھی اس مطلب کے واسطے دان کی کہ اس موقعہ پر گورو کل
پاٹھشالہ کھولی جاوے۔ چنانچہ اب وہاں بھارت کے اناتھ اور یتیم بچوں
کے واسطے گورو کل کے جاری کرنے کی تجویز مظفر گڑھ یتیم خانہ کی سبھا
کی طرف سے ہو رہی ہے جس کا مفصل حال پشت اُدھار کے اگلے
حصہ میں لکھا جاوے گا۔ میں اِن اراضیات کو دیکھنے کے واسطے گیا تو دیکھا
کہ اس موقعہ پر سرکانہ کا جنگل موجود تھا۔ اور اس جنگل میں مال مویشی چر
رہا تھا۔ میں نے سمجھا کہ اس جگہ پر گئوشالہ کھولی جاوے تو چارہ کا خرچ
بہت کم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ گئوشالہ کھول دی گئی۔ اور اِدھر اُدھر سے
گاواں کی آمد جاری ہو گئی۔ مگر میرا وہ خیال کہ خرچ بہت کم ہو گا۔ درست
نہ نکلا۔ جس قسم کی گاواں آتی ہیں اگر کسی شہر کے نزدیک گئوشالہ ہوتی تو ان
کی آمدنی گذارے کے واسطے کافی ہو جاتی۔ مگر آبادی اہلِ ہنود سے
چار میل کے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے آمدنی خرچ کے واسطے کافی نہیں
ہے۔ بہت سا قرضہ گئوشالہ پر ہو گیا ہے۔ گئو رکشا کے حامی اگر اسکی طرف
خیال کریں اور دان کرنے کے موقعہ پر اسکو یاد کر لیا کریں تو اُمید ہے۔ کہ
گذارہ چل نکلے اور جیسا کہ خیال ہے اچھی نسل کی گاواں کے بڑھانے
اور اُن سے اچھے اچھے بیلوں اور گاواں کے حاصل کرنے کا انتظام

ہوسکے۔ اس گئوشالہ کی امداد کی طرف اہلِ قوم کی توجہ دلانے کیواسطے ایک تجویز یہ کی گئی ہے جس سے عام حاجتمندوں کو بھی فائدہ پہنچ سکے وہ یہ ہے کہ

سُرمہ نُورِ چشم

جو کہ دُھند - غبار - ڈھلکا - آب چشم - پھولہ - پڑوال کو دُور کرتا ہے اور نظر کے نقص کو مفید ہے۔ اُن لوگوں کو مفت دیا جاوے۔ جن کو کہ اسکی ضرورت ہے۔ اس سرمہ کے استعمال سے بہت سے لوگ جنکو عینک کے بدون لکھنے پڑھنے میں دقت ہوا کرتی تھی۔ عینک کی ضرورت سے آزاد ہوگئے۔ اُنہوں نے بتلایا کہ اب وہ عینک کا استعمال ترک کر چکے ہیں *

جن صاحبان کو درکار ہو وہ ایک آدھ آنہ کا لفافہ اور اس پر اپنا نام اور پتہ خوشخط عبارت میں لکھ کر لالہ نہال چند اسسٹنٹ مینیجر یتیم خانہ مظفر گڑھ کے نام پر بھیجدیویں۔ ایک ماہ کے استعمال کے واسطے سُرمہ اُن کی خدمت میں روانہ کیا جاوے گا۔ اور ترکیب استعمال بتلائی جاوے گی۔ اس کے معاوضہ میں اُن سے صرف اس قدر درخواست ہے۔ کہ وہ بعد استعمال اس کے نتیجہ سے اطلاع دیویں۔ کہ اُن کو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ اور آرام ہو جانے پر وہ حسب توفیق جو کچھ مناسب خیال فرماویں اس گئوشالہ کے واسطے دان بھی لالہ نہال چند ہی کے پاس بھیجدیویں۔ اور اس کے بعد جب کبھی وہ دان کرنے لگیں تو اس گئوشالہ گجرات اور یتیم خانہ مظفر گڑھ کو بھی یاد کر لیا کریں *

المشتہر

گنگا رام سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ

اوم

پتت اُدّھار

حصّہ پنجم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سُدھار پرچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی

تجویز سے ماہ فروری ۱۹۲۰ء میں

مرتب ہو کر

لال سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ کرم چند بہل پرنٹر چھپا
اور پنڈت ڈی۔ ایس اگنی ہوتری نے شائع کیا

اطّلاع عام

میری بنائی مندرجہ ذیل چھوٹی چھوٹی پستکیں اب تقریباً
ختم ہوگئی ہیں۔ اِن کے دوبارہ شائع کرنے کی تجویز ہے
جو صاحبان اِن کو خریدنا اور خرید کر میلوں اور جلسوں پر
تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ درخواست بھیج دیویں
پرمیشور دا ناؤں۔ گایتری منتر ارتھ سمیت۔ دھرم۔ سچا
دان۔ سچا ویدانت۔ نرگن سگن دا جاپ۔ گنیش پوجا۔ گرہست
سدھار حصہ اوّل و دوم۔ سورگ اور نرک حصہ اوّل تا ہفتم
اِن ٹریکٹوں کو عوام نے پسند کیا ہے۔ جاتی کی ساماجک
اوستھا کے واسطے مفید بتلایا ہے۔

گنگا رام سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ شاخ لاہور بیرون موری دروازہ

اوم

ریویو متعلق پتت اُدّھار اور حال کا اظہار

میں نے اپنی زندگی میں دھرم - جاتی - دیش اور سنسار کی
تھوڑی سی سیوا کا برت دھارن کیا تھا تھوڑی بہت سیوا میں سنہ ۱۸۸۳ء
سے کرتا رہا - ہمیشہ یہی خیال رہا کہ اپنا کام چپ چاپ کرتا رہوں کبھی شہرت
کے واسطے کام کی رپورٹ اخباروں میں نہ دی - مجھے اس کام کی وجہ سے
کوئی فخر نہ تھا - یہ کام تھا ہی کیا اور ہے بھی کیا - جس کے واسطے کوئی
آدمی فخر کر سکے - مگر اب مجھے لاچار اس میدان میں آنا پڑا - جس میں میں نہ
آنا چاہتا تھا - مجھے بڑی شرم آتی ہے جبکہ میں اپنی ناچیز ہستی اور تچھ کام
کی تعریف لوگوں سے سنوں اور پھر اُسکو اپنے ہی زیر اہتمام اپنے ہی
لکھے ہوئے ٹریکٹ پمفلٹ یا رسالہ میں مشتہر کروں - مگر میں جانتا ہوں کہ یہ
ہستی اور یہ کام میرا اپنا تو کچھ بھی نہیں ہے - یہ تو سب کچھ جگدیشور پرماتما
کی ملکیت ہے - وہی مسبب الاسباب ہے جو سبب پیدا کرتا ہے اور کام کرنے
کا موقعہ دیتا ہے - اُس کے بندے اُس کی دی ہوئی عقل کے ذریعہ اس
موقعہ کے موافق کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں - نہ وہ موقعہ ملے - اور نہ
وہ کام ہو - زندگی ایک دم کی بات ہے - "اکھ پھرکن نہ ملے منہ میں رہے
گراس - لعنت اُن کو شتر یا جو دم کا کریں وشواس" ۔

پرماتما نے زندگی دی - صحت دی - ایسے سمے میں زندہ رہنے کی
سعادت دی کہ مہرشی سوامی دیانند جی کے درشن ہوں اور اُن کے اپدیش
بھی کسی قدر سن سکیں - مہارانی راج راجیشوری وکٹوریہ - اُس کے بیٹے
اور پوتے کا راج دیا - اور جنم آریہ ورت کے اس پرانت میں دیا - جہانکہ

مہرشی سوامی ورجانند جی نے جنم لیا - اس کے علاوہ اور کیا کیا دیا اُس کا کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا - بقول آریہ شاعر - "تم نے اتنا دیا مجھکو پرماتما جاتا جسونت سنگھ سے گِنا یا نہیں" - اس تھوڑے سے کام میں میرا تو یہ خیال ہے کہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

جب کہیں مجھے ایسا کہنا یا لکھنا پڑتا ہے - کہ میں نے یہ کیا یا میں نے یہ کہا میرا ایسا کرنا اور کہنا اُسی قسم کا ہے جیسے کسی رئیس کا ملازم اُس رئیس کے مکان کو اپنا مکان سمجھتا ہے اور ایسا ہی کہتا ہے اس صورت میں میں اپنے دیش نواسیوں کی کچھ سیوا کرنے کو تیار ہُوا ہوں - مجھ سے سوال کیا جاویگا کہ تم تو آریہ سماجی ہو - تم سناتن دھرمی - جین - سکھ - عیسائی اور مسلمانوں سے اُن کے برخلاف جھگڑا کرو گے اِس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ میں آریہ سماجی اسی واسطے ہوں کہ سب کی سیوا کروں - آریہ سماج کا مکھیہ اُدّیش یہی ہے کہ "سنسار کا اُپکار کیا جائے" - انسان سب آپس میں بھائی ہیں عقیدہ کسی کا اگر کسی کے برخلاف ہے - صرف اس وجہ سے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُن کے اِنسانیّت کے سلوک میں کیوں بگاڑ پیدا ہو - لوگوں کا اختلاف اگر صرف عقیدہ کے نہ ملنے کی وجہ سے مان لیا جاوے تو ضرور ہے کہ جن لوگوں کے عقائد ایک ہیں - اُن میں اختلاف کسی صورت میں نہ ہُوا کرے مگر ایسا دیکھنے میں نہیں آتا - اس لئے یہ کوئی وجہ نہیں کہ آریہ سماجی دوسرے مذاہب کے پیرواں سے ضرور ہی جھگڑا کرے - میں تو اس کے برخلاف دیکھ رہا ہوں کہ حقیقی بھائی ایک ہی والدین کے فرزند اور ایک ہی مذہب کے پیرواں - ایک ہی عقیدہ کے معتقد آپس میں مل کر گزارہ نہیں کر سکتے - اور ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے - بھائی بھائی آپس میں دشمن بن جاتے ہیں

اہلِ مذاہب کے باہمی جھگڑوں کو جب میں دیکھتا ہوں وہ بھی دھرم۔ایمان
نیکی اور بھلائی کے واسطے نہیں ہوتے۔یہ لوگ زیادہ تر اپنی تعداد بڑھانے
کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔اپنے لوگوں کو پرماتما کا بھگت۔خدا کے فرمانبردار
ہمسایہ کے باجگذار۔ والدین کے تابعدار۔ بھائیوں کے مددگار اور اولاد کے
غمخوار بنانے کا جتن نہیں کرتے۔ اس سچائی کے واسطے امید نہیں ہے کہ کوئی
بھائی مجھ سے ثبوت طلب کرے۔کیونکہ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا ظاہر باطن
ایک ہے اور جسکو ہر کوئی دیکھتا اور سنتا ہے۔

میرا یہ تحریر کا کام بہت ہی چھوٹے درجہ کا ہے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ
جن ہاتھوں میں یہ اب تک پہنچا ہے مقبول ہوا ہے اور سجّن پُرشوں نے
اسے پسند فرمایا ہے۔اپنی قلم سے اپنے کام کی خوبی جتلانا اور تعریف کرنے
والے دوسرے صاحبان کی آراء اور ریویوز کو لکھنا مجھے کچھ مناسب معلوم
نہیں ہوتا۔مگر جب میں نے بذریعہ تحریر اہلِ ملک کی سیوا کرنی ہے تو ایسا
کرنے کے لئے میں مجبور ہوں۔میرے ایسا کرنے سے جو کچھ بھی پاپ اور
گناہ میرے ذمہ عائد ہو سکتا ہے۔اُسکو میں اپنے بھائیوں کی سیوا کی
خاطر اپنے سر پر لینے کو تیار ہوں۔اب وہ ریویو درج کرتا ہوں جو کہ پہلے
حصّوں میں درج نہیں ہوئے۔

از مہا آنند آنند دیانند کالج لاہور

میرے پوجنیہ پنڈت گنگا رام جی۔ نمستے۔آپ کے تین رسالے پرتت
اُتّھار پہنچے۔میں نے باری باری سے تینوں کا پریم سے مطالعہ کیا۔آپ نے
جس شُبھ کاریہ میں قدم رکھا ہے وہ نہایت ضروری اور پوِتّر کاریہ ہے مجھے
وشواس ہے کہ آپ کی اس ہمت کو دیکھ کر سارا جگت آپ کی سہایتا کرنے کو
تیار ہو جائیگا۔ہمت ہی زندگی ہے جس نے آپ کو سُشوبھت کیا ہے۔آپنے

جو ہمدردی اپنے اچھوت بھائیوں سے ظاہر کی ہے۔ اُس سے آریہ
سماج کا حلقہ خصوصاً اور انیہ جگت عموماً آگاہ ہو چکا ہے آپ کی دیا اور
کرپا کا بدلہ اتارنا آسان کاریہ نہیں ہے۔ سچ ہے ؂

واقف ہو غم خویش سے دُکھ غیر کا جانے   اسواسطے بخشا ہے دل انسان کو خدا نے

شریمان جی آج سب سنسار آریہ سماج کے کاریہ کو بھلی پرکار انو بھو
کرتا ہے اور خاصکر اس کاریہ میں تو ہر مذہب کے نیتا آریہ سماج کا ہاتھ
بٹائینگے۔ اب وہ سمہ نہیں رہا کہ اودیا کا ہی پرچار رہے بلکہ وہ سمہ آرہا
ہے جبکہ ہم "روشن زمانہ" کہینگے۔ سوامی رام تیرتھ کے بچن سچ مچ پورے ہو
کر ہی رہینگے۔ "اے نبھ اب تو نرمل ہو جا۔ اے بھارت ورش پر
اگیان کے بادلو دُور ہو جاؤ۔ اِس پوتر بھومی پر اب زیادہ دیر مت منڈ
لاؤ"۔

آج ہم جب پتت اُدّھار۔ جاتی سُدھار۔ اناتھ پکار اور دیش ادھار
کے شبد سنتے ہیں تو کلیجہ میں ٹھنڈک اور آنکھوں میں سرور آجاتا ہے اُس
سمہ بھارت کا آگامی نقشہ نہایت سُندر اور سہاونا دکھائی پڑتا ہے۔ رشی ور
دیانند کے آگمن سے پہلے بھارت ورش کی جو دشا تھی وہ مجھ سے کہی نہیں جا
سکتی۔ اچھوت جاتیوں اور یتیم بچوں سے جو انرتھ ہو رہا تھا اُسے سہنے کو
ان کا شریر اسمرتھ ہو رہا تھا۔ دیانند کے بعد آریہ سماج نے اس پہلو میں
خوب ترقی کی۔ لاکھوں دُکھی آتماؤں کو امرت کے گھونٹ پلائے۔ کئی یتیموں
کا اُدّھار کیا۔ یتیم خانہ مظفر گڈھ بھی اُسی آریہ سماج کا انسٹی ٹیوشن ہے تو پھر
اُس سے ایسے شبھ کاریہ کی سمبھاونا کیوں نہ کریں۔ جس کے سنچالک آپ جیسے
زندہ دل مہاتما ہیں۔ پنڈت جی پتت اُدّھار کا ہر ایک رسالہ جادو کا سا اثر
رکھتا ہے۔ آپ کی تحریر ہر ایک سے پُرزور اپیل کرتی ہے کہ اس شبھ کاریہ
میں لوگ آپ کا ہاتھ بٹا دیں۔ مجھے پورن آشا ہے کہ جنتا اِس رسالہ کو زور

ہے گرہن کرے گی۔ اور مجھے جلد ہی اس کے ماہواری رسالہ بن جانے کی خوشخبری ملے گی ॥

ازرائے صاحب پنڈت جیرام شرما جگرانوی مقیم میرٹھ

میرے بزرگ اور محسن شریمان پنڈت گنگارام جی نے اپنے مکارم ومحاسن کے سلسلہ میں رسالہ پتت اُدھار کے دو نمبر مجھے عنایت فرمائے ہیں۔ یہ دونوں نمبر جو ٹریکٹوں کی صورت میں ہیں۔ یتیم خانہ مظفر گڈھ کی مینجنگ کمیٹی کی طرف سے ایک باقاعدہ موقت الشیوع ماہواری جرنل کے پیش خیمہ کے طور پر شائع ہوئے ہیں۔ میں چونکہ پنڈت صاحب موصوف کے خوان ادب کا ایک زلہ رُبا ہوں۔ اور چونکہ آپ کی پوتر اور پروپکاری زندگی قریباً چالیس برس سے ایک اونچے آدرش کے سمان میری نظروں کے سامنے موجود رہی ہے میں نے آپ کے مرسلہ رسالہ جات کو بکمال خلوص ارادت مطالعہ کیا۔ میری رائے میں قوم کو موجودہ واقعات کے تباہ کرنے والے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اور اُسے مکمل تہذیب کے معراج کا از سر نو ورثہ دلاکر ممتاز الاقوام بنانے کے لئے اُن خیالات کی پُر زور اشاعت ضروری ہے جنہیں عام فہم اور سلیس اُردو زبان میں رسالہ پتت اُدھار کے ذریعہ سے پیش کیا گیا ہے۔ پہلے نمبر میں بوضاحت بتلایا گیا ہے کہ پتت کون ہے۔ عموماً لوگ اپنے اُن بھائیوں کو جنہیں اُنہوں نے اپنے بزرگوں یا خودغرض اور مکار رہنماؤں سے نیچ اینچ یا اچھوت کہنا سیکھا ہے سب جانتے ہیں لیکن پنڈت صاحب نے جو لفظ پتت کی تعریف میں حق بیانی کی ہے اُسے پڑھ کر میری زبان سے حضرت مومن کا یہ مصرعہ نکل آیا ع ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا فی الواقعہ پتت وہ قوم ہے جس نے خوانین قدرت کی منصفانہ اور بے لوث روش کو نظرانداز کر کے پرماتما

کے حضور میں اس قدر گستاخیاں کی ہیں کہ اپنے بھائیوں کے ایک بڑے گروہ کو بجبر اس کے حقوق اخلاقی اور مذہبی سے محروم کر رکھا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر رسالہ پتت ادھار کی حوصلہ افزائی کے فرض سے سبکدوش ہونے میں اردو خواں پبلک نے گریز نہ کیا تو روز بروز قوم کے اندر دردمندانہ سپرٹ پیدا ہوتی جائے گی اور وہ آہنی دیواریں جو ہم نے اپنے بیشمار بھائیوں کے مقابلہ میں صدیوں سے کھڑی کر رکھی ہیں۔ رفتہ رفتہ پگھل کر بالکل نابود ہو جاویں گی۔ عوام کا نصب العین بلند ہو جاوے گا اور ملک بھر میں راست بازی - ہمدردی - یگانگت - پریم اور پریتی کا ڈنکا بجنے لگے گا۔ رسالہ پتت اُدھار کی ترتیب میں شریمان پنڈت گنگا رام جی کا ہاتھ ہونے سے بہت کچھ کامیابی کا بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پنڈت جی عالم باعمل ہیں۔ آپ کی عملی زندگی - آپ کے پختہ عقائد اور آپ کا کیرکٹر مجموعی طور پر ایک ایسی طاقت کا حکم رکھتے ہیں جو آپ کے خیالات کو ناظرین کے دماغوں کے جذب کر دینے میں کبھی فیل نہیں ہو سکتے۔ میں بزور سفارش کرتا ہوں کہ اردو پڑھنے والے اہل وطن رسالہ مذکور کی مستقل خریداری کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیں +

از بابو گھاسی رام جی ایم۔ اے ایڈیٹر آریہ سماچار میرٹھ

پتت اُدّھار حصہ اول و دوم۔ اردو سائز ۲۲×۱۸/۲ ۱۶ پیجی ۴۰ صفحہ قیمت ۲ مرتبہ مینجنگ کمیٹی یتیم خانہ مظفر گڈھ۔ پنجاب۔ اِن ہر دو ٹریکٹوں میں اچھوت اُدّھار کے لیئے زبردست بحث کی گئی ہے جو لوگ اچھوت اُدّھار کے مخالف ہیں اُنہیں چشم بصیرت سے ان ٹریکٹوں کا ملاحظہ کرنا چاہیے ایسے ٹریکٹ جلسوں اور میلوں پر اگر مفت تقسیم کیئے جاویں تو بہت مفید ہو سکتے ہیں +

فخر قوم لالہ لاجپت رائے جی کے بزرگوار پتا شری مان لالہ صاحب رادھا کرشن جی پنشنر سکنہ جگراؤں حال مقیم لاہور تحریر فرماتے ہیں:-

پنڈت گنگا رام سابق اوورسیر حال سکرٹری یتیم خانہ واقعہ مظفر گڑھ نے رسالہ پتت اُدّھار لکھا ہے۔ جس میں قوم اوڈ بھاگیرتھی کے پورانے حالات کو اچھی طرح ظاہر کیا ہے اور اپنی کوشش سے اس قدیم قوم کو جو پتت سمجھی جاتی تھی۔ اصلی ہندو ثابت کرکے اُس کی بہت سی جماعت کو آریہ سماج مظفر گڑھ کی مدد سے شدھ کرکے یگیوپویت پہنا کر شامل برادری کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ اصل سے ہندو ہیں اس کے علاوہ ہندو قوم کی بدعملیوں کو نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کرکے عورتوں اور یتیموں پر جو ظلم موجودہ حالات میں کئے جاتے ہیں اُن کی بھی تشریح کی ہے یہ رسالہ درحقیقت پتت اُدّھار اور یتیم رکشا کا اصلی فوٹو ہے اس کی قیمت صرف ۲ر ہے۔ ہندو قوم کو اسے پڑھ کر ان حالات سے واقفیّت پیدا کرنا نہایت ضروری اور پھل دائک ہے۔ یتیم خانہ مظفر گڑھ کی شاخ واقعہ چینگڑ محلہ لاہور سے مل سکتا ہے۔ مصنف کی محنت اور تحقیق لائق داد ہے +

اخبار ٹربیون لاہور کے لائق ایڈیٹر نے تحریر فرمایا ہے :-

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہم ساماجک اوستھا کے لحاظ سے دوسری قوموں سے بالکل نہیں تو بھی بہت سے پہلوؤں میں ضرور پیچھے رہے ہوئے ہیں تو بھی ایسے آدمی بہت تھوڑے ہیں جو کہ اس پر وچار کریں اور بتلائیں کہ واقعہ میں نقص کس مقام پر ہے۔ اِن حالات میں رسالہ پتت ادھار جو کہ یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ بے موقعہ اور نا موزوں نہیں ہے۔ اِن ٹریکٹوں

ایک ایک کاپی بغرض ریویو ہمارے پاس آئی ہیں۔ انہوں نے ہماری ساماجک دُر اوستھا اور موُرکھ پن کے دکھانے کا آئینہ پیش نظر کر دیا ہے ترقی کے راستہ پر یہ پہلا قدم ہے جو کہ اُٹھایا گیا ہے چونکہ اس راستہ پر چلنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ رسالہ جات زیر ریویو نہ صرف کھنڈن کا کام کرتے ہیں بلکہ بہت سی تجاویز پیش کرتے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ہم لوگ ترقی کی اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں جہاں پہنچنے کی اُمنگ ہمارے دلوں میں ہے +

اوم

سنئے دینوں کی پکار دینانا تھ کہانے والے

تم ہی پتت اُدھارن ہار۔ تم ہی دُکھ کے موچن ہار

پھر ہم کس سے کریں پکار ہے سنسار رچانے والے

تم ہی ہو سُکھ کے بھنڈار تم ہی ہو مُکتی کے دوار

ہم نے تم کو دیا وسار بن گئے پاپ کمانے والے

بھائی بندھو اور ست نار۔ سُکھ کا ساتھی سب سنسار

چلے نہ سنگ انت کی بار سب ہیں پیٹھ دکھانے والے

کہتا ہے جسونت پکار نیا آن پڑی منجدھار

اب کے کرو کھیوّا پار سروو دھار کہانے والے

پتت اُدھار کا کام کیونکر ہو سکیگا

اِتنے بڑے وسیع اور عظیم الشان کام کے واسطے کرنے والے کہاں سے آویں گے؟ یہ ایک سوال ہے جو ایسے ہر ایک شخص کے دل میں اُٹھ سکتا ہے

جوکہ پتت ادّھار کے کام کو غور اور توجہ سے دھیان ہیں لاوے۔ اس کا
جواب یہ ہے کہ پتت اودھارن ہار تو خود پرماتما سرو شکتیمان ہے۔ جس کو
قادر مطلق کہا جاتا ہے۔ دوسرا کون ہے جو اس کام کو اس کی سہایتا اور اشیر
باد کے بدون کر سکے اُسی کی کرپا ہو تو یہ کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے
اور اسکو پاپی سے پاپی اور ہر ایک شخص بھی کر سکتا ہے۔ اس صورت میں
اس سوال کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکو۔ چور۔ جوئے باز۔ ہنسک۔ بٹمار
نشوں میں چور اور پانچوں عیب شرعی جن لوگوں کو کہا جاتا ہے وہ پتت
اُدّھار کا کام کر سکتے ہیں اور پرماتما کی دیا سے اس کام کو ایسے ایسے لوگ
بھی کر سکیں اور ضرور کرینگے۔ کسکو معلوم نہیں ہے کہ مہرشی بالمیک کون تھا
بالمیک نہ ہوتا تو رام۔ لچھمن اور بھرت کو آج کون جانتا۔ گویا یہ کبھی نہ ہوتے
بالمیک جی ہی کی رامائن ہے۔ جس نے ان مہاپرشوں کو پرگٹ اور پرسدّھ
کیا۔ بالمیک ڈاکو تھا۔ چور تھا۔ بٹمار تھا۔ مگر اب دیکھو کہ اس کی رامائن
اور اس کے آسرے پر بنی ہوئی تلسی کرت رامائن کتنے لاکھوں اور
کروڑوں انسانوں کی زندگی کا سہارا بن رہی ہے۔ کتنے لوگ ہیں۔ جو اس
کے امرت بانی کی وجہ سے اس جہان میں جیتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی
اُسی کے بھروسہ پر پرم گتی کے امیدوار ہیں۔ چیتن دیو کا چیلہ نتیانند ی
کیسا پتت تھا۔ اس نے جو کام پتت اُدّھار کا کیا اسے کسی نے دیکھنا ہے
تو بنگال میں جا کر دیکھ لیوے۔ جیسے اندھا اور لولا مل کر ایک دوسرے کا
... کر سکتے ہیں۔ اسی طور سے جتنے بھی چور۔ ڈاکو۔ نشے باز۔ جوئے ...
پاکھنڈی ... جوئے باز اور کامی پرش ہیں یہ لوگ اگر کوشش کریں
اور سب سے پہلے صرف اپنے ہی درگنوں کو گھرنا کی نگاہ سے دیکھ کر چھوڑ
دیویں تو کتنا بڑا کام پتت ادھار کا ہو سکتا ہے۔ پرماتما کی دیا ہو تو یہ کچھ
بھی مشکل نہیں ہے۔ پرماتما کی دیا ضرور ہوتی ہے جب کوئی کسی نیک کام

کے کرنے کی خواہش کرتا ہے جب ایسی حالت ہے تو کون آدمی ہے جسے پرماتما نے سُندر شریر دیا ہے۔ صحت دی ہے۔ وِدّیا دی ہے۔ بُدھی دی ہے۔ بال بچّے دئے ہیں۔ گرہست کا آرام دیا ہے۔ دھن دولت اور جائیداد دی ہے اور پھر وہ کہتا ہے کہ مَیں پتِت اُدھار کے کام میں حصّہ نہیں لے سکتا۔ یہ اس کی زبردستی ہے اور وچار نہ کرنے کا کارن ہے۔ چنانچہ گذشتہ سالوں میں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جھنگ۔ ملتان وغیرہ شہروں میں ہیضہ ہوا۔ طاعون پڑی۔ لوگ اپنے سمبندھیوں کو بیمار اور مُردہ چھوڑ کر گھروں سے نکل کر بھاگ گئے۔ مُردہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا سب سے اوّل جوئے باز اور بھنگی چرسی لوگوں نے اس کام کو اپنے سر پر لیا اور بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام کو پہنچایا ٭

(۲) جو لوگ مہذب کہلاتے۔ وِدّیا کے زیور سے آراستہ ہیں۔ دھن دولت کے مالک ہیں۔ اگر وہ اس کام میں حصّہ نہ لیویں تو کتنے افسوس کی بات ہے مگر ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ سب لوگ ضرور اس تحریک میں شامل ہوں گے۔ یتیموں اور بدھواؤں کی رکشا۔ پتت جاتیوں کے اُدّھار اور پشو پکشی۔ چرند۔ پرند۔ نردوش جانوروں کے پریم اور دیا کا بھاو اپنے دلوں میں قائم کر کے دوسرے لوگوں کے واسطے نظیر کا کام دینگے۔ پرماتما دیا کرے کہ اس کی پرجا کے من میں پریم کی ترنگ اُٹھے اور کوئی بھی کسی سے دشمنی نہ کرے ٭

(۳) سادھو لوگوں کی تعداد کئی لاکھ ہے۔ اُن میں بھی بہت سے نیک اور بھدّر پُرش ہیں۔ رشی کیش کے باوا کمبلی والے اور انیک اُن کے سمان ہیں۔ تلاش کرنے پر بہت سے مل جاوینگے۔ جو کہ اس کام کو دل سے کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ جہاں خود اس کام کو کرینگے۔ اپنے دوسرے سادھو بھائیوں کو بھی پریرنا کرینگے کہ وہ بھی اس کام میں حصّہ لیویں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان

کے مشہور زمیندار لالہ گنگا رام ٹہل رام جی کو سادھوؤں کی حالت کو بہتر بنانے کا بہت سا خیال رہتا ہے۔ اس کام میں بڑی بھاری اِمداد اُن سے مل سکے گی ÷

(۴) برہمن لوگ جنکا گزارہ لوگوں کے دان پر چلتا ہے وہ اس کام کو بھلی پرکار کر سکتے ہیں جب یہ لوگ اس کام کو کرنے لگیں گے تو موجودہ حالت میں اُن کا جو وقت دان کے حاصل کرنے کی کوشش اور فکر میں خرچ ہوتا ہے۔ وہی وقت پر اُپکار اور پتت اُدّھار میں خرچ ہوگا۔ دان کے لینے کے واسطے ان کو تردد اور تشویش کا شکار نہ ہونا پڑیگا اُن کی ضرورت کے موافق لوگ خود بخود اُن کو دیا کرینگے ÷

(۵) سرکار کے پنشنر لوگ۔ جنکو اپنی روزی کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہے۔ کاموں کو کرنے اور چلانے کا تجربہ اُن کو کافی ہے۔ بیکاری کی وجہ سے ہمیشہ بیقرار رہتے اور بیماریوں کا شکار بنتے ہیں۔ چوپٹ تاش اور حقہ کے سوائے کوئی بھی جن کا مونس اور غمخوار نہیں ہے ÷

(۶) ایسے لوگ جن کے پاس گذارہ کے واسطے دھن دولت کافی ہے۔ مگر اولاد نہیں ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اُداس۔ فکرمند اور دلگیر رہتے ہیں اُپکار کے کام میں لگ کر اپنی زندگی سپھل کر سکتے ہیں۔ اور دھن کی امداد بھی کافی دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ ملتان نواسی شریمان لالہ ہیمراج جی تنیجہ سپرنٹنڈنٹ دفتر ضلع مظفر گڈھ اور اُن کی دھرم پتنی شریمتی پرمیدیوی جی ہمشیرہ حقیقی لوک مانیہ پنڈت گورودت جی ایم اے ودیارتھی مرحوم نے کیا جنکا کچھ حال پتت اُدّھار کے حصہ دوم میں درج ہے۔ اور شریمان بھگت آیا رام جی کنھوریہ سکنہ دائرہ دین پناہ نے کیا۔ افسوس کہ بتاریخ ۲۶ فروری ۱۹۲۰ئہ مطابق ۱۵ پھاگن سمت ۱۹۷۶ بکرمی بروز برہسپت وار بوقت ۲ بجے دن کے یہ بھگت جی اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ جن کا کچھ مختصر سا

حال اسی حصہ پنجہ میں نہیں الگ درج کیا جاتا ہے ایسے اور بھی بہت سے سجن پُرش ہیں جو کہ آریہ سماج یا دیگر دھارمک سمپرداؤں کے زیر اثر ایسے ایسے بہت سے کام کر گئے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ ان کے کام کو دیکھ کر دوسرے ایسے لوگ بھی بہت سے ہیں جو کہ اپنے رفاہ عام کے کام میں ہیں جس سے پتت اُدھار سیوا کے کام میں بہت سی سہایتا مل سکتی ہے جو عمل لینے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ پتت اُدھار سیوا کا کام اگر نیم بدھ طور سے ہونے لگے تو یہ خود اپیل کرے گا اور ہزاروں لوگ اس کی سہایتا کو دوڑتے ہوئے چلے آوینگے۔ ایسے ایسے دھرماتما دانیوں کا ذکر پتت اُدھار میں ہوتا رہے گا جسے پڑھ اور سُن کر بہت سے لوگ مددگار بن جاوینگے ۔

(۷) اپنی برتا۔ ستی اور ستونتی بدھوا استریاں۔ جن کے پاس دھن کافی ہے یا نہیں ہے یہ بھی بطریق مندرجہ بالا تن من اور دھن کی سیوا اور امداد سے بڑا بھاری لابھ اور فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ جیسا کہ شریمتی جانکی بائی بمبئی میں ودھوا ہوتے ہوئے بہت سے اُپکار کے کام کر رہی ہیں۔ رامیشور اور دوارکا جی جانے والے جاتریوں کے کرایہ اور سفر خرچ کا خود انتظام کرتی ہیں۔ اور دو سو آدمیوں کو روزانہ بھوجن دیتی ہیں اور مظفر گڑھ میں شریمتی دھنی بائی بیوہ چودھری خانوں رام گندہ نے اپنے مرحوم خاوند کی یادگار میں ایک بڑی عمدہ اور وسیع سرائے بصرف زر کثیر بنوا دی ہے جس سے مظفر گڑھ شہر میں جانے والے مسافروں کو بڑا بھاری آرام ملتا ہے ۔

(۸) لکھے پڑھے لوگ سرکاری ملازم وغیرہ۔ اپنی رخصت تعطیل اور فراغت کے وقت اور دنوں میں بہت سا کام کر سکتے ہیں۔ جس سے اُن کو اول تو اسبات کا خیال کرنے سے کہ ہم پتت اُدھار کا کام کر رہے ہیں۔ خود اُن برائیوں سے نجات ملے گی جن میں کہ کوئی ایک سرکاری ملازم گرفتار ہو

جایا کرتے ہیں۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اُن کی ذات سے دوسرے لوگوں کو بہت سا آرام مل جایا کریگا ✠

(۹) سکولوں اور کالجوں کے طالب علم بھی اس مد میں بہت سا کام کر سکتے ہیں ✠

(۱۰) اور بھی سب لوگ جس قدر اپنا وقت بے فائدہ کھیل کود۔ چوپٹ شطرنج۔ تاش وغیرہ کھیلوں میں اور حقہ سگرٹ وغیرہ کے نوش کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔ بہت سا ان ضرر رساں عادات سے بچا کر چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ ضرورت ہوگی تو اس کی تشریح بھی کر دی جائے گی ✠

اب میں خیال کرتا ہوں کہ سوال مندرجہ عنوان کا جواب کافی آچکا ہے اور پرماتما کی اپار دیا سے پورا یقین ہے کہ جس وقت پتت اُدھار کا نادبجیگا بے شمار سیوک میدان میں اُترینگے اور سنسار میں پوتر تا اور پریم کا راج پھیلانے کا کام بڑی تیزی اور آسانی سے ہو سکیگا۔ اوم۔ شم ✠

آریہ سماج کا بھگت بھگت آیا رام

وچار اور دھرم کیا و کچھ لکھنے پڑھے لوگوں ہی کا حصہ نہیں۔ بہت سے ان پڑھ لوگ بھی ایسے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور اپنی بہتری کے واسطے ہاتھ پیر مار کر کچھ نہ کچھ کر ہی لیا کرتے ہیں۔ دُنیا کے موہ مایا جنجال میں پھنسا ہوا آدمی اُسی جال کو جس نے اُسکو قید کر رکھا ہے اپنے ہی ہاتھوں سے مضبوط کرتا ہے۔ اسکی کوئی رسی ٹوٹ گئی ہے تو اسکو مرمت کرتا ہے۔ نہیں جانتا کہ اپنے ہی قید میں رکھنے والے پنجرے کو بنا رہا ہوں تو بھی ایسے اِنسان موجود ہیں جو اس سے چھٹکارہ پانے کا جتن کرتے اور پرماتما کی دیا سے چھٹکارہ پا بھی لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں سے ایک بھگت

یارام جی ہوئے ہیں جنکا جنم دائرہ دین پناہ ضلع مظفر گڑھ میں سمت ۱۹۰۲
بکرمی میں شریمان چودھری ٹھاکر داس جی کتھوریہ کے گھر میں ہوا۔ جاتی
کے رواج کے موافق دُکانداری کی تعلیم پائی۔ بواہ ہوا۔ اولاد بھی ہوئی ماتا
پتا کا دیہانت ہوگیا۔ انہوں نے اپنی دوکان کا کام بھی گیا اور کافی روپیہ
کمایا۔

اِستری اور بچے بھی پرلوک سدھارے۔ اِن سے چھوٹے دو بھائی اور
تھے۔ ایک کا نام وشن اور دوسرے کا نام سینگھارام تھا۔ یہ دونوں اپنے
بڑے بھائی کے انوکول نہ تھے۔ جائیداد اراضی و مکانات سکونتی کی تقسیم کی
گئی۔ اُنکے حصہ میں جو کچھ آیا۔ اُن کے حوالہ کردیا۔ بھگت آیارام نے اپنے
چاہ ٹھاکرہ والا پر اپنی رہائش شہر سے باہر کرلی اور زراعت کاری کا کام
شروع کردیا۔ بیلوں اور گئوؤں کی سیوا اور زراعت کی نگرانی کرنے لگے
طبیعت میں کچھ ویراگ تھا۔ سادھو فقیروں کو ملتے رہتے۔ دائرہ دین پناہ کی
دھرمسالہ میں ایک سادھو مسمّی شنکر بھارتی نے کئی سال تک مستقل طور پر رہائش
کرلی۔ یہ سادھو اچھا بے طمع اور نیک چلن تھا۔ دھرم کی باتیں سنایا کرتا تھا مگر
بھنگ چرس وغیرہ کی کچھ عادت اُسکو تھی۔ اس کی وجہ سے اور بھی کئی سادھو
دھرم سالہ میں آکر نواس کیا کرتے تھے۔ بھگت آیارام شام کے وقت اکثر اُنکے
پاس آیا کرتا۔ اور دودھ وغیرہ ضروری چیزوں سے ان کی سیوا کیا کرتا تھا اور
سادھوؤں کی سنگت سے لابھ اُٹھایا کرتا تھا۔ ۱۸۸۸ء کے قریب کا ذکر ہے
کہ ایک سادھو باوا سندر گر نامی چکر لگاتے ہوئے اس علاقہ میں آگئے۔ زیادہ تر
تحصیل سناواں کے مواضعات میں دورہ کرنے لگے۔ لوگوں کو وان کی پریرنا
کرتے۔ بھونے چنے اور پانی کا سدابرت کئی لوگوں سے کئی مقاموں پر
جاری کروادیا۔ سنسکرت کے کچھ شلوک چانک نیتی اور بھرتری ہری ویراگ
شتک کے ان کو یاد تھے۔ اُپدیش اور بات چیت میں آریہ سماج کا پکش لیا

کرتے تھے - دائرہ دین پناہ میں بھی جاتے اور باوا شنکر بھارتی کے پاس ڈیرہ کیا کرتے تھے - بھگت آیا رام سے بھی واقفیت ہوگئی - بھگت جی کے من میں وچار پیدا ہوا کہ اُن کی استری اور کوئی اولاد نہیں ہے بھائی بھی کسی کام کے نہیں ہیں - اُن کی اراضی اور جائیداد اُن کیواسطے ایک بندھن اور بوجھ سا بن رہی ہے - اُس کی وجہ سے بہت سا کلیش رہتا ہے - اردگرد کے لوگوں کی نظر اُن کی زمینوں پر لگی ہے - اس سے ان کو بہت تکلیف رہتی ہے - ایک دو دفعہ ان کے برخلاف فوجداری مقدمہ بھی بنائے گئے ہیں - ایسا انتظام کیا جائے کہ یہ جائیداد کسی ارتھ لگے - پنڈت کانشی رام جی ترکھا اُن دنوں ریلوے سٹیشن سنانواں کے سٹیشن ماسٹر تھے اِن لوگوں کے مشورہ سے قرار پایا کہ یہ سب جائیداد آریہ سماج مظفر گڑھ کو دی جاوے - چنانچہ پنڈت کانشی رام جی کا پتر لے کر بھگت آیا رام جی مظفر گڑھ میں آئے - آریہ سماج نے اُن کی جائیداد کا لینا منظور کر لیا - بھگت جی کو کہا گیا کہ جب وہ ضروری انتظام تیاری کاغذات پٹواری وغیرہ برائے رجسٹری کر لیویں - دو چار روز میں اطلاع دیویں - آریہ سماج کا منتری موقعہ پر پہنچ جاوے گا - ایک ہفتہ تک کوئی اطلاع نہ آئی تو میں سکرٹری آریہ سماج سنانواں میں گیا - پتہ ملا کہ بھگت جی باوا سندر گر کے پاس گورمانی میں موجود ہیں - مظفر گڑھ سے واپس ہو کر وہ سنانواں سٹیشن پر اُترے - پنڈت کانشی رام جی کو باوا سندر گر جی نے اُن کو ملنے تک نہ دیا - اور ساتھ لے کر پلیٹ فارم کے جنوبی طرف سے ہو کر گورمانی کو چلے گئے - پنڈت کانشی رام اور لالہ آسانند جی آہوجہ سکنہ ملتان داروغہ محکمہ انہار کو ساتھ لے کر میں گورمانی گیا - نالہ چاکر خاں کے کنارے شرقی پر ایک کچی دیوار کے احاطہ میں باوا سندر گر اور بھگت آیا رام کو موجود پایا - ایک دو اور آدمی بھی بیٹھے تھے - بھگت جی کو نمستے کہی گئی تو انہوں نے منہ کو نیچا کر لیا - باوا سندر گر کا

چہرہ بھی بدل گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ باوا سندر گر جی نے بھگت آیا رام
کا ارادہ بدلوا دیا ہے اور اب اُن کا منشا اس جائیداد کے آریہ سماج کو
دینے کا نہیں ہے۔ ہم نے بھگت جی کو کہا کہ آپ خود ہی گئے تھے اور جائیداد آریہ
سماج کو دینے کی درخواست کی تھی۔ ہم آپ کے پاس اسی واسطے آئے ہیں
اب اگر آپ کا ارادہ نہیں ہے تو آپ جانو اور آپ کی مرضی۔ ہم کو کوئی ضرورت
نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ہم سب واپس چلے آئے +

اب باوا سندر گر جی نے بھگت آیا رام کی جائیداد اپنے نام پر رجسٹری
کروالی۔ چونکہ کچھ قرضہ بھی بھگت جی نے لوگوں کا دینا تھا۔ جس کا ادا کرنا
ضروری تھا اس واسطے باوا سندر گر جی کو روپیہ جمع کرنے کی بھی فکر لگ گئی
یہ بات لوگوں میں مشہور ہو گئی کہ باوا لوبھی اور لالچی ہو گیا ہے۔ ایک تو بھگت
آیا رام کی جائیداد لے لی ہے اور اب لوگوں سے روپیہ مانگتا ہے۔ اس بات کا
لوگوں میں پھیلنا تھا کہ جو لوگ باوا جی کے شردھالو بھگت تھے وہ سب باوا
جی سے متنفر ہو گئے۔ بات کچھ کی کچھ بن گئی۔ اب باوا جی کے پاس کوئی نہیں
پھٹکتا۔ ساری مان پرتشٹھا جاتی رہی۔ اس حالت کو دیکھ کر باوا جی تو نہ
معلوم کہاں کو روانہ ہو گئے۔ آج تک پتہ نہیں ملا کہ کہاں ہیں +

بھگت آیا رام جی بدستور اپنا کام زراعت کاری کا کرنے لگے مگر
اُن کا دل نہیں لگتا تھا۔ پڑوسی بھی بات بات پر جھگڑا کرتے تھے۔ چنانچہ
ایک دفعہ پانی کے تکرار پر اُن کو ایک ایسا دھکا لگا جس سے وہ زمین پر گرنے
لگے انہوں نے اپنا ہاتھ زمین پر ٹیک کر چت چوپھال گرنے سے تو اپنے
آپ کو بچایا مگر اُس ہاتھ کی ایک اُنگلی ٹوٹ گئی جو آخیر دن تک ناکارہ رہی
خیر جس طرح سے ہوا گذارہ کرتے رہے +

میں نے اُس وقت سے ایسا برتاؤ رکھا کہ جب کبھی دائرہ دین پناہ
میں جاتا تو بھگت جی کو خود جا کر چاہ ٹھاکرہ والا پر ملتا۔ اور حالِ احوال

ٹہل سیوا پوچھ لیا کرتا۔ میرے ملنے پر بھگت جی کچھ شرمندہ سے ہو جایا کرتے تھے اور کہتے کچھ نہ تھے۔ آخری دفعہ ۱۸۹۱ء کا کوئی مہینہ تھا۔ کہ بابو ہری موہن نیوگی سٹیشن ماسٹر دائرہ دین پناہ کی کنیا کا بواہ ویدک ریتی کے انوسار ریلوے سٹیشن دائرہ دین پناہ پر ہؤا۔ اس موقعہ پر مَیں بھی گیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھگت جی نے بھی اس بواہ کو دیکھا۔ اور بواہ کے بعد دوسرے دن مَیں اپنے دستور کے موافق بھگت جی کے ملنے کو چاہ بھٹا کرہ والا پر گیا بھگت جی نے کہا کہ مَیں نے بڑی غلطی کی ہے۔ فقیر کے کہنے پر مَیں نے اپنی پرتگیا کو توڑا۔ اب مجھے بڑی بجیا آتی ہے۔ اور مَیں کہہ نہیں سکتا۔ مگر میری آرزو اب یہ ہے کہ آریہ سماج پھر میرا اُدّھار کرے۔ اور مجھے اس بندھن سے نکالے میری جائیداد لے لیوے۔ آریہ سماج میں یہ سوال دوسری دفعہ پیش ہو کر منظور ہوگیا۔ لالہ بھوجہ رام جی نانگپال نائب صدر قانونگوے دائرہ دین پناہ کے رہنے والے مظفر گڑھ میں تعیّنات تھے۔ اُن کی امداد سے اس کام کے سرانجام کا انتظام کیا گیا۔ بھگت آیا رام جی سنانواں میں آئے ہیں اور لالہ بھوجہ رام جی مظفر گڑھ سے سنانواں میں گئے۔ بھگت جی کے بھائیوں کو لوگوں نے بھڑکایا کہ دیکھو تمہاری جائیداد آریہ سماج کو دی جارہی ہے تم کوئی عذر اور اعتراض پیش کرو۔ مگر انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ یکم ستمبر ۱۸۹۱ء کا دن تھا لالہ رنجیت رائے کھتری سکنہ ملتان جو کہ مہتہ ٹیک چند صاحب وکیل ملتان کے ایجنٹ رہے ہیں۔ آریہ سماج کے شردھالو ہتکاری ہیں۔ کسی اتفاق سے سنانواں میں موجود تھے یہ حال معلوم کرکے بڑے خوش ہوئے۔ اور ہبہ نامہ کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ سب رجسٹرار کا کام اُن دنوں میں تحصیلدار صاحبان کیا کرتے تھے منشی الٰہ بخش صاحب سکنہ ضلع ڈیرہ غازی خاں اُن دنوں سنانواں کے تحصیلدار تھے۔ انکے روبرو رجسٹری کے واسطے ہم سب حاضر ہوئے۔ تحصیلدار صاحب نے بھگت جی سے

پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی اور چیز اپنے گزارہ کے واسطے بھی موجود ہے یا نہیں۔ بھگت جی نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہے۔ پھر کہاں سے تم کھاؤگے اور اپنا گزارہ کس طور سے کروگے۔ بھگت نے جواب دیا کہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جن کے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے۔ جس طور سے وہ سب اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ میں بھی کرونگا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی خوشی سے کیا ہے۔ کسی کی بہکاوٹ یا ترغیب سے میں نے ایسا نہیں کیا۔ میرے بدن پر جو پارچات پہرے ہوئے ہیں اگر یہ بھی دھرم کے کام میں آسکیں تو میں ان کے اُتار دینے کو بھی تیار ہوں۔ تحصیلدار صاحب کی تسلی ہو گئی اور رجسٹری اُنہوں نے حسب ضابطہ کردی۔ اب بھگت جی کو ہم سے رخصت ہونا تھا۔ کیونکہ ہم تو مظفرگڑھ کو آنے والے تھے اور بھگت جی نے دائرہ دین پناہ کو جاتا تھا۔ اُن کی جائے پیدائش اور اس ۴۶ سال کی عمر تک جائے رہایش اسی جگہ رہی تھی۔ اب وہ کہاں جاتے۔ رخصت کے وقت میں نے بھگت جی سے پوچھا کہ اب آپ کیا کروگے جواب دیا کہ جو کچھ مناسب ہوگا کرونگا۔ اور جس طرح سے ہو سکے گا۔ محنت مشقت کرکے گذارہ کر لوں گا۔ میں نے کہا کہ زمین کا کیا حال ہوگا۔ کہا کہ آپ کہوگے تو میں چاہ پر کبھی کبھی جاکر حالت کو دیکھ آیا کرونگا۔ اس کے سوائے میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں تو اب سب کچھ دان کر چکا ہوں۔ میں نے اُن کو کہا کہ دیکھو بھگت جی میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ اُسی طور سے چاہ ٹھاکرہ والا پر رہو جس طور سے اب تک رہتے رہے ہو۔ اور وہ سب کام کرو جو کہ کرتے تھے۔ اب صرف اتنا فرق ہوگا کہ پہلے آپ سمجھتے رہتے ہو کہ یہ سب کچھ میرا ہے۔ اب سمجھو کہ آریہ سماج کا ہے۔ اور کسی کام کے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور آریہ سماج کی طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ جو کام مناسب ہو وہ کیا کرو۔ جس چیز کی ضرورت

ہو ایک کارڈ لکھوا کر بھیجدیا کرو۔ وہ چیز آپ کے پاس بھیجدی جایا کریگی اور سرکاری معاملہ اراضیات کا ہم خود ادا کیا کرینگے۔ آپ سے کوئی باز پرس نہ کرے گا۔ پیداوار میں سے جو کچھ تمہارے خرچ سے بچا کرے وہ آریہ سماج کو دیدیا کرو۔ نہ بچے تو ہری اچھیا۔ یہ بات بھگت جی نے منظور کر لی اور دائرہ دین پناہ کو روانہ ہو گئے +

بھگت آیا رام کی آتما ایک مہان آتما تھی۔ اس نے موہ مایا جنجال کو اپنی آتمک اُنتی کے راستہ میں ایک مضبوط چٹان سمجھ لیا تھا۔ زراعت کاری کا کام کرتے ہوئے ان کو اپنی اُنتی کا اس قدر خیال تھا کہ سب سے پہلے اُس نے حقہ تمباکو بھنگ وغیرہ بیسن جو کہ فقیروں کی صحبت سے اس کو اچھی طرح سے لگے ہوئے تھے۔ سب کے سب یک لخت چھوڑ دیئے اور ویدک دھرم کے انوکول اُپاسنا۔ پرارتھنا اور بھجنوں کی اسقدر تعداد لوگوں سے سُن سُن کر انہوں نے حفظ یاد کر لی جس کا پاٹھ وہ ہر روز صبح چار بجے بعد شوچ سنان کے شروع کرتے اور وہ ۷۔۸ بجے تک ختم ہوا کرتی تھی۔ شام کو قریب دو گھنٹہ وہ پرماتما کے بھجن میں مگن رہا کرتے تھے۔ سب کے ساتھ پریم اور پریتی کا بھاو اُن کے دل میں تھا۔ اُن کی بڑی پربل اچھا تھی کہ دائرہ دین پناہ میں ویدک دھرم کا پرچار ہو۔ اُن کے پریم اور پُرشارتھ کی وجہ سے دائرہ دین پناہ میں آریہ سماج بھی قائم ہو گیا تو سب لوگوں نے اتفاق رائے سے اُن کو اس آریہ سماج کا پردھان بنایا۔ رات کے دس دس بجے تک بھگت جی شہر میں آریہ سماج کے ست سنگ کی وجہ سے موجود رہتے اور بڑی دیر سے اپنے ڈیرہ چاہ ٹھاکرہ والا پر جایا کرتے +

بھگت جی کی خواہش کو دیکھ کر آریہ سماج مظفر گڑھ نے دائرہ دین پناہ میں ایک خیراتی شفا خانہ کھولا۔ اس میں بیماروں کو دوائی مفت دی جاتی اور لالہ کشن چند جی حکیم سکنہ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ بڑے شوق اور

پریم سے علاج کیا کرتے تھے۔ بیماروں کے گھر پر بلا فیس کے جاتے تھے اس کے علاوہ ایک پُتری پاٹھ شالہ بھی کنیاؤں کی تعلیم کے واسطے دائرہ دین پناہ میں جاری کی گئی یہ سب کام بڑی عمدگی اور شانتی سے ہو رہے تھے۔ نہ صرف دائرہ لواسی بلکہ کوٹ سلطان احسانپور اور کوٹ ادو ستانواں تک کے بھی کوئی کوئی بیمار دائرہ دین پناہ میں حکیم کشن چند جی سے علاج کروانے کے واسطے آیا کرتے اور ان کو اپنے شہروں میں بُلایا کرتے تھے۔ اس رونق کو دیکھ کر آریہ سماج مظفر گڑھ کے اوہیکاریوں کو خیال ہو گیا تھا۔ کہ شفاخانہ کا مکان تعمیر کر لیا جاوے۔ اِدھر تو یہ ہو رہا تھا۔ مگر دوسری طرف کیا ہونے والا تھا۔ ہمارے دیش کی دُرگتی اور دُردشا ہر جگہ پر آ کر کام میں رکھن ڈالنے کو شیر جتنی طاقت رکھتی ہے۔ اُس نے اِن کاموں کو بھی چلنے نہ دیا۔ اس کی تفصیل کرنے کو دل دُکھی ہوتا ہے۔ مگر واقعات کا کچھ نہ کچھ ظاہر ہو جانا مناسب بھی ہے تا لوگ آئندہ کے واسطے کچھ سبق سیکھیں۔ اور جن لوگوں نے خون جگر کو پی کر ایسے تلخ تجربوں کو دیکھا اور ملاحظہ کیا ہے۔ اُن کی محنت ضائع نہ جائے +

وہ کیا ہُوا جس نے اِس پریم کی لہر کو اُٹھتے سمے ہی دبا دیا اور ضد اور نفسانیّت کا راج ہو گیا۔ دائرہ دین پناہ کے اہلِ ہنود شمشان کو چاہ ٹھاکرہ والا کی حدود کے اندر سے گزر کر مرتک پرانیوں کو لے جایا کرتے ہیں۔ قصبہ کی آبادی چاہ ٹھاکرہ والا کے مشرق کو اور شمشان بھومی مغرب کو ہے۔ آدھے فاصلہ تک تو چاہ اور مکانات پر جانے کے واسطے اپنا راستہ بنا ہوا ہے اس کے آگے دو چاہات کے حد ملحقہ پر ایک کسی ہے۔ شمشان بھومی کو دونوں میں سے جس چاہ کی اراضی غیر آباد ہوا کرتی اس میں سے گذر جایا کرتے تھے مگر کسی کے خیال میں اب ایسا سمایا کہ بھگت والی اراضی میں سے مستقل راستہ شمشان کا حاصل کیا جاوے۔ چنانچہ ایک دن جو ایک مُردہ کو شمشان بھومی میں

لے کر گئے تو دوسرے چاہ کی حدود کے اندر سے گئے تھے۔ جب مُردہ
جلانے لگے تو بہت سے لوگوں نے جو بیکار تھے مشورہ کیا کہ چلتے وقت
بھگت کی اراضی میں سے ہو کر چلیں۔ جس کو تازہ پانی دیا ہوا تھا۔ بھگت
ناراض ہو گا جھگڑا ہو جاوے گا۔ سرکار میں نالش کرینگے اور راستہ الگ
کروا لیا جاوے گا۔ یہ صلاح پختہ کر کے یہ لوگ آب پاشی کی ہوئی زمین میں
سے گزرے۔ جبکہ پاؤں کیچڑ میں بھرتے جاتے تھے۔ بھگت آیارام نے
جب دور سے یہ حال دیکھا تو کچھ سخت سست کہا۔ یہ تو تھا بولنے والا
ایک اور وہ تھے بہت۔ اس نے ایک لفظ ان کے برخلاف کہا اور
انہوں نے ایک ایک بھی کہا تو سو لفظ اُس کے مقابلہ میں اُنکی طرف سے
کہدیا گیا۔ پھر ان لوگوں نے نالش کر دی کہ بھگت آیارام نے شمشان بھومی
کا راستہ روک لیا ہے مُردوں کو شمشان میں لے جانے نہیں دیتا۔ ان
لوگوں کو ہر چند سمجھایا گیا کہ یہ زمین آیارام کی ذاتی ملکیت نہیں ہے آریہ
سماج بھی اسکی آمدنی کو تم لوگوں کی بہتری کے واسطے خرچ کرتا اور کرنا
چاہتا ہے۔ دیکھو تمہاری کنیاؤں کی تعلیم کے واسطے تمہارے گاؤں میں
پُتری پاٹھشالہ کھولی ہوئی ہے اور تم لوگوں کا بیماری میں علاج کرنے کے
واسطے شفاخانہ جاری کیا ہوا ہے۔ دوائی تک کی بھی قیمت تم سے نہیں
لی جاتی۔ پھر تم کو حدود چاہ کے اندر آنے جانے اور شمشان بھومی کو
مُردہ لے جانے کے واسطے کوئی نہیں روکتا۔ تم لوگ کیوں ایسا کولاہل
کر رہے ہو مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔ مقدمہ کی پیروی کرنی پڑی جس میں
بھگت کے برخلاف کچھ نہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرے شخص کے نام
پر مقدمہ دائر ہو گیا اس کا انجام بھی بخیر ہوا۔ پھر بھی کئی لوگوں نے بھگت
جی کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ آخر بھگت جی نے تنگ ہو کر اپنے وطن اور جنم
بھومی کا ترک کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر منظفر گڑھ میں

آمگئے۔ اور ارادہ یہ ظاہر کیا کہ اب وہاں نہ جاوینگے۔ ہردوار۔ رشی کیش
وغیرہ مقامات میں جاکر پرماتما کا بھجن کرینگے بھگت جی کو تسلی دی گئی اور
کہا گیا کہ آپ کی مرضی جو ہوگی اس کے انوکول سب کام ہوجاوے گا۔
آپ کے ارادہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ آپ کہیں باہر جاویں
تو آپ کو اختیار رہے۔ تاہم باہر جانے کو ریل کا کرایہ۔ کھانے کو روٹی اور
پہننے کو کپڑا تو چاہیئے۔ جس کا انتظام آپ کے واسطے آریہ سماج کرے گا آپ
چند روز یہاں ٹھہریں اور آرام کریں۔ آریہ سماج میں آپ کا معاملہ پیش کیا
جاوے گا۔ جو کیا گیا۔ بھگت کی نشکام بھگتی اور کارکردگی اراضیات کی
حیثیت جس سے ترقی کرگئی۔ چاہ اوکاہنہ والا پورانہ ہوکر ناکارہ ہوگیا تھا
جدید چاہ لگوایا۔ چاہ راجہ والا کا حصہ تبادلہ میں دے کر ساری اراضی چاہ
اوکاہنہ والا میں کرلی۔ اور کچھ اراضی خرید بھی کی اور ہر طرح سے کفایت
شعاری سے گذارہ کرتا رہا۔ اور پورے چوبیس سال تک خدمت کی ان
سب امور کا خیال کرکے آریہ سماج نے اپنی ۲۷ ہاڑ اور ۱۰ ساون سمت ۱۹۷۲
کی انترنگ سبھا میں فیصلہ کیا کہ بھگت آیا رام جی کو اراضیات دارہ دین
پناہ کی نگرانی کے بوجھ سے سبکدوش کیا جاوے۔ چنانچہ لالہ سیوارام
جی کو جو کہ یتیم خانہ مظفر گڑھ میں بھنڈاری کا کام کرتے تھے۔ کاردار بنا
کر بھیجدیا گیا اور بھگت آیا رام کے واسطے ایک سو روپیہ سالانہ کی پنشن مقرر
کی گئی۔ اُن کو اختیار دیا گیا کہ آپ مظفر گڑھ میں رہیں یا باہر جاویں یہ
روپیہ آپ خرچ کرسکتے اور جہاں ہوں منگوا سکتے ہیں۔ اس طور سے فیصلہ
ہونے تک بھگت جی یتیم خانہ مظفر گڑھ میں رہے۔ چھوٹے بچوں کی پرورش
اُن کی سیوا۔ اُن کے کھان پان اور پڑھائی کا حال دیکھتے رہے۔ اُن کے
من میں خیال پیدا ہوا کہ یہاں رہ کر کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیویں اور ان
بچوں کی سیوا ہی کرتے رہیں۔ جس شخص نے ساری عمر کام کرنے میں گذاری ہو

بیکار بیٹھنا اس کے واسطے مشکل ہو جاتا ہے چنانچہ انہوں نے پڑھنا
بھی شروع کر دیا اور بھنڈار کا کام سنبھال لیا۔ جس کو وہ بڑی پریتی اور
اُتم ریتی سے کرنے لگے۔ اپنا نت کرم پرماتما کا بھجن برابر چار بجے صبح سے
کرتے رہے۔ سمت ۸۲ میں ایک خفیف وجہ سے اُن کے داہنیں ہاتھ پر
چوٹ لگی اُس سے تھوڑا سا زخم ہو گیا جو اتنا بڑھ گیا کہ اُن کو سرکاری
شفاخانہ میں بطور انڈور بیمار کے داخل کیا گیا۔ وہاں عرصہ ۹ ماہ کے قریب
رہنا پڑا۔ ڈاکٹر لچھمنداس جی سول سرجن نے بڑی مہربانی سے علاج
کیا۔ کئی دفعہ ہاتھ کو چیرا اور پھاڑا گیا۔ بار بار زخم ہو جاتا تھا۔ آخر اسقدر
عرصہ کے بعد ہاتھ کی ایک اُنگلی بیکار ہو کر زخموں سے نجات ملی۔ اس عرصہ
میں ایک خاص آدمی بھگت جی کی سیوا کے واسطے ملازم رکھا گیا جو دن رات
اُن کے پاس رہتا اور یتیم خانہ کے لڑکے جو اُن کے پریم کی وجہ سے اُن
سے مانوس ہو گئے تھے اُن کی سیوا کرتے رہے ۔

آنکھوں کی بینائی کم ہو گئی تھی اُن کا خیال تھا کہ اب ایکانت میں رہ
کر بھجن کریں۔ قریب ایک ماہ تک ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء میں دیانند آشرم میں چلے
گئے۔ آنکھوں کے اپریشن کرانے کا ان کا خیال تھا۔ مگر وہ اپنی زبان
سے عام طور پر کبھی کوئی فرمایش نہ کرتے تھے جس پر کچھ خرچ اُنکی ذات
کے واسطے ہو۔ ان کو کہا گیا کہ موگہ میں رائے صاحب ڈاکٹر متھراداس جی
آنکھ بنانے کے اُستاد ہیں آپ وہاں چلیں۔ اس پر رضامند ہو گئے۔
موگہ میں اُن کو دو آدمیوں کے ساتھ بھیجدیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی
مہربانی کی اور اپریشن کامیاب ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک موگہ میں رہکر لاہور
یتیم خانہ مظفرگڑھ کی شاخ واقعہ چنگڑ محلہ میں آگئے اور ایک ماہ کے
قریب یہاں بھی رہے۔ پھر مظفرگڑھ میں آگئے۔ عمر ضعیف ہو گئی تھی اب
انہوں نے بھنڈار کی نگرانی وغیرہ کام سے کنارہ کر لیا تھا۔ مگر تاہم اُنکی یتیم خانہ

ہیں بچوں کے درمیان موجودگی بڑی شوبھائمان تھی۔ جو لوگ یتیم خانہ
کے دیکھنے کو آیا کرتے اُن کے ساتھ بات چیت کرنے اور یتیم خانہ کی حالت کو
بتلانے کا کام بڑی خوبی سے کیا کرتے تھے۔ ۱۰ پھاگن سمت ۱۹۷۶ مطابق
۲۱ فروری ۱۹۲۰ء بروز سنیچروار رات کو طبیعت میں کچھ ہرج بتلایا اور
کھانا نہ کھایا۔ رات کو کچھ تکلیف زیادہ ہو گئی۔ صبح ۲۲۔ فروری کو علاج شروع
کیا گیا۔ لالہ نہال چند اسسٹنٹ مینیجر یتیم خانہ۔ پنڈت ہری ناتھ ادھیاپک
اور سب لڑکے اُن کی خدمت کرتے رہے۔ ۲۴ فروری کی صبح کو میں بھی لاہور
سے آ گیا۔ میرا ارادہ جنوبی سنسکرت پاٹھشالہ کے سالانہ جلسہ پر جانے
کا تھا۔ مگر بھگت جی کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے جنوبی کا جانا ملتوی
کر دیا۔ اور بھگت جی کے پاس ڈیرہ لگا دیا۔ دائرہ دین پناہ کے لوگ اب
بھگت جی سے پریم کرنے لگے تھے۔ جو رنجیدگی ایّام گزشتہ میں اُن کے باہمی
تعلقات میں ہو گئی تھی۔ اسکو سب بھول چکے تھے۔ کیونکہ دائرہ دین پناہ
کے لوگ عام طور پر بہت شریف اور ہمدرد دل کے مالک ہیں۔ دھرم کے
کاموں میں بہت کچھ حصّہ لیتے رہتے ہیں۔ بھگت جی کے ساتھ مذکورہ
بالا سلوک جو ہوا وہ کوئی قدرتی تھی۔ جس کے واسطے کسی پر دوش نہیں
دیا جا سکتا۔ بعد میں بھگت جی دو تین دفعہ دائرہ دین پناہ میں ہو بھی آئے
تھے۔ وہاں کے سب لوگ بڑے تپاک اور پریم سے بھگت جی کو ملا کرتے
بہت سے لوگ جو مظفر گڑھ میں اپنے کاموں اور مقدمات کی پیروی وغیرہ
کے واسطے آیا کرتے تھے۔ وہ بھگت جی کے درشن یتیم خانہ میں کرتے تھے اور
بھگت جی ہر طرح سے اُن کی خاطر اور خدمت بڑے پریم سے کرتے
تھے۔ میں نے بھگت جی کی حالت کو دیکھ کر ایک خط دائرہ دین پناہ میں
بھجوا دیا کہ بھگت جی کی حالت ایسی ہے کہ شاید بچ رہیں مگر اگر کوچ کر
جاویں تو آپ لوگ بعد میں مجھ پر الزام نہ دیں کہ بھگت جی کی حالت کی آپ

لوگوں کو خبر نہ دی۔ اور ۲۵ فروری کو مظفر گڑھ کے بہت سے لوگوں
آریہ سماج اور یتیم خانہ کے سبھا سدوں کو اطلاع دی کہ ایک بزرگ اس
وقت آخری حالت کوچ کی تیاری میں ہے۔ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ہونا
کیا ہے اس حالت میں اس کا درشن کرنا تیرتھ یاترا کے برابر ہے چنانچہ
کئی ایک صاحبان آئے اور بھگت جی کی حالت کو دیکھ گئے۔ ۲۶ فروری برہسپت وار
۵ پھاگن صبح طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ سوامی ستیہ دیو جی اپدیشک جتوئی کو جاتے
ہوئے ان کو دیکھنے کو آئے تو کچھ بات سمجھ سکتے اور بات کا جواب بھی
دیتے تھے۔ پرماتما کے نام اوم کا اچارن کرتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد
سوامی سرودانند جی مہاراج تشریف لائے تو ان کو کچھ ہوش نہ تھی نہ ان
کو پہچانا اور جب یہ کہا گیا کہ شری سوامی سرودانند جی ہیں تو اس کو سمجھا بھی
نہیں۔ مگر سوامی جی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد نبض درست ہو گئی اور
کہا کہ ان کے واسطے کھچڑی پکائی جاوے۔ ۲۱ فروری رات کو جب
بیمار ہوئے اس وقت سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ آج ۲۶ کو کھچڑی کی فرمایش
کی جو تیار کی گئی۔ اور آدھ گھنٹہ کے بعد پھر کھچڑی کو یاد کیا۔ کھچڑی
تیار ہو چکی تھی۔ ایک بچے نے ان کے منہ میں تھوڑی کر کے ڈالی
اسے کھا گئے۔ میں نے سمجھا کہ اب حالت کچھ سنبھلنے والی ہے مگر آدھ گھنٹہ
کے بعد ایک دم زور سے نکلا اور جیو آتما اسی کے ساتھ پرواز کر گیا۔ سنسکار
انتیشٹی سنسکار ویدی کے موافق کیا گیا۔ دائرہ دین پناہ کے لالہ آسانند
گھولاٹی اور مظفر گڑھ کے لالہ گوردتا رام جی گاندھی آنریری مجسٹریٹ اس سنسکار
کے وقت موجود تھے۔ یتیم خانہ کمیٹی نے بھگت آیا رام جی کی یادگار میں گئو
شالہ کی اراضی واقعہ موضع منسا رام سندیلہ میں ایک پختہ چاہ لگوایا ہوا
ہے جس کا نام آیا رام والا رکھا ہوا ہے۔ مگر بھگت کے سداچار اور
اپنی اوستھا پر وچار کی ایک ایسی یادگار ہے جس پر لوگ دھیان دیویں

تو بھوساگر سے پار اترنے کا ایک اُتم ہتھیار ان کے ہاتھ میں آسکتا ہے
بھگت جی کے اور حالات بھی ہیں جو بعد میں پرکاشت کئے جاوینگے۔

اِستریوں پر اَتیاچار

اول تو اکثر اُن کے والدین ماتا پتا ہی نے بہت سی حالتوں میں اپنی معصوم اور بے گناہ کنیاؤں پر اس قسم کا ظلم روا کر رکھا ہے جس کی کسی دشمن سے بھی جس کے دل میں پریشور کا بھے اور خدا کا خوف ہے۔ اُمید نہیں کی جاتی۔ اِن بیچاری بے زبان اور سادہ لوح کم عمر لڑکیوں کو بازار کے سودے کے موافق قابلِ خرید فروخت چیزوں کی ذیل میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ گائے۔ بھینس۔ بیل۔ گھوڑی اور بھیڑ بکری کو جس طور سے فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہی نوبت اِن بیچاریوں کی آرہی ہے چونکہ والدین نے ان کے جسم سے نفع کمانے کی ٹھان رکھی ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ اپنے بھلے اور بُرے کی تمیز کر سکیں اور اس قابل ہوں کہ اپنی زندگی کے متعلق کوئی رائے قائم کریں۔ ان کو اپنی ذاتی طمع نفسانی کے واسطے قانون کی قید میں جکڑ دیا جاتا ہے اور اُن کا بواہ کر دیا جاتا ہے جس کے بعد اُن کا کسی قسم کا اختیار اپنے جسم اور ذات کے متعلق قائم نہیں رہتا وہ دوسرے کی ملکیت ہے۔ جیسا کہ ایک بکری یا ایک گائے ہے۔ گائے کو جس کے حوالہ اس کا مالک کر دیوے۔ گائے کی مرضی اور رضامندی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ جس کے حوالہ گائے کا مالک کر دیوے گائے بلا چوں وچرا کے اُسی کے ساتھ ہو کر چلی جاتی ہے خواہ رکشک کے ساتھ کی جاوے خواہ بھکشک کے۔ وہ بیچاری نہ بولتی ہے اور نہ بول سکتی ہے یہ دستور اور رواج بہت پُرانا نہیں ہے مگر بُرائی کا بیج تو

ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ جب دھرم کا خیال لوگوں میں مضبوط ہوا تو برائی
کو پھولنے اور پھلنے کا موقعہ ملا۔ جوں جوں آلس اور لالچ لوگوں میں
بڑھنے لگا کھوٹے رواجوں نے جڑ پکڑ لی۔ اور دنوں دن اُن کی ترقی
ہوتی گئی۔ پچاس سال کے پہلے کا ذکر ہے کہ برادری کا زور ہوا کرتا تھا
کوئی شخص اگر لڑکی کے بیچنے کا ارادہ بھی کرتا تو برادری کے خوف سے اس کو
پورا نہ کر سکتا تھا۔ عرصہ ۵۵ سال کا ہوا۔ جبکہ میری عمر کوئی ۸ و ۹ سال کی
ہوگی۔ ایک دن شام کو غروب آفتاب کے بعد میں نے دیکھا کہ بہت سے
آدمی ایک مکان کے اندر جا رہے ہیں۔ میں بھی اُسی مکان میں چلا گیا وہاں
میں نے دیکھا کہ صحن میں فرش بچھا ہوا ہے اور لوگ آ کر اس پر بیٹھتے جاتے
ہیں۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ تو ایک صاحب نے
ایک اِستری سے جو وہاں بیٹھی ہوئی تھی کہا! چاچی جی تم کو معلوم ہے کہ چاچا
راودھامل نے کیا کام کیا ہے؟ چاچی جی نے جو راودھامل کی استری تھی
جواب دیا۔ کہ ہاں میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے۔ مگر میرا اس کام میں کوئی
دخل یا مشورہ نہیں ہے اور نہ میں چاہتی ہوں کہ یہ کام ہووے۔ بات
یہ تھی کہ اس کے خاوند نے اپنی لڑکی کو جو پہلے ایک جگہ منگی ہوئی تھی
کچھ روپیہ لینا کر کے دوسری جگہ بیاہ دینے کی تجویز کی تھی۔ اور کچھ
روپیہ لے بھی آیا تھا۔ مگر جب برادری کو خبر ہو گئی تو گھر سے نکل کر
کہیں چلا گیا۔ جب برادری کا اکٹھ ہوا تو وہ شہر سے غیر حاضر تھا اسواسطے
برادری نے اس کی اِستری کو بلایا اور اس معاملے کا اس سے ذکر کیا
اُس کو دھرم اور برادری کے انکول پایا تو پوچھا کہ اب تم کیا کرنا چاہتی
ہو۔ اس نے کہا جو کچھ برادری کرے میں وہی چاہتی ہوں۔ برادری
کی طرف سے یہ کہا گیا۔ کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جس جگہ لڑکی پہلے منگی
ہوئی ہے۔ اسی لڑکے کو بلا کر لڑکی کا بیاہ اس سے کر دیا جائے۔ چاچی

جی نے اس کو منظور کر لیا۔ اور چند ہی روز میں معمولی تیاری کر کے لڑکی کا بواہ برادری نے کر دیا۔ راودھا مل جی بواہ کے بعد ایک رات چوری سے اپنے گھر آئے اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر وطن سے جلا وطن ہو گئے۔ اور آجتک اُن کا پتہ نہیں ملا کہ وہ کہاں ہیں۔ اِس قدر سختی کا برتاؤ برادری نے اُن لوگوں سے کیا۔ کہ جنہوں نے لڑکی کے ٹکے لینے کا ارادہ کیا۔ مگر جن لوگوں نے دوسرے شہروں میں جاکر اور روپیہ دے کر لوگوں کی لڑکیوں کو خریدا۔ اور اُن سے بواہ کر کے اپنے شہروں میں لے آئے۔ اُن سے کسی نے بھی بازپرس نہ کی۔ بلکہ اُن کو مبارکباد اور ودھائی دینے لگے۔ اور اُن کے ساتھ بواہ کی خوشیوں میں شریک ہوئے اگر یہ لوگ خرید کر لانے والوں کو بھی اپنا زور دکھلاتے اور اُن کو ایسا کام کرنے سے روکتے تو اتنی خرابی نہ ہوتی +

مگر ایسا کرنے کی برادری نے جرأت نہیں کی۔ اسی وجہ سے آہستہ آہستہ وہ نفرت بھی کم ہوتی گئی۔ جو کہ ابتدا میں لڑکیوں کی قیمت لینے والوں سے کی جاتی تھی۔ اُن دنوں میں عام طور پر لوگوں کا خیال اور دھرم یہ تھا۔ کہ لڑکی جہاں تک ممکن ہو دور فاصلے پر بیاہی جاوے اور اُس شہر کا پانی تک بھی وہ لوگ نہ پیتے تھے۔ چنانچہ میرے نانا مرحوم پنڈت ہربھج رائے جی جو دیوی کے بھگت تھے۔ ہر سال نوراتے کے دنوں میں چنت پورنی دیوی کے مندر کو جایا کرتے تھے۔ چونکہ اُنکی پُتری کے سسرال راستے کے قریب تھے۔ وہ دوسرے گاؤں کی حدود میں بیٹھ کر اپنی پُتری کو اپنے آنے کی خبر کرتے۔ اور وہیں سے مل کر چلے جایا کرتے تھے۔ مگر اب جو حالت ہو رہی ہے۔ اِس کا۔ اُس کا زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے تاہم اس وقت بھی بہت لوگ اپنے دھرم پر قائم ہیں مگر جو لوگ دھرم سے پتت ہو گئے ہیں اُن دنوں میں اُن کے بزرگ بھی تو دھرم پر

تاہم تھے۔ بہر حال جس قدر لوگوں نے یہ پاپ کرم جاری کر دیا ہے دھرم پر چلنے والوں کی تعداد بھی اُسی قدر کم ہو گئی ہے۔ اب اگر اس معاملہ پر پورا پورا وچار کر کے اس کا علاج نہ کیا جاوے گا۔ تو روز بروز کمی ہوتی جائے گی اور ایک دن ایسا آوے گا۔ کہ کوئی بھی کُل اور خاندان اس بھرشٹ کرم سے بچا ہؤا نظر نہ آوے گا ×

اِس قدر گراوٹ کی وجوہات میں سے ایک یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کی ایک ایک یا دو دو استریاں مر چکی ہیں اور وہ کنواری کنیاؤں سے بواہ کرنے کے یوگیہ نہیں۔ وہ بھی اپنا بواہ کنواری کنیا سے کرنا چاہتے ہیں۔ بڑی عمر ہونے سے اپنی نوعمر لڑکی کوئی خوشی سے اُن کو دیتا نہیں اور دولت اُن کے پاس کافی ہے اس لیے وہ اپنے دھن اور دولتمندی کے دباؤ سے اپنے بواہ کا انتظام کرتے ہیں۔ غریب لڑکی والے کو قرض کے جال میں پھنسا کر اور لالچ دے کر لڑکی دینے پر رضامند کر لیتے ہیں۔ پھر جب لڑکی والوں کو سواد پڑ گیا۔ وہ اپنا راستہ آپ نکال لیتے ہیں۔ ایک کو دیکھ کر دوسرا دلیر ہو جاتا ہے۔ اور رواج پڑ جاتا ہے۔ پھر تو اس کام کو ایک اعلےٰ درجے کا منافع بخش بیوپار جان کر کئی ترکیبیں نکال لیتے ہیں۔ تاکہ اس سودے کا منافع زیادہ سے زیادہ مل سکے ×

جب کھلم کھلا یہ بیوپار جاری ہو گیا تو شرم کیوں (شرع میں شرم کیوں) اس مشہور ضرب المثل کے بموجب ایسے بیوپاریوں کو کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں رہتا۔ اور وہ ایسے موقعہ کی تاک میں رہتے ہیں۔ کہ لڑکی کے وجود سے جس قدر ممکن ہو۔ زیادہ منافع مل سکے ×

پس لڑکیوں کو زیادہ دیر تک بٹھلا رکھتے ہیں۔ جس سے ایک تو عمر زیادہ ہونے سے قیمت بڑھ جائے گی۔ دوسرے کوئی ایسا خریدار مل جاویگا جو گانٹھ کا پورا ہو اور اُسے لڑکی نہ ملتی ہو۔ وہ ایسے شخصوں کی تلاش میں

رہتے ہیں۔ جو بوڑھے ہوں۔ دولتمند ہوں۔ اولاد نہ رکھتے ہوں۔ ایسے شخص کو جوان لڑکی دینے سے اول تو قیمت زیادہ سے زیادہ مل جاتی ہے جو اس سودے کی پہلی قسط سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ ایسا خریدار سمجھتا ہے کہ اگر میں اب بھی بواہ کروں تو ممکن ہے کہ کوئی لڑکا پیدا ہو جائے خاندان اور بزرگوں کا نام قائم رہے۔ اس لئے وہ جلدی کرتا ہے۔ اور آگا پیچھا کچھ نہیں دیکھتا۔ چاہتا ہے کہ روپیہ خواہ کتنا بھی کیوں نہ خرچ ہو مگر عورت ضرور ملے۔ اور جلدی ملے۔ اس کام میں دیری کا ہونا اس کے واسطے زہر قاتل ہے۔ ادھر لڑکی کا والد بھی تجربہ کار ہے۔ بوڑھے خریدار کے دل کی حالت کو بخوبی جانتا ہے۔ ایسے طرز اور انداز سے بات کرتا ہے کہ اسکو کچھ پرواہ بھی نہیں۔ اور جو کچھ منہ سے مانگتا ہے اس سے کوڑی کم لینے کو تیار نہیں +

بات میں بات یاد آگئی۔ ایک بوڑھے لالہ جی نے دو ہزار روپیہ دینا کر کے بواہ کا سودا مقرر کیا۔ روپیہ گن گن کر دینے لگے۔ تو اُن کے ایک خیر خواہ نے لڑکی کے پتا جی کی سیوا میں عرض کی۔ کہ لالہ جی اپنے داماد پر مہربانی کر کے کچھ رعایت کریں۔ دھرماتما پتا جی نے فرمایا کہ واہ ایسے سستے سودے میں بھی کہیں رعایت ہو سکتی ہے؟ ہم تو دو ہزار سے بھی ایک روپیہ اُوپر لیں گے۔ جب دو ہزار گنا جا چکا تو بوڑھے لالہ جی نے فرمایا۔ کہ مہاراج اوپر والا ایک روپیہ بھی آپ لیویں اور اپنے خیال کو پورا کر لیویں۔ بواہ کے وقت جب کنیا دان کا سمے آیا۔ تو لالہ جی نے کہا کہ بھائی اب سنکلپ اور دان کیسا؟ میں نے تو دو ہزار اور ایک روپیہ نقد دے کر عورت خرید کی ہے۔ میں دان اٹھانے والا نہیں ہوں۔ جب بواہ کے بعد لالہ جی زنانہ مندر میں گئے۔ تو عورتوں نے اُن کو کہا کہ اپنی ساس کو پالاگن کرو۔ تو لالہ جی نے کہا اگر ساس جی کی عمر مجھ سے بڑی ہو تو میں اُنکی قدمبوسی

کو تیار ہوں۔ مگر جب ساس مجھ سے عمر میں کہیں چھوٹی ہے، تو اُس کو چاہئے۔ کہ میرے چرنوں کو ہاتھ لگا دے۔ مَیں تو نہیں لگاؤنگا ٭

پس اب چالاک لڑکی کا باپ اس قدر روپیہ طلب کرتا ہے جس کی اُسکو کسی اور حالت میں ملنے کی امید نہیں ہے۔ اور منہ مانگی سوت کو حاصل کر کے اپنے آپ کو بڑا ہی عقلمند ہوشیار اور بیوپاری سمجھتا ہے۔ اپنی کامیابی پر خوشی سے پھولا ہوا نہیں سماتا۔ جب منگنی ہو گئی بواہ۔ بات کی رات میں دھندہ پار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ بوڑھا نوجوان یا پیر نابالغ نوجوان کنواری استری کو پا کر اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہے۔ طرح طرح کے قیمتی وسیے تیار کراتا ہے۔ حکیموں اور ڈاکٹروں سے طاقت بخش معجون اور گولیاں بنواتا ہے جو عام طور پر زہریلی اور نشے دار دوائیوں سے بنتی ہیں۔ اور نئی دلہن کی صحبت میں رہ کر اپنے آپ کو نہال سمجھتا ہے۔ اس طور سے جو کچھ بھی زور اور طاقت کرم خوردہ جسم میں تھی۔ ایک دو مہینے میں کھو بیٹھتا ہے۔ مجرد رہ کر اگر دو چار سال اور زندہ رہنا تھا تو اب تیسرے مہینے میں ہی یم پوری کا راستہ لیتا ہے۔ غریب معصوم بیکس نوجوان لڑکی کو جس نے ابھی تک جہان کا کچھ بھی نہیں دیکھا حیران اور پشیمانی کی حالت میں چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو جاتا ہے۔ بیوہ لڑکی کے دیالو پتا جی کا پارٹ اب پھر شروع ہوتا ہے اس کے پاس آ کر روتا ہے۔ سر کو پیٹتا ہے۔ ہائے اب وہ کیا کرے اس کے نصیب پھوٹ گئے۔ اور وہ کہیں کا نہ رہا۔ بیچاری الھڑ لڑکی اتنا بھی نہیں دیکھ سکتی۔ کہ اسی کمینہ بے ایمان نے تو اپنے لالچ کی خاطر اس کا ستیاناس کیا ہے۔ پھر اُس کے پھندے میں آ جاتی ہے اور اُس کو اپنا ہمدرد اور اپنا خیر خواہ سمجھ لیتی ہے یہ کہتا ہے کہ اب وہ اپنے گھر کے کل کاروبار کو چھوڑ کر اپنی پیاری بیٹی ہی کے کاموں کو کرے گا۔ البتہ نہ ہو کہ اُس کے دیور

اور خاوند کے دوسرے رشتے دار اُس کو لوٹتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب خود غرض ہیں ایسی مصیبت کے وقت بیچاری اپنے باپ کی ہمدردی کو غنیمت سمجھتی ہے۔ گھر کا سب کام کاج نقدی زیور حساب کتاب بہی کھاتہ سب کچھ پتاجی کے حوالہ کر دیتی ہے اور پتاجی آہستہ آہستہ کر کے سب کا سب ایک دو سال میں ہضم کر جاتے ہیں۔ آخر کار اُس کوٹھی کا دیوالہ بول دیتے ہیں۔ جو کچھ تھوڑا بہت بچا ہوا ہے۔ اس کو دوسرے لوگ جن کا لین دین اس کوٹھی میں تھا۔ لے جاتے ہیں۔ اب بیچاری مصیبت کی ماری دُکھیاری آخر لڑکی کا نہ کوئی گھر ہے نہ در۔ اور نہ کوئی رشتے دار جو کوئی اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو۔ اب ہمدرد پر اُپکاری پتا ہی ہے جو غمگساری دکھاتا ہے اور اُس کو اپنے گھر لے جاتا ہے اور سال چھ مہینے اور روٹی کھلا کر پھر کسی ایسی ہی دوسری جگہ اُسے بواہ کرنے کو آمادہ کر لیتا ہے۔ اور نئے سرے سے مال اُڑانے کی ترکیب نکال لیتا ہے +

ایسے دل خراش حالات کا زیادہ تفصیل سے لکھنا کچھ ضروری نہیں۔ کیونکہ اب تو جگہ جگہ پر دختر فروشی کی نظیریں موجود پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے عجیب وغریب حالات روز مرّہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں غرضیکہ جس قدر خرابی اور نقصان اس بدرواج سے ہو رہا ہے اُس کے ایک حصّہ کے لکھنے کے واسطے بھی کئی دفتر کافی نہیں ہیں +

اب سوچنا یہ ہے کہ اس کا علاج کس طرح سے کیا جائے۔ میری رائے میں تو پہلا علاج یہی ہے کہ اس کے برخلاف زبردست آواز اٹھائی جاوے جب اس درد کو محسوس کرنے والے ملکی سجن پرش مل جاویں تو وہ سب مل کر ہی عمدہ اور بہتر علاج سوچ سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے ہاں یہ رواج نہیں ہے۔ بوجہ دولت مند اور خاندانی ہونے کے اُن کے لڑکوں کے واسطے

بنا دام خرچ کرنے کے لڑکیاں مل جاتی ہیں۔ اور جو اپنی لڑکیوں کو
بھی دھرم انوکول بیاہ دیتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام اُن کے تعلق
کا نہیں ہے اس کی طرف پوری توجہ دینا اور سدھارنے کے واسطے
کوشش کرنا۔ تو زیادہ تر ایسے ہی دھرماتما لوگوں کا فرض ہے اور اُنہی کو
چاہیئے کہ وہ ایسے ناقص اور مذموم رواج کو بند کرنے کے لیئے جان توڑ کر
کوشش کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کرینگے۔ تو اور کون کرے گا۔ کیونکہ جو لوگ
اس رواج کے غلام بن گئے ہیں۔ اُن کو کیا ضرورت ہے کہ اسکے برخلاف
آواز اٹھاویں۔ وہ تو اس کو ایک عمدہ اور نفع کا بیوپار سمجھ کر لڑکیوں کے
پیدا ہونے پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اب اگر وہ لوگ جو اب تک اِس سے
بچے ہوئے ہیں۔ کوشش نہ کرینگے تو وہ اپنے خاندان کو اس وبا سے محفوظ
نہ سمجھیں۔ دولت مندی کسی کی میراث نہیں ہے۔ جب اُن کے لڑکوں کو بلا
ٹکوں کے کوئی لڑکی نہ دے گا تو اُن کو بھی مجبوراً اس میں حِصّہ لینا پڑے گا
اگر بہت سے لوگ اس بدرسم کی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور اس کی بیخ
کنی کے پیچھے پڑ جائیں تو اس کا اچھا علاج سوچ اور کر بھی سکتے ہیں +

ہمدردی حیوانات

سنسار میں سارے سنسار کا مالک بذات خود موجود ہے جو کچھ کہ
سنسار میں ہو رہا ہے۔ اس کو جیوں کا نیوں دیکھ اور جان رہا ہے۔
اس کے علاوہ صرف دو چیزیں اور ہیں۔ ایک کو عالم ارواح کہا
جاتا ہے اور دوسرا مادہ کہلاتا ہے۔ مادہ دُکھ سُکھ خواہش ارادہ اور
علم کے اوصاف سے مبرّا ہے اور بے جان ہے۔ یہ سب اوصاف اور
زندگی روح ہی سے پیوستہ ہیں۔ گو کتنی ایک مذاہب کے ہادیان

نے روح انسانی کو کچھ اور اور دیگر مخلوق خدا کی روح اور جان کو کچھ اور سمجھا اور مانا ہے۔ مگر وقت آیا کہ ان بزرگوں کو بھی کل عالم ارواح کو ایک جیسا ہی ماننا پڑا۔ ان کے متبرک کلمات ابتک لوگوں کو جتلا رہے ہیں کہ روح اور آتما کی قدر کیا ہوتی ہے

میازار مورے کہ دانہ کش است

کہ جان دارد و جان شیریں خوش است

آہستہ خرام بلکہ مخرام

زیر قدمت ہزار جانست

• اِن اقوال کا مطلب صاف ہے۔

ایک چیونٹی کو بھی مت ستاؤ کہ اُس میں بھی جان یعنے آتما موجود ہے یہ آتما اور جان بڑی پیاری چیز ہے۔ اس کا خوش رکھنا ضروری ہے۔ تم ٹہل ٹہل کر بڑی اکڑ اور گھمنڈ سے چلتے ہو۔ آہستہ آہستہ سے ایسی حرکت کرو بلکہ مناسب اور اچھا تو یہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے تمہارے قدموں کے نیچے ہزاروں ارواح میں سے کسی کو ایذا اور دُکھ پہنچے۔ مگر ایسے غریب اور بے زبان جانوروں اور حیوانوں کی طرف دھیان دینے کی فرصت کس کو ہے۔ آج تو لوگ اپنے ماں باپ کو بھی ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں۔ بھائی بہنوں کی گردن کاٹنے کو تیار ہیں بلکہ کاٹ رہے ہیں۔ بھائیوں کے یتیم بیٹوں اور اُن کی بدھوا عورتوں سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ بھائی کون ہوتے ہیں۔ اپنے ہی لڑکے لڑکیوں سے وہ سلوک نہیں کرتے جو کہ کرنا چاہئے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ دوسرے جاندار بیشک اس سے چھوٹے درجے کے ہیں۔ ان میں ایسے بہت سے ہیں جو کہ ایک دوسرے کو مار کر کھا جاتے ہیں بلکہ ان کو خوراک ہی اُن جانوروں کے جسم سے ملتی

ہے۔ کئی لوگ تو اُن کے اس عمل کو ہی اپنے واسطے قابل تقلید سمجھ لیتے ہیں کہ بھیڑیا جب بکری کو کھا جاتا ہے تو ہم کیوں نہ کھاویں +

ایک تھانہ دار صاحب تھے۔ بڑی عمر میں آلسی ہو گئے تھے۔ گھر میں ایک بکری بھی رکھی ہوئی تھی۔ جو اندر باہر پھرا کرتی اور جہاں تہاں مینگن گرا دیا کرتی تھی۔ تھانہ دار صاحب آلسی تو تھے ہی۔ ذرا سی سردی میں بھی باہر نہ نکلتے اور صبح کے وقت چارپائی سے اُتر کر وہیں پاخانہ کر دیا کرتے۔ اُن کی استری کہتی کہ دیکھو آپ ایسا کام نہ کریں۔ یہ نقصان کا کام ہے جواب دیتے کہ تو میری اچھی عورت ہے ایک بکری کے برابر بھی میری قدر نہیں کرتی۔ بکری جہاں تہاں اندر باہر مینگن کرتی پھرتی ہے۔ میں روز دیکھتا ہوں تو نے اُسے کبھی کچھ نہیں کہا۔ اور میں جو کبھی سردی کی وجہ سے باہر نہیں جا سکتا اور مینگن کر دیتا ہوں مجھے کوسنے کو تیار ہو جاتی ہے +

زندگی کی قیمت اور قدر کو نہ جانتے ہوئے ہم لوگوں نے۔ بھیڑ۔ بکری۔ دُنبہ۔ ہرن۔ پاٹھہ سے آگے بڑھ کر گائے اور گاؤمیش کی قدر کو بھی نہ جانا۔ اور اُن سے بدسلوکی کا برتاؤ کرکے پھل یہ ملا گیا ہے۔ کہ گھی تین روپیہ کا ایک سیر اور دودھ ہر اور ۸ سیر تک پہنچ گیا۔ کوئی دن کو نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ امریکہ کے لوگوں کو پتہ لگ گیا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو گائے اور گاؤمیش کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب یہ لوگ زیادہ امیر اور دولت مند ہو گئے ہیں۔ گائے کے واسطے گھاس کا لانا۔ گائے کی خدمت کرنا۔ دودھ کا دوہنا۔ اس سے دہی مکھن اور گھی کا بنانا۔ ایسا مشکل کام ان سے ہو نہیں سکتا۔ اِن کے واسطے ہالینڈ اور ڈنمارک کے لوگوں کے طور پر جما ہوا دودھ بوتلوں میں ڈال کر بھیجا کرینگے۔ ہزاروں گائے اور گاؤمیش خرید کر اب

وہ لوگ لے جا رہے ہیں۔ وہ لوگ ضرور ان کی پرورش کرینگے اور دودھ
کی ندیاں اپنے ملک میں جاری کرینگے۔ اور اس دیش کے لوگ جس طرح
سے جاپان کی دیا سلائی کے بدون اندھکار میں ٹھوکریں کھانے کو پیدا
ہوئے ہیں۔ کن ڈینسٹڈ ملک کے واسطے افریقہ۔ امریکہ اور ہالینڈ اور
ڈنمارک کے ناموں کا جاپ کیا کرینگے۔ ہمارے گئو رکشک ہندو بھائی اپنے
مسلمان بھائیوں کو دوش دیا کرتے ہیں۔ کہ وہ گئوؤں کے محافظ نہیں ہیں
یہ تو صرف عذر ہی عذر ہے۔ کسی بڑے شہر میں دیکھو جس روز چاند کے
مہینہ کی گیارہویں تاریخ ہوتی ہے بازار میں دودھ نہیں ملتا۔ وجہ پوچھو
تو معلوم ہوگا۔ کہ کل دودھ مسلمان گوالوں کے گھروں سے آیا کرتا ہے
اس روز وہ لوگ دودھ کی خیرات نکالتے ہیں۔ اور خود خرچ کرتے ہیں
بازار میں بہت کم دیتے ہیں یہ وجہ ہے کہ بازار میں دودھ کی قلت ہو
جاتی ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ دولت مند لوگوں کے واسطے تو کچھ مشکل
نہیں ہے۔ اپنے بھرپور گائے کا رکھنا اگر پسند کریں تو کتنا لابھ ہو سکتا ہے
غریب لوگ جو آٹھ دس روپیہ ماہوار کی نوکریاں کر کے اپنا گزارہ کرتے
ہیں اگر ایک دو یا دو گائیوں ہی کی سیوا اور نوکری پر کمر باندھ لیویں تو
گئو دیوی کی کرپا اور طفیل سے ان کا گزارہ بھلی پرکار سے چل سکتا ہے

پتت اُدھار پرچارک

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے بیس روپیہ ماہوار کے
خرچ پر ایک پتت اُدھار پرچارک کی تقرری اپنے اجلاس ۲۹ فروری
۱۹۲۰ء میں منظور کی ہے۔ اُمید ہے۔ کہ یہ کام جلدی شروع ہو جاویگا۔

یتیموں کا گوروکل

موضع بیٹ سوہنی تحصیل سنا نواں ضلع مظفر گڑھ میں ریلوے سٹیشن غازی گھاٹ کے جانب شمال پانچ میل کے فاصلہ پر بھارت کے اناتھ اور یتیم بچوں کی تعلیم کے واسطے ایک گوروکل کا جاری کرنا یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے منظور کر لیا ہے۔ جوچودھری چندولعل صاحب زمیندار سکنہ بستی گجرات ضلع مظفر گڑھ کی دان کردہ اراضیات میں کھولا جاوے گا۔ اس کام کے واسطے چودھری صاحب موصوف نے مبلغ پانچہزار روپیہ کمیٹی کے پردھان بابو نونہال کشن جی کو دیدیا ہے پندرہ ہزار اور دینے کی تجویز کو ہے اور دینا چاہتے ہیں مکانات تیار ہو چکے ہیں۔ ابتدائی امور پر غور کرنے کے واسطے سب کمیٹی بنائی گئی ہے +

دیش انوراگ

یہ ماننیہ ورشرمیان پنڈت ڈی۔ ایس اگنی ہوتری جی جنرلسٹ لاہور کا ایک نہایت زوردار اور فصیح اُردو لیکچر ہے جس میں نہایت موثر پیرایے میں دکھلایا گیا ہے۔ کہ دیش انوراگ یعنے حُبِ وطن کیا چیز ہے؟ اُسکی ہم سب کو کس قدر ضرورت ہے اور یہ مبارک بھاؤ ہم میں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ الغرض حب وطن کے مختلف پہلوؤں پر اگنی ہوتری جی نے نہایت قابلیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور درجنوں سبق آموز مثالیں دیکر اس فلسفے کو ایسا خوشگوار بنا دیا ہے کہ بار بار اسے پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا مضمون پر یہ ایسی کتاب ہے جو اُردو لٹریچر کو بہت مفید ہوگی باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ۴ ہے۔ ملنے کا پتہ۔ جنرل مینجر دی اگنی ہوتری دیکٹری بیرون موری دروازہ لاہور +

پتت اُدّھار

جس دیش اور جاتی میں گرے ہوئے ہوؤں کو اٹھانے کا انتظام نہیں وہ دیش اور جاتی بہت جلدی تنزل کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ ہندو جاتی خاص طور پر ایسے حالات کا شکار ہو رہی ہے یہاں اِستری جاتی کا بُرا حال ہے۔ بدھواؤں کی دُرگتی ہو رہی ہے یتیموں کو لوٹنے اور جان سے ہلاک کر دینے کے واسطے اُنکے اپنے ہی سمبندھی اور رشتہ دار تیار بیٹھے ہیں۔ کمزوروں اور نردھنوں کو ستا ستا کر زور والے اپنی طاقت کو بڑھا رہے ہیں۔ پرماتما کے امرت پُتر انگنت نر ناریوں کو اچھوت بنا کر جاتی کے پریوار سے خارج کیا جا رہا ہے ایسے بہت سے حالات ہیں جن کو خیال کر کے دردمند دل والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اِن سب حالات کو پبلک کے سامنے لانے کے لئے کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اس واسطے یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کا وچار ہے کہ ایک ماہواری رسالہ پتت اُدّھار جاری کیا جاوے۔ جس میں اِن حالات کے ساتھ یتیم خانہ مظفر گڑھ اور اُس کی شاخ لاہور و بیٹ سوہنی اور دوسرے یتیم خانوں کے حالات بھی پرکاشت ہوں گے۔ ایک ہزار خریدار ہونے پر جاری ہوگا۔ ماہ اکتوبر میں ٹریکٹ کے طور پر پہلا حصّہ نکالا گیا تھا۔ بہت سے خریدار بن گئے ہیں مگر چونکہ ابھی تک تعداد پوری نہیں ہوئی۔ اسواسطے یہ پانچواں حصّہ بھی بطور ٹریکٹ کے ناظرین کے سامنے ہے۔ کوئی خاص تاریخ مقرر نہیں ہو سکتی۔ پوری تعداد خریداروں کے ہونے پر بصورت رسالہ ماہواری نکلے گا۔ قیمت سالانہ عہ ہوگی۔ یہ پرچہ ۲ر فی کاپی کے حساب سے دیا جاوے گا۔ درخواست پر مل سکے گا۔

نوید کے

پنڈت گنگا رام سکرٹری کمیٹی یتیم خانہ مظفر گڑھ وشاخ لاہور

اوم

پتت اُدّھار

حصہ ششم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سُدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی

تجویز سے ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء میں

مرتب ہو کر

انصاف سٹیم پریس لاہور میں باہتمام بابو امرناتھ صاحب مینیجر چھپا

اور لالہ رام چند پبلشر نے شائع کیا

تعداد ۲۰۰۰ قیمت فی جلد ۲/

آتی

عجیب گراوٹ

یتیم خانہ مظفر گڑھ شاخ لاہور کا سپرنٹنڈنٹ لالہ دیویدیال عرصہ ۴ سال سے اچھی طرح پر کام کر رہا تھا۔ نہ معلوم اُس کے خیال میں کیا آیا کہ اُس نے اِس یتیم خانہ سے علحٰدہ ہو کر اِسکو نقصان پہنچانے کا خیال دل میں جاگزین کر لیا۔ چند مُلازموں اور کئی لڑکوں کو سکھلایا کہ وہ جُوں تُوں کوئی بہانہ کر کے یتیم خانہ سے نکل جاویں۔ میں بھی اس یتیم خانہ سے ہو کر اپنا نیا یتیم خانہ کھولونگا۔ جس میں اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کروں گا۔ اچھی تنخواہیں دوں گا۔ کھانے پینے کے واسطے اچھا دُوں گا۔ پڑھائی کا انتظام بہت اچھا کر دوں گا۔ دو لڑکوں کو اُس نے اپنی موجودگی میں بہت کچھ سامان دے کر نکال دیا۔ اور آپ بھی نوکری چھوڑنے پر بضد ہُوا۔ اُس کی اِس حالت کو دیکھ کر اِس سے کام سنبھالنے کے واسطے لالہ رام چند جی مینجر یتیم خانہ مظفر گڑھ کو لاہور میں بھیجا گیا۔ جب اس سے کام سنبھالنے لگے۔ تو معلوم ہُوا کہ ایک مکان پر اِس نے بہت سا سامان یتیم خانہ کے کپڑے گرم اور سرد۔ برتن۔ کتابیں۔ کاپئیں اور ٹرنک رکھے ہوئے ہیں۔ پتہ ملنے پر اِس کو ساتھ لیا گیا۔ وہ بہت کچھ تلملاتا رہا۔ مگر قابو آ ہی گیا۔ چھ شخصوں کے روبرو اِس کا چھپایا ہُوا مال برآمد ہُوا۔ وہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر یتیم خانہ میں لایا۔ باوجود اس کی اس حرکت اور کئی ایک اِس قسم کی باتوں کے اِس کے ساتھ کوئی سختی نہ کی گئی۔ تیئیس روپیہ اُس کے ذمہ تنخواہ کو دے کر نکلتے تھے۔ عہ۲۰ خرچ کرایہ وغیرہ کے واسطے اور اِس نے مانگے پچاس روپیہ کا اس سے رقعہ لکھوا کر عہ۲۰ بھی دیدئے

اس کو سمجھایا گیا - کہ اگر اس نے اپنی اس پتت اوستھا کو سُدھارنا ہے تو پشچاتاپ کرو - اور کوئی ملازمت وغیرہ کر کے اپنا گزارہ کرو - سب باتوں کو مان گیا - مگر اس کے دل میں تو اپنا یتیم خانہ کھولنے کی دُھن سمائی ہوئی تھی - جن ملازموں اور لڑکوں سے اس نے سازش کی تھی - اور جو نکل چکے تھے - ان کے نام چند ایک جوابی پوسٹ کارڈ لکھے - کہ میں نے لاہور میں یتیم خانہ کے واسطے مکان کرایہ پر لے لیا ہے - تم لکھو کہ کتنے لڑکے لا سکتے ہو - تمہارا جواب آنے پر تم کو لکھوں گا - کہ تم نے کس مکان پر حاضر ہونا ہے - جو لوگ لکڑی کا کام پہلے اس یتیم خانہ میں کرتے تھے - جنکو لالچ دے کر بھگایا تھا - اُن کو لکھا - کہ ہم اپنا کارخانہ بھی کھولینگے - یہ کارڈ اس نے ہمارے یتیم خانہ کے ایسے ملازم کو دئے جو اِس کے ساتھ ملا ہوا تھا - کہ ڈاکخانہ میں ڈال دیوے - جو لوگ پرمیشور پر یقین نہیں رکھتے - اُن کے واسطے اُس کی قدرت کے عجیب نظارہ کو دیکھنے کا موقعہ ہے - کہ وہ کارڈ اُس شخص کی جیب سے یتیم خانہ کے مکان میں گر گئے - اور ایک بچے کے ہاتھ آ گئے - جس سے لالہ دیویدیال جی کا یہ سارا راز فاش ہو گیا - لالہ دیویدیال کو تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے - سوائے اس کے کہ وہ یتیم خانہ کے پچاس روپیہ جو اس کے ذمہ ہے وہ ادا کر دیوے ..... اور ان صاحبان سے جنکو اس نے جھوٹی باتیں بتلا کر اپنا ہمدرد بنایا ہے - اور اپنے یتیم خانہ کے چلانے کو جن سے اُس نے امداد لی ہے - اور جو اسکو بھلا پُرش سمجھ کر اس کے ساتھ اس کام میں شامل ہونے کو تیار ہوئے ہیں - ان کی سیوا میں عرض ہے کہ اگر وہ سنسار میں کچھ اُپکار کرنا چاہتے ہیں - تو پہلے لالہ دیویدیال کے اس نمک حلالی کی تحقیقات کر لیویں - اور اگر وہ جو کچھ باتیں لکھی گئی ہیں ان سے انکاری ہو - تو اس کو یتیم خانہ مظفر گڑھ کے سکرٹری کے پاس لے

آویں۔ وہ نہ آنا چاہے۔ تو سکرٹری کو بُلا بیویں۔ کہ اسکی خدمت میں حاضر ہو کر اُن صاحبان کے روبرو اس سے بات چیت کرے۔ اور جو جو حالات قابلِ بیان ہیں دونوں طرف سے سُن کر وہ صاحبان خود فیصلہ کر لیویں کہ لالہ دیویدیال اس اعتبار کے قابل ہے؟ کہ اس کے ہاتھ میں کوئی پبلک کام دیا جاوے۔ اگر وہ اس قابل ثابت ہو۔ تو بڑی خوشی سے وہ ایک نہیں کئی شہروں میں یتیم خانہ جات کھولے +

پتت اُدّھار پرچارک

پنجاب کے ایک بڑے نگر میں پتت جاتیوں میں دھرم پرچار کے واسطے ایک پرچارک مقرر کیا گیا ہے۔ جسکی تقرری یتیم خانہ مظفرگڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے اپنے ۲۹۔ فروری ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں منظور فرمائی ہے اُمید ہے۔ کہ اس کے کام کے تسلی بخش ہونے پر اور بھی پرچارک مقرر کئے جاوینگے +

پتت اُدّھار ادھیاپک

پنجاب کے ایک بڑے نگر میں پتت جاتی کے لڑکوں کو ودّیا پڑھانے کے واسطے ایک سجن نے سارا خرچ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے خرچ پر فی الحال ایک ادھیاپک کی تقرری کی گئی ہے۔ جو کہ یتیم خانہ مظفرگڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے منظور کر لیا ہے +

ان کاموں کے متعلق پتت ادھار ٹریکٹ کے متعلق جو صاحب کسی قسم کی خط و کتابت کرنا چاہیں یا کوئی مضمون یا روپیہ بھیجنا چاہیں۔ خریداری کی درخواست کرنے کا جن کا مطلب ہو۔ وہ لالہ رام چند جی مینیجر یتیم خانہ شاخ لاہور واقعہ چکّر محلہ ابیروں موزی دروازہ لاہور سے کریں +

ریویوز

(از شریمان جسونت سنگھ ورما سکنہ ٹوہانہ ضلع حصار مؤلف سنگیت راگن)

رسالہ ہذا کے مقاصد و مضامین مجھکو اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی۔ جس قدر توجہ موجودہ نمبروں کی تیاری میں دی گئی ہے۔ اگر اسی قدر سرگرمی اور کوشش آیندہ جاری رہی تو یقیناً یہ رسالہ جملہ ماہواری رسائل سے ایک چوٹی کا پرچہ ہوگا۔ رسالہ ہذا کو بنام ماسٹر حکم سنگھ جی مڈل سکول ٹوہانہ ضلع حصار ایک سال کے لئے جاری کردیویں ٭

از لالہ لبھنداس سکیبجہ ہری کرشن روڈ کوئٹہ

آپ کے مرسلہ پرت ادھار حصہ ۳ و ۴ باعث فخر ہوئے۔ جو اثر کہ میرے دل پر آپ کے دلی جذبات کے مطالعہ کرنے سے ہوا۔ بیان سے باہر ہے۔ میں اس لائق نہیں ہوں کہ ان جذبات کا اثر جو کہ عوام پر رسالہ پرت اُدھار کے مطالعہ سے ہوگا۔ صحیح طور پر اندازہ لگا سکوں۔ سجن پرشوں کے ریویو جو کہ رسالہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ خود بتا رہے ہیں۔ کہ کس حد تک ایسے رسالہ کی ضرورت تھی۔ اور اس کا کیا اثر پبلک پر ہوا ہے۔ اور آیندہ ہوگا۔ میرا اپنا خیال ہے کہ پبلک اس کا نہایت ہی خوشی سے ستکار کرے گی۔ بندہ چند ایک آشناؤں کے پاس اس رسالہ کے ممبر بنانے کو گیا۔ خوشی کی بات ہے کہ جن جن مہاشاؤں کی خدمت میں میں حاضر ہوسکا۔ اول سب نے اس کا سالانہ ممبر بننے کا وعدہ کیا ہے۔ ۱۷ ممبر ہو چکے ہیں۔ ان کا چندہ ۸عہ/۹ ارسال ہے۔ امید ہے کہ بہت سے اور بھی ہوجاینگے ٭

از اخبار ست دھرم پرچارک دہلی صفحہ ۲ ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء

پتت اُدھار - یہ نام ہے ایک ماسک پتر کا - جو اردو بھاشا میں
مظفر گڑھ یتیم خانہ کی طرف سے شائع ہوگا - ایک ہزار خریداران کی
درخواست آنے پر اس کی رجسٹری ہوگی - جب تک یہ تعداد پوری نہیں
ہوتی - یہ رسالہ ہر مہینہ میں ٹریکٹ کی صورت میں چھپتا رہے گا - اور
پبلک کو پتت اُدھار کے کام کی خوشخبری پہنچاتا رہے گا - سالانہ چندہ
عہ ہوگا - پتت اُدھار کا کام آجکل نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے دھارمک
نیتا اور پولیٹیکل لیڈر اور دوسرے وچارشیل لوگ ایک آواز سے
بھارت واسیوں کو اس نیک کام کی طرف توجہ دلا رہے ہیں - اس سے
اس پتر کا مقصود درحقیقت بہت مفید ہے +

پتت اُدھار کا مقصد صرف اچھوت جاتیوں کو کچھ سماجک حقوق کا
دینا ہی نہیں بلکہ کسی قسم کی بھی گراوٹ ہو - اس سے اُٹھانے کے لئے
کوشش کرنا پتت اُدھار کا اُدّیش ہونا چاہئے - ہمارے سامنے اکتوبر
نومبر - دسمبر کے رسالے اسوقت موجود ہیں - خوشی کی بات ہے کہ ان
میں پتت اُدھار کے کام کو بہت وسیع معنوں میں پیش نظر رکھا گیا ہے
جہاں اچھوت جاتیوں کا ان میں بیان کیا گیا ہے - وہاں ایشور بھگتی
سے بے مکھ لوگوں کو اس پتت پاون کے بھگت بنکر روحانی گراوٹ
سے بچنے کا اُپدیش ان میں موجود ہے +

استری جاتی پر جو اتیاچار ہو رہا ہے - اس کے متعلق بھی مضمون
درج ہیں - منشیہ جاتی جو پشو جاتی کو دکھ دے رہی ہے - اس کا بھی
اچھی طرح سے نشیدھ کیا گیا ہے - اس لئے امید ہے کہ یہ پتر اسم بامسمیٰ ہوگا
اس کام کے واسطے لگن سے کام کرنے والے انوبھوی پرشوں کی
ضرورت ہے - اور یہ خوشی کا مقام ہے کہ پنڈت گنگا رام جیسا پرش جو تیس

برس سے پبلک کاموں میں حصہ لے رہا ہے اور اپنی لگن اور دھن کا آدمی ہے۔ اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے۔

پتت اُدّھار کے کام کے اصلی رُوپ کو ویدک دھرمی کے بنا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ پُرشوں کے برابر ادھکار۔ استری پُرشوں کے مناسب تعلقات۔ پشو جاتی کا اصلی قیام۔ تنزل اور ترقی کے کرتویہ کا سچا گیان وید کے بنا کوئی نہیں دے سکتا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دھرم اور منشیہ جاتی کے سچے خیر خواہ لوگ اس کام میں ہر طرح سے پنڈت گنگا رام جی کی مدد کرتے رہینگے۔

شریمان دیوان بھاگ مل صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر ڈاکخانہ جات نے فیروزپور سے تحریر فرمایا ہے:۔

شریمان پنڈت گنگا رام جی صاحب۔ نمستے۔ آپ کے رسالہ پتت اُدّھار کی کئی جلدیں میرے ملاحظہ سے گذریں۔ فی الحقیقت آپ کا ماہواری رسالہ ہمارے مُلک اور قوم کے لئے رہبر ثابت ہوگا۔ اور اُنکو تنزل سے بچانے کے لئے بے نظیر ممد و معاون ہوگا۔ آپ کا رسالہ کیا ہے گویا علم و واقفیت کا مخزن ہے۔ آپ نے درحقیقت ملک کی گرانقدر خدمت کی ہے۔ جس کا اعتراف میرے ناچیز الفاظ کرنے سے قاصر ہیں اگر ہمارے وطن دوست احباب آپ کے رسالہ کے اخلاقی اور سبق آموز مضامین کو بغور چشم بصیرت سے ملاحظہ فرماویں۔ تو وہ لاریب اپنی قوم میں بہت سی اصلاحیں کرنے کے قابل ہوں گے۔ آپ کے پوتر خیالات نے ہمارے دلوں میں ایک تجلی سی پیدا کر دی ہے۔ جس کا آپ کو اجر دینا بشری طاقت سے باہر ہے۔ میری صبح و شام یہی پرارتھنا ہے۔ کہ پرماتما آپ کے بے نظیر کام میں سہایتا کرے۔ اور آپ میں اس سے بھی زیادہ

اولوالعزمی سے کام کرنے کے لئے جسارت پیدا کرے۔ تاکہ ملک اور قوم استفادہ حاصل کر سکے"۔

سورگ اور نرک حصہ اوّل تا ہفتم

جنکی کئی ہزار کاپیاں شائع ہو کر اب ختم ہو چکی ہیں۔ اور جنکے دوبارہ شائع کرنے کا نوٹس پتت اُدّھار کے حصہ پنجم میں دیا گیا ہے ان کی بابت شریمان مہاتما ہنسراج جی نے حسب ذیل اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے:۔

میں نے ان کو پڑھا ہے۔ ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب تک یہ برائیاں ہمارے دیش میں جاری ہیں ہمارے دیش کا اُدھار نہیں ہو سکتا۔ میری یہ خواہش ہے کہ یہ رسالہ اردو۔ ہندی۔ گورمکھی زبانوں میں چھپکر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں پھیلائے جاویں۔ زبان بڑی سادہ اور طرز بیان دل پر اثر پیدا کرنے والا ہے۔ پبلک کو چاہئے کہ آپ کی اس کام میں سہایتا کرے اس کے علاوہ ان رسالوں کی بابت ڈی اے وی مڈل سکول قصبہ خانخاناں ضلع جالندھر کے ہیڈ ماسٹر پنڈت مول راج شرما حسب ذیل خط بھیجتے ہیں:۔

آپ کے مصنّفہ رسالہ سورگ اور نرک ایک صد بذریعہ وی پی موصول ہوئے۔ اس کے ساتوں حصّوں کو میں نے بغور پڑھا ہے۔ واقعی آپ نے ان چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں میں دریا کو کوزہ میں بند کر کے جاتی کو مہلک اور خطرناک امراض سے نجات دلانے کے لئے جو نسخہ تجویز کیا ہے۔ سراہنیہ ہے۔ جس کے لئے آپ کا جتنا بھی دھنباد

کیا جاوے کم ہے۔ پرماتما کرے کہ ملک میں آپ جیسے جاتی رکھشک جا بجا پیدا ہوں۔ تاکہ آریہ ورت سورگ دھام بنجاوے۔ سوشل ریفارم کے حامیوں اور جاتی کے دیگر ہتکاریوں کی سیوا میں میری دنے پوروک پرارتھنا ہے۔ کہ وہ ان ٹریکٹوں کو اتنی زیادہ تعداد میں ملک کے ہاتھ پہنچائینگے۔ اتنی ہی جلدی سوشیل ریفارم کے حامیونکی خواہش پوری ہوگی +

اچھی
پتت اُدّہار

پتت ادھار کا کام پرماتما کی دیا سے اِن ذریعوں سے ہوگا:-

اول۔ پتت ادھار میگزین جو کہ مہینہ میں ایک دو تین یا چار دفعہ شائع ہؤا کرے گا۔ یہ کتابی شکل میں ہوگا۔ پتت اُدّھار کے حالات تجاویز اور کارنامہ جات اس کے ذریعہ سروسادھارن اور ممبران پتت ادھار تک پہنچائے جایا کرینگے +

دوم۔ پتت اُدّھار پریس یعنے چھاپہ خانہ۔ اس میں پتت اُدّھار کی کتابیں۔ رسالے۔ اخباریں اور ہر قسم کی تحریریں طبع ہؤا کرینگی +

سوم۔ پتت اُدّھار ایجنسی۔ پتت اُدّھار کا لٹریچر اس کے ذریعہ بذریعہ فروخت یا بلا قیمت دیش کے ہر حصہ حصہ اور گاؤں تک پہنچایا جائیگا +

چہارم۔ پتت اُدّھار فنڈ۔ یہ پتت اُدّھار کے کاموں کو چلانیکے واسطے خزانہ۔ ذخیرہ اور معدہ کا کام دے گا۔ ہر حصہ کی پرورش اس سے ہؤا کرے گی +

پنجم۔ پتت اُدّھار لائبریری۔ ہر قسم کی مذہبی۔ اخلاقی۔ تاریخی کتابوں

کا ذخیرہ جمع کیا جاوے گا ۔

ششم ۔ پتت اُدّھار ریڈنگ رُوم ۔ اس میں ہر قسم کا پتت اُدّھار کا لٹریچر پڑھنے کے واسطے عوام کو موقعہ دیا جاوے گا ۔ اسکے قواعد مرتب ہونگے

ہفتم ۔ پتت اُدّھار پروہت ۔ لوگوں کے دھارمک اور ساماجک معاملات اور حالات کا نگران اور مریادا کارکشا کرنے والا ایک ایک سداچاری وِدوان برہمن ہر علاقہ اور بڑے بڑے شہروں میں مقرر کیا جاویگا

ہشتم ۔ پروہت کے ماتحت پتت اُدّھار پرچارک مقرر کئے جائینگے جو کہ دھارمک ساماجک اور سداچار کی تعلیم دینے والی پستکوں اور کتابوں کا پاٹھ لوگوں کے گھروں اور محلوں میں جاکر بطور کتھا کے سنایا کرینگے ۔

نہم ۔ پتت اُدّھار اُپدیشک ۔ وِدوان جو لوگوں کو اُپدیش دیا کرینگے ۔ جن جن کاموں کا اُپدیش کرینگے ۔ ان پر ان کا اپنا عمل بھی ہوگا ۔

دہم ۔ پتت ادھار پاٹھشالہ ۔ جس میں پتت جاتی کے لڑکے لڑکیوں کو دھارمک وِدوان ادھیاپک ۔ سکشا دیا کرینگے ۔

یازدہم ۔ پتت اُدّھار ادھیاپک ۔ پاٹھشالاؤں میں یا گھروں اور محلوں اور بستیوں میں جاکر لوگوں کو وِدّیا دان دیا کرینگے ۔

وِدّیا کا دان

عیسائی صاحبان کا ہم لوگوں کو شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ وہ ہمارے دیش نواسیوں کو وِدّیا دان کا اُتم کام کر رہے ہیں ۔ اگر ان کے اس کام میں ہمارے لوگوں کے دھرم کا جو قدرت کے اٹل نیموں کی چٹان پر قائم ہے ۔ چھین لینے کا بھی یتن نہ ہوتا تو ان کے پر اُپکار کی جتنی بھی تعریف کی جاتی تھوڑی ہی تھی ۔ اب لوگ اس بات کو سمجھنے لگ گئے ہیں کہ سچا دھرم جس

طرح بھی ہو سکے بچانا چاہیئے - چنانچہ دو مقامات پر عیسائیوں نے پتت
جاتیوں کے لڑکوں کی تعلیم کے واسطے سکول جاری کیئے ہوئے تھے - جن
لوگوں کے لڑکے ان سکولوں میں تعلیم پاتے تھے - ان کو پتہ لگ گیا - کہ یہ
تو ہمارا دھرم چھیننا چاہتے ہیں - ان لوگوں نے ان سکولوں میں اپنے لڑکوں
کو بھیجنا بند کر دیا - وہ دونوں سکول ٹوٹ گئے - جو صرف اسوجہ سے ودیا
سے محروم ہو گئے - کہ ان کا دھرم قائم رہے - تو کیا سچے دھرم کے پیروؤں
کا یہ فرض نہیں ہے کہ ان لوگوں کے واسطے ایسی پاٹھشالائیں فی الفور
جاری کر دیں - جن سے ان کو ودیا بھی ملے اور دھرم بھی قائم رہے -
خوشی کی بات ہے - کہ ایک سجن نے پتت اُدّھار فنڈ میں کافی امداد دینے
کا وعدہ کیا ہے - جس سے امید پڑتی ہے کہ یہ دونو سکول پھر جاری ہو جائینگے

تفریح طبع اور دل بہلاؤ کے واسطے لوگوں نے کیا کیا نہ کیا

عرصہ پچاس ساٹھ سال کا گذرا - پنجاب ایسا پنجاب نہ تھا جیسا کہ
آجکل ہے - اسوقت ملکہ معظمہ وکٹوریہ کا راج تھا - ۱۸۵۷ء کے غدر کے
بعد لوگ اپنے اپنے کاموں میں اچھی طرح سے لگ گئے تھے - ایام غدر کی
مصیبتوں اور دکھوں کو بھول چکے تھے - کاربیوہار میں مست تھے - بیاہ
شادی - ہولی - دیوالی اور دسہرہ کے موقعوں پر خوب راگ رنگ اور چہل
ہوا کرتے تھے - بازاری عورتوں کی خوب گرم بازاری تھی - بیاہ کی برات
کے ساتھ ناچ اور طوائف کا ہونا عام طور پر ضروری انگ سمجھا جاتا تھا - دسہرہ
میں مہاراجہ رام چندر کی برات کا جو تماشہ لوگ نکالا کرتے ہیں - اس کے
آگے ایسے ناچ بڑی دھوم دھام سے کرائے جاتے تھے - مندروں کی شوبھا
بھی اکثر ایسے ناچوں سے بڑھائی جاتی تھی - گویا بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ

لوگوں کے مذاق کا ایک لازمی جزو ایسی فاحشہ عورتوں کی سنگت بنی ہوئی تھی۔ امارت کی شان کو بڑھانے کے واسطے ایک دو ایسی فحشہ عورتوں کا گھر میں رکھنا لازمی سمجھا جاتا تھا۔ دھرم استھانوں اور دھرم کے انوشٹھانوں میں ان کی شمولیت کی وجہ سے عام طور پر اس کام کو بُرا کوئی نہ کہہ سکتا تھا۔ گو اب بھی اس رسم کا خاتمہ تو نہیں ہو گیا بہت کچھ باقی ہے اور اپنے زہریلے اثروں سے بڑا بھاری بگاڑ کر رہی ہے۔ اس کے دُور کرنے کے واسطے بہت سے پُرشارتھ کی ضرورت ہے۔ مگر جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اُن دنوں میں اس کا عروج کمال پر تھا۔ ساہوکار اور امیر لوگ براتوں کے ساتھ ایک سے زیادہ طوائف کو لے جایا کرتے تھے۔ ان کی خاطر خوشامد جو کچھ ہوتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں پروہتوں اور گورو گوسائیوں کی عزت مات تھی۔ سارے کے سارے براتی ناچ اور ناچنے والیوں پر لٹّو ہوا کرتے تھے۔ ناچ میں باپ بھی بیٹھا ہے۔ اور نوجوان بیٹا بھی شامل ہے۔ ایک دوسرے کا کوئی لحاظ اور شرم نہ تھا۔ اکثر اِس موقعہ پر شراب کی مستی کو بھی شامل کر لیا کرتے تھے۔ پچاس سال سے زیادہ عرصہ کے ایک طوائف کے گانے میں سے سُنی ہوئی ایک تُک مجھے اب تک یاد ہے۔ جب مجھے اس کا خیال اور یاد آتی ہے تو مَیں حیران ہو جاتا ہوں۔ پرماتما اگر اس وقت اس جاتی کی سُدھ نہ لیتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔ وہ تُک حسب ذیل ہے:-

"تُریا تُریا جاندا تیری کچھ وچ قران بے تُوں فلاں پورڈا باہمن اساں کیتا مسلمان بے
کھینوئیں دی رمز نہ پائی چیرے والیا۔ کھینوئیں دی رمز"

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ او چلے جانے والے تمہاری بغل میں قران دبایا ہوا ہے۔ تم فلاں پور کے رہنے والے برہمن تھے۔ ہم نے تم کو اپنے پُر تاثیر اور تیر بہدف مژگان کے معجزہ سے مسلمان بنا لیا ہے۔ تم نے جس کے

سر پر چیرہ باندھا ہوا ہے۔ ہمارے گیند کی رمز کو اب تک نہیں سمجھا ٭

میری عمر اسوقت ۸ - ۱۰ سال کی تھی۔ لوگ بڑے شوق سے اس راگ کو سُن رہے تھے۔ اور خوش ہو ہو کر گانے والی کو روپیہ دیتے جاتے تھے۔ یہ حالت تو صغیر سنی کے زمانہ کی میری اپنی دیکھی ہوئی ہے۔ سُنی سنائی باتیں تو بہت ہیں۔ ان میں سے ایک جو کہ میں نے ایک جاتی کے ہمدرد سجن پُرش سے سُنی تھی یہ ہے۔ کہ ایک بڑے شہر میں ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں برات گئی۔ وہاں دستور یہ تھا کہ لڑکی والے گھر میں اِستریاں ایسے گیت گایا کرتی تھیں۔ جن میں برات والوں کو دل کھول کر گالیاں دی جاویں۔ ایک ایک کا نام لے کر اور اس کی عورت کا نام لیکر خوب گند کی بارش کیا کرتی تھیں ان عورتوں کے مقابلہ میں ضرور تھا کہ لڑکی والوں کو اور انکی عورتوں کو بھی برات والوں کی طرف سے گالیاں دی جاویں۔ مرد تو نہ دیتے جو طوا لُف اُن کے ساتھ ہوتی ان عورتوں کو خوب بے نقط سنایا کرتی تھی۔ ایک طرف لڑکی والوں کی طرف کی اِستریاں اور دوسری طرف بازاری عورت خوب تول تول کر ایک دوسرے پر گالیوں کی بوچھاڑ کیا کرتی تھیں۔ دونوں طرف کے لوگ اور شہر کی پنچایت اور دوسرے لوگ جو بہت سے موجود ہوتے اور عام طور پر تماشبین لوگ جو اس تماشہ کے دیکھنے کو آیا کرتے تھے۔ بڑے خوش ہوتے اور جب بواہ پر خوب گالیوں کا شاسترارتھ ہوتا۔ اُسکی بڑی تعریف ہُوا کرتی تھی۔ بعض بعض برہمن جاتیوں میں ایسا دستور بھی ہے کہ لڑکی والوں کے گھر میں عورتوں کی گالیوں کا جواب برات میں سے کئی مردوں سے دلوایا جاتا تھا۔ اور ایسے مرد اور عورتوں کو جو اس

موقعہ پر بڑی اچھی اور موٹی موٹی گالیوں کے پروان کرنے
میں مشتاق ہوں۔ بڑی عزت خاطر اور نیس دے کر بُلایا جاتا تھا اور
اب تک بھی کچھ کچھ یہ رسم باقی ہے۔ غرضیکہ ایک بڑے شخص کی
برات میں جب برات والوں کو لڑکی والوں کی طرف سے گالیاں
ملنے لگیں۔ تو انہوں نے اپنے ساتھ والی کنجری سے کہا کہ وہ بھی مقابلہ
کرے۔ اور فریق ثانی کی عورتوں کو گالیاں دیوے۔ مگر وہ کنجری لڑکی
والوں کا لحاظ کرتی تھی۔ اسکی وجہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگی جس کے تحقیق
کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ہتھیار چھوڑ دینے اور گالیوں
پر نہ اُترنے کی وجہ سے برات والے بڑے لجت ہوئے۔ شرم کے
مارے سر نیچے کئے بیٹھے ہیں۔ اُن میں ایک ایسے صاحب موجود تھے۔
جن کے گھر میں ایک کنجری ڈالی ہوئی تھی۔ جو کہ پہلے اس سے کہ اُن
کے گھر میں آئی۔ ناچنے اور گانے کا پیشہ کیا کرتی تھی۔ انہوں نے بھی
اس کنجری کو بُلا بھیجا۔ چنانچہ وہ آگئی۔ اب انہوں نے برات والوں سے
کہا کہ پہلی کنجری کو اکھاڑہ سے باہر بٹھلا دو۔ اور اسکی پوشاک اُتروا کر
اس دوسری کنجری کو دلوادو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اس خانگی کنجری نے
وہ گالیوں کی بوچھاڑ کی۔ کہ کُل حاضرین عش عش کرنے لگے۔ لڑکی والوں
کی طرف سے جو استریاں مقابلہ پر تھیں ان کا ناک میں دم کر دیا۔ سارے
شہر میں تعریف ہونے لگی۔ واہ جی واہ۔ کیا عزت رکھ لی ہے شاباش
مرحبا۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ کنجری والے صاحب کا اتنا
احسان برات والوں پر چڑھ گیا۔ کہ جیسے وہ پُشت ہا پُشت تک بھی
نہ اُتار سکینگے۔ اس قسم کا رَو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے
تک چل رہا تھا۔ کہ میں اپریل ۱۸۸۴ء میں ضلع مظفر گڑھ میں ڈسٹرکٹ
بورڈ اور سیر کے عہدہ پر ہو کر وہاں گیا۔ ۱۸۸۹ء کی ہولی کی آمد شروع

ہوئی۔ ہولی کے تماشوں کا تذکرہ ہونے لگا۔ وہاں دستور یہ تھا جو کہ پچھلے کئی سالوں سے چلا آتا تھا۔ ضلع کے کُل اہلکار۔ شہر کے سب لوگ دوکاندار اور ساہوکار اردگرد باہر کی بستیوں کے رہنے والے زمیندار اور نمبردار۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی ملکر ایک جشن کیا کرتے تھے۔ تین چار دن تک ہولی کی تعطیل ہوتی۔ اور یہ سب لوگ عیش پرستی میں مشغول ہو جاتے۔ خرچ کے واسطے آپس میں چندہ کرکے پانچ سات سو اور ہزار تک روپیہ جمع کر دیا کرتے تھے۔ کوئی کوئی افسر۔ تحصیلدار۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بھی کبھی کبھی اس محفل کی حاضری پر دیا کیا کرتے تھے۔ شہر کے سارے کے سارے ذی رسوخ اور بھلے پُرش اِس جشن میں مصروف رہتے۔ اور کئی کئی عورتیں بھی گلی کوچوں میں اپنی مرضی کا تماشہ اور رنگ گالی ایک دوسری پر ڈالنے اور بکواس کا کام کیا کرتی تھیں ٭

ہولی کے جشن میں شراب کا ہونا ضروری اور لازمی تھا۔ کھانے کے واسطے نُقل تیار کئے جاتے اور ملتان سے بہاولپور سے ڈیرہ اسمٰعیلخان وغیرہ دُور دُور کے مقامات سے طوائف کو مدعو کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ سارا شہر اِن دنوں کوئی تو اس محفل میں اور باقی کوئی ڈھول مٹی گارا کے ایک دوسرے پر پھینکنے اور نائیوں کا پیشاب اور گند اُچھالنے اور ٹھٹھہ مسخری اور گالی دینے اور سوانگ بھرنے میں لگ جایا کرتے تھے اگرچہ اب تک بھی ان کاموں کی اصلاح جیسا کہ چاہئے نہیں ہوئی اب ناگوں کا بازار گرم ہو رہا ہے۔ مگر اُن ناچ کی محفلوں کا مظفر گڑھ میں تو اب خاتمہ ہو گیا ہے اور وہ اس طور سے ہوا کہ ۱۸۸۵ء کی ہولی کے واسطے حسب معمول ان لوگوں نے کئی روز پہلے چندہ لکھوانا شروع کر دیا۔ اور مجھے مجبور کیا کہ چندہ دوں۔ میں نے چندہ نہ لکھا مگر اُن

لوگوں نے خزانچی سے میرے حساب میں میری تنخواہ سے کچھ روپیہ لے لیئے - جو مجھے دینے پڑے - خیر آ گئے جب ۱۸۸۶ء کی ہولی آنے والی تھی - اُن لوگوں نے پھر تیاری کی - اور چندہ لکھوانے اور جمع کرنے لگے - میں نے اب بچار کیا - کہ ابھی سے کچھ کام کرنا چاہیئے - سوچ بچار کر میں نے راستہ نکالا - اہلِ اسلام کا مذہب ایسے خرافات کے بالکل برخلاف ہدایت کرتا ہے - کسی نمازی متقی مسلمان بھائی کو اپنے ساتھ شامل کر کے اس شیطانی طلسم کو توڑنا چاہیئے +

میرے دوست قاضی عبدالحق صاحب مرحوم ضلع مظفر گڑھ میں نقشہ نویس تھے - میں ان کے پاس گیا - اور سارا حال اُن سے بیان کیا - فرمایا کہ ان دنوں میں سب کو مستی چڑھ جاتی ہے - ہمارا کہنا کون مانتا ہے - میں نے کہا کہ اپنی طرف سے ہمّت اور کوشش کرنی چاہیئے - بزرگوں کا فرمان ہے - "ہمّتِ مرداں مددِ خدا" وہ بڑی خوشی سے میرے ساتھ اس کام میں امداد کرنے کو تیار ہو گئے - جب مدعا دونوں کا ایک ہو گیا پھر بچار کیا گیا کہ کونسی تدبیر ہے - جو کہ اس کام کی کامیابی کے واسطے کارگر ہو سکتی ہے - کون ایسا ذی رعب و با اختیار شخص ہے جس سے اس کام میں امداد لی جا سکتی ہے - شریمان لالہ ہیراج جی سپرنٹنڈنٹ دفتر فارسی ضلع مظفر گڑھ ایسے شخص تھے - جنکی توجہ سے یہ کام ہو سکتا تھا گو وہ بھی ایسے جلسوں میں ساری برادری کے ساتھ شامل ہُوا کرتے تھے مگر وہ عقلمند - بچارشیل اور سمجھدار تھے - اور میں جب لاہور سے مظفر گڑھ آیا - تو پنڈت گورودت جی ایم - اے ودیارتھی مرحوم نے مجھے اُن کے نام کا پتر دیا تھا - کہ وہ مجھے ضروری امداد دیویں - اسوجہ سے بھی وہ مہربان تھے - قاضی صاحب سے بھی مشورہ ہو گیا - کہ لالہ جی ہی کو اپنے ساتھ ملالیں - اس روز وہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے ساتھ

دورہ کی وجہ سے مظفر گڑھ میں موجود نہ تھے۔ ادھر ہولی والے
اپنی فہرست پر لوگوں کے دستخط اور چندہ کی امداد کو درج کروا
رہے تھے۔ ہم نے سوچا کہ انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ جب لالہ جی
دورہ سے تشریف لا دیں۔ تو ان لوگوں سے پہلے ہم اُن سے ملیں۔
اگر پہلے یہ لوگ اُن کے پاس پہنچ گئے۔ اور انہوں نے حسب معمول
اپنا نام اور چندہ فہرست میں درج کر دیا۔ پھر وہ ہمارے ساتھ
شامل نہیں ہوں گے۔ پس ہم نے ٹھیک جسوقت وہ دورے سے
آئے اور اپنی بیٹھک میں آ کر بیٹھے۔ ان کو جا کر اپنے کام کی توجہ دلائی
وہ کہنے لگے۔ کہ کام تو بڑا خراب ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ اِن دنوں
اِن لوگوں پر بھُوت سوار ہو جاتا ہے اور کئی سالوں سے یہ دستور
چلا آتا ہے۔ ہم کو چار و ناچار شامل ہونا پڑتا ہے۔ اب اس کا انتظام
کیا کرنا چاہیئے۔ ہم نے عرض کی کہ آپ سے صرف اس قدر امداد
کی ضرورت ہے کہ آپ اُن کو چندہ نہ دیں۔ اور نہ اُنکے جلسہ میں تشریف
لے جاویں۔ لالہ جی نے بخوشی اس بات کو منظور کر لیا۔ ہمارے بعد
ہولی والے اپنا ڈیپوٹیشن لے کر اُن کے پاس گئے۔ اور بہت سی منت
کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ اس سال تو ہولی کا جلسہ مظفر گڑھ
میں ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ پہلے سے تیاری کر چکے تھے۔ مگر اس کے
بعد اس قسم کا جلسہ مظفر گڑھ میں ہونا بالکل بند ہو گیا۔ ان دنوں کو
میں نے اور لالہ جی نے تیری باغ اور ریت کے ٹبوں کی سیر میں بتایا
جو لوگ اِس قسم کے تماشوں کے شائق تھے۔ انہوں نے مشہور یہ کیا کہ
آریہ سماج والوں نے ہندو مسلمان کے اتفاق کو جو کہ وہ ایک محفل میں
بیٹھکر شراب پیا کرتے اور ناچ دیکھا کرتے تھے۔ اور اِس وجہ سے ایک
دوسرے سے محبت اور پیار کرتے تھے۔ اُس میں بھنگ ڈال دیا۔ اور

آریہ سماج اتفاق کا دشمن اور نفاق کا طالب ہے ॰

نفع کی بات

جہان میں مختلف چیزوں کا معجون مرکب ہونے سے اُن چیزوں کی تاثیر میں کسقدر فرق آجاتا ہے۔ دو چیزوں کے ملاپ سے ایک تیسری چیز نمودار ہو جاتی ہے۔ جیساکہ نیلا اور پیلا رنگ مناسب مقدار میں آمیز کیا جاوے تو سبز رنگ نمودار ہو جاتا ہے۔ برائی میں بھلائی اور بھلائی کے اندر برائی کا کیا ہی عجیب میل معلوم ہوتا ہے عقل انسانی کا درجہ جہان میں سب سے بڑا مانا گیا ہے۔ مگر یہ عقل ترقی کسطور سے پاتی ہے۔ دماغ کی طاقت کو سوچ وچار میں خرچ کرنے کا جنکو زیادہ موقعہ ملتا ہے اُن کی عقل بے شک ترقی کے زینہ پر چڑھتی جاتی ہے دُنیاوی کاروبار میں سیدھے سادھے دھرم اور اخلاق کے اصول کے موافق چلنے والوں کو دماغ پر زور دینے کا اتنا موقعہ نہیں ملتا جتنا کہ پاپ میں گرست لوگوں کو ملتا ہے۔ ایک چور چوری کرنے کے واسطے جب تیار ہوتا ہے۔ وہ کن کن سادھنوں کو اپنے ادھکار میں لانے کا جتن کرتا ہے۔ کون ایسا شخص ہے۔ جس کے گھر سے زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھا مال مل سکتا ہے۔ اور پھر کون ایسا ہے جس کے گھر میں حفاظت کا انتظام ناکافی ہے۔ اس کے رکشا کرنے والے آلسی اور سُست ہیں۔ اس کے گھر میں رہنے والے ملازم ایسے ہیں کہ اس کی خیر خواہی نہیں کرتے اور ان کو غافل پاکر یا اپنے ساتھ ملاکر اپنا کام آسانی سے بنایا جا سکتا ہے۔ کسوقت یہ کام بنے گا۔ اور کن کن کی سہایتا بنے گا۔ اگر کوئی پہرہ دار موقعہ پر ایسا آنکلے جو کہ پر لوبھن میں نہ آسکے

تو اُس سے بچنے کا کیا انتظام ہوگا - اگر گھر والوں کو خبر ہو گئی تو اپنی جان بچا کر نکلنے کی کیا تجویز ہوگی - اگر اپنے ساتھیوں میں سے کوئی پکڑا بھی جاوے - تو اُس کے چھڑانے کی فکر پہلے سے کر چھوڑنی چاہئے اگر کوئی پہرہ دار گشت حفاظت کر رہا ہے تو اس کے واسطے روٹیاں ساتھ رکھنی چاہئیں - غرضیکہ اس کے کام میں جن جن ذریعوں سے امداد مل سکتی ہے اور جو جو کارن اس کے کام میں بگھن اور رکاوٹ ڈالنے والے ہیں - ان سب کو ایک ایک کر کے دھیان میں لاتا ہے موافق کے حاصل کرنے اور ناموافق سے بچا رہنے کی تجویزوں کو خوب غور اور فکر سے سوچتا ہے - اپنی جان کی حفاظت کے واسطے اور تنگ حالت میں سے صاف نکل جانے کے واسطے کوئی نہ کوئی ہتھیار بھی ساتھ لیتا ہے - اکیلا اس کام میں کامیاب نہیں ہو سکتا - تو اپنے ساتھی اور ہمراہی بھی بنا لیتا ہے - یہ سب ملکر معاملہ کے ہر ایک پہلو پر وچار کرتے اور عقل کے گھوڑوں کو فکر کے میدان میں سرپٹ دوڑاتے ہیں اپنی کامیابی کی تدبیروں کو نکال لیتے ہیں - گٹھ کترے جیب کو کس حکمت سے کاٹتے ہیں - جیب والے کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جو کچھ جیب میں ہے - اُسے اُڑائے جاتے ہیں - مدعا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنی عقل اور فکر کو ترقی دینے کے واسطے کافی میدان ملا ہوا ہے - ان کی عقل تیز ہو جاتی ہے - اسی طرح سے کامی پرشوں - جوئے بازوں - ٹھگوں - اور ڈاکے مارنے والوں - گٹھ کتروں اور فن فریب حیلہ اور فکر سے دوسروں کے دھن ہرنے والوں کو اپنی عقل کے بڑھانے اور تیز کرنے کا موقعہ نہایت ہی عمدہ ملا ہوا ہے سنسار میں تتو دیتا گیانیوں سے تو ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے - وہ اپنی سوکھشم درشٹی اور میدھا بدھی سے سنسار کی برائیوں سے آپ بچتے اور دوسروں

کو بچانے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور بن گئے ہیں۔ مگر وہ بہت تھوڑے ہیں اس اس راستہ میں بھی بٹ مار ہمیشہ گھات لگا کر بیٹھے رہتے ہیں۔

بھلائی کے راستہ کو بنانے اور اُس پر چلنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ مایا دیوی کا جال ایسا بچھا ہوا ہے کہ بڑے بڑے گیانیوں کو پھنسانے اور اس میں سے نکلنے نہ دینے کی سمرتھ اُس میں پوری پوری پائی جاتی ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ پرت اُدّھار کے کام میں ان لوگوں کو شامل کیا جاوے۔ جنہوں نے اپنی عقل کو تیز کر لیا ہے۔ اور جن کے مقابل وہ لوگ جنکو ان کاموں سے مس نہیں ہے۔ سیدھے سادے۔ نیک نیتی اور دیانتداری سے جن لوگوں نے گزارہ کیا ہے اور جو نیک اور بھلے پُرش کہلاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کُٹل پُرشوں کے مقابلہ میں یہ بُدھو ہیں اور ایسا ہی کہے بھی جاتے ہیں۔ یہ بُدھو لوگ دھنیہ ہیں جو کہ پاپ سے بچے رہتے ہیں۔ مگر دوسروں کو بچانے کی ساگری ان میں بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ البتہ ملکر کام کو کریں تو یہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ تو بھی کیوں نہ ایسے لوگوں کی طرف رجوع کیا جاوے جو زیادہ عقلمند ہیں اور اپنی عقل کو بُرائی میں خرچ کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ میل کرنے سے پہلے تو خاص اُن کا اُدّھار ہوگا۔ اور پھر اُن کے ذریعہ دوسروں کا اُدّھار کیسے عمدہ طریقہ سے اور کسقدر تھوڑے عرصہ میں ہو سکتا ہے اس پر زیادہ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے +

پرماتما دیا کریں۔ منشیہ ماتر بُرائی سے بچکر پریم اور پریتی سے ملکر ایک دوسرے کی سہایتا اور بھلائی میں لگ جاویں +

ایک غافل آدمی کو کُتا کاٹتا ہے۔ زخم ہو جاتا ہے۔ اس سے ہمدردی کی جاتی ہے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک غریب آدمی کے پاس کپڑا نہیں ہے۔

ہمدردی سے اسکو نمونیا ہو جاتا ہے - وہ بھی ہمدردی کا مستحق ہے ایک
ناواقف آدمی گہرے پانی میں بوجہ تیرنا نہ جاننے کے ڈوبنے لگتا ہے
کنارہ پر کھڑے لوگوں میں سے جو تیرنا جانتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ
وہ ہمدردی کریں اور ڈوبتے ہوئے کو بچا دیں - تو کیا وہ لوگ جن کو
کام کے کُتے نے کاٹا ہے - شراب کے دیو نے جن کے سر پر چڑھ کر
اُسکی عقل و ہوش کو کم کر دیا ہے - جو لوبھ کے ٹھگ سے ٹھگے جا کر دھرم کا
کیسہ کھو بیٹھے ہیں - چوری اور ٹھگی کی غار میں پڑ کر جو غرق ہو رہے ہیں
لالچ - مکاری - دغا بازی کی ویشیا کے وش میں آ کر جو ترشنا کے پنجرے
میں پڑے ہوئے تڑپ اور پھڑک رہے ہیں - اور جو موہ کی دلدل میں
پھنسے ہوئے نیچے کو جا رہے ہیں وہ ہمدردی اور رحم کے مستحق کیوں نہیں؟

ہندو اچھوت

ان الفاظ کو سُنکر حیرانی ہوتی ہے - جو ہندو ہے وہ اچھوت بھی
ہے - ہندوؤں کی گنگا ماتا جو انیک جنم کے پاپوں کو دور کر سکتی ہے -
اس کے اندر سنان کرتے ہوئے بھی ہندو دھرم کے ماننے والے
لوگ پھر بھی اچھوت ہی رہیں - یہ بات اسی طرح سے سمجھ میں نہیں آسکتی
جیسا کوئی کہے چاندنی اندھیرا - یا اندھیاری روشنی - گورو نانک دیو نے
کہا کہ ہندو صلاحیں صلاح - خیر زمانہ زمانہ کی بات ہے غلط فہمی بے
پرواہی اور بے توجگی اور کچھ کچھ ابھمان اور خود غرضی کی وجہ سے ہندو
جاتی کے کروڑوں لعل اچھوت بنا دیے گئے - اب زمانہ بدل گیا ہے -
وقت آ رہا ہے اور آ ہی گیا ہے کہ یہ سب کے سب پھر اپنے اصلی مقام
پر کھڑے کر دیے جاویں - پھر بھی کام کرنے والوں کی ضرورت ہے اور

پرماتما کا دھنباد ہے کہ کام کرنے والے بھی میدان میں آسنے جاتے ہیں۔ اچھوت جاتیوں کے اُدّھار کے واسطے پہلے تو سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ اول تو ہمارے گُویین لوگوں کے دل میں جو سنسکار پُشت ہا پُشت سے چلے آتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کے ساتھ چھُونا نہ چاہیے۔ اگر کوئی چھُو جاوے تو کپڑوں کے سمیت سنان کرے اس خیال کو دل سے نکالا جاوے۔ اور چھُوت کے بھوت کو سر سے اُتارا جاوے۔ غیر مذہب والوں سے جب چھُوتے ہیں۔ کوئی پاپ چمٹ نہیں جاتا تو اپنے دھرم کے بھائیوں کے ساتھ چھونے سے جو انہی دیوتاؤں اور مہاتماؤں کے انویائی اور نام لیوا ہیں۔ جنکے کہ ہم ہیں ہم کیوں اپوتر ہو جاتے ہیں۔ جن بزرگوں کی پیروی کی وجہ سے اور جس دھرم کے انویائی ہونے کی وجہ سے ہم لوگ اپنے آپ کو پوتر مانتے ہیں۔ اُنہیں کے انویائی ہونے کی وجہ سے وہ کیوں پوتر نہیں ہیں۔ اصل بات یہ بھی ہے۔ کہ ان لوگوں میں پاپ کا پرویش اتنا نہیں ہے جتنا کہ ہم لوگوں میں ہے جس کی وجہ سے ہم بہ نسبت اُن کے زیادہ پرتت کیے جا سکتے ہیں۔ پرماتما کا دھنباد ہے کہ اب لوگ اس بات کو سمجھنے اور عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور جن لوگوں سے خاص طور پر اس کام کے میدان میں آنے کی اُمید نہیں اب وہ خود میدان میں آ رہے ہیں۔ چنانچہ سہارنپور کے پنشنر قانونگوے لالہ درگا پرشاد جی اس کام کو بڑی اُتم ریتی سے کر رہے ہیں۔ اُنکی بھیجی ہوئی ایک بات چیت آج یہاں درج کی جاتی ہے۔ راجکماری ایک اُتم ہندو خاندان کی لڑکی ایک چاہ پر پانی بھر رہی تھی۔ یہ چاہ ایک راستہ کے کنارہ پر ہے جہاں سے کہ بہت سے چمار جاتی کے عورت مرد اپنے گاؤں کو جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی مسماۃ سُندری کو سخت

پیاس لگی ہوئی تھی - چاہ پر عورتیں پانی بھرنے والیوں کو دیکھ کر پانی پینے کے واسطے کھڑی ہوگئی اور اس نے راجکماری سے پرارتھنا کی کہ اوسے وُہ پانی پلا دے - وہ سمباد لالہ درگا پرشاد جی نے مندرجہ ذیل سمباد میں بیان کیا ہے - جو کہ غور اور توجہ سے پڑھنے کے لائق ہے

بے کل ہوں میں پیاس سے ہے گھُٹ رہا گلا میرا
تھوڑا سا پانی پلوا دے ہووے بہن بھلا تیرا
میرا ہندو دھرم ہے میں ہوں چمار ذات کی
پانی پینے کو کھڑی ہوں چلی گئیں سب ساتھ کی

راجکماری

مَیں تجھے پانی پلاؤں ڈول میرا بھرشٹ ہو
بات کرنے سے بھی تیرے دھرم میرا بھرشٹ ہو
آرہی کپڑوں سے تیرے مجھ کو بدبُو ہے بڑی
سامنے میرے ہٹ جا مت یہاں تو ہو کھڑی

سندر

نردئی بن کے بہن تو مت دَیا سے شُونیہ ہو
پیاسے کو پانی پلانے سے بڑا ہی پُنیہ ہو
تم شکھا دھاری ہو ہندو ہو اُپاسک رام کے
ہم بھی چوٹی دھار ہندو داس ہیں ہری نام کے

راجکماری

مَیں تجھے پانی نہ دونگی کیوں کرے درلاپ ہے | دیکھنے سے تیری صورت مجھکو لگتا پاپ ہے

سندر

ہیں وہ پاپی لوگ پاسوں یہ دیا جنکو ہیں
دیکھتے ایکجان سے جو بڑے سے اپنے تئیں
نیچ ہیں وہ لوگ جو پورا نہیں ہیں تولتے
نیچ وہ نر نار ہیں جو سچ بھی نہیں بولتے
آٹھ آنہ پر اٹھا دیں جھوٹھی جو گنگا جلی
جات اُن کی ہم اچھوتوں سے ہے کیونکر بھلی
چھل فریب اور ایرشا کرتی رہو تم پرش سے
پاپ لگتا ہے تمہیں بس میرے خالی درش سے
بندگی تم ہو بہن رکھتی سی مہا مند ہو
اوٹ میں اس دھرم کے رکھتی بڑا پاکھنڈ ہو

راجکماری

تو چماری ہے گنواری کچھ نہیں تجھ میں حیا
خیر اپنی چاہتی ہے تو یہاں سے بھاگ جا
زیادہ بولے گی تو کوپہ تیرا بھوا دوں گی میں
اس محلہ سے ابھی تجھکو نکلوا دوں گی میں تو

درشک

ہو رہی تھی بات ان دونوں کی کنوے پر جہاں
بھر رہی تھی اک مسلمانی گھڑے اپنے وہاں
تھی مسلمانی نصیبن بہت ہی باحوصلہ
سُن کے یہ سب بات اُس نے یوں چماری سے کہا

نصیبن

ہندوؤں کی جاتی کیسا بُرا برتاؤ ہے — من ہے پتھران کا اس میں کب دیا کا بھاؤ ہے
کر رہی ہوں میں سچے دل سے بہن تم سے کہن — چھوڑ ہندو دھرم کو اسلام کی آئے شرن
ہیں تمہارے جتنے بندھن ٹوٹ وہ جائینگے سبھی — مسلمان بھائی سمجھ کر تم کو سکھ پہنچائینگے
رات دن اس ہندوؤں کے کارن اس ناتے — ہو رہے ہیں عیسائی مسلم لاکھوں ہی جاتے ہیں

سندر

اے نصیبن ہم تجھکو دہن بدھی کو تیری — دھن تیری بات کو کی دور چنتائیں مری
کشٹ سے جا کے تمہیں میں دھرم اپنا چھوڑتی — دھرم ہے پیارا مجھے اس سے نہ ناطہ توڑتی

پتت اُدھار کا ایک اُتم سادھن

ودیا کا پرچار ہے۔ ضلع مظفر گڑھ تحصیل علی پور میں جتوئی نامی ایک قصبہ ہے۔ اس جگہ کے ایک بیوپاری لالہ ٹھکن رام جی کو خیال پیدا ہوا کہ جاتی کے بہت سے لڑکے آوارہ پھرتے ہیں۔ ان کی دھارمک سکھشا اور چال چلن کی نگرانی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہی بچے اگلی نسل کے باپ بننے والے ہیں۔ اگر ان کا سدھار نہ ہوا تو یہ اپنی سنتانوں کا سدھار کس طرح کر سکیں گے۔ اس خیال کو اپنے دل میں جگہ دیکر کچھ عرصہ تک اس کو عملی جواب میں لانے کا وچار کرتے رہے۔ چودھری تلسی رام جی پردھان آریہ سماج جتوئی جو بڑے وچارشیل اور دھارمک تھے۔ افسوس ہے کہ ان کا دیہانت بتاریخ ۵ ستمبر ۱۹۱۹ء کو ہو گیا ہے اور دوسرے آریہ بندھوؤں نے لالہ ٹھکن رام جی سے اتفاق کر لیا۔ ۱۲۰

جون ۱۹۱۴ء کو جنوئی میں ایک پاٹھ شالا بنام آمریہ بھراتری سنسکرت پاٹھ شالا کھولی گئی - لالہ چنگن رام جی نے علاوہ بہت سے دھن کی امداد کے اپنا ایک وسیع مکان ۵ سال کے واسطے بلا کرایہ کے دے دیا۔ چودھری تلسی رام جی کے سپتر پنڈت ودیا ساگر جی شاستری نے اس پاٹھ شالا میں بطور مکھ ادھیاپک کے کام کرنا شروع کیا - اس پاٹھ شالا میں آج کل ۲۵ ودیارتھی پڑھ رہے ہیں - پہلے سال دو ودیارتھی اس پاٹھ شالا سے پراگیہ کے امتحان میں گئے - دونوں پاس ہو گئے - دوسرے سال چھ میں سے چار پاس ہوئے - اس سال پانچ ودیارتھی پراگیہ پریکھشا میں جانے والے ہیں - اگلے سال وشارد کی پریکھشا کیواسطے چار ودیارتھی تیاری کر رہے ہیں - اور پانچ پراگیہ پریکھشا میں جاوینگے سری ۱۰۸ جیہ در سوامی سروانند جی مہاراج کی اس پاٹھ شالا پر بڑی کرپا ہی ہے - آپ ہر سال اس کے سالانہ جلسہ پر آیا کرتے ہیں - اور دو ودیارتھی بھی آپ نے اس پاٹھ شالا میں داخل کئے ہوئے ہیں - جو ان کے خاص رشتوں میں سے ہیں - امسال سالانہ جلسہ ۲۷ تا ۲۹ - فروری کو تھا - سوامی جی کے اُپدیش اور لیکچر عام پسند ہوتے تھے - ہندو مسلمان سب لوگ اِن کو بڑے شوق سے سُنتے اور لابھ اُٹھاتے ہیں کوئی دو سو روپیہ کے قریب سالانہ امداد سرکار کی طرف سے بھی ملتی ہے - اور ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب مدارس ضلع مظفرگڑھ اس کا معائنہ کیا کرتے ہیں - صبح شام دو وقت جب سٹوڈنٹ کے ملکر سندھیا اور ہون کرتے ہیں - وید پاٹھ ہوتا ہے - تو رشیوں کے زمانہ کی یاد سامنے آ جاتی ہے - حالانکہ یہ وہ علاقہ ہے - جہانکہ ودیہ پان کا پرچار کسی دوسرے علاقہ سے کم نہیں رہا - اُمید ہے کہ اس پاٹھ شالا کی سکھشا سے عام لوگوں کے اچرنوں میں بہت سی اُنتی ہو گی - لالہ

ٹھکن رام جی اس کام میں بہت بڑی بھاری سہائتا کرتے ہیں۔ اور
زیادہ زکوٹ دیتی سے کرتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ اس نیک مثال کی پیروی
ضلع مظفرگڑھ کے قصبات اور دیہات میں بڑے زور شور سے ہوگی
اس وقت پاٹھ شالا ہیں ضلع مظفرگڑھ کے قصبات سیت پور۔
خیر پور۔ جھوکیوالا۔ سیانیوالا۔ علی پور۔ شہر سلطان۔ ضلع ڈیرہ
غازیخاں کے جام پور اور ڈیرہ غازیخاں۔ دہلی۔ اور علی گڑھ
کے تعلیم پا رہے ہیں۔ ایک بورڈنگ ہاؤس بھی اسی عمارت میں ہے۔
جو کہ لالہ ٹھکن رام جی نے دے رکھی ہے۔ ان لڑکوں کو جو باہر سے آئے
ہوئے ہیں۔ اور دیگر غریب لڑکوں کے واسطے بھی خرچ خوراک وغیرہ
میں امداد دینے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اس سال علاوہ خرچ جلسہ
کے جلسہ کے موقع پر قریب ساڑھے چار سو روپے پاٹھ شالا کے
فنڈ کے واسطے اور دو سو پچاس روپے غریب لڑکوں کی امداد کے
واسطے جمع ہوگیا ہے۔ علی گڑھ کے لڑکے شری سوامی سرودانند
جی نے داخل کرائے ہیں۔ اور ان کا خرچ بھی سوامی جی آپ دیتے
ہیں۔ اور دہلی سے ایک لڑکا بہت اُدھارک پاٹھ شالا
دریا گنج کے ادھیاپک مہاشے گنیش داس جی نے بھیجا ہوا ہے
اور اس کا خرچ بھی وہی ادا کرتے ہیں +

ایک نابینا لڑکا جو علی پور سے یہاں پڑھنے کو آیا تھا۔ اُس نے
میرے پاس بیان کیا۔ کہ اُس کو دوسرے لڑکوں نے تنگ کیا ہے
وجہ سے وہ واپس اپنے گھر کو جا رہا ہے۔ امید ہے۔ کہ پنڈت
ودیا ساگر جی ایسا انتظام کرینگے۔ جس سے اُن کی پاٹھ شالا کی
شہرت جو دہلی اور علی گڑھ تک پہنچ گئی ہے نہ صرف قائم رہے۔
بلکہ دن بدن بڑھتی جاوے۔ لڑکوں کو تاڑنا کرینگے۔ اور نابینا

لڑکوں کی سہایتا کرنا انہیں سکھلا دینگے ÷

استریوں پر اتیا چار

تو بہ اوج فلک چہ دانی چیست
چون ندانی کہ در سرائے تو کیست

بھارت ماتا کے لال بھارت ماتا کو نہال کرنے کے واسطے کوشش کر رہے ہیں - سودیش بھگتی اور سوجاتی پیار کے نعروں سے آسمان کو گونجا دیتے ہیں - اور اسی دھن میں لگے ہوئے ہیں کہ سنسار کو دکھا دیویں کہ ترقی کا زینہ کتنا اونچا ہوتا ہے - اگر کوئی دوسرا شخص ان کے کسی کام میں دخل دیوے تو خواہ مخواہ کا دخل در معقولات ہی سمجھا جاوے گا - مگر پھر بھی عرض معروض تو غرض مندوں کا کام ہی ہے - اس واسطے مجھے بھی جو کچھ کہ نظر آتا ہے - اُس کو سُنا سُنا کر بزرگان قوم کی سمع خراشی تو کرتا ہی رہونگا - کوئی نہ کوئی وقت آ ہی جاویگا جبکہ میری یہ کمزور آواز کسی کے کانوں میں پہنچ ہی جاویگی - مجھے یاد پڑتا ہے اور یہ عرصہ قریب بیس سال کی بات ہے کہ لالہ کدار ناتھ ایم - اے - بی ٹی جو آج کل کسی سرکاری مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر ہے - اس کی عمر ۸ - ۹ سال کی ہوگی - یہ سکول میں پڑھا کرتا تھا - اس کے پتا بابو تارا چند جی انسپکٹر ریلوے ورکس نے اپنے رہنے کے کوارٹر مکان کے پاس ایک چھوٹا سا کنواں لگوایا ہوا ہے - اور اس کے پاس ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے اس میں کچھ سبزی وغیرہ کاشت کیا کرتے ہیں - میں نے ایک دن دیکھا کہ اس بچہ نے ایک کاغذ پر لکھا اور کاغذ کو باغیچہ کے دروازہ پر چپان کر دیا - لکھا یہ تھا کہ اس باغیچہ کو اتنی چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں - ایک

گلہری - دوسرے جانور - تیسری بکری - چوتھا آدمی آ پایا گیا - جب اتنی چیزیں نقصان کرنے والی ہوں تو پھر کہاں سے ہو اور باغیچہ بیچارہ کیا کرے"۔ میرے مہربان بھارت ماتا کے سپوتو ذرا وچار کر کے دیکھو کہ بھارت ماتا کے سینہ اور جگر میں کیسے کیسے زخم زہریلے اور کُند ہتھیاروں سے بھارت ماتا ہی کے بیٹے لگا رہے ہیں - لگانے والے تو بھلا بے سمجھ کہہ لو - نادان سمجھ لو - جن کو خود غرضی اور جہالت نے گھیرا ہوا ہے - وہ بیچے اس کام کو نہیں سمجھتے کہ سراسر نقصان کا کام ہے - اپنے چار پیسہ نفع کی خاطر اس کام میں لگے ہوئے ہیں - مگر ایسے بھی تو لاکھوں ہیں جن کو بھارت ماتا کا دُکھ رات دن ستا رہا ہے - جن کو دن کو نہ چین ہے اور نہ رات نیند ہی آتی ہے - میں اُن مہاتماؤں اور بزرگوں کی سیوا میں عرض کرتا ہوں - کہ جہاں وہ اور بڑے بڑے کام کر رہے ہیں - اپنے دیش کی ماترِی شکتی کے اپمان، نرادر اور مصیبت کی طرف بھی دھیان دیویں ÷

میں پچھلے کسی حصہ پتت ادھار میں پتت اُدھار کی ضرورت کا بیان کرتے ہوئے لکھ چکا ہوں کہ بہت سی خفیہ ایجنسیاں جاری ہیں - جو لڑکیوں اور کم سمجھ مصیبت زدہ عورتوں کو چرا کر اور پھسلا غیر وطن میں لے جاتے ہیں اور سستے داموں میں فروخت کرتے ہیں اس امر واقعہ کی سچائی میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہ رہے - اس واسطے میں ایسے ایجنٹوں کے خطوط میں سے آج صرف دو خطوں کو بزرگان قوم کی سیوا میں پیش کرتا ہوں تا کہ جہاں وہ اور بہت سے کام کر رہے ہیں اس طرف بھی تھوڑا سا خیال مبذول فرماویں بقول اس کے کہ "شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا" - میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ صرف توجہ کی دیر ہے - پھر بیڑا پار ہے ÷

خطوط حسب ذیل ہیں نمبر ۱ - مہاشہ بابو ...... جے رام جی کی
بعد مدت کے آپ نے یاد فرمایا - میں شکریہ ادا کرتا ہوں اور از حد خوشی
حاصل ہوئی - بعد مدت کے نوازش نامہ آپ کا آیا - حال معلوم ہوا -
آج کل مال بہت عمدہ ہے اور تین چار بورہ تیار ہیں - ایک بورہ کی
قیمت ڈھائی تین سو روپیہ مالک مانگتا ہے - جس وقت آؤ گے اور
دیکھو گے اُس وقت جیسا کہو گے کر دیا جاوے گا - مگر آؤ جلدی
دیر مت کرو - مال طیار ہے - اور عمدہ اور کفایت سے مال آپ
کو دیا جائیگا - آپ جلد تشریف لادیں - باقی سب خیریت ہے ÷

نمبر ۲ - بابو ...... کو بعد رام رام کے معلوم ہووے - کہ خط
تمہارا نسبت مال کے آیا تھا - کہ اگر مال تیار ہووے تو لکھو - ہم آویں
ہم نے آپ کو فوراً جواب دیا - کہ مال تیار ہے - آپ آویں - بذریعہ لفافہ
کے اطلاع دیا کہ مال عمدہ اور نیا طیار ہے - آپ آویں - اور عرصہ
آٹھ روز کا ہوا - تمہارے نام تار دیا تھا کہ مال طیار ہے - فوراً
آئیے - مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا ÷

مال خرید کیا ہوا رکھا ہے - اگر آپ نہ آسکیں یا ضرورت نہ ہو تو
جواب دیجئے - کوئی اور بندوبست کریں - اور شہر میں مال کا
رکھنا ٹھیک نہیں ہوتا ہے - بہت خرچ پڑتا ہے - براہ نوازش
جواب سے بہت جلد مطلع کیجئے - ہمارا نقصان ہو رہا ہے - آپ خود
عقلمند ہیں - زیادہ لکھنا فضول ہے - اگر فی الحال نہ آنا ہو سکے
تو جواب سے اطلاع دیجئے - مال فروخت کر دیا جاوے - جب آپ
کا آنا ہوگا - مال پھر خرید کر دیا جاوے گا - زیادہ تسلیم +

یہ ہیں نقول اصلی خطوط کی - جو کہ میرے پاس موجود ہیں - کاتب
اور مکتوب الیہ کا نام - شہر اور مقام کا نام میں نے درج نہیں

گیا۔ اس صورت میں میری اتنی عرض ہے۔ کہ کیا ان خطوط پر مجھے
کچھ حاشیہ چڑھانے کی ضرورت ہے؟ اور کیا میری یہ درخواست
اُن بزرگوں کی خدمت میں جنھوں نے آل انڈیا کے سرنامہ رکھنے
والی سبھا۔ سماج۔ اور سوسائٹی بنائی ہوئی ہیں۔ اور جو بڑی بڑی
قربانی اپنے ان کاموں کے واسطے کر رہے ہیں قابل غور اور
توجہ کے ہے؟

مطلب کی بات

استریوں پر اتیاچار کے بارے میں میں سمجھتا ہوں کہ اب بہت
لکھا جا چکا ہے۔ پرماتما کی دیا سے اب وقت آگیا ہے کہ عملی طور پر
کوئی کام کیا جاوے۔ تجویز ہو رہی ہے کہ بدھوا استریوں کی دستگیری
کے واسطے دو مقاموں پر بدھوا آشرم کھولے جاویں۔ ایک تو
ایسے علاقہ میں جہاں کہ استریوں کی دُرْدشا بڑی قابل رحم حالت میں
ہو رہی ہے۔ اور جہاں پر بہت سی بدھوا استریاں اپنے گھر والوں
کے ظلم سے ستائی جاکر بھٹکتی ہوئی کوئی ٹھور نہ پاکر تیرتھ یاترا
سے اپنی حالت کے سدھار کے واسطے یا اپنی کمزوری کو چھپانے کے
واسطے بڑی تعداد میں جاتی ہیں۔ اُن کا مددگار کوئی ہوتا نہیں۔ جو
اُن کی غمگساری کرے۔ اس لئے ایسے دلالوں کے پھندے میں
پھنس جاتی ہیں۔ جن کے دو خطوط بطور نمونہ کے درج کئے گئے
ہیں۔ اور دوسرا آشرم کسی ایسے شہر میں ہو جہاں کہ اُن کی پرورش
تعلیم۔ تربیت کے سامان آسانی سے مُہیا ہو سکیں۔ ان بچاری
مصیبت زدہ استریوں کے واسطے مختلف قسم کے کام مہیا کئے

جاویں - جن میں مہارت حاصل کرکے وہ نرس بن سکیں - تعلیم یافتہ دایا اور ڈاکٹر بن سکیں - ادھیاپکہ یا معلّمہ بن سکیں - اُپدیشکا اور پرچارکہ بن سکیں - جو اس قابل ہوں کہ اُن کا شادی کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا - ان کو اچھے بھلے پُرشوں سے بواہ کر دیا جاوے غرضیکہ جو کچھ کہ ان کی بہتری کے واسطے مناسب ہو - وہ سب کام ایک بڑے اچھے انتظام کے ماتحت سرانجام کو پہنچایا جاوے میں اُمید کرتا ہوں کہ جن سجن پُرشوں کی نظر میں یہ سطور گذریں - اگر وہ اس کام سے کچھ ہمدردی رکھتے ہیں - تو مینیجر بنت اُودھا چنگڑ محلہ لاہور کے ساتھ خط و کتابت کریں +

اوم

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

(۱) اناتھ اور یتیموں کی رکھشا کا کام اپنی سنتان - کُل اور جاتی کی رکھشا کا کام ہے - عام طور پر لوگوں نے اس کی طرف جیسا کہ چاہئے توجہ نہیں دی - اس کام میں امداد کو لوگ خیرات اور دان کا کام سمجھتے ہیں - دان جس کی مرضی ہو دیوے - مرضی نہ ہو نہ دے - کوئی ضروری کام سمجھا نہیں جاتا - تھوڑا وچار کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے یہ کام دان اور خیرات نہیں ہے - جس طور سے لوگ اپنی زندگی کا بیمہ کراتے - ماہوار اور سالانہ رقوم ادا کرتے ہیں تاکہ اُن کے مرنے کے بعد اُن کے بال بچوں کو مقررہ رقم ملے یا فیملی ریلیف فنڈ میں چندہ دیتے ہیں - کیا ایسے چندے اور امداد کو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دان ہے - یا خیرات ہے - اس طور سے اگر دُور اندیشی کو کام

میں لایا جاوے - تو اناتھوں کی امداد خیرات اور دان کا کام ہمیں [illegible]
بلکہ اپنی سنتان کے بچاؤ کی صورت اس سے پیدا ہوتی ہے +

(۲) جو بچّے آج یتیم ہیں کیا اُن کے والدین کو جب وہ زندہ
تھے ایسا خیال آیا تھا - کہ وہ مر جائیں گے اور اُن کے [illegible]
ناز و نعمت سے پرورش کئے ہوئے بچّے اناتھ یتیم اور دوسرے
لوگوں کی امداد کے محتاج ہو جاوینگے - اُن کو کوئی ایسا خیال نہ تھا -
اس طرح سے جو لوگ آج زندہ ہیں - اپنی اولاد کی پرورش بڑے
پریم اور پریتی سے کر رہے ہو - اُن میں سے شاید کوئی ایسے ہوں
جن کو یہ خیال کبھی کبھی آتا ہو کہ اُن کے مرنے پر اُن کے بچّے بھی یتیم
اور اناتھ ہو سکتے ہیں - ورنہ عام طور پر کسی بھی شخص کو ایسا خیال
نہیں ہے - موت کی یاد کس کو ہے اور مر جانے کا خیال کس کو ہے؟
اس واسطے میرے دوستو اِس سوال کو تھوڑی دیر کے واسطے وچار
کرو - میرے اس کہنے کو بُرا نہ مانو - کیونکہ میں آپ کو جو کچھ کہہ رہا ہوں
آپ کی سنتان کی بھلائی کے واسطے کہہ رہا ہوں - پرماتما دیا کرے
کہ آپ اپنی اولاد کی پرورش اپنے ہاتھوں سے کرنے کے واسطے موجود
رہیں اور جو خوشی اور آنند اپنی لاڈلی سنتان کی بھلائی اور بہتری
سے آپ دیکھنا چاہتے ہیں وہ آپ خود دیکھیں - اور اُن کو پھلتے اور
پھُولتے ہوئے دیکھ کر گرہست روپی باغ کی سرسبزی اور لہلہاہٹ
سے آپ کی آنکھیں خوش اور دماغ تر و تازہ ہوں - اور ایشور کی ایسی کرپا
ہو کہ کوئی بھی کم سن بچہ اس سنسار میں یتیم نہ ہونے پاوے - مگر
میری اور آپ کی ایسی پرارتھنا کا قبول ہونا آپ خیال فرما دیں - کب
ممکن ہے - کرموں کا پھل ضرور ملتا ہے - جن ماتا پتاؤں کے ایسے کرم
ہیں کہ وہ اپنی جان سے پیارے بچّوں کو روتے اور بلکتے ہوئے

چھوڑ کر اس سنسار سے کوچ کر جاویں۔ اور جن بچوں کے ایسے کرم ہیں کہ وہ کمسنی کی حالت میں ماتا پتا کے پیار اور پریم سے محروم کئے جاویں اُن کے کرموں کے پھلوں کو اُن سے دُور رکھنے کی طاقت کس میں ہے۔ کرپا کر کے میرے دوستو آپ اس کو بھی وچار کریں ۔

(۳) آپ صاحبان میرے ساتھ متفق ہوں گے کہ یہ طاقت کسی میں نہیں ہے۔ تو کیا کوئی تجویز اور اپاؤ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ اس مُصیبت کو دُکھ اور کلیش کو جس قدر ممکن ہے کم کیا جاوے اور کیا کوئی بھی شخص دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی مُصیبت اور کلیش کا شکار وہ نہیں ہوگا۔ اور اُس کے کُل۔ خاندان اور سنتان سے یہ مُصیبت دُور رہے گی۔ ہیں اور آپ تو چاہتے ہیں کہ یہ بلا کسی پر نازل نہ ہووے۔ مگر جن پر ہونی ہے ضرور ہونی ہے اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس پر ہونی ہے۔ ممکن ہے کہ مجھ پر اور آپ پر اسوقت نہ ہو۔ آئندہ نسلوں میں اس کا نازل ہونا ممکن ہے تو کیا اس سے بچنے اور اس کے دُکھوں کے دُور کرنے کی تنجاویز کو سوچنا اور عمل میں لانا ہماری زندگی میں ہو سکتا ہے۔ یا اُس کے بعد بھی ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ بس ان باتوں کا وچار کر کے اس کے واسطے جو کچھ آپ مناسب خیال فرماویں اپنی زندگی میں کریں اور آج ہی کریں۔ اور جو آج کرنا ہے اُسے اب کریں کل پر نہ چھوڑیں۔ آپ کا اس وقت کا کیا ہوا تھوڑا کام بھی سپھلتا کو پراپت ہوگا۔ جیسا کہ موسم پر کاشت کیا ہوا بیج پھولتا اور پھل لاتا ہے۔ وقت کے گذرنے پر اگر آپ کرینگے بھی تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا ۔

(۴) آپ لوگ اپنی اولاد کی شکشا اور بھلائی کے واسطے پاٹھشالہ سکول۔ کالج اور گورو کُل جاری کرتے ہیں۔ جو لوگ ان انسٹیٹیوشنوں میں کام کرتے اور اُن کو چلاتے ہیں۔ وہ آپ بہ ندولت سکتے ہیں۔ کہ

دیکھو ہم لوگ آپ کی سنتان کے واسطے یہ کام کرتے ہیں۔ آپ ہماری امداد کریں۔ اُن کی یہ اپیل آپ کے دل کو ٹھوکر لگاتی ہے۔ اور آپ حسب مقدور اُن کی اپیل پر دھیان دیتے اور ہر پرکار سے اُن کی امداد کرتے ہیں۔ یہ بڑا ضروری کام ہے۔ آپ کو ضرور اُن کی امداد کرنی چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی کرپا کر کے اتنا بھی بتلا دیویں کہ جو لوگ یتیم خانوں میں کام کرتے اور اناتھ بچّوں کی سیوا کرتے ہیں۔ وہ کس کو جا کر کہیں کہ آپ ہماری امداد کریں۔ کیونکہ ہم آپ کے بچّوں کی پرورش کر رہے ہیں جن کو وہ اتنا کہہ سکتے ہیں۔ وہ تو اس سنسار میں اب موجود نہیں ہیں اگر اُن کو بھول کر بھی ایسا کہہ دیویں تو وہ بڑا منا دیں۔ کہ یہ تو ہمارے واسطے بدخواہی کی جاتی ہے۔ اب میرے پیارے دوستو آپ وچار کرو کہ وہ لوگ کس کے پاس جاویں جو اُن کی بات کی طرف توجہ دیوے اس کی خراشی سے آپ ناراض بھی ہوتے ہوں گے اور دل میں خیال آتا ہوگا۔ کہ یہ لوگ ہم سے بڑی بڑی رقوم لینا چاہتے ہیں۔ اس واسطے آپ ٹالنا بھی چاہتے ہیں۔ تھوڑا دینگے تو یہ کہیں گے اور دو اس واسطے اکثر صاحبان اول تو اپنی مجبوری ظاہر کرتے اور کورا جواب دے دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں +

(۵) اس واسطے میرے دوستو میں آپ کی سیوا میں یہ حال بھی عرض کر دوں کہ اگر آپ صرف توجہ فرماویں تو آپ بڑی آسانی سے اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔ اور امداد کی صورتیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں:-

(اوّل) ایک روپیہ ماہوار دے کر آپ یتیم خانہ سوسائٹی کے ممبر بن سکتے ہیں +

(دوئم) دو صد روپیہ یکمشت یا چار قسطوں میں دے کر آپ عمر بھر کے واسطے سوسائٹی کے ممبر بن سکتے ہیں +

(سوم) کوئی سبھا سماج اور سوسائٹی جو پانصد روپیہ یکمشت یا پچاس روپیہ کی قسطوں میں ادا کرے۔ اُس کی طرف سے ایک ممبر سوسائٹی کا ہمیشہ کے واسطے نامزد ہو سکتا ہے۔

(چہارم) بواہ شادی یا دیگر دان کے موقعوں پر جو دان کئے جاتے ہیں ان کی فہرست میں یتیم خانے کا نام درج کرا دیا جاوے۔

(پنجم) اپنے ذاتی خرچ میں سے ایک روپے میں سے ایک پیسہ بچا کر دان دیا جاوے۔

(ششم) مٹھی بھر آٹا روزمرہ رکھا جاوے۔

(ہفتم) فصل کے موقعہ پر خرمن میں سے کچھ غلہ دیا جاوے۔

(ہشتم) دوکانوں اور کارخانوں پر دان پاتر رکھے جاویں۔

(نہم) بہت سے موقعہ پر ایک آدمی کی زندگی میں آتے ہیں۔ جب وہ خوشی سے دان کرتے ہیں اس وقت یتیم خانے کو یاد رکھیں۔

(دہم) جب آپ کے دوست اور سمبندھی دان کرنے والے ہوں تو اُن کو یتیم خانہ یاد دلا دیویں۔

(گیارہویں) تھوڑا تھوڑا اپنا وقت ضرورت پڑنے پر آپ لوگ ارپن کریں۔

(دوازدہم) آپ اگر صرف خیال رکھیں تو بہت سے موقعے ایسے آ جاتے ہیں جن پر یتیم خانے کے واسطے کافی امداد آپ کی سہایتا سے ہو سکتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ یہ کام جس قدر ضروری ہے اسی قدر آپ کا فرض ہے کہ آپ اس کی امداد جس طرح سے آپ کر سکتے ہیں کریں۔ ایسا کرنے سے آپ [illegible] کو بچاتے اور [illegible] کے منہ سے نکالنے کا کام کرینگے۔ اس کا پھل جگت [illegible] آپ [illegible] اتنا [illegible] ہوگا [illegible] آپ کا [illegible]

نہ ہووین۔ اگر آپ اس کام کی طرف سے بے پرواہی کرینگے اور جو کچھ آپ اس کے واسطے وقتاً فوقتاً کر سکتے ہی نہ کرینگے تو اس کا پاپ بھی آپ کے پیچھے پیچھے رہے گا +

آپ لوگوں کی توجہ سے یہ کام چل نکلے گا (جیسا کہ چاہیئے) تو اس سے جو جو فوائد دلیش اور جاتی کو ہوں گے۔ اُن کی مختصر سی تشریح اس طور پر ہو سکتی ہے۔ اول بہت سے کام روزگار اور پیشے اس قسم کے ہیں۔ کہ وہ دھرم انکول ایمانداری سے آدمی کی روزی کمانے کا ساذہن ہیں۔ مگر ہمارے لوگ اُن کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ سب سہل روزگار عام لوگوں کے واسطے کھل جائینگے۔ بہت سے پاپوں سے لوگ بچ جاوینگے +

(دوم) بہت سے لاولد لوگ جو بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک ہیں۔ اولاد کے نہ ہونے کی وجہ سے دن رات چنتا کی چتا میں جلتے رہتے ہیں۔ ہائے اُن کے بعد اُن کا دھن اور جائیداد اُن لوگوں کے قبضہ میں آوینگے جو زندگی میں اُن کے دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں کو اولاد کے ملنے سے بڑا آنند ہوگا +

(سوم) بہت سے لاوارث بچے جن کے کوئی ماتا پتا اور سمبندھی نہیں ہیں بڑی بڑی جائیدادوں کے وارث بن جاوینگے۔ ماتا پتا اور دوسرے سمبندھیوں سے سکھ کو حاصل کرینگے +

(چہارم) جاتی تباہی کے مُنہ سے بچ جاوے گی +

(پنجم) لڑکوں کی پرورش اور تعلیم کا پورا پورا انتظام ہو جاوے گا تو وہ بچے آوارہ ہونے سے بچینگے۔ غیروں کے چیلے بن کر زندگی کو تباہ نہ کرینگے۔ چور۔ ٹھگ اور جواری بن کر اپنی آتما کا ہنن نہ کرینگے۔ دھرم سے پتت ہو کر [illegible] کا نام دنیا سے دور کرنے کی بجائے اُن کی

یادگار کو قائم رکھنے کا ذریعہ بننگے +

(پنجم) بہت سے اُن میں سے ایسے نکلینگے جو جاتی کے اوپکار سے پریرت ہو کر اپنی جاتی کے اُدھار اور پتت اُدھار کے سُدھار میں اپنی زندگی خرچ کرنے کو تیار ہو جائینگے۔ وودوان بننگے۔ اُپدیشک اور بھجنیک بننگے۔ ادھیاپک بننگے۔ اور اچھے اچھے کاریگر اور دستکار نکلیں گے +

(ششم) جو اپنے روزگار اور گرہست میں رہیں گے۔ وہ بھی ہر قسم کی امداد سے یتیموں کی پرورش کے سلسلے کو جاری رکھنے میں سہائک ہوں گے +

(ہفتم) موضع بیٹ سوہنی تحصیل سناواں ضلع مظفر گڑھ میں اس یتیم خانے کے تعلق میں بھی وہاں ایک گوروکل یتیموں کے واسطے کھولا جاوے گا +

(ہشتم) ایک بستی پتت جاتیوں یعنے ڈیپریسڈ کلاسوں کے لوگوں کے واسطے بسائی جائے گی۔ وہاں اُن کے بچوں کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جاوے گا +

(نہم) ایک بان پرستھ آشرم بھی بیٹ سوہنی کے موضع میں بنایا جائیگا

(دہم) اس یتیم خانہ کی ایک شاخ لاہور میں عرصہ تین سال سے قائم ہے اس مقام پر ایک مکان یتیم خانے کا تعمیر کیا جاوے۔ اور اس میں لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں اور بدھوا استریوں کی رکھشا شکشا اور کام سکھانے کا کام کیا جاوے گا +

(گیارہویں) دیش میں جس قدر یتیم خانہ جات موجود ہیں۔ اُن سب کو ایک انتظام میں لانے کی کوشش کی جاوے تاکہ ایک سجن جو ان سب اناتھالیوں کا ملاحظہ بطور انسپکٹر کے کرتا رہے تاکہ کوئی نقص یا کمی کسی کے انتظام میں رہنے نہ پاوے۔ اور جب ضرورت ایسا فنڈ قائم کیا جاوے

جس سے ایسے یتیم خانہ جات کو مدد دی جاوے۔ جہاں کہ امداد کی ضرورت محسوس ہووے ؛

(دوازدہم) یتیم بچّوں کی جب وہ بڑے جوان ہوویں۔ الگ تھلگ رہ کر جماعت نہ بن جاوے۔ جس کا نہ کوئی والی اور نہ کوئی سرپرست ہو کوشش کی جاوے گی کہ ان بچّوں کو خاندانوں اور پریواروں میں بطور ممبر خاندان یا برادری کے شامل کیا جاوے ؛

(سیزدھم) جو جو کام مناسب اور ضروری ہوں گے۔ اُن سب کی طرف توجہ اور خیال کیا جائے گا۔ اور حسب ضرورت دیگر مقامات پر اس یتیم خانے کی شاخیں کھولی جاویں گی ؛

ہمدردی حیوانات

دھرم۔ اخلاق اور ایمان ان سب کا تقاضا ہے کہ جس قسم کا سلوک دوسروں کی طرف سے اپنی ذات کے ساتھ تم لوگ ناپسند کرتے ہو۔ اُس قسم کا سلوک تم بھی دوسروں سے مت رکھو۔ یہ ایک ایسی ہدایت ہے کہ جس کے سچ اور درست ماننے میں کسی کو انکار نہیں۔ مگر اس پر عمل پیرا ہونا مشکل ہے۔ اپنے سر کا بوجھ اگر دوسرے کے سر پر ڈالا جا سکتا ہے تو عام دستور ہے کہ اس میں پس و پیش نہیں کیا جاتا۔ فوراً اپنی بلا دوسروں کے گلے میں ڈالنے کو عوام لوگ تیار ہو جاتے ہیں۔ اپنے سکھ اور آرام کی خاطر دوسروں کی ایذا رسانی کو روا سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر انسان کے معاون اور مددگار چرند پرند کو لوگوں نے خوراک کے کام میں لانا مدت مدید سے شروع کیا ہوا ہے۔ گائے جیسے مفید حیوان کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔ گائے کو تو بھلا حلال جان کر استعمال میں لائے۔ گوشت کے بیوپار کرنے والوں نے تو ناجائز حیوان کُتّے۔ بلی تک کا گوشت گوشت خور انسانوں کو کھلا دیا۔ علیگڈھ کے شہر میں صرف ایک قصاب کے گھر سے ایک سو پینتیس [۱۳۵] کھال کتّوں کی نکل آئیں۔ اتنے بڑے شہر میں بیسیوں دوکانیں قصاب کی ہونگی ہزاروں کُتّے لوگوں نے ذبح کئے مگر کسی بھی کھانے والے گوشت کے مجتی کو پتہ نہ لگا کہ بکرے

گوشت کھا رہے ہیں یا کہ بلی کتے کا۔ آدمیوں کا گوشت بکری بھیڑ کے گوشت میں ملا کر لوگوں کو کھلائے جانیکے واقعات کئی دفعہ سننے میں آچکے ہیں ایسے مکروہ واقعات کے ہونیکا موجب یہ گوشت ہی کی خوراک ہے اب بزرگان اہلِ اسلام پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ گائے کا گوشت انکے مذہب کے رُو سے بھی استعمال میں لانا درست نہیں ہے گذشتہ بزرگان اسلام کی تحریروں میں ہزاروں اقوال موجود ہیں جنمیں جانداروں کی ایذا رسانی اور اُنکے گوشت کے استعمال کو فعل مذموم قرار دیا گیا ہے ایک بزرگ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ سارا جہاں حضرت پیغمبر صاحب نے جہاں لحم کے کھانیکو فرمایا ہے اس سے مراد "لحم خود گفتہ نہ لحم دیگراں" ہے اندنوں گائے سے اہلِ اسلام کے بزرگوں کی یہ ہمدردی شروع تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اہلِ ہنود کی نسبت اُنکے خیالات میں محبت اور یگانگت پیدا ہو رہی ہے چونکہ گائے اہلِ ہنود کے خیال میں مقدس اور ناقابل ایذا رسانی ہے اسواسطے اہلِ ہنود کی خاطر اُنھوں نے فرمایا ہے کہ گائے کو قربان نہ کیا جائے اور نہ خوراک کے واسطے ذبح کیا جائے۔ گویا گائے سے اہلِ اسلام کی یہ ہمدردی بالواسطہ ہے بلا واسطہ نہیں ہے ممکن ہے کہ کل کو کسی اور معاملہ پر کسی قسم کی شکر رنجی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ پھر وہی کام کرنے لگ جاویں جو ابتک کرتے رہے ہیں اسواسطے مناسب یہ ہے کہ بزرگان اہلِ اسلام جنکو اپنی قوم اور نیز نوع آدم کی بھلائی منظور ہے اور جو اس مقولہ کے قائل ہیں کہ "دوستی کہ خدا سے بر تو بخشند۔ با خلق خدا بکن نیکوئی"۔ اپنے بزرگان کے ایسے اقوال اور اپنی مذہبی کتابوں کی ہدایات اور اولیاء پیغمبران نیک ذات کے وہ صفات اور حالات جس سے کہ انکی رحم مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی اور پریم کی لہریں جوش مار رہی ہیں یکجا جمع کر کے عوام اُمتِ محمدیہ کے سامنے رکھ دیویں۔ تاکہ سب برادران اہلِ اسلام اصلیت اور حقیقت کی خاطر اپنے ذاتی معاش اور نفاذ کی خاطر اور نہ صرف اہلِ ہنود برادران پر احسان اور مروت کی خاطر نہ صرف گائے کی ایذا رسانی بلکہ کل حیوان ناطق مخلوق باری تعالےٰ کی ایذا رسانی سے باز آویں اور کتے بلی اور انسان کے گوشت کو کھا جانے سے بچے رہیں۔ اُن کے ایسا کرنے اور ہر قسم کے گوشت سے پرہیز کو دیکھ کر اُمید ہے کہ ہندو صاحبان بھی ان بیچارے غریب اور معصوم جانداروں کی ایذا رسانی سے باز آجاوینگے۔ اور یہ ہر روز صبح صادق کے وقت جو خدا کی یاد اور پرماتما کے بھجن کا وقت ہے جس بھارت ورش میں اہنسا کو پرم دھرم مانا جاتا تھا۔ اسی سرزمین سے لاکھوں بیگناہ جانداروں کے قتل کے خون سے رستے اور گنہگار کی قابلِ رحم آوازیں نکل کر کرۂ ہوائی میں چکر لگاتی رہتی ہیں۔ یہ اور ظلم کے سامانوں کے موجود ہوتے ہوئے بھارت ماتا کے سپُتروں کے واسطے شانتی کا حصول کس طور سے ممکن ہو سکتا ہے۔ اس پر بزرگانِ قوم کو غور کرنیکی از حد ضرورت ہے ؀

اوم

پتت اُدھار

حصہ ہفتم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی تجویز

بابتہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء مرتب ہو کر

گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر چھپا

پتت اُدھارایجنسی

پرمیشور داناؤں۔ یہ ایک چھوٹا سا ٹریکٹ ہے۔ جو میں نے اول اول سنہ ۱۸۹۳ء میں پنجاب کے سروسادھارن سجنوں۔ استری۔ پُرشوں اور بچوں کے یاد کرنے اور صبح و شام پاٹھ کرنے کے واسطے تیار کیا تھا۔ منش جنم میں جو جو اُپکار پرماتما جگدیشور نے ہم سب لوگوں پر کئے ہیں اُن کو مختصر طور پر سامنے رکھ کر اپنی موجودہ پتت اوستھا کے نظارہ کو بھی سامنے رکھ کر اُس کے اُدھار کی یاچنا جگت پتا سے کی گئی ہے۔ یہ ٹریکٹ ہزاروں کی تعداد میں اردو۔ دیوناگری۔ گورمکھی حروف میں شایع ہو چکا ہے۔ اور برابر ہوتا رہتا ہے۔ جن لوگوں کو سنسار میں رہ کر اپنی حالت پر دھیان کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اُن سجن پُرشوں نے اس کو دل سے پسند کیا ہے اور سینکڑوں کاپیاں اس کی خرید کر لوگوں میں تقسیم کی ہیں۔ اب تھوڑی کاپیاں اس کی موجود ہیں۔ اور از سر نو چھپوائے جانے کا پربندھ بھی کیا جا رہا ہے۔ جو صاحب اپنے دیش اور جاتی بلکہ سنسار بھر کو موجودہ حالت سے اونچا کرنا چاہتے ہیں۔ اُن سے پرارتھنا ہے۔ کہ خود منگوا کر اس کا پاٹھ اور عوام میں تقسیم کریں۔ سینکڑوں استری پُرش اسوقت موجود ہیں۔ جو کہ صبح و شام اس کا پاٹھ کیا کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے اس کو حفظ یاد کیا ہے۔ قیمت فی کاپی ایک پیسہ ہے۔ ایک سو اور اس سے زیادہ کے خریدار کو ۱۲ سینکڑہ کے حساب سے دیا جاویگا۔

دھرم سکشا کی گُھارنی۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا ٹریکٹ ہے۔ چھوٹے بچوں کے یاد کرنے اور دھارنی کے طور پر گھوکھنی دینے کے واسطے تیار کیا گیا ہے اردو اور دیوناگری میں اس کی ہیں ہزار کاپی شایع ہو چکی ہے۔ اب

تھوڑی سی باقی ہیں۔ اس سے بچوں کو اپنے گرتو یہ اور دھرم سے واقفیت
ملتی ہے۔ ماتا پتا وغیرہ بزرگوں اور سمبندھیوں کا ستکار اور بہن بھائیوں
کا پیار من میں جگہ پکڑتا ہے۔ اپنے دیش کے پراچین گیانی اور رانی پرشوں
کے نام اور کام سمرن ہوتے ہیں۔ ویدوں اور شاستروں کا مہتو جان پڑتا ہے
بڑے بڑے مہاتماؤں اور سجن پنڈتوں نے اس کو بڑا اپیوگی مانا ہے۔ اخبار
والوں نے پرسنشا کی ہے۔ قیمت ایک کاپی ایک پیسہ اور ایک سو کے
خریدار کو ۱۲؍ سینکڑہ پر دی جاویگی۔

سورگ اور نرک حصہ اول تا ہفتم یہ ایک سلسلہ مضامین کا ہے
جسمیں گرہست کی خرابیاں ایک ایک کرکے بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً استری
کے مرجانے پر اولاد کی موجودگی میں بواہ کرنا۔ لڑکیوں کی قیمت دے کر اور
لے کر ان کا بواہ کرنا۔ ان کے تبادلہ میں لڑکی دیکر بواہ کرنا۔ چھوٹی عمر میں
بچوں کا بواہ کرنا۔ عورتوں کے ساتھ ہندو جاتی کے مردوں کا معمولی سلوک
اور اس کا نتیجہ۔ آپس اور تفریح طبع کے سامان کھیل تماشہ اور نشوں
نے ہندو جاتی کو کس درجہ تک پونچایا۔ رشوت ستانی کا کیا انجام ہوتا ہے
ان علیحدہ علیحدہ رسالوں میں ایک ایک مضمون پر الگ الگ بحث کی
گئی ہے۔ سجن پرشوں نے جاتی کو ادھوگتی سے نکالنے کے واسطے ان رسالوں
کو بڑا اپیوگی مانا ہے۔ ان سب کو ایک کتاب کی شکل میں چھاپا جاویگا
متن ادھار کے ۸۰ صفحہ پر امید ہے۔ کہ یہ ختم ہو جاویگی۔ قیمت فی کاپی
۳؍ اور ایکسو کے خریدار کو پچیس فی صدی کمیشن دیا جاویگا محصول ڈاک
بذمہ خریدار ہوگا:۔

گرہست سدھار حصہ اول و دوم۔ ہندی بھاشا میں سورگ اور نرک حصہ
اول و دوم کا ترجمہ ہے اس کو پڑھ کر استریوں میں گرہست سدھار کی امنگ
پیدا ہوگی۔ اور دھرم ... کچھ ادھار ... کمیشن قیمت فی کاپی دو پیسہ۔

حالات کا اظہار اور ریویو متعلق پتت اُدہار

پتت ادھار کے چھ حصہ بطور ٹریکٹ کے نکل چکے ہیں۔ دیش اور جاتی کا
ہت جن سجنوں کے دل میں ہے۔ انہوں نے اُس کی ضرورت کو محسوس کیا
ہے۔ کئی ایک صاحبان نے میری ناچیز اور تُچھ ذات کی بہت سی تعریف کی
ہے جس کا میں تو اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا۔ مگر چونکہ میں نے اب اپنی عمر کے
باسٹھ سال گذر جانے پر کئی ایک وجوہات سے اپنے بھائیوں کی سیوا کو بذریعہ
تحریر کے کرنا شروع کیا ہے۔ یہ سیوا میری اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جب
کہ لوگ میری تحریروں کو مطالعہ کا شرف بخشیں۔ اگر میرے تحویل میں اس قدر
دھن ہو۔ کہ میں ان کو شایع کر کے اور بذریعہ ڈاک محصول بھی اپنی گرہ سے
ادا کر کے لوگوں تک پونچا سکوں تب تو میں لوگوں کی خدمت میں لکھ لکھ کر
بھجواتا رہوں۔ مگر اُس صورت میں بھی وہ مطلب پورا نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی
لوگ اسے پڑھینگے نہیں۔ بلکہ ردی میں ڈال دیا کرینگے۔ پڑھنے کا خیال اُسی صورت
میں ہو سکتا ہے جبکہ اُن کی گرہ سے کچھ خرچ ہو۔ گرہ سے پیسہ آدمی لگا لینا
نہیں چاہتا۔ جب تک کسی چیز کی خوبی اور تعریف کو سن نہ لے۔ پتت اُدھار
کی تحریروں کی تعریف میں تو اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہوں۔ کہ میں اتنا
عرض کر دوں۔ کہ اس طرف لوگوں کو توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے میرے
اتنا کہنے اور لکھنے سے مجھے تو کوئی صاحب نظر نہیں آتے۔ جو اس کی خریداری
منظور کریں اور ڈیڑھ روپیہ جیب سے نکال کر پھینک دیویں۔ یہی وجہ ہے۔
جس سے کہ مجھے لوگوں کے بھجوائے ہوئے خطوط ریویو اور رایئوں کو خود چھپوا
کر مشتہر کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ ان رایئوں کو پڑھ اور سُن کر ہی تو
لوگ خریدار بنتے ہیں۔ اور اس قحط کے موسم میں چندہ دینے کو تیار ہوتے ہیں

ایک ہزار کے قریب تعداد خریداروں کی اب پہنچنے والی ہے۔ جن کا چندہ وصول ہونے کی امید ہے۔ مگر ابھی تک سب کا چندہ وصول نہیں ہوا۔ گو وصول ہوتا رہتا ہے۔ اور خریداروں کی فہرست بھی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ان تعریفی کلمات کے واسطے میں خود شرمندہ ہوں۔ مگر امر مجبوری سے مجھے انکو شایع کرنا پڑتا ہے۔ میں اول بھی لکھ چکا ہوں۔ کہ ایسا کرنا میرے واسطے ایک پاپ اور گناہ کا کام ہے۔ اور اُس کی سزا مجھے ضرور ملیگی۔ میں نے اپنے بھائیوں کی سیوا کی خاطر اس سزا کو خواہ کتنی بھی سخت ہو۔ بڑی خوشی سے اپنے سر پر لینا قبول کر لیا ہے۔

اب میں وہ ریویو درج کرتا ہوں جو کہ پہلے درج نہیں ہوئے۔ کئی لوگ ایسے بھی ہونگے۔ جو میری تحریر کا مطلب اپنے اپنے خیال کے موافق کرنا چاہینگے اس واسطے صاف طور پر میری عرض ہے۔ کہ اس تمام سے میرا مطلب اور غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ سنسار میں پریم اور پریتی کا راج ہو۔ نفرت اور عداوت کو دور بھگایا جاوے۔

ریویو

از پنڈت امین چند ہیڈ ماسٹر لوئر مڈل سکول پنڈوری مجراں ضلع جالندھر

پتنت ادھار کے تین حصے میرے پاس پہنچے۔ میں نے اُن کا لفظ لفظ پڑھا آپ دھنیہ ہیں جنہوں نے نشکام ایشور کے دین بندوں کی سیوا عرصہ سے کی ہے۔ اور اب کر رہے ہیں۔ یہ کتابیں لکھ کر آپ نے بہت بڑا اپکار کیا ہے ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں پر گہرا اثر نہ کرے۔ میرے نام وی پی کر کے بھیجدیں۔

از مہاشہ تیج بھان سکنہ لیہ ضلع مظفر گڑھ

میں نے پتت ادھار جلد چہارم کو پڑھا۔ واقعی گرے ہوئے دلوں کو

اٹھانے والا ہے۔ ڈوبتوں کا سہارا ہے۔ اس رسالہ کی اشد ضرورت تھی جو آپ کی کرپا سے پورن ہوئی ہے۔ اس کے پڑھنے سے ایک وردمند دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور کم از کم کچھ وقت جاتی کی اوستھا پر وچار کرتا ہے ایشور آپ کو سرسبز رکھیں۔ اور جاتی کے لال اس سے فیض پا کر آپکا شکریہ ادا کریں :-

از مہاشہ تم پرکاش نواسی سرائے سدھو ضلع ملتان۔

آپ کے عام فہم اور مقبول رسالہ پتت ادھار کے تمام نمبر ملتے رہے ہیں درحقیقت یہ رسالہ اس قابل ہے۔ کہ بھارت کے گرام گرام اور نگر نگر میں ہر ایک ذی ہوش کے کانوں تک اس کی آواز پہنچا دی جاوے۔ سرزمین ہند کا ایک ایک ذرہ اس کا ہم آہنگ ہو کر گونج اٹھے۔ تاکہ تباہی۔ بربادی دکھ گناہ اور جہالت کا طوفانی سمندر شانت ہو سکے جن مسائل پر اس میں بحث کی جاتی ہے۔ وہ اگرچہ اسوقت عام دلچسپی کا مضمون نہیں ہیں۔ تاہم یہ کہنا امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے۔ کہ جب تک دیش کا بہترین دماغ نہایت سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور نہیں کرتا۔ تب تک کوئی بھی کوشش اپنے حقیقی معراج پر پہنچانے میں قاصر رہیگی۔ بلند نظری اور بے تعصبی سے مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت خودبخود آشکارا ہو جاتی ہے۔

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی شاخ لاہور میں جو لڑکے تعلیم پا رہے ہیں انمیں سے ایک بھاگیرتھی راجپوت لڑکے نے دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور میں وید کو پراج کی تعلیم کو پورا کو پورا کر کے اس پدوی کا امتحان دیا ہے۔ اس جاتی کو اہل ہنود اپنے سے الگ رکھکر انسے کوئی برتاؤ نہ کرتے تھے۔ آریہ سماج مظفر گڑھ نے اس جاتی کو شدھ کر کے اہل ہنود کیساتھ شامل کر دیا اور انکے بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا۔

اس کے علاوہ اس یتیم خانہ کے دو لڑکوں نے پنجاب یونیورسٹی سے پراگیہ کا امتحان دیا۔

پتیت اُدھار کا ظہور

نغمہ زار گی در جہاں پشت من   نخارد کسے جز سر انگشت من

ایام ملازمت میں مجھے ضلع مظفر گڑھ کے بہت سے علاقہ میں دورہ کرنے اور کئی مقامات پر بار بار جانے سے بہت سے حالات کے دیکھنے اور سننے کا موقعہ ملا۔ جو جو کام میں نے سمجھا کہ میں خود کر سکونگا۔ اُن کو موقعہ پر جس طرح سے کہ میری سمجھ میں آیا پورا کر دیا۔ جیسا کہ ایک دفعہ میں رنگ پور کو جا رہا تھا۔ رنگ پور سے کوئی چار میل جانب جنوب ایک بستی سید پور سڑک کے کنارہ پر آباد ہے۔ وہاں دو تین ہندو دکاندار دکان کا کام کرتے ہیں۔ اور چند ایک گھر بھی اہل ہنود کے اس بستی میں ہیں میں ایک دکان پر بیٹھ گیا دوکانداروں سے بات چیت کرنے لگا۔ پانی کی مجھے پیاس تھی۔ دھانسو لارام موضع کا پٹواری بھی وہاں رہتا تھا۔ وہ بھی آگیا۔ میں نے اُسے اپنا لوٹہ ڈوری دیا۔ اور کہا کہ میرے واسطے چاہ سے جو نزدیک تھا۔ پانی بھر کر لادے بات چیت میں کوئی آدھ گھنٹہ گذر گیا۔ مگر تولارام پانی لیکر نہ آیا۔ میں نے پوچھا کہ پانی اب تک کیوں نہیں آیا۔ دوکاندار نے کہا کہ وہ کنواں جس سے تولارام پانی لانے کو گیا ہے۔ بستی سے بہت دور فاصلہ پر جنگل میں ہے۔ ابھی آتا ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ اس کنوئیں سے جو کہ پاس ہی موجود ہے۔ کیوں پانی نہیں لایا۔ جواب ملا یہ چاہ اُشدھ ہوگیا ہے۔ اس میں ایک کتی کا بچہ گر گیا تھا۔ جو کہ نکال لیا گیا تھا۔ برہمن کہتا ہے۔ کہ یہ چاہ ناپاک ہوگیا ہے۔ اس کو اول مٹی سے بھر دیا جاوے۔ اس کے اوپر گندم کی کاشت کی جاوے۔ جب وہ بڑی ہو جاوے۔ تو مادہ گاواں اُس کو چر لیویں۔ پھر کل مٹی کو نکالا جاوے۔ اور برہم بھوج کیا جاوے۔ تب اس کا پانی شدھ اور پینے کے قابل ہوگا۔ اتنے

میں تولارام پانی لے کر آ گیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ تم لوگ پانی کہاں سے لاتے ہو
کہا کہ وہی چاہ جس میں سے تولارام پانی لایا ہے۔ اُس پر ہماری عورتیں اور
لڑکیاں گھڑے لیکر جاتی ہیں۔ اور پانی لاتی ہیں۔ وہ ہم لوگ پیتے ہیں۔ میں
نے دُور سے یہ بھی دیکھا کہ کچھ لڑکیاں گھڑے لیکر جنگل کی طرف سے آ رہی
ہیں۔ میں نے پوچھا کہ مسلمان لوگ کیا کرتے ہیں۔ جواب ملا کہ اُنہوں نے تو
اسے اپنے قاعدہ کے مطابق پاک کر لیا ہے۔ اور چاہ برابر جاری ہے۔ اور
چلتا رہتا ہے۔ عرصہ ۲۰ روز کا ہوا جبکہ اس میں کُتّی کا بچہ گرا تھا۔ ہم نے
تو برہمن کے بچن پر چلنا ہے۔ ہم غریب دوکاندار ہیں اور چاہ کے مالک مسلمان
زمیندار ہیں۔ ہم اس طریق پر اس چاہ کو کیسے شدھ کر سکتے ہیں۔ اس سرگزشت
کو سُن اور دیکھ کر مجھے بڑا افسوس اور رنج ہوا۔ برہمن جاتی کس درجہ تک پتت
ہو گئی۔ جن لوگوں کی دھارمک سیوا کی وجہ سے ان کو برہمن کا درجہ ملا تھا
بجائے اس کے کہ اُن کے سب قسم کے دُکھوں اور تکلیفوں کے دور کرنے
کا کوئی اُپاؤ سوچیں اور اُن کے بال بچوں اور استری پُرشوں کا بھلا مناویں
صرف اپنے برہم بھوج کی خاطر اس قسم کی رکاوٹ اُن کے راستہ میں
ڈال رکھی ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کی وجہ سے برہمنوں کو اپنے گھر میں روٹی
بنانے کی تکلیف سے بھی نجات مل رہی ہے۔ اس پتت کال میں بھی کوئی
ہندو چوکہ ایسا نہ ہوگا۔ جہاں سے سب سے پہلے پکائی ہوئی روٹی برہمن
دیوتا کے واسطے منسرک سمجھ کر نہ رکھی جاتی ہو۔ اب میرے اس واقعہ پر
صرف رنج اور افسوس سے تو کچھ بن نہ سکتا تھا۔ میں نے وچار کیا کہ اب
مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا میں ان بیچارے وشواسی اور شردھالو لوگوں کو
اسی مصیبت کی حالت میں چھوڑ کر آگے کو چلا جاؤں یا کہ اس دُکھ کے دور
کرنے کا مجھے کوئی انتظام کرنا چاہئے۔ میں نے وچار کر لیا اور اُٹھ کر کہا
کہ آؤ اس چاہ پر چلیں اور دیکھیں کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ کئی آدمی جو

جو اس بات چیت کو سننے کے واسطے دوکان پر جمع ہو گئے تھے سب میرے ساتھ ہو لئے۔ اور ہم سب جا کر چاہ کی منڈیر کے پاس کھڑے ہو گئے میں نے تولارام جی کو کہا کہ جو پانی تم دوسرے چاہ سے لائے ہو۔ اُس کو زمین پر گرا دو۔ اور اس چاہ میں سے پانی نکالو۔ اُس نے ایسا ہی کیا میں نے پانی کا لوٹا ہاتھ میں لے کر گایتری منتر کا پاٹھ کیا۔ اور آدھا پانی اس چاہ کے اندر ڈال دیا۔ کچھ آپ پیا اور باقی تھوڑا تھوڑا سب آدمیوں کو پلا دیا۔ یہ بتلا کر کہ اب یہ چاہ پوتر ہو گیا ہے۔ اور وید منتر کی برکت سے اس کا دوش جاتا رہا ہے۔ میں رنگ پور کو روانہ ہو گیا۔

اندھے لڑکوں سے اُن کے والدین کے سلوک اور یتیم اور انانتھ لڑکوں سے اُن کے قریبی رشتہ داروں کے برتاؤ کو میں نے دیکھا۔ ان بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے واسطے میں نے ضروری سمجھا۔ کہ کوئی یتیم خانہ ہونا چاہیئے۔ جو کہ نہ صرف بچوں کی پرورش کر کے عمر بلوغت پر اُن کو اپنی مرضی کے موافق سنسار میں بچرنے کے واسطے آزاد کر دیوے بلکہ ان بچوں کی سرپرستی ایسے طور پر کرنے کا انتظام کرے۔ جیسا کہ ماتا پتا اپنے بچوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اسی خیال کی وجہ سے مظفر گڑھ میں یتیم خانہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کی ایک شاخ عرصہ قریب چار سال سے لاہور رچنگر محلہ بیروں موری دروازہ میں موجود ہے۔ اور دوسری شاخ موضع بیٹ سوہنی تحصیل سناواں ضلع مظفر گڑھ میں ریلوے سٹیشن غازی گھاٹ سے جانب شمال پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔

ایک برہمن نے بوڑھی گائے نیلام پر چڑھائی۔ اس واقعہ نے میرے دل میں ایک اچھی گئوشالا کے جاری کرنے کا بیج ڈالا۔ اور گئوشالا جاری کی گئی۔ ایسے ایسے اور بھی انیک کام پیت جاتی کے لڑکوں کے واسطے پاٹھ شالاؤں کا اجرا اور کئی دیگر کاموں سے مجھے واسطہ پڑا جو کہ میرے خیال میں

ہمیں ضروری نہیں بلکہ سب ہی بھلے پُرش اُن کی ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں۔ میں نے بہت سے واقعات اس قسم کے سُنے۔ دیکھے اور خود میری ذات پر گذرے۔ جس سے دیش اور جاتی کی تپت اوستھا کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ یہ واقعات بہت عجیب ہیں۔ یہانتک کہ ان میں میرے برخلاف نقصان رسانی بلکہ قتل تک کی سازش شامل ہے۔ چونکہ یہ واقعات خاص کسی ایک انسان کے یا میرے ہی ذاتی تعلق کے نہیں ہیں۔ بلکہ میرے پاس ایک قسم کی خاص امانت ہیں۔ جن کو میں نے سمجھا کہ اپنی زندگی میں عام سجن پُرشوں تک پہنچا دینا میرا فرض ہے۔ اسواسطے ایسے ہی کاموں کی پیروی کے واسطے میں ایک دفعہ ماہ اگست ۱۹۱۹ء میں دائرہ دین پناہ میں گیا۔ رات کو سوچتے سوچتے سو گیا۔ علے الصباح میری آنکھ کھلی۔ تو مجھے یہی سوجھا کہ کم از کم ایک ماہواری رسالہ ہونا چاہئیے جس کے ذریعہ کل حالات کو مشتہر کیا جایا کرے۔ یتیموں۔ بدھواؤں۔ اچھوت جاتیوں۔ گائے وغیرہ پشو پکشیوں کے ساتھ پریم اور ہمدردی کے بھاو سب لوگوں کے دل میں جس سے پیدا ہو جاویں۔ اس کا نام یتیم ادھار مجھے مناسب معلوم ہوا۔ میں نے فوراً ایک اشتہار لکھ ڈالا۔ پہلے تو مجھے صرف یتیم خانہ مظفر گڑھ۔ گوشالا گجرات موضع ہٹ سوہنی ضلع مظفر گڑھ اور چند دیگر مقامی کاموں ہی کا خیال تھا۔ مگر اشتہار کے لکھنے کیوقت مجھے ضروری معلوم ہوا۔ کہ یہ رسالہ نہ صرف یتیم خانہ مظفر گڑھ وغیرہ ہیچ متذکرہ بالا انسٹی ٹیوشنوں ہی کا وکیل ہو۔ بلکہ اس کا مدعا عام ہو۔ جہاں کہیں بھی یتیم بچوں اور گئووں کی پرورش ہوتی ہو۔ ان سب انسٹی ٹیوشنوں سے ہمدردی کی جاوے۔ اب میں سوچنے لگا۔ کہ اس کام کو چلانے کے واسطے ضرورت ہے۔ کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں یہ کام دیا جاوے جو اپنے تجربہ کی بنا پر ذمہ واری کے ساتھ اس کو چلا سکے۔ میری نظر ایک میرے

مہربان دوست کی طرف گئی جس کو اخباری دنیا کا اچھی طرح سے تجربہ ہے
اور جو ان سب کاموں کا پورا پورا وکیل ہے۔ اور جو دل سے محسوس کر رہا ہے
کہ دیش کی حالت کو سدھار کی کتنی ضرورت ہے۔ میں نے اُن کو لکھا اور
اُنہوں نے بخوشی اس کام کو اپنے ذمہ لینا منظور کر لیا۔ اور کام بھی کچھ شروع
کر دیا۔ مگر گردش ایام کی وجہ سے کچھ عرصہ کے واسطے اُن کو اپنے موجودہ کام
بلکہ وطن سے بھی دور جانا پڑا جس وجہ سے یہ کام اُن کی سرپرستی کا فخر حاصل نہ
کر سکا۔ مگر پھر بھی امید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ کام اُن کے ہاتھ میں دیا جا
سکے گا:۔

اس حالت میں مجھے یہی خیال آیا کہ کیوں نہ میں آپ ہی جیسا کہ ٹوٹے پھوٹے
فقرات میں لکھ سکتا ہوں آپ ہی لکھ کر اہل وطن کی سیوا میں بھینٹ کر دیا کروں
اگر ایک مکان کو آگ لگی ہوئی ہو۔ مالکان مکان کو اس واقعہ کی خبر کرنے کیواسطے
اگر کسی لیاقت۔ علمیت۔ زباندانی۔ نثر عروض اور نظم کی شعر خوانی کی ضرورت
نہیں ہے تو میرے کام کے واسطے بھی تو کسی فلسفہ اور منطق دانی کی ضرورت
نہیں ہے۔ میں تو سیدھے سادہ امور واقعہ کو سجن پُرشوں کی سیوا میں پہنچانا
چاہتا ہوں۔ میں نے حوصلہ کیا اور جس رسالہ کا نام میں نے تپت ادھار تجویز
کیا تھا جس کا وجود ابھی تک صفحہ ہستی پر نہ آیا تھا۔ خیال کی آنکھوں سے میں
نے اُسے دیکھا۔ تپت کی تعریف ظاہر کرنے کی ضرورت مجھے معلوم ہوئی۔ میں نے
دوسری سب طرف سے آنکھ کو بند کر کے تپت کی کھوج لگائی تو میری حیرانی
کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ دوسرے لوگوں کی طرح پہلے میرا یہی خیال تھا۔ کہ اہل
ہنود میں اونچی کل والے لوگ جن کے ساتھ میل ملاپ اور کھان پان کا برتاؤ
نہیں کرتے۔ تپت وہی لوگ ہیں مگر جب میں نے اصلیت کو دیکھا تو میں اپنی
ذات کو بھی تپت کی تعریف سے الگ نہ کر سکا۔ پوران بائبل اور قرآن کا یہ بیان
کہ انسان ابتدا ہی سے پتت ہے۔ اس میں بہت کچھ سچائی دکھائی دینے لگی یعنی

بڑی گراوٹ کے دور کرنے کا علاج سوائے جہان کے مالک۔ خالق اور پالک کے سہارے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اُسی کی مہربانی اور کرپا سے یہ کام ہوگا سارے سنسار میں کوئی ٹھور نہ پا کر تیت پاون کے دربار میں روزمرہ حاضر ہونے کی ضرورت کو میں نے محسوس کیا۔ جس کا اندراج پتت ادھار حصہ دوم میں کر دیا گیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اہل ملک وقوم اگر اس طرف توجہ دینگے تو بہت سی مصیبت اور تباہی سے بچاؤ کی صورت نکل آویگی۔

اُٹھو پیارے کرو ہمت اُٹھاؤ گرنے والوں کو
اُٹھائیں وہ کسی کو کیا گرانا جن کو آتا ہے

کشتری کل بھوشن دیوان ساون مل کا نام صفحہ ہستی پر یادگار رہیگا اپنی خداداد لیاقت اور نیک نیت کارگذاری کی وجہ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ والئے پنجاب کے منظور نظر ہو گئے۔ چھوٹے عہدوں سے ترقی کرتے کرتے اتنے بڑھے کہ مہاراجہ نے اُن کو صوبہ ملتان کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ کہنے کو تو وہ صوبہ دار تھے۔ مگر اپنے اعتبار اور دیانتداری کی وجہ سے خود بدولت سرکار تھے۔ اپنے ماتحت علاقہ کا انتظام اور رعایا کا آرام ایسے طریق سے کیا کہ ہندو مسلمان سب لوگ آپ پر فدا ہو گئے۔

ایسے لوگ بھی ہمارے دیش میں تھے اور اب بھی ہیں جو کہ دوسروں کی ترقی خوشحالی اور نیک نامی کو دیکھ نہیں سکتے۔ دربار میں کئی لوگ تھے جو اُن سے حسد کرتے اور جب کبھی موقعہ ملے۔ سرکار کے کانوں میں دیوان صاحب کے برخلاف کوئی نہ کوئی لفظ ڈال ہی دیا کرتے تھے۔ مہاراج کو دیوان صاحب پر پورا اعتبار تھا۔ کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ شکایت کرنیوالوں نے اپنا کام زیادہ مستعدی اور تیزی سے شروع کر دیا۔ تو مہاراج نے کیلخت

بلا اطلاع دیوان صاحب اور دوسرے درباریوں کے علاقہ ملتان کا کوچ بول دیا۔ دربار کے سب لوگ اور تھوڑی سی فوج بھی ساتھ لے لی۔ ایک دن مہاراج سوار ہو کر سب سے پہلے اکیلے ہی سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ایک دہقان کے کھیت میں داخل ہوئے۔ کھیتی اُگی ہوئی موجود تھی۔ گھوڑے کے پاؤں سے اپنی زراعت کا نقصان دیکھ جٹ دہقان نے بولنا شروع کیا۔ اوسنگہ جی تم کیوں گھوڑے کو کھیت میں چلاتے اور مجھ غریب کا نقصان کرتے ہو دوہائی ہے دیوان صاحب کی۔ کیا تم کو دیوان نہیں سوجھتا۔ اور اس کے انصاف کا حال تم کو معلوم نہیں ہے جس نے اپنے بھتیجے کو توپ سے بندھوا دیا تھا دیکھو تم نقصان کرنے سے باز نہیں آتے۔ میں دیوان کے پاس فریاد لے کر جاتا ہوں۔ پھر تم خود دیکھ لوگے۔ کہ تم کو اس ظلم کا مزہ کیا چکھایا جاتا ہے۔ ایسی ایسی ایرہ غیرہ بہت سی باتیں جیسا کہ کوئی غریب آدمی اپنا نقصان دیکھ کر کرتا ہے۔ بہت سا بکواس اُس نے کیا۔ مہاراج شانتی سے سب کچھ سنتے رہے۔ اور آہستہ آہستہ چاہ کے نزدیک جا پہنچے۔ جہاں کہ وہ جاٹ بول رہا تھا۔ کہا کہ بھائی میں اور میرا گھوڑا پیاس سے بیاکل ہو رہے ہیں۔ تمہارے چاہ پر پانی پینے کے واسطے آیا ہوں۔ تم مجھے معاف کرو۔ تمہارا نقصان مجھ سے ضرور ہو گیا ہے۔ میں اس کی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ جٹ نے جب اس قسم کی شریفانہ تقریر کو سُنا۔ اور مہاراج کی شکل و شباہت کو دیکھا۔ اُس نے یہ بھی سُنا ہوا تھا۔ کہ مہاراج کی ایک آنکھ میں نور کا ظہور بہت زیادہ ہے۔ سوچ میں پڑ گیا۔ کہ یہ کہیں مہاراج سرکار رنجیت سنگھ نہ ہوں ڈر کے مارے دور چلا گیا۔ جب اس نے دور سے دیکھا کہ بہت سے سوار اور افسر آ رہے ہیں۔ تو اُسے یقین ہو گیا۔ کہ اب میرے سر کی خیر نہیں ہے۔ مہاراج نے اس چاہ پر مقام کر دیا۔ جب دربار لگ گیا تو حکم دیا۔ کہ اس جٹ کو حاضر کرو۔ جٹ تو خوف کے مارے کہیں ادھر

اُدھر ہو گیا تھا۔ مگر سرکار کے دُوتوں سے اُسے تلاش کر کے بارگاہ سلطانی میں
لا کر حاضر کر دیا۔ اب اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ میں تو ملک کے
مہاراج کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت میں کھڑا ہوں۔ میرا جرم بڑا سخت ہے
میں نے کسی اپنے ہم پلہ بھائی کا کچھ نقصان نہیں کیا جس کی سزا معمولی
ہوتی۔ میں نے تو خود اپنے بادشاہ کی بے ادبی کی ہے۔ گستاخی سے پیش آیا
ہوں۔ نہ صرف اس قدر بلکہ میں نے تو اپنے ناپاک منہہ سے گند نکال کر
مہاراج پر پھینکا ہے۔ میرا کیا حال ہوگا۔ اُسوقت مجھے پتہ لگ جاتا۔ کہ یہ تو کیٹری
کے گھر میں پرمیشور آیا ہے۔ تو میں کیوں ایسا بکواس کرتا۔ ان کی خاطر تواضع
کرتا۔ اُن کے پاؤں کا بوسہ لیتا۔ ہائے میں نے بڑا اپرادھ کیا۔ مگر جو کچھ کیا۔
جان بوجھ کر نہیں کیا (بھارت ورش کے لوگوں میں اپنے مہاراجہ اور بادشاہ
کی عزت اور تعظیم کا یہ خیال اب تک بھی ایسا ہی جیوں کا تیوں موجود ہے۔
معدوم نہیں ہو گیا۔ چنانچہ اس کا نظارہ خود شریمان جارج پنجم مہاراجہ
ادھیراج قیصر ہند دہلی میں تخت نشینی کے دنوں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ
گئے ہیں) اب میں کیا کہوں اور کیا جواب دوں سوائے خداپاک کے میرا اب کون مددگار
ہے مجھے جو کچھ بھی سزا ملے میں اس کا مستحق ہوں۔ اُس کے دل میں اس قسم
کے خیالات پے در پے آ رہے تھے۔ کہ سرکار نے سوال کیا۔ کہ بتلاؤ تم نے کیا
کہا تھا۔ اُس نے عرض کیا۔ میں نے جو کچھ کہا۔ بہت بُرا کہا۔ سرکار خود سُن
چکے ہیں۔ میری زبان کاٹ لی جاوے۔ تا کہ دوسری دفعہ وہ لفظ میرے منہہ
سے نہ نکلیں۔ پھر پوچھا کہ اچھا تم یہ کیا کہتے تھے کہ دیوان صاحب کے پاس
فریاد لے جاؤنگا۔ تو وہ اس ظلم کا مزہ چکھا دینگے۔ دیوان صاحب تم لوگوں
سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ دیوان صاحب کا برتاؤ
اپنی رعایا سے ایسا ہے۔ جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں سے کرتا ہے۔ کسی زور والے
کی طاقت نہیں ہے کہ کمزور کو ستاوے۔ کوئی چور اور ڈاکو نہیں جسکو اندکاب

جرم کے وقت کوئی کہہ دیوے کہ دوہائی ہے دیوان صاحب کی۔ اور وہ اپنے فعل بد سے باز نہ آجاوے۔ اس طور پر اُس نے دیوان صاحب کے انتظام۔ انصاف اور رعایا پروری کی بہت سی تعریف کی جس کو سُنکر دربار میں موجود دیوان صاحب کے حریف اپنے دلوں میں سخت نادم اور شرمندہ ہوئے۔ ایک عجیب نظارہ تھا۔ اور سب کے سب خاموش تھے۔ مہاراج نے یہ حالت دیکھ کر زبان مبارک سے فرمایا کہ دیکھو لوگ کیسے کمینہ اور نالائق ہیں جو میرے ایسے اچھے دیوان کی جھوٹی شکائتیں میرے پاس کرتے رہتے ہیں اُن لوگوں کو شرم آنی چاہیئے۔ شکایت کرنے والے دربار میں موجود تھے کوئی چون تک نہ کر سکا۔ سرکار نے فرمایا کہ بس ایک ایسا فرمان ابھی لکھ دو اور اُس پر میرے دستخط اور مہر کروالو کہ ڈیرہ غازیخاں کے علاقہ کا انتظام بھی میں نے دیوان صاحب کے سپرد کر دیا۔ آئندہ اس علاقہ کے بھی وہ ایسے ہی ذمہ دار ہونگے جیسا کہ ملتان مظفر گڑھ وغیرہ علاقوں کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ حکم دیکر سرکار نے اپنا رخ ملتان کی طرف سے موڑ کر دارالخلافہ کی طرف کو کر لیا اور واپس چلے آئے :۔

یہ دیوان صاحب اپنی کس قسم کی کارگذاریوں کی وجہ سے مہاراج رنجیت سنگھ کے اس قدر اعتباری اور عزیز بن گئے تھے۔ اس کے متعلق بہت سی کہاوتیں۔ کہانیاں اور روائتیں اضلاع ملتان۔ مظفر گڑھ وغیرہ کے پرانے لوگوں کو یاد ہیں۔ اپنی آنکھ سے دیکھنے والے تو اب کوئی کوئی رہ گئے ہیں۔ اور ایسے ہزاروں آدمی موجود ہیں جنہوں نے اپنے باپ دادوں اور بزرگوں سے دیوان صاحب کے وقت کے حالات سنے ہوئے ہیں۔ اگر کوشش کی جاوے تو ایسے بہت سے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہزاروں واقعات میں سے دیوانصاحب کے مادہ حسن انتظام اور ملکداری کی تدابیر کی خوبی کو بتلانے والا ایک واقعہ آج درج کیا جاتا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

دیوان صاحب کو برہمچریہ کی رکشا کا بڑا خیال تھا۔ اور وہ بھبچار کے سخت مخالف تھے۔ بھبچار کی حالت میں اگر ایسے مرد عورتوں کو کوئی جان سے بھی مار ڈالتا تو اُسے کوئی سزا نہ دیا کرتے تھے۔ بلکہ اُس کا کام قابل تحسین اور قابل قدر سمجھا جاتا تھا۔ اُن کا حکم تھا کہ کوچہ بازار میں کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ مل کر نہ چلے۔ اور نہ بات چیت کریں۔ اُن احکام کی تعمیل پورے طور پر ہوا کرتی تھی۔ ایک رات کو ایسا اتفاق ہوا کہ دیوان صاحب کے منلخواں صاحب کا نوکر ایک بازاری عورت کو ساتھ لے کر منلخواں صاحب کے مکان کی طرف کو جا رہا تھا۔ چوکیدار نے اس کو ٹوکا۔ نوکر کو منلخواں صاحب کا گھمنڈ تھا اُس نے چوکیدار کو دھمکایا اور چلا گیا۔

اگلے دن جب دیوان صاحب اپنے انصاف گھر میں آکر بیٹھے تو چوکیدار نے حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا اور ساتھ ہی کہا کہ مجھے نوکری سے معاف فرمایا جاوے۔ دیوان صاحب نے مسلخواں کو حکم دیا کہ ملزم کی جگہ پر کھڑا ہو کر اپنی صفائی پیش کرے۔ چونکہ الزام سچا تھا وہ خاموش سر نیچا کر کے کھڑا ہو گیا۔ دیوان صاحب نے سمجھ لیا کہ جرم ثابت ہے۔ حکم دیا کہ کھجور کی چھڑیاں کاٹ کر لائی جاویں۔ اب چھڑیوں کی مار مجرم کے بدن پر پڑنے لگی۔ چھڑیاں ٹوٹ گئیں اور مجرم بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ حکم دیا کہ اٹھا کر اس کے مکان پر لے جاؤ۔ یہ فیصلہ کر کے دیوان صاحب نے اور کوئی مقدمہ نہ سُنا۔ سب اہلکار خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔ دیوان صاحب بھی اپنے مکان کو چلے گئے اور سارے شہر میں سناٹا پڑ گیا۔

دیوان صاحب نے حکیم کو حکم دیا کہ مسلخواں صاحب کی خبر لیتا رہے اور ضروری معذا تدارو سے اس کے زخموں کو اچھا کرے۔ کچھ دنوں کے بعد جب اُسے بالکل آرام ہو گیا تو دیوان صاحب نے ایک معزز اہلکار کو اس کے بلانے کیواسطے اُس کے گھر پر بھیجا اور وہ سیدھا کچہری میں آکر دیوان صاحب

کے سامنے سلام کرکے کھڑا ہو گیا۔ دیوان صاحب نے بڑی مہربانی سے اُس کی صحت مزاج کا حال پوچھا اور حکم دیا کہ اپنا کام بدستور سابق شروع کرے۔ ایک سروپا اُسے عزت افزائی کے واسطے دیا گیا اور اس کے کاغذات کا بستہ اس کے نائب نے لاکر اس کے سامنے رکھ دیا۔ دیوان صاحب کی دانائی قابل داد ہے۔ ایک ہی مقدمہ ایسا نبدوست کیا جس سے ہر اعلیٰ ادنیٰ کو معلوم ہو گیا۔ کہ دیوان صاحب کے حکم کے برخلاف کام کرنے کا کیا پھل ہوتا ہے۔ ملخوان صاحب کا چلن ہمیشہ کے واسطے سُدھر گیا۔ جرم کی سزا بھی مل گئی۔ روزی اور عزت بھی بحال رہ گئی۔ دوسرے کل لوگوں کو عبرت کا سبق بھی مل گیا۔ اور دیوان صاحب بھی اپنے ایک لایق اور تجربہ کار اہلکار کی خدمات سے محروم نہیں ہوئے بلکہ اس کے دل میں دیوان صاحب کی عزت اور رعب ایسا بیٹھ گیا جیسا کہ ایک پُترا اپنے باپ کو اپنا خیرخواہ اور ہمدرد جانتا ہے ایسا ہی وہ بھی جاننے لگا

پترمت ادھار کے کام کے واسطے یہ کیسی عمدہ مثال ہے۔ اس پہ ناظرین غور فرماویں؂

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے نیچ کے ملازموں کو یا ایسے ملازموں کو جو کہ سرکاری ملازمت اور عہدہ داری کی وجہ سے بہ ماتحالے انکے ماتحت کر دیئے ہیں تھوڑی تھوڑی غلطی یا قصور پر سختی سے برتاؤ کرتے اور ملازمت سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ وہ دیوان صاحب کے اس سلوک کو غور سے دھیان میں لاویں۔ گرے ہوئے کو اٹھانا ایک بڑا اپکار کا اور نفع کا کام ہے۔ آپ اُسے نکالتے ہیں۔ وہ سدھریگا نہیں۔ بلکہ دوسری جگہ جاکر زیادہ چالاکی اور احتیاط سے تجربہ کار ہو کر اس کام کو کریگا۔ اگر آپ اسے اپنے پاس رکھینگے قصور کی معافی کی وجہ سے آپکا ممنون ہوگا۔ آپ اسکے قصور کو جانتے ہیں نگرانی کر سکینگے اس بدعادت سے اسکو نجات ملیگی۔ اور کہا بھی ہے۔ درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔

پتیت اُدھار کا اُتم سادھن ودیا پرچار ہے

آریہ سماج کی تعلیم سے بہت سے سجن پُرشوں کے آتماؤں پر یہ اثر ہوگیا ہے۔ کہ جہاں تک ہوسکے۔ ودیا کا پرکاش اور اودیا کا ناش کیا جاوے چنانچہ مہاشہ ٹیک چند جی سبھاسد آریہ سماج جھوگی والہ تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ نے دیکھا کہ چودھری لدھارام پسر چودھری سوکھبورام سکنہ جھوگی والا کی عمر ۸۲ سال کی ہوچکی ہے۔ کوئی اولاد اور وارث جائیداد اُس کا نہیں ہے۔ پیرانہ سالی اور ضعیف العمری کی وجہ سے ہمیشہ تکلیف میں رہتا ہے۔ اور کسی قدر جائیداد کا مالک ہونے سے بھی رنج و الم کا شکار بنا ہوا ہے۔ اُس کے اُدھار کی کوئی تجویز سوچنی چاہیئے۔ ایسا وچار کرکے مہاشہ ٹیک چند مذکور نے چودھری لدھارام کو پریرنا کی۔ کہ وہ اپنی جائیداد کو کسی نیک کام ودیا کے دان میں لگائے جانے کی تجویز کرے۔ اس کی زندگی میں یہ جائیداد جیسا کہ اس کے قبضہ میں ہے اور اپنی مرضی سے جو کچھ وہ چاہتا ویسا ہی کرتا ہے۔ اسی طور سے کرتا رہے۔ اس کی اچھیا میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہووے۔ مگر اس کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کسی نیک کام میں لگ جاوے۔ لدھارام جی نے اس نیک مشورہ کو منظور کرلیا اور اس قسم کی ایک وصیت تحریر کردی۔ اُس کے انتقال کے بعد مسمیان لالہ سونورام جی حکیم۔ لالہ جسوا رام۔ مہاشہ ٹیک چند اور مو کھی کھلندہ رام یہ چیار صاحبان جس طور سے مناسب سمجھیں۔ اس کی جائیداد کو دھرم کے کام میں خرچ کرنے کا انتظام کریں۔ یہ وصیت مورخہ ۱۰ پوہ سمت ۱۹۸۱ کو لکھی گئی اس کے بعد مہاشہ ٹیک چند و دیگر سبھاسدان چودھری لدھارام کی خدمت تواضع بھی یہ کار کرتے رہے جس سے اُسے اپنی بڑھا دستخا

میں کوئی تکلیف نہ ہووے۔ بڑے آرام اور بے فکری سے اسکی گذران ہوتی
رہی۔ اٹھ سمت ۱۹۶۸ میں بیمار ہوا۔ عرصہ ایک ماہ تک بستر بیماری پہ پڑا رہا
اس عرصہ میں اس کی خدمت اور علاج اچھی طرح سے ہوتا رہا۔

شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ لدھا رام جو اپنے آپ کو لاولد اور دنیا سے
نامراد جانیوالا سمجھا کرتا تھا۔ آج اس کی ہر قسم کی خدمت کرنے والے
چار جوان لڑکے موجود ہیں۔ مگر اُن لوگوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ سینکڑوں دل
والے اس کے دان کے بیج سے پیدا شدہ درخت کا پھل کھا دینگے۔ اور
اس دان کے پھلنے پھولنے سے کیا کیا سامان پرمارتھ کی دیا سے پیدا
ہونگے۔ قصہ کوتاہ تاریخ ۸ پوہ سمت ۱۹۶۹ لدھا رام جی کا دیہانت ہو
گیا۔ مرتک سنسکار ویدک ریتی کے انوسار بڑی دھوم دھام سے کیا گیا
جائیداد کا انتظام مہاشہ ٹیک چند جی نے اپنے ذمہ لیا۔ بڑی کوشش
سے اس کام کو کرتے رہے۔ ایک پاٹھشالہ لڑکوں کو ہندی بھاشا سنسکرت اور دھرم
کی تعلیم دینے کیواسطے آریہ سماج جھوگی والا نے کھولی ہوئی تھی۔ لدھا رام سمارک
سبھا نے اس کو اپنے ادھیکار میں لے لیا۔ جو کئی سال تک بڑی اُنتی سے
چلتی رہی۔ مگر عرصہ دو سال سے بوجہ چلے جانے ایک لائق ادھیاپک پنڈت
لکھشمن دت جی کے اور نہ ملنے کسی دوسرے یوگیہ پنڈت کے آجکل بند ہو رہی
ہے۔ مگر اس جائیداد کے انتظام اور اس کو دھرم کے کام میں خرچ کرنے
کیواسطے جو سبھا رجسٹری کرائی گئی ہے۔ اور جس کا نام لدھا رام سمارک سبھا
ہے اور جس کے ممبران ماسوائے صاحبان مذکورہ بالا کے چودھری دکھپت رام اور
لالہ بھیجی نارائن بھی ہیں۔ یہ وچار کر رہی ہے کہ ایک ودیالہ بطور گوروکل
کے کھولا جاوے۔ چنانچہ قریب چھ بیگھہ اراضی اس کام کے واسطے جھوگی
والا سے جانب غرب نصف میل کے فاصلہ پر دان میں مل گئی ہے۔ جس میں ۱۵ کنال
چودھری دکھپت رام نے ۱۱ کنال چودھری [illegible] جہان [illegible] اور دھرم

کناں لالہ گوبندہ رام مٹروچہ نے دی ہے۔

یہ اراضی بڑے عمدہ موقعہ پر اُس راستہ کے قریب واقعہ ہے۔ جو جھوگی والا سے جام پور کو جاتا ہے۔ دریائے سندھ کی ایک پھاٹ اس کے عین قریب سے بہتی ہے جو موسم گرما میں اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ پوجیہ ور سری سوامی سرودانند جی نے اس کو بہت پسند فرمایا ہے۔ ایک پختہ چاہ سبھا موصوف کی طرف سے اس اراضی میں لگوایا گیا ہے۔ جو نصف ملکیت ودیالہ کا ہے۔ اور نصف چودھری رچھپو رام کا۔ اور رچھپو رام جی نے اپنا ہر قسم کا کاروبار دوکان اور بیوپار کا بند کر دیا ہے۔ اپنا زراعتکاری کا کام بھی دوسری طرفوں سے بند کر کے اسی موقعہ پر جاری کر دیا ہے۔

ودیالہ کے واسطے ضروری مکانات۔ آشرم۔ پاٹ شالا۔ یگیہ شالا۔ اور بھوجن شالا۔ امید ہے کہ جلد تیار ہو جاویں گے۔

چودھری رچھپو رام نے اپنے دونوں لڑکوں کو سنسکرت کے ودوان بنانے کی تجویز کی ہوئی ہے۔ بڑے لڑکے دھرم چند نے جیوتی سنسکرت پاٹ شالا میں گزشتہ سال پراگیہ پریکشا کو پاس کیا ہے اور اگلے سال وشارد کے واسطے جاویگا۔ چھوٹا لڑکا بھیم سین گوروکل ملتان میں تعلیم پا رہا ہے۔ ان کا ارادہ ہے۔ کہ جھوگی والا ودیالہ میں جہاں تک ہو سکے اپنے ان لڑکوں سے بھی کام لیا جاوے۔

مگر فی الحال ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ کوئی سیوگ سداچاری ودوان اس کام کو چلانے کے واسطے مل جاوے۔ جو کہ وشارد اور شاستری کی پریکشا کے واسطے ودیارتھیوں کو تیار کر سکے۔ اُن کو بھوجن کے علاوہ مبلغ تیس روپیہ ماہوار نک بھینٹ کئے جاوینگے۔ کوئی سداچاری پنڈت جو کہ ودیا کا دان دینا اپنا دھرم سمجھتے ہوں اس کام کا چارج لیویں۔ تو یہ کام بڑی جلدی سے جاری ہو جاوے گا اور ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی۔

لالہ ہیم راج تینجہ ملتان کا دھرم ارتھ

اس فنڈ کی خالص آمدنی یکم جولائی تا ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء بمبلغ ... ہوئی۔ اور یکم جنوری تا ۳۰ جون ۱۹۲۰ء کے واسطے اس میں سے حسب ذیل خرچ منظور ہوا۔

ہیم راج پربھدیوی خیراتی آیورویدک شفاخانہ ملتان	۵۸۴
یتیم خانہ ملتان۔ دستکاری طلبا کی فیس	۱۲۰
ضلع مظفرگڑھ کے دیہات میں موسم ملیریا تقسیم کونین	۶۰
بیس طالب علموں اور ایک بدھوا کو وظائف	۹۱۰
سیوا سمتی ملتان شہر	۱۰
میزان کل	۱۶۰۴

باقی روپیہ بھی حسب ضرورت اس ششماہی کے اندر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کا کمایا ہوا دھن ایسے نیک کاموں میں خرچ ہوتا ہے وہ دھنیہ ہیں۔ لالہ ہیم راج جی کا مدعا اگر لوگ سمجھ لیویں۔ تو دیش سے بہت سی مصیبت دور ہو سکتی ہے۔ ۱۸۹۶ء میں لالہ جی نے اپنے عہدہ ملازمت سرکار سے پنشن لی۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اپنا سارا تن من اور دھن پراپکار میں خرچ کرنے کی ٹھان لی۔ پہلے پہلے انہوں نے مظفرگڑھ میں نالہ گنیش واہ کے کنارہ سڑک خان گڑھ پر ایک مکان بنایا۔ اسمیں اپنے ہاتھ سے محنت کرکے درخت دکھائے۔ باوجود دائم المریض رہنے کے اپنا وقت بڑے شوق اور آنند سے اپکار کے شغل پر گذارتے رہے۔ یہ مکان انہوں نے یتیم خانہ مظفرگڑھ کو دان دیدیا۔ یتیم خانہ اسی مکان میں ہے۔ ایک خیراتی شفاخانہ جاری کیا جس سے انیک لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے اپنی ساری جائیداد کو دھرم اور اپکار کے کاموں کے واسطے وقف کر گئے انکی وصیت کو شریلال لالہ جسونت رائے صاحب جس شوق اور پریم سے پورا کر رہے ہیں یہ انہی کا حصہ ہے۔

استریوں پر اتیاچار

کے واقعات اتنے نہیں کہ شمار میں آسکیں۔ جتنا بھی لکھنے کا سامان ہو
اور لکھنے والے لکھنے کو بیٹھ جائیں۔ عجیب سے عجیب اور دردناک
واقعات سامنے آتے جائینگے۔ مگر ایسے واقعات کے سننے والے اس قسم
کے دل خراش حالات کو سُنکر بھی اگر اُن کیواسطے کوئی انتظام نہ سوچیں۔ تو
ایسے بیان اور سمع خراشی و خامہ فرسائی کا فائدہ ہی کیا ہے۔ یہ معاملہ بھی
قابل غور ہے۔ کہ کیوں اہل ملک کی توجہ اس طرف جیسا کہ چاہیے مبذول
نہیں ہوتی۔ حالانکہ ایسے ایسے انیک واقعات کو یہ لوگ روزمرہ نہ صرف
سنتے بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور دل سے محسوس کرتے ہیں۔ پر کون کسی
کے بکھیڑے میں پڑے۔ ہم کو دوسروں سے کیا غرض۔ اپنا کام کرنا چاہیئے
ایسے ایسے کئی ایک خیال ہیں۔ جو کہ لوگوں کے دل میں آتے رہتے ہیں۔ پھر
یہ بھی خیال ہے۔ کہ یہ کام بڑا مشکل ہے۔ اس کا سرانجام ہونا کوئی آسان
کام نہیں ہے۔ ایسے آدمی کہاں سے مل سکتے ہیں۔ جو کہ اپنا کام چھوڑ
کر اس کام میں لگ جاویں۔ یہ سب باتیں کام نہ کرنے کے واسطے صرف
بہانہ ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ اس کام کی طرف لوگ ذرا سی توجہ
کریں تو وہ کام پرماتما کی دیا سے پورا نہ ہو سکے۔ استریوں پر اتیاچار کے
بہت سے واقعات میں بعض پرشنوں کے پیش نظر کر چکا ہوں۔ جیسا کہ
میں نے پتت اُدھار کے حصہ ششم میں لکھا کہ اب عملی کام کرنا چاہیئے۔ جس
کا ذکر بطور اشارہ کے تھوڑا سا میں نے کر دیا۔ عورتوں کو بہکا کر
غیر وطنوں میں لایا جاتا ہے۔ اور کیا کیا درگت اکثر حالات میں اُن
بیچاریوں کی ہوتی ہے۔ اس کا ایک قصہ اور بھی عرض کر دیتا ہوں۔ اس کے
بعد یہ بھی بیان کرونگا۔ کہ اب اس کا علاج کیا ہونا چاہیئے۔ اور اس کے

واسطے مہرو سادھاروں سے کس قسم کی امداد درکار ہے۔ اس کام کے شروع ہو
جانے سے دیش۔ جاتی اور استری جاتی کو کیا لابھ ہوگا۔ اس کا مختصر
ذکر بھی کر دونگا۔

وہ قصہ کوئی بناوٹی کہانی نہیں۔ امر واقعہ ہے۔ جس کو سینہ پر ہاتھ
رکھ کر ناظرین مطالعہ فرمادیں۔ تو امید ہے۔ کہ کسی نتیجہ پر پہنچ جاوینگے
امر واقعہ حسب ذیل ہے

عام طور پر لڑکیوں کے بدلے روپیہ یا لڑکی لینے دینے کا رواج جس
جس علاقہ میں ہو گیا ہے۔ وہاں کی وطنی لڑکیوں کی قیمت بہت چڑھ گئی ہے
دو تین ہزار تک تو کوئی بات نہیں ہے۔ ایک سو روپیہ کا نام تو ایک کوڑی
رکھا ہوا ہے۔ جن لوگوں کے پاس روپیہ کافی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ
قیمت دے کر بیاہ کر لیتے ہیں۔ مگر جن کے پاس روپیہ نہیں۔ غریب
ہیں۔ وہ ساری عمر کنوارے رہ کر مر جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے باہر
سے لائی ہوئی عورتیں تھوڑی قیمت پر دلال لوگ مہیا کرتے رہتے ہیں

ایک غریب چوکیدار کو ایک ایسی ہی سستی عورت مل گئی۔ شہر کی آبادی
کے باہر ایک چاہ کے دو بیوپاری لوگ اس کو یہ عورت بیاہ میں دے کر
رفو چکر ہو گئے۔ وہ عورت کو گھر میں لے آیا۔ بیاہ کا رسم و رواج برادری
والوں کو کھانا کھلانا وغیرہ کام جو کہ ایسے موقعہ پر امیر غریب سب لوگ
کیا کرتے ہیں۔ اس نے بھی کیا۔ عورت برادری میں شامل ہو گئی اور گلی محلہ میں
آنے جانے لگی۔ تھوڑے سے بعد وہ بیمار ہو گئی۔ بدن سوج گیا۔ اٹھنے بیٹھنے
سے لاچار ہو گئی۔ سمجھ کچھ نہ ہو گئی۔ ایک مہینہ تک تو چوکیدار خاوند نے
علاج کیا۔ مگر بیماری روز بروز بڑھتی ہوئی دکھائی دی۔ اسے یہی سوجھا
کہ شہر کے باہر جس چاہ کے حدود میں اس کا بیاہ ہوا تھا۔ اس کو
اٹھوا کر وہاں ڈال آوے۔ اب اس چاہ پر مسلمان لوگ رہتے تھے۔ انہوں

نے دیکھا کہ لاوارث ہندو عورت۔ حالت بیماری بے حس و حرکت لاچار اُن
کے دوار پر پڑی ہے۔ اُن کو خدا کا خوف آیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا
کہ رانی تو ہندو ہے۔ مگر ہندو تم کو اس حالت میں یہاں ڈال گئے۔ ہم
مسلمان ہیں۔ ہم تیرے کھان پان کا کوئی انتظام ہنود کے ہاتھ سے کروا
نہیں سکتے۔ کہ یہاں کوئی ہندو موجود نہیں ہے۔ اور ہم غریب ہیں۔
تمہارے واسطے کوئی ہندو ملازم نہیں رکھ سکتے۔ اگر تو منظور کرے تو
جو کچھ دال ساگ اور پانی ہم کو خدا تعالے نے دیا ہے۔ تیرے منہہ میں
ڈالیں۔ اُس نے جو بول نہ سکتی تھی اشارہ سے منظور کر لیا۔ اور دو وگ
اس کے منہہ میں کچھ نہ کچھ غذا ڈالتے رہے۔ مگر دو تین روز انہوں نے
دیکھا کہ اس کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی جاتی ہے۔ اُن کو خوف ہوا کہ
مبادا یہ ہمارے ہاں مر جاوے تو کوئی بلا اور مصیبت ہم پر نازل نہ ہو جاوے
اُس کی چارپائی کو اٹھایا اور جنگل میں اپنے جاہ سے دو تین سو کرم کے
فاصلہ پر رکھ آئے۔ جہاں جنگل بیابان تھا۔ نہ کوئی مکان تھا۔ اور نہ انسان
تھا۔ مونہہ سے بول نہیں سکتی۔ ٹپ ٹپ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں
اور آسمان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ ڈر ہے کہ جنگل میں سے کوئی گیدڑ لومڑی
بگھیاڑ آکر جسم کو کاٹنا اور کھانا ہی شروع نہ کر دیں۔ یہ خبر ایک مہتر نے سُنی
جس کا نام خوشحالا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھ اپنے چار پانچ آدمیوں کو
لیا اور موقعہ پر جا پہنچا۔ اُس نے اس عورت کو بولا کر کہا کہ رانی تم ہندوانی
ہو۔ تیرے گھر میں جھاڑو اور صفائی کا کام ہم کرتے رہے ہیں۔ مگر قسمت
کی بات ہے۔ کہ ہندو تم کو مسلمانوں کے دروازہ پر چھوڑ گئے۔ آخر مسلمانوں
نے بھی تیرا ساتھ نہ دیا۔ اور وہ تم کو اس جنگل میں ڈال گئے۔

ہم کو ہندو مسلمان سب کے سب نیچ اور اچھوت بتلاتے ہیں۔ اور
ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر پرمیشور کا خوف ہمارے من میں بھی ہے ہم

سے تیری یہ حالت سُن کر رہا نہیں گیا۔ ہم یہاں اس واسطے آئے ہیں۔ کہ جو
کچھ ہم سے ہو سکے تیری امداد کریں۔ مگر ہم غریب ہیں۔ سارا دن ہندو
مسلمانوں کے گھروں اور گلی کوچوں کی صفائی کرتے ہیں۔ تو کھانے کو روٹی
ملتی ہے۔ ایسا ہم سے ہو نہیں سکتا۔ کہ اپنا گھر اور کام چھوڑ کر یہاں جنگل
میں تیرے پاس آجاویں۔ البتہ اگر تو منظور کرے تو اپنے گھر پہ تم کو لے
جا سکتے ہیں۔ اس نے اشارہ سے اجازت دیدی اور وہ لوگ اُسے اُٹھا کر
اپنے جھونپڑے میں لے آئے۔ انہوں نے صدق دل سے، محنت کر کے
کا علاج کیا۔ پرماتما کے دربار میں اُن کی محنت منظور ہو گئی۔ اور وہ رانی
تندرست ہو گئی۔ صحت اور طاقت سب کچھ آ گئی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بڑے
خوش ہوئے۔ اور اُس رانی سے کہا کہ دیکھو دیوی اب تم تندرست ہو گئی
ہو۔ ہم کو خوشی اس بات کی ہے کہ پرمیشور نے ہماری محنت کو سپھل کیا اب
تم کو اختیار ہے۔ جو چاہو کرو۔ جہاں چاہو چلی جاؤ۔ کیونکہ ہندوانی اور چوہڑوں
کا میل نہیں ہو سکتا۔

اس دیوی نے جواب دیا کہ بیشک جو تم کہتے ہو ایسا ہی ہے۔ مگر میرے
واسطے تم چوہڑے نہیں دیوتا ہو۔ بلکہ پرمیشور کا اوتار ہو۔ تم نے میری جان
بچائی۔ میں تمہارا احسان اُتار نہیں سکتی۔ میں خواہ جنم کی ہندوانی ہوں۔ مگر
اب تو میں تمہاری داسی اور زرخرید غلام ہوں۔ میں زندگی بھر تمہاری سیوا
کرونگی۔ ہندوؤں کی بڑائی میرے واسطے کس کام کی ہے۔ اب تو میں وہ ہوں
جو تم ہو۔ خوشحالا کی استری مر چکی تھی۔ اس نے خوشحالا کو اپنا زندگی داتا۔ اور
پران پیارا اپنی بنانا بڑی خوشی سے منظور کیا۔ اور اس بات کو اپنا سوبھاگ
سمجھنے لگی۔ کہ میں اپنی زندگی میں اس کی خدمت کر کے جو رِن بیماری میں خدمت
اور علاج سے ان لوگوں نے میرے سر پر چڑھا دیا ہے۔ اس کو اُتار دوں گی
اب تو وہ ایک نئی دلہن نظر آنے لگی۔ جھاڑو اور ٹوکرا لے کر اپنی مکانوں

اور گلی کوچوں کو صاف کرنے لگی۔ جن میں وہ ہندوانی اور جو دھرانی ایک ہندو چودھری کیدار کی دھرم پتنی کی حیثیت میں رہا اور پھرا کرتی تھی۔

ہندو جاتی کی دردِ دشا پر آنسو بہانے والے سجن پرشو اس واقعہ کو غور سے پڑھو۔ ایک دفعہ نہیں۔ بلکہ دس بیس اور پچاس دفعہ پڑھ جاؤ۔ اور پھر وچار کرو کہ اس کے تعلق میں آپ لوگوں کا کوئی فرض ہے یا نہیں مجھ سے کئی مہاشیان نے فرمایا کہ تم نقص اور دوش تو بتلاتے ہو مگر اُن کے دور کرنے کا کوئی علاج بھی تو بتلاؤ۔ میں تو چاہتا ہوں کہ لوگ علاج کرنے کے واسطے تیار ہوں۔ تو میرے بتلانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خود بخود علاج ان کے خیال میں آسکتا ہے۔ مگر ہمارے دیش میں تو دستور بنا ہوا ہے۔ جو کوئی بولے۔ سو ہی کنڈا کھولے۔ اس واسطے میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے حصہ ششم میں لکھا ہے۔ بہت سی بدھوا استریاں۔ کاشی۔ پراگ راج۔ ہردوار وغیرہ تیرتھوں پر اپنے دکھوں کی نورتی کے واسطے چلی جاتی ہیں۔ کئی تو بالکل معصوم دیویاں ہوتی ہیں۔ اور کئی چالاک اور دھرم شرم کو کھو کر بے باک ہو جاتی ہیں۔ اور وہاں کئی لوگوں نے اڈے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی بے گھر اور مصیبت کی شکار عورتوں کو طرح طرح کے وعدے وعید دیکر وہ لوگ اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں۔ اور اُن کے خریدار دیش کے اندر دلالی برادری کے ایجنٹوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ دور دور علاقوں میں ان کو لے جاتے اور فروخت کر کے اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ میرا وچار ہے ایسے تیرتھ استھانوں پر بدھوا آشرم بنائے جاویں۔ ایسی مصیبت زدہ عورتوں کو دلالوں کے پنجہ سے بچایا جاوے۔ اُن کی خوراک پوشاک تعلیم۔ ہنر و فن۔ دستکاری کا مناسب انتظام کیا جاوے۔ عورتیں وہاں پڑھتی جاوینگی۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک آشرم کھولا جاوے۔ تیرتھ آشرم سے جن استریوں کا شہر کے آشرم میں

لانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اُن کو وہاں لایا جاوے۔ جو ایسی ہوں کہ بواہ کے بغیر اُن کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ لائق وروں کی تلاش کر کے اُن کا بواہ کر دیا جاوے۔ باقیوں کو تعلیم دے کر نرس دایہ۔ اودھیاپکا۔ اُپدیشکا ڈاکٹر بنایا جاوے۔ اس کام کے واسطے سب سے اول ہتکاری آدمیوں کی ایک کمیٹی بنجاوے اور پھر روپیہ کا انتظام کیا جاوے ؎

جو صاحبان اس کے متعلق خط و کتابت کرنا چاہیں۔ کچھ دریافت کرنا چاہیں۔ وہ مینیجر نیتہ ادھار چنگڑ محلہ لاہور بیروں موری دروازہ کے پتہ پر کریں۔

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

پرماتما کا اننت اُپکار اور اٹوٹ بھنڈار

پرمیشور نے اپنی پرجا پشو پکشی انسان حیوان وغیرہ جانداروں کے رہنے اُس پر چلنے۔ پھرنے سیر کرنے۔ کھانے پینے اور پہرنے کے واسطے کرہ زمین کا کتنا بڑا بھنڈار مہیا کر چھوڑا ہے۔ جانداروں کی ضرورت کی۔ عیش آرام اور آسایش آرائش کی ہر قسم کی چیزیں اس زمین کے پیٹ سے برآمد ہوتی ہیں اناج پھل پھول میوہ جات۔ نمک۔ گھی تیل۔ شہد۔ قند۔ ریشم پشم اُون روئی۔ کپاس۔ سونا چاندی کوئلہ لکڑی۔ لوہا۔ پیتل۔ تانبا۔ بیشمار قسم کے قیمتی پتھر۔ نیلم۔ یاقوت۔ موتی۔ لال۔ جواہرات۔ مفید ادویہ اور سامان اسی زمین سے باواسطہ یا بلا واسطہ پیدا ہوتے اور اتنی مقدار اور تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُن سے بھی زیادہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ کہ انسانوں کی خوراک پوشاک وغیرہ کی ضروریات موجودہ سے دگنی چوگنی دس گنی بھی ہو جائیں تو بھی اس بھنڈار میں کوئی کمی نہ آسکے روزی کے واسطے لوگ بھٹکتے ہوئے

ودیش، بدیش میں پھرتے ہیں۔ مگر زمین سے جو جو سامان بڑی خوبی اور آسانی سے مل سکتے ہیں۔ اُن کی طرف ہمارے لوگوں کی توجہ بہت کم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا اور اپنے تجربات اور فجربات کو گرنتھوں میں لکھ کر ہمارے اُپدیش اور ہدایت کے واسطے چھوڑ گئے۔ منجملہ اور بے شمار مفید اُپدیشوں کے یہ بھی لکھا۔ کہ "اُتم کھیتی مدھم بان۔ نکھد چاکری۔ بھیکھ ندان"۔ یعنے دنیادار گرہستی لوگوں کے واسطے کھیتی سب سے اعلے درجہ کا پیشہ ہے۔ اُس سے دوسرے درجہ پر اچھا کام بیوپار ہے۔ نوکری ادنے درجہ کا کام اور بھیکھ مانگ کر کھانا تو بالکل ہی نیچ کرم ہے۔ مگر ہم لوگوں نے کیا سمجھا اور کیا عمل کیا۔ جو جاتی اپنے آپ کو سب جاتیوں سے اعلے اور افضل مانتی ہے۔ اور دوسری جاتیوں کے لوگ بھی اُن کو ایسا ہی جانتے اور مانتے ہیں۔ اُس نے اس کام کو پکڑا جس کو سب سے نیچ کرم بتلایا گیا ہے۔ یعنے مانگ کر کھانا برہمن لوگ دوسرے لوگوں سے دان لے کر یا مانگ کر کھانے ہی کو اپنی بزرگی اور بڑائی کی علامت سمجھنے لگ گئے۔ جن لوگوں نے ہر قسم کے علوم و فنون کو پڑھ اور سیکھ کر سب کے واسطے دھرم کے پنتھ اور سچائی کے مارگ کو۔ صاف ستھرا اور ہر قسم کے نقصان و زیان۔ ڈاکو چور۔ چکار وغیرہ کے خطرے سے محفوظ رکھنا تھا۔ اُنہوں نے اپنی بھلائی اسی میں سمجھی کہ دوسروں کی کمائی میں سے خیرات حاصل کر کے اُسے کھاویں۔ زیادہ مل جاوے تو اُسے بھنگ چرس کے نشوں کی امداد سے پچاویں۔ سونے کا کٹورہ ہمارے ہاتھ میں ہے اس میں سے ہر قسم کی چیز مل جاتی ہے۔

پتّن بھی بارہ ناہیں لاگے چور چکار یعنے بھیکھ مانگ پیدا تازہ بہ تازہ نَو بہ نَو کی پیداوار ہے جس کو چور چکار کوئی نقصان نہیں پونچا سکتا۔ نہ صرف ہی بلکہ ساتھ ہی ایسا حکم بھی لگا دیا کہ کھیتی کے اُتم کام کو جو لوگ کرتے ہیں وہ شودر ہیں اور نیچ ہیں۔ کھیتی کے کرنے میں بہت سے کیڑے مکوڑے

وغیرہ جاندار مرجاتے ہیں۔ اس میں بڑا پاپ ہوتا ہے۔ اس واسطے اس
کام کو نہ کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شودر اور نیچ جاتی کے لوگ کریں تو کریں مگر
اُتم کل ابھیمانی برہمن کشتریوں کو تو ایسا بُرا کام ہرگز نہ کرنا چاہئے"۔

ایسے خیالات کی وجہ سے کئی طرح کی کہاوتیں بنائی گئیں جن میں اہل
ہنود کے واسطے کھیتی کے کام کا نشیدھ کیا گیا۔

مثلاً سونے دے سٹے۔ روپے دے ناڑ۔ تو بھی رڑھ دہ وادے کماڑ
اس کا مطلب یہ ہے کہ گندم کی کاشت میں اگر خوشہ یعنی سٹہ سونے کا
پیدا ہو اور ناڑ یعنی نیلی چاندی کی نکلیں۔ ہندو کو پھر بھی کھیتی نہ کرنی چاہئے
اچھا وناش کالے وپریت بدھی کی کہاوت بھی تو چلی ہی آتی ہے۔
اب اس رونے دھونے سے تو بنتا بھی کچھ نہیں ہے۔ اب مناسب تو یہی
ہے کہ جس کام کے چھوڑنے سے نیچا اور ادھوگتی کو پراپت ہوتے اب
اُسے پھر شروع کر دینا چاہئے۔ جن لوگوں کے قبضہ میں ہزاروں ایکڑ
زرخیز اراضی ہے۔ وہ اس شریف کام کو چھوڑ کر سودخوری جیسے مکروہ کام میں
لگے ہوئے ہیں۔ ایسے بھلے پرشوں کو کوئی بتلا دے۔ کہ تم ایسا کرو تو یہ
لوگ اس کی کب سنتے ہیں۔ ضروری ہے کہ نمونہ ان لوگوں کے سامنے پیش
کیا جاوے۔ اسواسطے یتیم خانہ مظفرگڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے ایک شاخ
یتیم خانہ کی موضع ہبیٹ سوہی تحصیل سنانواں ضلع مظفرگڑھ میں عرصہ دو
سال سے کھولی ہوئی ہے۔ یہاں پر لڑکوں کو کاشتکاری کا کام سکھایا جاتا
ہے۔ گوشالہ بھی اس موقعہ پر ہے۔ اس دفعہ تجویز کی گئی تھی۔ کہ یتیم خانہ مظفرگڑھ
کے سب لڑکے بھی تبدیلی آب وہوا اور زراعت کے کام میں امداد کیواسطے
ہبیٹ سوہی میں بھیجے جاویں۔ فصل گندم کی کٹائی کا وقت آنے پر یکم بیساکھ
کو ہمیں بھی لاہور سے آ گیا اور کام کٹائی کا لڑکوں کے ہاتھ سے جاری کرا دیا
۱۵ بیساکھ تک کل گندم جو کہ دست مکاشت تھی جس کی کاشت قلبہ رانی پرورش

آبپاشی وغیرہ کا کام بہت سا یتیم خانہ کے لڑکوں کے ہاتھ سے کیا گیا تھا کاٹی گئی - چار ملازم اور بارہ لڑکے کام کٹائی کا کرتے رہے اور دوسرے لڑکوں نے بھی کام میں مدد دی۔ روزمرہ صبح ۶ سے ۱۲ بجے تک فصل کو کاٹتے اور ۳ بجے شام سے لیکر ۷۔۸ بجے تک کٹی ہوئی گندم کو سروں پر اٹھا کر یہی بالک خرمن کے موقعہ پر پونچاتے رہے۔

امید ہوتی ہے کہ ان لڑکوں کو مختلف حالات پر زراعت کے کام میں لگایا جاویگا اور نئے ترقی یافتہ طریق پر اعلےٰ درجہ کے آلات کشاورزی کے استعمال سے زیادہ مفاد اس کام سے حاصل ہو سکے۔ جس کو دیکھ کر امید ہے۔ کہ جن لوگوں نے زراعت کے کام کو نیچ جان کر چھوڑ دیا ہے اور اسے ترک کرنے کی وجہ سے سرکار انگریزی کی رعایا میں کمین کا درجہ حاصل کیا اور حصول اراضی کے حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ وہ بھی اس طرف توجہ دیویں۔ اور قدرت کی پیداوار میں سے پہلے پکے ہوئے میٹھے پھلوں کے بھوگ کے حقدار بن جاویں۔ تاکہ کمزوری اور محتاجی سے نجات پاویں۔

نیز چونکہ مظفرگڑھ میں پلیگ کا زور ہو گیا ہے اس واسطے یہی تجویز کی گئی ہے۔ کہ سب لڑکے اس وقت تک کہ طاعون سے آرام ہو جاوے۔ بیٹ سوہنی میں رہیں۔ جن صاحبان نے کوئی امر دریافت کرنا ہو۔ کوئی دان ارسال کرنا ہو وہ مینیجر یتیم خانہ مظفرگڑھ موضع بیٹ سوہنی ڈاکخانہ غازیگھاٹ ضلع مظفرگڑھ کے پتہ پر کریں۔

بارہ سال سے زیادہ عمر کے لڑکے

جو کھیتی باڑی کا کام سیکھنا چاہیں۔ ان کو انترنگ سبھا کی منظوری سے یتیم خانہ مظفرگڑھ کی شاخ بیٹ سوہنی تحصیل سنانواں ضلع مظفرگڑھ میں داخل کیا جاتا ہے۔ کھیتی اور گورکھشا اور سبزی ترکاری کی تیاری اور محنت کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔

تعصب مذہب

دھرم کا نام بدنام اور مذہب کے سر پہ الزام

بھارت ورش کے شاستروں اور بزرگوں نے جس بھاؤ کو دھرم کہا ہے
اُس کو دوسرے لوگ مذہب کہتے ہیں۔ گو مذہب کا لفظ ٹھیک طور پہ
اُس محسوس کو ادا نہیں کر سکتا۔ جو کہ دھرم کے شبد سے مفہوم ہوتا ہے
تاہم شبد کی جگہ لفظ جو سب لوگوں نے مان لیا ہے۔ تحریر اور تقریر میں
مجھے بھی ماننا ہی پڑتا ہے۔

کیسے تعجب اور حیرانی کا مقام ہے۔ کہ امرت ہو تو اس واسطے کہ
مُردوں کو زندہ بنا دے۔ مگر ہمارے قبضہ اور استعمال میں جب آوے
تو زندوں کو مار ڈالنے کا کام دیوے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بہت سے لوگ
مذہب اور دھرم سے کنارہ کش ہونا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ سنا جاتا
ہے۔ کہ سری سوامی شنکر اچارج جی نے بودھ لوگوں کے جہاز بھروا کر
سمندر میں غرق کرا دیئے۔ اس کی وجہ سے کہ وہ ان کے برخلاف دھرم
رکھتے تھے۔ اور ان کے دھرم کو مانتے نہ تھے۔ رومن کیتھولک عیسائیوں
نے جو حضرت عیسیٰ کے گلہ کی بھیڑیں اپنے آپ کو کہتے ہیں پروٹسٹنٹ
عیسائیوں کو ہزاروں کی تعداد میں جان سے مروا ڈالا۔ کئی ایک کو چیڑ
کی لکڑی کے ستونوں کے ساتھ باندھ کر اُن کے بدن پر روئی اور
سوت لپیٹ دیا۔ اور اوپر تیل ڈال کر آگ لگا دی۔ اندھیری رات
میں اُن سے مشعلوں کا کام لیا۔ اور ان کی روشنی میں خوب جلسے کئے اور
جشن اُڑائے۔ غریب یہودی لوگوں کو ملک بدر کر دیا۔ لاکھوں کی جائدادوں
کو چھوڑ کر یا دس بیس روپیہ اور ایک دو خر مرکب کے عوض فروخت
کرکے بیچارے اپنے بال بچوں کو لے کر اپنے باپ دادا کے وطن

مالوف کو خیرباد کہکر روانہ ہوئے نہ معلوم کہاں چلے گئے اور آگے کوئی آنے بھی دیگا یا نہیں۔ جہازوں پر سوار ہوکر دوسرے ملکوں کو گئے اگے ملک والوں نے اپنے ہاں اُن کو گھسنے بھی نہ دیا۔ ایسی مصیبت کے وقت میں عیسائی پادریوں نے اُن پہ کلام الہی کی بارش نازل کی۔ جو تنگ حال ہیں عیسائی بن گئے۔ اُن کو وطن میں آنے کی اجازت بھی مل گئی جو نہ بنے اور اپنے پرانے عقیدہ پر قایم رہے۔ وہ ہزار مصیبتوں کا شکار ہو کر کوئی مر گئے۔ کوئی کوئی بچ گئے۔ وہ ظلم و ستم کے برداشت کرنے کو جنیں رہ

اشاعت مذہب کے نام پہ ملکوں اور قوموں پر حملے ہوئے۔ خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ مندر توڑے اور مندروں میں گؤوں کو ذبح کیا گیا۔ مندر مسمار کرکے مسجدیں بنائی گئیں۔ یہ سب کچھ اس واسطے ہوا۔ کہ لوگوں کو سچے مذہب کے جھنڈے کے نیچے لایا جاوے۔ جو نہ آئے ان پر نہایت سخت ٹکس اور جزیے لگائے گئے۔ تنگ ہوکر بہت سے پناہ گزین ہوئے اور جو نہ ہوئے باوجود ادائے ٹکس کے ہزار طرح کی ذلت اور خواری کا مزہ چکھتے رہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مذہب اور دھرم کس چیز کا نام ہے آیا یہ کوئی ایسی خطرناک بلا ہے جو کہ انسان اور حیوانات کے خون کے بغیر تسکین نہیں پا سکتی۔ یا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ موٹی سمجھ کے آدمی کو تو ایسا نظر آتا ہے۔ کہ دھرم۔ فرض ڈیوٹی اور مذہب کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان ایسے طور پہ کام کرے۔ جو کہ اس کی ذات سے کسی جاندار کو کسی طرح کا دکھ نہ دیوے۔ اور نہ اپنے ہی واسطے دوکھ کے سامان پیدا کرے سب کے ساتھ پریم اور پریتی سے برتاؤ کرتا ہوا چند روزہ حیات بے ثبات کو امن اور چین سے گذار دے۔ کچھ ہو سکے تو دوسروں کی بھلائی کا کام کرے۔ محتاج کی حاجت روائی۔ غریب اور دردمند کی امداد

بیمار کا علاج اور تیمارداری۔ بھوکے پیاسے اور ننگے کی دانہ پانی اور بستر سے سہایتا کرے۔ چوری۔ چکاری۔ دشمنی اور دوسروں کی ایذارسانی سے پرہیز کرے۔ سنسار کے مالک خالق اور پالک کو ہر جگہ موجود اور حاضر ناظر جان کر پاپوں سے بچتا رہے۔ مورکھ نادان اور بچوں کے واسطے ودیا کے دان میں سہایتا کرے ؛

ان باتوں کو تقریباً سارے کے سارے اہل مذاہب مانتے ہیں کیونکہ دراصل دھرم اور مذہب کا اندرونی وجود اور جان تو یہی باتیں ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہر ایک مذہب کے اپنے اپنے مسایل بھی ہیں۔ جو کہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ ظاہری نشانات اور علامات ہیں یا یوں کہو کہ وہ مذہب کا جسم ہیں۔ اب زیادہ تر زور ہر مذہب والا اپنے مذہب کے اس بیرونی جسم یا ڈھانچہ کی تقدیس پر دیتا ہے۔ گویا بت کی پوجا ہو رہی ہے۔ روح اور آتما کی کوئی ایسی پروا نہیں ہے۔ اور سنو کہ ہر ایک مذہب کا حکم ہے۔ کہ بیٹے والدین کے فرمانبردار اور خدمتگذار ہوں اور بھائی بھائیوں کے مددگار اور وفادار اور یہ مذہب کی جان اور اندرونی سچائی ہے مگر ایک شخص نے دنیاوی حکومت کے لالچ میں آکر اپنے بھائیوں اور بھائیوں کے لڑکوں کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ تاکہ کوئی دوسرا ان میں سے بادشاہ نہ بن جاوے۔ وہ بیچارے جان کے خوف کے مارے بھاگتے بھاگتے پھرتے رہے۔ جوں جوں اُس کے قبضہ میں آتے گئے سب کا کام تمام کرتا رہا۔ دھوکا اور فریب سے اپنے آپ کو ایک کا تابعدار اور غلام ظاہر کرتا ہے۔ اُسے لکھتا ہے کہ بادشاہی کے لایق اور حقدار آپ ہیں۔ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ آپ کو تخت نشین دیکھ کر بیت اللہ کے حج کو چلا جاؤں اور وہاں جاکر دنیا کی آلایشوں سے الگ ہو کر عاقبت کے سدھار کا خدائے پاک کی عبادت سے کچھ انتظام کر لوں

یہ بیچارہ اس پر اعتبار کرتا ہے۔ اور رات کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ باپ کو بندی خانہ میں ڈالتا ہے۔ طرح طرح کی ایذا رسانی اور چھیڑ خانی اس کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ قید میں ایک ایسا خدمتگار اس کے پاس رکھا ہوا ہے۔ جو اُس کی ایک ایک حرکت سے اس کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔ کوئی لفظ دُکھ تکلیف یا خوشی کا اس کے منہہ سے نکلتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں ناک اور مونہہ آنکھ کی کوئی حرکت ہو اس کی خبر برابر دیتا رہتا ہے۔ اور اُس کے زیر حکم بادشاہ باپ کے ستانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا بظاہر قرنشی سلام کرتا اور بادشاہ سلامت کے تعریفی الفاظ سے ہر وقت خوشامد کرتا رہتا ہے۔ اپنے حقیقی بڑے بھائی کو جسے باپ اپنے بعد سلطنت کا وارث جانتا تھا۔ اور اُسے بادشاہ بنا بھی دیا تھا۔ اس کو اور اس کے بیٹے کو اس نے گرفتار کیا۔ شرع کا فتوے لیکر ان کے سر قلم کئے۔ بھائی کے سر کو صاف کر کے ایک جواہر نگار بکس میں بند کیا۔ ریشمی اور طلائی رومالوں میں اس کو لپیٹا گیا۔ اور بطور ایک عجیب وغریب تحفہ کے بادشاہ باپ کی خدمت میں بھجوا دیا وہ بکس اُس خدمتگار کے پاس پہنچا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور بادشاہ ہفت اقلیم کے فرزند ارجمند نے ایک نادر تحفہ نہ معلوم کس ولایت سے منگوا کر حضور انور کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔ جو کہ اس عجوبہ روزگار صندوقچہ میں بند ہے۔ بادشاہ اس خبر کو سُن کر اور صندوقچہ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اگرچہ آجتک کے جور وجفاؤں کو بھول نہ گیا تھا۔ مگر خیال کیا کہ آخر میرا عزیز بیٹا ہے۔ جس کو میں نے جان سے پیارا رکھ کر پرورش کیا ہے۔ گو آجتک مجھ پر سختی اور ظلم کرتا رہا ہے۔ آخر انسان ہے۔ ممکن ہے کہ پدرانہ محبت کی کوئی لہر اس کے سینہ پر کینہ میں نمودار ہو گئی ہو۔ اور یہ اُسی کا اثر ہے۔ ہاں اس نے میرے دل بہلانے کو دو چار لڑکے تعلیم دینے کے

واسطے مجھے نہ دیجئے۔ اور کئی دفعہ تازہ پانی کے چند گھونٹ بھی مجھے نہ ملے۔ آج اس قدر بے بہا تحفہ اُس نے میرے واسطے روانہ کیا۔ اے میرے پروردگار تیرا ہزار شکر ہے کہ تو نے میرے لڑکے کے دل میں میری محبت کا جذبہ کچھ تو پیدا کیا۔ بڑی خوشی اور خندہ پیشانی سے حکم دیا کہ فوراً اس تحفہ کو بندی خانہ سے نکالا اور میرے سامنے لایا جاوے۔ وہ بدکردار سردار۔ خدمتگار ایک الگ کمرے میں گیا۔ ایک مرصّع طلائی تھال لے کر اس کے اندر اس سر کو رکھا اور اُس کے اوپر زردوزی رومال ڈالدیا۔ بڑے ادب کے ساتھ سر کو جھکائے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اس تھال کو لایا۔ اور بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ حضور والا یہ نادر تحفہ ہے۔ جو کہ حضور کے فرزند ارجمند نے حضور کی تفریح طبع اور اس قید کے زمانہ میں دل بہلاؤ کے واسطے بڑی عقیدت اور سعادت مندی کی وجہ سے ارسال کیا ہے۔ بادشاہ بے تاب تھا۔ کہ کب یہ میرے پاس آوے۔ اور میں اُسے اپنی آنکھ سے دیکھوں جس کی اسقدر تعریف میں نے سنی ہے۔ ہاتھ پھیلا کر رومال کو اٹھایا۔ جونہی کہ نظر پڑی بیہوشی نے حملہ کیا۔ زبان میں گویائی کی طاقت نہ رہی۔ زمین پر گر پڑا۔

اپنے باپ اور بھائیوں سے اس قسم کے سلوک کے باوجود یہ شخص چونکہ مذہب کے ظاہری جسم اور ڈھانچہ کا بڑا پوجاری ہے حامی دین و الملت اس کا خطاب ہے۔ یہ بڑا دیندار گنا جاتا ہے۔ اسوقت بھی یہی حال ہے۔ کہ جو اصلی دھرم اور مذہب ہے۔ اس کی تو کسی کو پرواہ نہیں ہے اور جو ظاہری وجود اور رسم رسوم ہیں۔ اُن کے پیچھے اصلیت کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہندو ہے۔ یہ مسلمان ہے۔ اور یہ عیسائی ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ سب ہندو ہوں اور سرکار کی ملازمت میں میرا بڑا بھاری حصہ اور اقتدار رہے یہ قائم رہے۔ مسلمان کہتا ہے۔ کہ ہمیں سب سے بھاری ملازمت

کو تو میں چھوڑنے والا نہیں۔ مجھے کونسلوں کی ممبری میں خاص حقوق ملیں اور تعلیم کے سرکاری وظائف میرے لئے دوسرے لوگوں کے حصہ رسدی سے زیادہ علیحدہ کر دیئے جاویں۔ عیسائی کہتا ہے۔ کہ تم لڑتے اور جھگڑتے رہو میں اندر اندر کام کر رہا ہوں۔ ایک دن آویگا کہ میرا پروار ہندوستان کے اندر ہندو اور مسلمان دونوں سے بڑھ جاویگا۔ پھر کون ہے جو میرے حقوق کی برابری کر سکے۔ میں ہندوستان کا زمیندار ہوں۔ سرکار کا فرض ہے۔ کہ زمیندار کی حمایت کرے

مذہب اور دھرم کی حقیقت اور اصلیت کو عام طور پر بے پرواہی کی خندق میں ڈال دیا گیا ہے۔ مذہب اور دھرم کا کام جو کہ لوگوں کو دیانتدار اور عوام کا خیر خواہ بنانا تھا۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ مذہب کی پیروی میں تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ لوگ مذہب کے پیرو نبیں۔ مذہب کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں۔ اور بنا بھی لیا ہے۔ اس میں مذہب کا کیا قصور ہے۔ طرح طرح کے پاپ جس سے بچنے کی مذہب ہدایت کرتا ہے۔ اب مذہب کے نام پر کئے جاتے ہیں۔ اور پاپوں کی سزائیں ملتی ہیں۔ کیونکہ پڑماتما جو کہ کرموں کا پھل داتا ہے وہ تو کسی کے دھوکہ میں آ نہیں سکتا۔ پھر روتے اور چلاتے ہیں۔ بات کیا ہوتی ہے۔ اس کا مطلب کیا نکالا جاتا ہے۔ دنیا میں یہ اندھا دھند کارروائی اب بھی ہو رہی ہے

ان دنوں میں عام چرچا ہے۔ کہ ہندو مسلمانوں میں اتفاق ہو گیا۔ یہ کیا بڑی اچھی بات ہے۔ اور اس کو ہر کوئی پسند کرتا ہے۔ اس اتفاق کے زمانہ میں میں ایک شہر میں گیا۔ وہاں ایک مقدمہ کا چرچا تھا۔ ایک ہندو کی عورت کو ایک مسلمان ترناکار نے بدراہ کر لیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا عام طور پر مسلمان لیڈروں اور متقی مسلمانوں نے اس امر کی کوشش اور پیروی کی۔ کہ عورت ہندو خاوند کو نہ ملے۔ مسلمان زناکار کو دلائی جاوے۔ بڑے

بڑے وکیل اور بیرسٹر جو قومی انجمنوں اور مسلم لیگ کے رُکن گنے جاتے ہیں
عدالت میں پیروی کرنے والے تھے۔ میں نے یہ حالت سُن کر ایک دوست
سے پوچھا۔ کہ ایسے حالات میں ہندو مسلمانوں کا اتفاق کیا معنے رکھتا ہے
جبکہ وہ لوگ ہندو عورت کو اس کے زندہ خاوند سے چھیننا چاہتے ہیں اُس
نے کہا کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارا اتفاق پولیٹیکل معاملات میں ہے۔ اور یہ ہمارا
مذہبی معاملہ ہے۔ اتفاق کی خاطر ہم اپنے مذہب کی ترقی کو کیوں چھوڑ دیویں
دیکھیئے مذہب بیچارے کا کونسا مشن ٹھیرایا گیا ہے۔ یہ بیچارہ بدنام نہ ہو
تو کیا ہو۔ پرائی عورت سے زنا کاری کر کے اُس کو اپنے گھر میں آنے کی ترغیب
دیوے۔ اس میں مذہب کی ترقی ہے۔ زنا کاری کا گناہ کوئی نہیں۔ اب
اس موقعہ پر اگر مذہب بیچارہ ورلاپ اور فریاد کرے۔ کہ مجھے ایسے پیرووں
سے بچایا جاوے۔ تو کون ہے جو اس کی فریاد کو بیجا کہیگا۔

ان حالات میں نہ معلوم کسی کو اختیار ہے یا نہیں۔ کہ سارے اہل
مذاہب سے ایک سوال کر سکے جو کہ میں کر چھوڑتا ہوں۔

سوال۔ اے معززین بزرگان مذاہب جو آپ لوگ اپنے آپ کو خدائے
واحد کے بندے مانتے ہو اور اپنے مذہب کو اس پروردگار کی ہدایات
کا مجموعہ بتلاتے ہو۔ کبھی آپ نے کوشش کی ہے۔ کہ آپس میں مل کر جن جن باتوں
کے ماننے میں آپ سب کا اتفاق ہے۔ اُن کا پرچار خوب ہمت اور دلاوری سے
کریں۔ اور سب لوگوں کو دیانتدار اور نیک نیت خیر خواہ اور بدی سے پرہیزگار
بناویں۔ اگر آپ مل کر ایسا کرنے لگیں۔ تو جن مسائل میں اتفاق نہیں ممکن
ہے کہ آپس کی غلط فہمی دور ہو کر کوئی نہ کوئی صورت لازمی اتفاق کی بنجاوے
اگر پہلے نہیں کیا تو اب بھی وقت ہے۔ اب کر سکتے ہیں۔ اگر آپ لوگ
کرنا نہیں چاہتے تو آپ خود ہی غور فرماویں۔ کہ یہ آپ صاحبان کا دھرم
اور مذہب کے نام پر اڈمبر رچنا کسی اور مطلب کے واسطے ہوگا! دھرم

اور مذہب کو خواہ مخواہ بدنام کیوں کرتے ہو۔ سیدھے طور پر اپنے معیوب کی تلاش میں لگ جاؤ۔ غریب سادہ لوح دنیا داروں کو دھوکہ تو نہ دو۔

✤

اچھوت! اچھوت!! اچھوت!

✤

کُتا اچھوت نہیں۔ بلی اچھوت نہیں۔ بھیڈ اچھوت نہیں۔ گدھا اچھوت نہیں۔ اور جو بھی حیوان گند اور غلاظت کو کھا جاویں۔ وہ اچھوت نہیں ہیں۔ پھر اچھوت کون ہیں؟ سنو۔ رام اور کرشن کا نام لینے والے۔ رام نام کے سمرن سے مکتی ماننے والے۔ جس گنگا ماتا کا نام سو جوجن لینے چار سو کوس کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا کوئی پاپی سے پاپی بھی لے لیوے۔ فوراً پاپوں سے مکت ہو جاوے۔ اس گنگا میں سینکڑوں کوس کا فاصلہ بڑی شردھا سے طے کرکے خاص گنگا ماتا کے پوتر نرمل گنگا جل سے مل مل کر اپنے بدن کو صاف کرنیوالے اور ساتھ ہی خلوص عقیدت سے پرماتما کے آگے بینتی کرنے والے پرماتما کے امرت پتر اور ہندو سناتن دھرم کے پیچھے چلنے والے اکادشی وغیرہ برتوں کا سیون کرنے والے بھنگی۔ چمار۔ نام شودر۔ مہتم اور انیک اسی قسم کے لوگ اچھوت ہیں۔ ہندو اُن کے ساتھ اگر چھو جاوے تو معہ پارچات کے سنان کرے ✤

ریل کی سواری میں یہ لوگ ہندو مسافروں کے ساتھ بیٹھ کر سفر کرتے ہیں۔ ہندو اِن کو اس گاڑی سے نکال نہیں سکتے۔ اپنے پاس سے بیٹھے ہوئے کو اُٹھا نہیں سکتے۔ نہ اُن کی مرضی ہے۔ کہ اس گاڑی سے نکل کر آپ دوسری گاڑی میں چلے جاویں۔ مگر آہستہ آہستہ یہ نفرت اب دور ہو رہی ہے۔ دفتروں اور کچہریوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ دری بچھی ہوتی ہے۔ اس پر ہندو مسلمان

اہلکار بیٹھا کرتے ہیں۔ اس دری کو ہر روز مہتر آکر اپنے جھاڑو سے صاف کرتا ہے۔ ہندو اہلکار اُسے منع نہیں کر سکتے۔

اچھوت لوگ بیچارے اب تک ہندؤں کا بڑا لحاظ کرتے ہیں اور جو سلوک اہل ہنود کی طرف سے اُن کے ساتھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے اس کو وہ جانتے ہیں۔ بہت سے اُن میں سے عیسائی مسلمان ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ جو باقی ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ جونہی اُن بھائیوں نے مذہب کو تبدیل کیا۔ اُن کی حالت کچھ کی کچھ ہو گئی۔ مگر پھر بھی بہت سے ایسے ہیں کہ اپنے مذہب کو قایم رکھ کر اپنی سوشل حالت کو سدھارنا چاہتے ہیں۔ اور پرماتما کی دیا سے اونچی جاتی والوں میں سے بھی بہت سے لوگ ان کے حامی اور طرفدار ہو گئے ہیں۔ مہاراجہ بڑودہ نے جو دیا اور کرپا اُن کے حال پر کی ہے۔ وہ اُسی مہاراجہ کا حصہ ہے۔ اُس کے علاوہ اور بھی بہت مقامات پر کوشش ہو رہی ہے۔ کہ اُن کے لڑکوں کو سرکاری مدارس میں داخل کیا جاوے۔ چاہات اور نلکوں سے پانی بھرنے کی اُن کو اجازت ہو جاوے۔ مندروں میں پوجا کرنے کی کوئی روکاوٹ نہ رہے۔ اس میں بہت سے لوگ ان کے راستہ میں رکاوٹ پر رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ اور کسی کسی جگہ پر یہ رکاوٹ ڈالنے والے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں اور ہوتے بھی رہینگے۔ مگر ایک وقت آئے گا جو کہ بہت دور نہیں ہے۔ کہ ان کے راستہ سے یہ سب رکاوٹیں دور ہو جاوینگی مگر اہل ہنود کے سلوک نے جو اثر ان کے دلوں پر ڈالا ہے۔ وہ ایسا نہ ہوگا کہ اس کا نتیجہ دونوں جاتیوں کے واسطے خوشگوار ہو۔ ہندو لوگ کہتے ہیں کہ وہ لوگ غلیظ اور میلے رہتے ہیں۔ اور ان کا کام بھی میلا ہے۔ یہ درست ہے مگر چھوٹے بچے بھی تو غلیظ ہوتے ہیں۔ جن کے ماتا پتا اگر ان کو صاف نہ رکھیں۔ اور اُن کے اس قصور کی وجہ سے اُن کو اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیویں۔ تو نتیجہ کیا ہوگا۔

اسی طرح ان لوگوں کو اگر کسی قدر نزدیک آنے دیا جاوے۔ تو جتنا جتنا کہ یہ نزدیک آتے جاوینگے۔ اتنا اتنا ہی اُن کی حالت درست ہوتی جاویگی اور اُن کو خود خیال ہو جاویگا۔ کہ یہ صفائی کا خیال رکھیں۔ اور غلاظت سے پرہیز کریں۔ ابھکش وستؤں کا استعمال چھوڑ دیں۔ ہندو بھائیوں کو خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ میلا اور گندگی اُٹھانے کا کام تو یہ لوگ چھوڑتے جاتے ہیں۔ اور کوئی دن میں یہ بالکل چھوڑ دیں گے۔ ہندو لوگ اگر ان کو اس حالت میں اپنے آرام کی خاطر رکھنا چاہتے ہیں۔ تو اُن کی یہ مراد تو ہرگز بر نہ آوے گی۔ یہ لوگ ترقی ضرور کریں گے۔ البتہ فرق اتنا ہوگا۔ کہ اگر آپ لوگ اُن کے اُدھار میں مدد کریں گے۔ تو یہ لوگ آپ کے ممنون احسان رہینگے۔ اگر آپ لوگوں نے اُن کی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ ڈالی اور دوسرے لوگوں نے اُن کو سہارا دیا۔ تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہوگا جس کو آپ اپنے مفید مطلب نہ پاویں گے۔

اتنے لوگ جو آپ کے ساتھ مل کر سنسار کے اُپکار میں لگ کر اس کام کو بڑی آسانی اور جلدی سے کر سکتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے کہ آپ کے ساتھ مل کر کام کو سرانجام دیویں۔ آپ کی مخالفت پر کمر باندھ کر آپ کے کام میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔ اور آپ کو آگے چلنے نہ دینگے پس میرے دوستو جس طرح سے ہو سکے۔ بہت جلدی ایسے سب لوگوں سے ملاپ کر لو۔ اور سنسار بھر کا اُپکار کر ڈالو۔ فی الحال صرف اتنا کرا دو کہ ان کے ساتھ چھو جانے سے آپ لوگوں کو یہ خیال ہو جاتا ہے۔ کہ آپ بھرشٹ ہو گئے۔ اس کو دور کریں۔ آپ بھرشٹ نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کے ساتھ سپرش سے یہ لوگ شدھ اور پوتر ہو رہے ہیں۔

اوم شم

نویدک

پنڈت گنگا رام سکرٹری کمیٹی یتیم خانہ مظفر گڑھ و شاخ لاہور

اوم

پتت اُدّھار

حصہ ہشتم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی میٹنگ کمیٹی کی تجویز

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۰ء مرتب ہو کر

بندے ماترم پریس لاہور میں باہتمام لالہ رام پرشاد پرنٹر کے چھپا اور رام چند پبلشر نے شائع کیا

پنت اُدھار کا پرچار

پنت ادھار جاتی کی پنت اوستھا کو سجن پرشوں کے سامنے لانے کو جاری ہوا ہے۔ سات حصوں میں اس کی چودہ ہزار کاپیاں شایع ہوکر ملک کے مختلف حصوں میں مشتہر ہو چکی ہیں۔ عام طور پر بھلے پرشوں نے اس کی ضرورت کو مانا ہے۔ اور اس کی طرز تحریر کو پسند کیا ہے۔ جاتی کی پنت اوستھا کے سدھار کی کس قدر ضرورت ہے استریوں پر جس قسم کے اتیاچار ہو رہے ہیں۔ اس کا جو اثر کل ہندو جاتی پر ہو رہا ہے۔ اس کو بھی سب لوگ جانتے ہیں۔ مگر اس پر وچار کرنے کا موقعہ لوگوں کو نہیں ملتا۔ جاتی کے اناتھ اور یتیم بچوں کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ گائے وغیرہ جانوروں کے ساتھ جو سلوک منش جاتی کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اس قسم کے ضروری حالات پنت ادھار میں شایع ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنے دیش۔ منش جاتی اور سنسار کی بھلائی چاہتے ہیں۔ وہ اس کی ممبری منظور کریں اس کا پاٹھ اپنے دوستوں اور پریوار کی استریوں کو سناویں۔ اپنے دوستوں کو اس کی خریداری کی پریرنا کریں۔

۲۔ پنت ادھار کسی خاص آدمی کے واسطے روپیہ پیسہ کے کمانے کا ذریعہ نہیں ہے۔ البتہ کاغذ چھپوائی اور کسی کسی کارکن کو اُس کا حق الخدمت کچھ نہ کچھ اور وہ بھی بڑے سنکوچ سے جو دینا پڑتا ہے۔ یہ خرچ ضرور ہے پنت ادھار کے ممبران کی خدمت میں اور وہ صاحبان جن کی نظر سے یہ سطور گذریں امید ہے کہ پنت ادھار کے کام کو سنجیدگی سے وچار کر کے جو خدمت وہ اسکے تعلق میں نہیں کر سکتے ہیں۔ اس سے راقم الحروف کو اطلاع دیویں۔ سب سے اول مقام مقام پر ایک ایسے سجن کی ضرورت

ہے۔ کہ وہ پتت ادھار کی کاپیاں جو کہ اس مقام کے سجنوں کے واسطے
اُن کے پاس اکٹھی بھیجی جایا کریں۔ اُن کو تقسیم کر دیا کریں۔ اور تقسیم کے
بعد اس امر کی اطلاع بھی دے دیا کریں۔ دوم۔ کوئی خبر اور تجویز یا مضمون
پتت ادھار میں شائع کرنے کے قابل ہو وہ بھی لکھ کر بھیج دیا کریں ٭
سوم۔ اپنے شہر قصبہ یا گاؤں کے لکھے پڑھے لوگوں میں پتت اُدھار کی
اشاعت اور پرچار کا کام کیا کریں۔ چہارم۔ پتت ادھار کے جس قدر کام
ہیں۔ مثلاً پتت جاتی کے بچوں کی تعلیم۔ یتیم خانہ اور گو رکھشا۔ ان کے
واسطے کوئی دان ملے اُسے وصول کر کے بھیج دیا کریں۔ اور جہاں کہ دان ملنے
کا موقعہ ہو وہاں سے دان کے حاصل کرنے کی تلقین کیا کریں۔ پتت ادھار
لائبریری کے واسطے کوئی مذہبی۔ اخلاقی یا تاریخی کتاب دان میں مل سکے
تو لے کر بھیج دیا کریں۔ پنجم۔ پتت ادھار کو جو اپنا نج کا کام جان کر اس
کے بارہ میں قلم سے خط و کتابت وقتاً فوقتاً کرتے رہیں۔ اپنے مقام پر
پتت ادھار کی اگر کوئی ضرورت ہو تو اس کی بھی خبر دیا کریں۔ عام طور پر
خود غرضی کا رواج ہو رہا ہے۔ فرد بشر اپنے آپکو دوسروں سے علیحدہ اور الگ سمجھ رہا
ہے اور اس وجہ سے اپنے مطلب نفع اور فائدہ کے سامان کرتا ہوا وچار
نہیں کرتا کہ میرے اس عمل سے میرے دوسرے بھائی کا کوئی نقصان تو
نہیں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی ہمدردی
نہیں۔ گویا شہر کے سب انگ اپنا اپنا بھلا دوسروں سے الگ ہو کر
منانا چاہتے ہیں۔ بھلا اُن کا ہوگا جو دوسروں کے بھلے کا خیال رکھینگے
جو ایسا نہیں کرینگے ممکن ہے کہ وہ اپنی طاقت اور لیاقت کے زور سے کچھ
عرصہ کے واسطے عروج کی چوٹی پر چڑھ جائیں۔ اُن کو خیال رکھنا چاہیئے کہ جب وہ
اس چوٹی سے گرینگے تو کتنا صدمہ انکو پہنچیگا۔ لازم ہے کہ ابھی سے ایسا دستور العمل
بنائیں کہ وہ روز بد دیکھنا نہ پڑے ۔ نویدک پنڈت گنگا رام

ز اتفاق مگس شہد میشود پیدا
خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

جو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ وہ ایکدوسرے کی امداد اور سہایتا کو ضرورتاً جان لیتے ہیں۔ دراصل اعلے درجہ کی خود غرضی تو یہی ہے۔ کہ دوسرے بھائی کی امداد اُس کی ضرورت کے وقت بڑے پریم سے کی جاوے۔ لوگ ایسا کرنے لگیں تو اپنی مصیبت اور تکلیف کے وقت ہائے پکار اور فریاد کرنے کی ضرورت نہ ہوا کرے۔ ہمارے دیش کے شاستروں اور وید منتروں میں پرسپر سہایتا اور پریم بھاؤ کی تاکید بڑی ہی اُتم ریتی سے کی گئی ہے۔ مگر لوگوں نے اپنی تنگ خیالی اور پست نظری کی وجہ سے ان احکام کیطرف جیسا کہ چاہیئے توجہ نہیں کی۔ اکثر ایسے طوطا چشم اور خود بین بن گئے ہیں۔ کہ ایک حقیقی بھائی کے ساتھ کوئی ہمدردی باقی نہیں رہی۔ مگر مہرشی دیانند کی تعلیم نے لوگوں کو اپنے نفع اور نقصان کے دیکھنے کی طرف مایل کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہر ملت۔ مذہب۔ فرقہ اور جاتی کے لوگ بھی باہم مل کر سبھا اور سماجیں بنانے لگے ہیں۔ شہر لاہور میں مضافات کے بہت سے لوگ بوجہ ملازمت۔ بیوپار اور حصول علم کے رہائش کر رہے ہیں۔ بڑی خوشی سے دیکھا گیا کہ ضلع سیالکوٹ کے معزز باشندگان نے جو لاہور میں نواس کر رہے ہیں۔ آپس کے میل محبت اور پریم کے برتاؤ کے واسطے ایک سبھا عرصہ ۱۴-۱۵ سال سے بنائی ہوئی ہے جس کا نام سیالکوٹ ہندو سبھا لاہور ہے۔ اس کے اجلاس ہفتہ وار ہوا کرتے ہیں۔ باہمی ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد یہ لوگ کافی طور پر کرتے ہیں۔ بیماری میں علاج۔ بیاہ۔ شادی اور خوشی غمی کی دیگر برادری کی رسوم کی ادائیگی کیوقت

مل کر ان کاموں کو بھگتناتے ہیں۔ یتیموں اور بدھواؤں کی سہایتا اور ضرورت
مند طالب علموں کو ایام تعلیم میں وظایف دیتے ہیں۔ غرضیکہ اپنی برادری
کے دائرہ کے اندر بلالحاظ ذات اور مذہب کے ہر قسم کی ضروریات میں
سہایتا کا کام بڑی عمدگی سے کر رہے ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اپنے دائرہ کے
باہر بھی جہاں تک کل ہندو جاتی کا تعلق ہے اور دوسری سبھا اور سوسائیٹیاں
جو کہ پرسپر سہایتا اور قومی سدھار کا کام کر رہی ہیں۔ اُن کے ساتھ ملکر بھی
جب ضرورت پڑے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ پنجاب ہندو سبھا کو میلوں اور
تیوہاروں پر والنٹیر دیتی رہی ہے۔ بلکہ حقیقت رائے دھرمی کے میلہ بسنت
پنچمی کا تو کل انتظام پنجاب ہندو سبھا نے اس سبھا کے سپرد کر دیا ہے کیونکہ
حقیقت رائے دھرمی سیالکوٹ ہی کی پاک زمین کے گلستان کا ایک غنچہ ہو گئے
ہیں۔ اس سبھا کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۱ مارچ ۱۹۳۲ء بروز اتوار راجہ دھیان سنگھ
کی حویلی دیال سنگھ ہائی سکول کے بڑے ہال میں ہوا۔ لالہ جمعیت رائے
صاحب رئیس سیالکوٹ اس کے پردھان تھے۔ جو کہ اسی کام کو پورا کرنے کے
واسطے سیالکوٹ سے تشریف لائے تھے۔ نشست کا انتظام بہت عمدہ تھا
قومی بھلائی۔ دیش بھگتی۔ باہمی محبت اور پریم کے جذبات کو سرو سادھارن
کے دلوں میں پیدا کرنے والے اچھے اچھے بھجن اور لیکچر ہوئے۔ یتیم خانہ
مظفر گڑھ شاخ لاہور کی بھجن منڈلی کو بھی اس سبھا کے ادھیکاریوں نے
نمنترن کیا تھا۔ یہ بچے جیسے بھجن جانتے تھے انہوں نے بھی سنائے۔ پردھان
جی نے سبھا کی طرف سے مبلغ پندرہ روپیہ یتیم خانہ مظفر گڑھ شاخ لاہور کی
سہایتا میں دان دیئے۔

جس کے واسطے لالہ جمعیت رائے صاحب پردھان۔ لالہ ٹھاکر داس
صاحب منتری اور سب ادھکاریاں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

مگر ایک بڑا ضروری سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا اس سبھا کی نیک

مثال کی پیروی دوسرے لوگوں کو بھی کرنی چاہئے یا نہیں۔ پنجاب کے دیگر اضلاع کے لوگ جو لاہور میں بہت سے رہتے ہیں۔ وہ وچار کریں کہ اس سبھا کے نمونہ پر اپنے اپنے ضلع کے لوگوں کو شامل کر کے ایسی سبھائیں بنالیویں جن کا مدعا باہمی میل ملاپ سے ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد ہو کسی کے مذہبی عقائد اور دھرم میں دخل دینا ان کا کام نہ ہو۔ پھر ایسی کل سبھائیں دیش اور جاتی کی بڑی بڑی سبھاؤں کی امداد بھی یتھا شکتی کرتی رہیں جیسا کہ یہ سیالکوٹ ہندو سبھا لاہور کرتی رہتی ہے۔ سناتن دھرمی سکھ اور آریہ سب لوگ ملکر جب کام کرلیتے ہیں یہ کیسی خوش قسمتی دکھائی پڑتی ہے۔

شریمان لالہ ہیمراج صاحب سورگباشی ساکنہ ملتان

کے دان فنڈ کے واسطے ششماہی جنوری تا جون ۱۹۲۳ء میں مبلغ دو ہزار چار سو روپیہ وصول ہوا ہے۔ جو کہ جولائی تا دسمبر ۱۹۲۳ء کی دوسری ششماہی میں خرچ کر دیا جاویگا۔ اس میں سے قریب ۹۰۰ نو سو روپیہ آیورویدک اوشدھالیہ پر خرچ ہوگا۔ جو کہ ملتان شہر میں لالہ ہیمراج پرمہ دیوی فنڈ کی طرف سے جاری ہے اور ۱۵۰۰ پندرہ سو روپیہ حقدار طالبعلموں کے ماہوار وظائف میں دیا جاویگا جو کہ مختلف سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ لالہ ہیمراج صاحب یتیم خانہ مظفرگڑھ کے واسطے ایک سو روپیہ سالانہ دیا کرتے تھے۔ جو کہ ان کے سورگباشی ہونیکے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ اب اسکی نسبت شریمان رائے جسونت رائے صاحب نے تجویز کی ہے کہ یتیم خانہ مظفرگڑھ کو مبلغ ۱۶۶۷ روپیہ ایکدفعہ یکمشت دیدیئے جاویں جس سے چھ روپیہ فیصدی سود سالانہ کے حساب سے ایکسو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہو جایا کریگی۔ یتیم خانہ کمیٹی مظفرگڑھ کی طرف سے لالہ ہیمراج صاحب مرحوم انکی دھرم پتنی شریمتی پرمہ دیوی جی اور رائے جسونت رائے صاحب کا دھنیواد کیا جاتا ہے۔

پتت ادھار کا ایک اُتم سادھن

ودیا کا پرچار ہے۔ ضلاع مظفر گڑھ۔ ملتان۔ ریاست بہاولپور اور ارد گرد کے علاقہ میں ایک ہندو راجپوت قوم کے بہت سے لوگ آباد ہیں۔ جن کو مہتم کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دیگر بہت سی ہندو جاتیوں کے موافق پتت سمجھے جاتے ہیں۔ ہندو لوگ ان سے کسی قسم کا برتاؤ نہیں رکھتے جس سے کہ وہ ہندو جاتی کے رنگ میں آجاویں۔ صرف بیاہ کے وقت یہ لوگ براہمن کو بلاتے ہیں۔ باقی سب سنسکار مونڈن وغیرہ خود بخود یا کسی مسلمان فقیر کی خانقاہ پر جا کر کر لیا کرتے ہیں۔ ہندو قوم کی بے پرواہی اور ان لوگوں سے جدائی کی وجہ سے یہ لوگ اپنی تکالیف اور دُکھ بیماری کے دور کرنے کے واسطے عام طور پر مسلمان پیر فقیروں سے رجوع لاتے اور رکھ۔ تاگا۔ تعویذ وغیرہ لیا کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے دھرم کا رکھشک تو کوئی تھا نہیں۔ برہمن لوگ اُن کو کوئی دھرم کی بات بتلاتے نہیں۔ قبروں پر منت ماننا اور قبرستان کی زیارت کرنا اور قریب قریب اسی قسم کا دھرم ہی ان کا دھرم بن رہا تھا جن بھوت کا ڈھکوسلا۔ ان کے اُتارنے کے واسطے مزاروں پر جانا اور عورتوں کا سر کو ہلانا جیسا کہ دوسری قوموں کی جاہل نادان عورتیں کیا کرتی ہیں۔ ان کی عورتوں کا بھی یہی دستور تھا۔ عرصہ قریب دس بارہ سال کا ہوا کہ پرتی ندھی اُپ سبھا مظفر گڑھ کی طرف سے دو پنڈت میاں نرائن دت اور تیرتھ رام ان لوگوں کے حالات دریافت کرنے کے واسطے علاقہ میں دورہ پر روانہ کئے گئے۔ اُنہوں نے بہت سی بستیوں میں گشت کی یہ رپورٹ دی کہ ان لوگوں کی حالت اب بہت ہی ابتر ہونیوالی ہے۔ اپنے بزرگوں کے دھرم سے پتت ہونے کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ کوئی نہ کوئی اُپاؤ جلدی ہونا چاہیئے۔ اُپ سبھا موصوف نے مناسب سمجھا کہ کم از کم ایک پاٹ شالا موضع موچی والی تحصیل مظفر گڑھ میں جاری کی جاوے۔ جس میں ان

لوگوں کے بچوں کو ودیا پڑھائی جاوے۔ اور عمدہ شکشا دی جاوے۔ یہ پاٹشالہ
عرصہ نو سال سے قائم ہے۔ پنڈت نرائن دت نے اس پاٹشالہ میں اچھی طرح سے کام
کیا۔ اس کے بعد مہاشہ رام نرائن نے بھی اچھا کام کیا۔ کچھ عرصہ تک اس کے بعد
کسی اچھے ادھیاپک کے نہ رہنے سے کام ڈھیلا پڑ گیا۔ اب عرصہ تین سال سے
پنڈت امرت لال شرما اچھی طرح سے کام کر رہے ہیں۔ چودھری بھگوان سنگھ
صاحب زمیندار رئیس شجاع آباد ضلع ملتان جن کی زمینداری موضع موچھیوالی
اور متصلہ دیہات میں کافی ہے اس پاٹشالا کو ۲۰ روپیہ سالانہ امداد جب سے پاٹھ
شالا جاری ہوئی ہے دیا کرتے ہیں۔ اپنا مکان بھی بہت عرصہ تک دے رکھا
تھا۔ ایک ٹکڑہ اراضی کا پاٹشالا کے مکان کے واسطے دیا ہے۔ اس پاٹشالا کا چارج
جب سے پنڈت امرت لال نے لیا ہے۔ سالانہ جلسہ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ
اس سال تیسرا سالانہ جلسہ ۲۔۳ مارچ ۱۹۲۵ء کو منایا گیا۔ نگر کیرتن یکم مارچ کو
ہوا۔ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے اپدیشک پنڈت لیکھرام نے اس موقعہ پر قابل
تعریف کام کیا۔ نگر کیرتن میں اپدیش کے علاوہ ۲۵ مارچ کو ۳ لیکچر دیئے۔ سوامی سیوا رام
جی اپ پردھان آریہ سماج مظفر گڑھ نے لڑکے اور لڑکیوں کو انعام تقسیم کیا۔ لالہ
رام چند مینجر یتیم خانہ مظفر گڑھ نے اس کام میں پنڈت امرت لال کو بہت امداد دی
لالہ مہندر لال مظفر گڑھ نواسی اور مہاشہ آتما دیو جھوک والہ نواسی نے اپنے
بھجنوں سے بڑا آنند بنایا۔ دوسرے دن تین چھ لڑکوں کو یگیوپویت دھارن
کرائے گئے۔ پنڈت لیکھرام نے یگیوپویت کے متعلق بہت عمدہ ویاکھیا کی۔ سوامی
سیوا رام نے پرارتھنا کی۔ اور اپدیش دیا۔ شام کو پنڈت لیکھرام نے پنڈت لیکھرام
مرحوم اور اُن کے شدھی کے کام پر بڑا زبردست لیکچر دیا۔ مکان پاٹشالا کے واسطے
تھوڑا سا دھن بھی لوگوں نے دیا۔ جھنگ قوم کے لوگوں کی ترقی اور ادھار کے واسطے
بہت سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک لڑکا اس جاتی کا کوروکشیتر کے گوروکل
میں تعلیم پا رہا ہے۔ اُس کا خرچ ۱۲ روپیہ ماہوار رائے بہادر گنگا رام صاحب

مشہور انجینئر کے خلف الصدق لالہ ہری رام جی ادا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اور لڑکے اس قوم کے تعلیم پاکر اپنی جاتی کے سُدھار میں حصہ لینگے۔ اس پاٹھ شالا میں ۷ لڑکے اور ۱ لڑکیاں تعلیم پا رہے ہیں۔ پاٹھشالہ میں ایک نائب ادھیاپک اسی جاتی کا ایک لڑکا ہے۔ جو اس پاٹھشالہ سے تعلیم پا کر تیار ہوا ہے ڈسٹرکٹ بورڈ سے بھی اس پاٹھ شالا کو مبلغ ۱۳۵ روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب مدارس اس کا معائنہ کیا کرتے ہیں۔ پتت جاتیوں کے اُدھار کے واسطے جن سجنوں کے دلوں میں پریم ہے۔ وہ امداد دیویں۔ تو یہ پاٹھشالہ بہت ترقی کرسکتی ہے۔ اور دوسری بہت سی بستیوں میں ایسی پاٹھشالائیں جاری کی جاسکتی ہیں

اب یہ پاٹھ شالا آریہ سماج مظفر گڑھ کے زیر اہتمام چل رہی ہے جس کے منتری پنڈت لال چند جی بی اے وکیل مظفر گڑھ ہیں۔

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

بچہ انسان کی بنیاد ہے۔ بچہ ہی سے نسل کا شجر قایم رہتا اور آگے کو بڑھتا ہے۔ جس کل میں بچہ نہ ہو۔ اس خاندان کا خاتمہ ہو جاتا ہے ماتا اور پتا کے دل میں بچوں کی جو محبت اور پیار پرماتما نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اُس کو بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جن کو پرماتما نے سنتان دی ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ سنتان کی بہتری اور بھلائی کے واسطے اُن کے دلوں میں کس قدر آرزو بھری ہوئی ہے اور کس قسم کی تکلیف اور دکھ اٹھا کر بھی وہ لوگ اپنے بچوں کے واسطے ہر قسم کے مشکل سے مشکل کام بڑے پریم سے کرتے ہیں۔ بچہ بستر پر ل

مؤثر کر دیتا ہے۔ ماں باپ کو اُس سے گھبرانا نہیں آتی۔ بچہ رات بھر سوتا نہیں۔ ماتا پتا کھڑے ہو کر ساری رات گذار دیتے ہیں۔ بیماری میں اپنا آپ اُس پر نثار کرتے ہیں۔ اس کے کھانے پینے پھرنے کھیلنے اور تعلیم کے سامان جس طرح سے بھی ہو سکے مہیا کرتے ہیں۔ پُن سے ملے۔ پاپ سے ملے۔ غرضیکہ جس طور سے بھی ملے، اُن سامانوں کو بہم پہنچانے کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔ انسان کی طبیعت کا عام تقاضا ہے۔ کہ وہ دوسرے کو اپنے سے بڑھتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا۔ بھائی اگر اپنے سے بڑھتا جاتا ہے۔ تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ افسوس یہ مجھ سے کیوں بڑھ گیا۔ مگر اپنے بیٹے کے بڑھنے اور اپنے سے زیادہ دھن۔ دولت۔ علم۔ لیاقت اور عزت میں ترقی کرنے پر انسان خوش ہوتا ہے۔ اور اُس کی ترقی میں اپنی بھی ساری کوشش کو شامل کرتا ہے۔ پس کسی قوم اور جاتی کے قایم رہنے اور ترقی کرنے اور دنیا میں نیک نام حاصل کرنے کا ذریعہ اگر کوئی ہے۔ تو یہ قوم کے بچے ہی تو ہیں۔

موجودہ حالت میں ان بچوں کو دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ جن کے ماتا پتا پرماتما کی دیا سے زندہ موجود ہیں۔ اور وہ اس حالت میں ہیں کہ اپنے عزیز از جان بچوں کی پرورش۔ تعلیم تربیت اور نیک چلن بنانے کے واسطے جو کچھ مناسب اور ضروری ہے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اُن لوگوں نے اپنا بوجھ اُٹھایا ہوا ہے۔ اُن کے بچوں کی فکر کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ اُن کو پرماتما کا دھنیہ واد کرنا چاہیئے۔ کہ پرمیشور نے اُن کے من کی مراد پوری کی اُن کو اولاد دے دی کہ جس کی پرورش وہ بڑے پریم سے کر رہے ہیں۔ وہ بڑے خوش نصیب ہیں۔ اور خوش قسمت ہیں۔ پرماتما ایسی دیا سب پر

کریں۔ دوسرے وہ بچے ہیں جن کے ماتا پتا یا دونوں مر گئے۔ اُن کے
کوئی سمبندھی ایسے نہیں جو کہ اُن کی پرورش اپنے بچوں کی طرح
کریں۔ اس وجہ سے بہت سے بچے ارادتاً ہلاک کر دیئے جاتے
ہیں۔ بہت سے گھروں سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے
بہت سے فقیروں اور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ جاتے ہیں۔ جن
کو ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اُن کی بہتری کے واسطے وہ
کچھ نہیں کرتے اپنی خدمت کے واسطے وہ اُن کو اپنے پاس رکھتے
ہیں۔ اور اپنے جیسا ہی بنا لیتے ہیں۔ بہت سے آوارہ ہو کر ننگ
و نام کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اور دھرم سے پتت ہو جاتے ہیں۔ اور کئی
ایک ایسے بھی ہیں۔ جو کسی نہ کسی یتیم خانہ میں داخل ہو جاتے ہیں
چنانچہ اس وقت ہمارے دیش میں یتیم خانہ فیروزپور۔ اجمیر۔ بریلی
آگرہ۔ بھوانی۔ لاہور۔ مظفرگڑھ اور اس کی شاخ لاہور اور شاخ
بیٹ سوہنی تحصیل ستانواں ضلع مظفرگڑھ۔ ڈیرہ غازی خاں اور ملتان
وغیرہ چند مقامات پر جاری ہیں۔ ان یتیم خانوں میں جو بچے آتے
ہیں۔ وہ کسی ایک مقام سے نہیں آتے۔ اور نہ وہ ایک ہی جاتی
اور برادری کے ہوتے ہیں۔ اور نہ اُن کا کوئی باہمی تعلق ہوتا ہے
مختلف مقاموں قوموں اور برادریوں سے وہ آتے ہیں۔ اُنکے
عادات۔ حالات اور سبھاؤ مختلف ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کے سنسکار
ان کے اندر جذب ہو چکے ہیں۔ ماتا پتا سے جدائی کا زمانہ انہوں
نے کس کس کلیش اور مصیبت میں گذارا ہے۔ اپنوں اور بیگانوں
نے جو سلوک اُن سے کیا ہے۔ اُس کی یادداشت ان کے من اور
ہردہ پر نقش ہو چکی ہے۔ لاوارث بچوں سے جس قسم کا سلوک عام طور
پر دیش میں ہو رہا ہے۔ بہت سے اُس کو دیکھ چکے ہیں۔ جیسے وہ ایک جگہ

پر رکھے جاتے ہیں۔ اُن کی آپس کی لڑائی۔ جھگڑا بات بات پر ضد اور ہٹھ۔ اور بچوں کی چوری چکاری گالی وغیرہ بد عادات مجموعی شکل میں سب کی سب سامنے آجاتی ہیں۔ ان کو ان عادات سے بچانے اور انسان بنانے کے واسطے کتنے پُرشارتھ کی ضرورت ہے۔ جن کو پرماتما نے اولاد دی ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ایک ہی بچہ جو کہ اُن کے اپنے جسم کا ٹکڑا ہے۔ اس کی پرورش اور تربیت کا کام کتنا بڑا مشکل ہے۔ جو کہ ہر طرح سے اُن کے انکول بھی ہے۔ اور اس پر ان کا ہر طرح کا ذاتی اخلاقی اور قانونی زور بھی چل سکتا ہے۔ وہ بھی بعض حالات میں کیسے بگڑ جاتے ہیں۔ تو ایسے بچوں کو جن کو کہ جاتی کی بے پرواہی اور خود غرضی کے سلوک نے بگاڑ دیا ہے۔ اُن کے سدھارنے کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اور صرف چھو منتر سے پورا نہیں ہو سکتا۔ چھوٹے چھوٹے دو تین چار سال کے بچے اپنا ناک آپ صاف نہیں کر سکتے۔ بستروں پر پاخانہ کر دیتے ہیں۔ بدن گندگی سے بھر لیتے ہیں۔ آنکھوں میں گید لگی ہے۔ سر کے بالوں اور کپڑوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ لنگوٹی باندھ اور کھول نہیں سکتے۔ پاخانہ کا نالہ کھولنا اور باندھنا نہیں آتا۔ پاجامہ اور دھوتی کے اندر پیشاب اور پاخانہ کر دیتے ہیں پھر بیماری میں طرح طرح کی تکلیف اور دُکھ کا سامنا ہوتا ہے۔ آنکھ کا درد۔ کان کی پیڑا۔ پیٹ میں کھلبلی۔ زیادہ کھانے کی حرص ممنوع چیزوں۔ چٹنی اچار۔ آم اور کھجور کے کچے پھل۔ لال مرچ سگریٹ۔ تماکو کا استعمال چوری چوری سے کرنے کی خواہش۔ ان کے حاصل کرنے کی خفیہ سازش اور استعمال۔ بدن پر پھوڑے پھنسیوں کا نکلنا۔ کان کا بہنا۔ کھیل کود میں گر جانا۔ چوٹ لگنا۔ کوٹھ

کے اوپر سے گر جانا۔ مکھی۔ مچھر۔ بھڑ۔ ڈیمبو۔ بچھو۔ سانپ اور کتے سے کاٹا جانا۔ گرمی اور سردی کی بیماریوں بخار۔ سردرد۔ نمونیا اور چیچک میں مبتلا ہونا۔ چال چلن کے بگاڑ کے سامان اندر ہی اندر پیدا ہو جانا۔ جن کا پتہ بھی استادوں اور منیجروں کو کبھی تو جلدی سے مل جاوے۔ اور کبھی نہ بھی ملے۔ قابل درستی عادات کے سدھار کیواسطے ان بچوں کو جو کبھی سرزنش کی جاوے۔ اس پر دل کے اندر منتظمان کے برخلاف خیالات کا پیدا ہونا۔ اور پھر کئی ایک مہربان لوگوں کا ان بے سمجھ بچوں کو بھکانا اور نکالنے کی کوشش اور سازش کا ان بچوں کے دلوں میں جاگزین ہونا یہ کتنا بڑا مشکل اور ذمہ واری کا کام ہے۔

جبکہ والدین کی سرپرستی اور سایہ میں رہتے ہوئے بچوں کی حالت بھی تسلی بخش نہیں ہے۔ ان میں بھی بہت سے ہیں۔ جو کہ بگڑ جاتے ہیں اور نیک چلن نہیں نکلتے۔ اور کئی ایک بد عادات کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان لاوارث بچوں کی حالت قابل غور ہے۔ جن کو کوئی اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے۔

جبکہ وہ استاد اور گورو جن کو ہیڈ ماسٹر کا خوف۔ انسپکٹر صاحب کا ڈر۔ پرنٹنڈنٹ صاحب میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا دباؤ۔ اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا رعب ہر وقت سامنے موجود ہوتا ہے۔ ان میں بھی کئی ایک ایسے شیطان ہوتے ہیں جو کہ لڑکوں کو خود بگاڑتے ہیں اور کئی ایک عدالتوں سے سزایاب ہو چکے اور ہوتے رہتے ہیں۔ ایک کا ذکر تھوڑی تفصیل کے ساتھ لکھ دینا کوئی ناموزوں نہ ہوگا۔ ایک مڈل سکول کے ایک استاد نے جس کا نام لالہ کشن چند تھا جبکہ وہ ایک معصوم آٹھ سالہ بچے سکول

کے طالب علم کے قتل کے مقدمہ میں پکڑا گیا۔ بیان کیا کہ اُن کی ایک منڈلی بنی ہوئی ہے۔ نشہ دار گولیاں وہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اس نے اپنے ایک دوست کی معرفت اس نے ایک حکیم سے یہ گولیاں بنوائیں۔ اُس حکیم نے عدالت میں بیان دیا کہ فلاں شخص نے اُس سے ڈیڑھ سو گولی قبض کشا اور مفرح قلب خاص طور پر فرمائش کر کے بنوائی۔ اُن گولیوں میں کوئی نشہ دار دوائی ان لوگوں نے اپنے طور پر ملائی۔ یہ گولیاں ایسے لڑکوں کو جوان کے مکان پر پڑھنے کو آتے ہیں۔ کسی نہ کسی بہانہ سے کھلا دیتے ہیں اور بحالت بیہوشی ان سے شیطانی حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مثلاً لڑکے نے کہا کہ اُسے سر درد ہے۔ کہا کہ بیٹا یہ گولی سر درد کی دوا ہے۔ اس کو منہ میں ڈال کر نگل جاؤ۔ گولی میٹھی بھی ہے۔ خوشبو بھی اُس میں سے آتی ہے۔ دیکھنے میں خوبصورت بھی ہے۔ اور اُستاد اپنے شاگرد کو کہتا ہے۔ کہ اس سے آرام ہو جاویگا۔ پھر نادان اور معصوم بچے کو جس کو کسی ایسی شیطانی حرکت کا خیال تک بھی نہیں ہے۔ انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ نہ معلوم اس چنڈال چوکڑی نے کتنے بچوں کو خراب کیا ہوگا۔ چنانچہ اس بچے کو بھی گولی کھلائی گئی۔ اور اس سے ناجائز حرکت کی گئی۔ لڑکا وقت معلومہ پر ہوش میں نہ آیا۔ لڑکے کے باپ نے تلاش شروع کر دی اور پولیس میں اطلاع دی اور کہا کہ اس کا لڑکا اس استاد کے گھر پڑھنے کو گیا تھا۔ اب وہ ملتا نہیں ہے استاد نے بیہوش لڑکے کو ایک ٹرنک میں بند کیا اور جلانے کی لکڑیوں کا ایک انبار مکان کے صحن میں پڑا ہوا تھا۔ ٹرنک کو اس کے نیچے دبا دیا۔ پولیس نے مکان کی تلاشی لی۔ لڑکا برآمد نہ ہوا۔ بہت

رات گذرنے پر پولیس کو جب اُس کے برخلاف کوئی ثبوت نہ ملا
تو اُس کو اپنی حراست سے آزاد کر دیا۔ اب اُس نے مکان پر
آکر ٹرنک کو کھولا اور لڑکے کو اب بھی بیہوش پایا۔ ایک تیز چاقو
سے اس کی گردن کی شاہ رگ کو کاٹا اور لاش کو اٹھا کر ایک
کوئیں کے اندر ڈال دیا۔ ثبوت اور اقبال جرم پر عدالت نے
اس شیطان کو موت کی سزا دی۔ یہ تھوڑے عرصہ کا ایک امر
واقعہ ہے۔ کوئی بناوٹی قصہ نہیں ہے۔ میرا مطلب اس دلخراش
واقعہ کو لکھنے کا صرف یہ ہے۔ کہ جب ایسے ماتا پتاؤں کے بچے
جو کہ اُن کو دیکھنے کے بغیر روٹی نہیں کھاتے اور پانی نہیں پیتے
اور ہر وقت اُن کی نگرانی کا خیال رکھتے ہیں۔ ایسے بدمعاشوں کی
شرارتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تو ایسے بچے جن کو قدرت
نے لاوارث بنا دیا جن کے ماں باپ دونو مر گئے یا باپ مر گیا
اور ماں نے دوسرا خاوند کر لیا۔ کب بچ سکتے ہیں۔ ایک بچے
نے سنایا کہ اس کی عمر ۶-۷ کی تھی۔ اس کا باپ مر گیا۔ اس کا کوئی
رشتہ دار تھا۔ اس نے پانصد روپیہ لے کر اس کی ماں کو کسی دوسرے
کے حوالہ کر دیا۔ ماں دوسرے مرد کے ساتھ روانہ ہوئی۔ یہ بھی
اُس کے پیچھے پیچھے چلا۔ کچھ فاصلہ پر گئے تو اُس آدمی نے اُسے
مارا اور پیچھے چلے جانے کو کہا۔ یہ ڈر کے مارے پیچھے کو ہو
گیا۔ مگر چھپ چھپ کر اس طرف چلا۔ وہ دونوں ریل پر سوار
ہو گئے۔ یہ بیچارہ روتا ہوا مارا مارا پھرنے لگا۔ کسی سجن پرش
نے اس کو آوارہ بحالت در بدر پھرتا ہوا دیکھا۔ اور یتیم خانہ میں
پہنچا دیا۔ اب ایسے بچے کس طرح سے بدعمل لوگوں کی خباثت
کا شکار ہونے سے بچ سکتے ہیں جب یہ حالت ہے اور فی الواقعہ

ہے۔ تو بھارت کے پیتا اور لیڈروں اور دوسرے سجن پرشوں کے آگے اگر میں یہ اپیل کروں۔ کہ آپ لوگوں نے اپنی جاتی کے اس قسم کے بچوں کی حالت پر بھی غور فرمایا ہے۔ کیا ان بچوں کو نوجوان ملازموں ہی کے سہارے پر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ کام کرنے والوں کو ان کے روٹی کپڑے کے واسطے در در پر جا کر بھکشا مانگنے کا کام ہی کیا تھوڑا ہے۔ کسی صاحبان کو میں لکھتا ہوں کہ یتیم خانہ کے واسطے اپنے شہر سے کچھ امداد کا انتظام کرا دو۔ جواب آتا ہے کہ تم خود آؤ تو ضرور کچھ نہ کچھ ہو جاویگا۔ اب جس کو کام کی کچھ لگن ہو۔ وہ تو سال بھر بھکشا مانگتا پھرے تو جو کام میں نے اوپر بیان کر دیئے اُن کے واسطے آدمی کہاں سے آدیں نہ صرف یہی بلکہ اور بھی کئی ایک کام ہیں۔ اور وہ بڑے ضروری ہیں۔ ان بچوں کی ہر قسم کی مادرانہ اور پدرانہ حقوق کے ادا کرنے اور ان کی نازبرداری کی خواہشات کو پورا کرنے کا کام کس کے سپرد کیا جاوے۔ چھوٹے بچوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ کہ اُن کے ماتا پتا تو موجود نہیں ہیں۔ یہ تو جس کے پاس اور جسکی حفاظت اور نگرانی میں ہونگے۔ اس قسم کے سلوک کے طلبگار رہینگے جو کہ ماتا پتا اپنے بچوں سے کرتے ہیں۔ بچہ بات بات پر سوال کرتا ہے۔ اُس کا من چنچل ہے۔ اس بات کو ایک دفعہ بتا یا جاوے وہ بار بار وہی بات کہتا اور بولتا ہے باپ کو کہتا ہے۔ بابا کانوں باپ کہتا ہے ہاں بیٹا کانوں۔ بچہ بار بار یہی فقرہ بولتا ہے باپ اس کی پیروی نہ کرے اور بار بار ایسا ہی نہ کہے یا کسی اور معاملہ کو پیش کر کے اس کی طبیعت کو دوسری طرف رجوع نہ کرے۔ تو لڑکا رونے لگتا ہے۔ بس ان بچوں کی غیر مستقل طبیعت کی بنیاد کو بدی اور شرارت

کی طرف سے موڑ کر بھلائی نیکی اور پرشارتھ کی طرف لگانے کی کس قدر ضرورت ہے۔ یہ کام کس کے سپرد کیا جاوے۔

ہر طرح سے بچہ کی دلداری نہ کیجاوے۔ بچہ سمجھتا ہے کہ اس سے پیار اور محبت کا سلوک نہیں کیا جاتا۔ اگر ان بچوں کو بات بات پر جھڑک دیا جاوے۔ اور حکومت کا برتاؤ ان سے کیا جاوے۔ تو کبھی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ اپنے پرورش کرنے والوں کے اور دیش اور جاتی کے لوگوں کے جن کے دان پر ان کی پرورش ہو رہی ہے۔ ممنون ہوں۔ ہرگز نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ لڑکے بڑے ہو کر یتیم خانہ کے مینجروں کی یہ شکایت سنتا ہوں۔ کہ لڑکے بڑے ہو کر یتیم خانہ کے خیرخواہ اور مددگار نہیں بنتے۔ باتیں بہت طول طویل ہیں۔ اور یہ مضمون ایسا خشک ہے۔ کہ لوگوں کو اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت بھی نہیں ہے۔

تاہم مجھے پرماتما کی اپار کرپا سے امید بلکہ یقین ہے۔ کہ سجن پرش جاتی کی اس بھاری اور سخت ضرورت کی طرف توجہ دینگے۔ اور کم از کم بوڑھے۔ سالخوردہ اور عمر رسیدہ سجن جن جو اپنی روزی کی طرف سے بیفکر ہیں۔ اُن کے گھربار کا کام اُن کے لائق لڑکوں نے سنبھال لیا ہے توجہ کرینگے اور بھارت کے اناتھ اور یتیم بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں شامل ہو کر موجودہ کام کرنے والوں کا ہاتھ بٹائینگے۔ ماتا پتا کے سمان پیار کرنے والے حکمت اور علاج کے کام میں ماہر۔ انتظام کرنے میں چتر۔ ہر قسم کی ودیا کے ودوانوں کی ضرورت ہے۔ اور معمولی سیوا کرنے والوں کی بھی ضرورت ہے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ ایسے لوگ صرف یتیم خانہ مظفر گڑھ اور اس کی شاخ ہائے لاہور اور بیٹ سوہنی ہی کے کام میں معاون اور

مددگار ہوں۔ بیٹ سوہنی کے واسطے تو ایک ایسے صاحب کی بھی ضرورت ہے۔ جو کہ علاج مویشی سے واقف ہو۔ جیسا کہ وٹیرنیری اسسٹنٹ کیونکہ اس موقعہ پر ایک گوشالا بھی ہے اور یتیم لڑکوں کو زراعتکاری کا کام سکھانے کے واسطے ہل چلانے والے بہت سے بیل بھی موجود ہیں۔ اُن کی بیماری میں علاج کے واسطے ایسے ماہر علم علاج مویشی کو بھی کمیا کریں تو اچھا ہے۔ بلکہ جہاں وہ مناسب سمجھیں پرورش کے سلسلہ میں شامل ہو کر اس کام کو ایک باقاعدہ اور مقررہ لائن پر چلانے کا پربندھ کریں۔ جس سے سجن پرشوں کا دیا ہوا دان اور سیوا کرنے والوں کی کی ہوئی محنت سپھل ہو سکے

جو صاحبان اپنی زندگی اس نیک کام میں لگوانا چاہیں۔ وہ یتیم خانہ منظفر گڑھ یا جھنگڑ محلہ لاہور کے پتہ پر مجھ سے خط و کتابت کریں۔ جو صاحب اپنے گذارہ کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اُن کے واسطے سادہ بھوجن اور دستر کا انتظام یتیم خانہ کی طرف سے ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے۔ کہ جو لوگ جس کام کے قابل ہیں۔ اُس میں لگ جاویں جاتی کے بچوں کی حالت سدھر جاوے۔ یتیم بچے بڑے ہو کر آوارہ اور خراب ہونے سے بچ جاویں۔ اور جاتی کے انگ بنیں۔ جو لوگ بڑھاپے میں بوجہ بیکاری حقہ۔ چوپٹ۔ تاش سطرنج اور بستر بیماری کے سوائے کوئی اپنا مونس اور غمخوار نہیں رکھتے۔ وہ نیک کام میں لگ جاویں اُن کی زندگی کام کی زندگی بن جاوے۔

سجن پرش یتیم اور لاوارث بچوں کی ضروریات کی طرف توجہ دیں

قرض

بھارت دیش پرماتما کی سرشٹی میں سورگ بنایا گیا ہے۔ سورن بھومی سونے کی چڑیا اسی دیش کا نام ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس کے باشندوں کے تُچھ وچار کی وجہ سے یہ نرک دھام بن رہا ہے۔ آلس اور سستی میں پڑ کر یہاں کے لوگ بھوک سے بچنے کے واسطے قرض کے جال میں اپنے آپ کو پھنساتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرا گروہ دولتمندوں کا ایسا پیدا ہو گیا ہے۔ جنھوں نے لوگوں کو قرض کی زنجیروں میں باندھنا اور اُس کا سرو سو چھین لینا ہی اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ قرض لینے کے وقت قرضدار بڑا خوش ہوتا ہے۔ کہ اُسے اپنی حاجت روائی کے واسطے ساہوکار جی سے روپیہ مل گیا۔ اور اُس کے بعد بےفکر ہو جاتا ہے۔ کہ ادا کرنا ہی نہیں ہے ساہوکار خوش ہوتا ہے۔ کہ اُسے ایک عمدہ اور موٹا شکار مل گیا۔ اپنے مطلب کی شرائط لکھوا کر دستاویز کو مکمل کر کے وہ چاہتا ہے۔ کہ اب مال مار لیا۔ دراصل دونو دھوکہ میں پھنسے ہوئے ہیں جب انجام جو کچھ ہوتا ہے گو اس کو جانتے اور دوسرے لوگوں بلکہ اپنے ہی حالات کو دیکھتے اور بھگتتے ہوئے پھر بھی کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔ ساہوکار نے حساب لگا رکھا ہے۔ کہ اس کا ایک روپیہ سود پر چڑھا ہوا ایک روپیہ ماہوار فی صدی کے حساب سے سود کو ملا کر ہو ا سال کے اندر دو لاکھ روپیہ بن جاتا ہے۔ اس لالچ سے وہ دستور ہر قسم بنج و بیوپار اور تجارت پہ ایسی سود خوری کو ترجیح دیتا ہے۔ خواہ قحط ہو بارش ہو۔ تعطل ہو۔ شوک ہو۔ ماتم ہو۔ خوشی ہو۔ غمی ہو اس کے

روپیہ کا سود اپنی رفتار کو لگاتار جاری کرتا ہے۔ کبھی موقعہ پر کھڑا ہو کر آرام نہیں لیتا۔ روپیہ کا بیوپار کرنے والوں کے واسطے یہ کوئی جھوٹی ترغیب نہیں ہے جن کے پاس دس ہزار روپیہ بھی ہو۔ اور دہ ایک روپیہ ماہوار فیصدی سود پر لگ جاوے۔ تو ایک سو روپیہ ماہوار آمدنی کا ذریعہ بن جاتا ہے جس میں نقصان اور گھاٹے کا عام طور پر کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ روپیہ والے کو سوائے اس کے کہ قرضدار سے دستاویز مکمل کرا کر اس کا حساب اپنے بہی کھاتہ میں رکھے۔ اور کوئی کام کرنا نہیں پڑتا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ چارپائی پر لیٹا ہوا دل کے اندر شمار کرتا رہے۔ کہ اب فلاں قرضدار کے ذمہ ہمارا اس قدر روپیہ معہ سود کے ہو گیا ہے۔ اس کی جائیداد کو قرض کی وصولی کے واسطے قرق کرانے میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔ بس ایسے ایسے خیالات جب دیش کے لوگوں کے من میں جاگزیں ہوں۔ تو غریبوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔

(۲) دوسری طرف وہ لوگ جو قرضہ لے کر اپنا نرواہ چلاتا سیکھ گئے ہیں۔ منت سماجت اور جلد ادا کرنے کا اقرار کر کے ایک ساہوکار سے روپیہ لیتے ہیں۔ اور جب وعدہ اُسے ادا نہیں کرتے۔ پھر دوسرے سے لینا شروع کر دیتے ہیں۔ تیسرے چوتھے غرضیکہ جھوٹ اور فریب بنا بنا کر جس کسی سے اُن کو مل سکتا ہے۔ لینے میں دریغ نہیں کرتے محنت سے کمائی کرتے ہیں۔ اُن کو شرم اور عار معلوم ہوتی ہے۔ آخر ساہوکار اُن سے مانگ کر تھک جاتے ہیں اور آگے کو دینا بند کر دیتے ہیں۔ یہ دوسرے لوگوں سے قرض کی تلاش میں طرح طرح کی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں۔ ہمارا روپیہ فلاں جگہ سے آنیوالا ہے۔ ہماری فصل تیار ہونے والی ہے۔ آج اُن کو بڑی سخت ضرورت ہے۔ دل میں یہی ہے۔ کہ جس سے لیا ہے۔ واپس دینا نہیں ہے۔ وہ مر جاوے۔ تاکہ

تقاضا کرنے والا کوئی موجود نہ ہو۔ اس طور پر نیت بد کر کے لوگوں کو ٹھگنے پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ جس قدر طاقت پیدا کرنیکی پرمیشور نے اُن کو دے رکھی ہے۔ اُس کو بیکار ضایع کرتے رہتے ہیں۔ ساہوکار لاچار ہو کر نالش سرکار میں کرتا ہے۔ ایک سو روپیہ کے پیچھے ہم کورٹ فیس ادا کرتا ہے۔ عرضی نویس کی اُجرت وکیل کا محنتانہ۔ اُس کے ایجنٹ کا منشیانہ۔ مدعا علیہ کا طلبانہ۔ گواہوں کا خرچہ۔ عدالت تک آمد و رفت کئی پیشیاں بھگتانے کا کرایہ مل ملا کر ایک سو کے پیچھے دس روپیہ تک چڑھ جاتا ہے۔ منصف صاحب ڈگری دیتے ہیں۔ اس ساری کارروائی میں ناجائز خرچ جو کچھ کہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کا حساب اور اندازہ مشکل ہے۔ ڈگری مل جانے پر مدعا علیہ کی طرف سے اپیل عدالت مابعدی میں ہوتی ہے۔ وہاں کی کارروائی اور خرچہ اس کے علاوہ ہے۔ ڈگری قایم بھی رہ جاوے۔ تو روپیہ کی وصولی میں کتنا ٹنٹا جھگڑا۔ بیدردی اور بے رحمی مال و اسباب کی ضبطی۔ گھر گھاٹ جائیداد کی قرقی یہ کس قدر ذلیل کام ہے جس کے کرنے سے انسانیت کی صفت جو درد دل کا محسوس کرنا کہا جاتا ہے۔ جسے اہنکار کے نام سے پکارتے ہیں۔ کافور ہو جاتی ہے۔ انسانوں کی دشمنی۔ خاندانوں کی دشمنی۔ ہندو مسلمانوں کی دشمنی ایسے کاموں سے پیدا ہو کر دیش کا ستیاناس کر دیتی ہے۔

۳۔ سرکاری رپورٹ بتلاتی ہے۔ کہ ۱۹۱۶ء میں اس دیش کے اندر ۲۲۹۰۰۰ مقدمات دیوانی دائر ہوئے۔ جو کہ ۴۸۷۵۵۴۲۵۳ روپیہ کی وصولی کے واسطے کھڑے کئے گئے تھے۔ فی مقدمہ ایک مدعی ایک مدعا علیہ اور دونوں طرف کے چار چار گواہ سمجھے جاویں تو دو کروڑ ۲۳ لاکھ آدمی ان مقدمات میں مشغول رہے۔ منصفوں

جوں۔ وکیلوں۔ اُن کے ایجنٹوں۔ عرائض نویسوں۔ چپراسیوں۔ بیلفوں اور سول ناظروں کی تعداد ملک میں کس قدر ہے اور یہ سب کسی کام میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔ اس کو قابل تعریف کہا نہیں جا سکتا کم سے کم بیس کروڑ روپیہ اس مقدمہ بازی دیوانی کا خرچ سالانہ ہے۔ اس کارروائی کا نام دیوانی کسی نے سوچ وچار کر ہی رکھا ہوگا یہ ایسی دیوانی ہے۔ کہ اس نے بڑے بڑے عقلمندوں کو بھی دیوانہ کر رکھا ہے۔

۴۔ اس کام میں ملک کی ساری علمیت۔ دانش اور انسانیت خرچ ہو رہی ہے۔ اور نتیجہ سوائے باہمی رنجش کدورت اور خاندانوں اور قوموں کی دشمنی اور مستقل دشمنی کے کچھ ہی نہیں نکلتا۔ غور کا مقام ہے۔ جب ایک شخص دوسرے کے برخلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرکے اور اس میں کئی طرح کے خلاف واقعات سے مدد لیکر اس پر ڈگری حاصل کرتا ہے۔ اور پھر روپیہ کی وصولی کے واسطے اجرائے کرا کر اس کے گھر بار۔ مال اسباب کو قرق کروا کر نیلام پر چڑھاتا ہے جو چیز مدعا علیہ نے پانچ روپیہ اور بڑی محنت خرچ کرکے تیار کروائی تھی۔ وہ اب پانچ آنہ میں اُس سے جدا کی جاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان لازمی دشمنی قایم ہو جانے میں کس کو شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ عام لوگوں میں دشمنی اور نفاق اس مقدمہ بازی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اور ملک کے اندر جس قدر بھی لسلے دماغ انگریزی تہذیب نے پیدا کئے۔ ان کی بڑی کثیر تعداد اسی کے گرداب میں چکر لگاتے اور غوطے کھاتے ہوئے اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب اور کامیاب زندگی بسر کرنے والا سمجھ رہے ہیں۔ ایک چپڑاسی سے لیکر ہائیکورٹ کے چیف جج تک عرائض نویس سے لے

وکیلوں کے ایجنٹ اور وکیل۔ اٹرنی۔ پلیڈر۔ بیرسٹر ایٹ لا تک غور
کر کے دیکھا جاوے۔ اگر ملک کی زراعت۔ تجارت اور لوگوں کے
باہمی تعلقات کے سدھار کے کام میں لگ جاویں۔ تو کتنا آنند اور
شانتی کا راج ملک میں ہو سکتا ہے۔ ہندو مسلمان عیسائی جس
بہشت کے واسطے پوجا۔ پاٹھ۔ جپ تپ اشنان۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ
اور خدا کی عبادت میں اعتقاد اور یقین رکھتے ہیں۔ وہ بہشت اور سورگ
اسی زندگی کے اندر حاصل ہو جاوے۔ لاکھوں اعلےٰ درجہ کی زندگیاں
اور کروڑوں روپیہ جہاں صرف لین دین کے جھگڑوں کے دائر کرنے
اور اُن کے نپٹانے پر خرچ ہوتا ہو۔ لوگوں کے چال چلن کے سدھا
اور نگرانی کی طرف کسی کا خیال تک نہ ہو۔ اُس ملک اور قوم میں ٹاؤن
ہیضہ۔ ملیریا اور انفلوئنزا۔ جہامری۔ قحط اور بھوک اگر اپنا مستقل ڈیرہ
نہ جما دیں۔ تو یہ بیچارے اور کہاں کو جاویں۔ کہا کرتے ہیں۔ کہ کسی
زمانہ میں کوئلوں کی تو بڑی حفاظت کی جاتی تھی۔ اور لعل و جواہر
کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا۔ غور سے دیکھا جاوے تو وہ زمانہ یہی تو
ہے پیسے ٹکے اور روپیہ کے واسطے تو ساری کی ساری علمیت اور
لیاقت خرچ کی جاتی ہے۔ آتما کے بچاؤ کی کوئی صورت ہی نہیں
ہے۔ بلکہ اسی مقدمہ بازی میں جس قدر بناوٹ۔ جھوٹ۔ فریب اور
دغا سے کام لیا جاتا ہے۔ عدالت کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ سچے کو
جھوٹا اور جھوٹے کو سچا ثابت کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں اور
ایسے ہی فیصلہ جات صادر کروا لئے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ کب
ہو سکتا ہے۔

انسان ایکانت میں بیٹھ کر وچار کرے تو اُسے معلوم ہو جاویگا
کہ انسانی زندگی کا مدعا یہ تو نہیں ہے جس میں عام طور پر چھوٹے

سے بڑے تک دن رات مصروف پائے جاتے ہیں۔ بیچاروں کو سر کے کھجلانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ اس مقدمہ بازی میں دونوں فریق کوشش کرتے ہیں۔ کہ جس طرح سے بچا ہو سکے۔ وہ کامیاب ہو جاویں۔ قانون کے موافق کارروائی کرتے ہوئے قانون کے باہر بھی ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ اہلکاروں کو رشوت کی ترغیب دیکر فیصلہ کو اپنے حق میں لینا چاہتے ہیں۔ اور پھر روپیہ کو لوگوں نے ایسا محبوب بنا رکھا ہے۔ کہ اس کے واسطے جایز ناجایز کا کوئی بھی خیال نہیں کرتے۔ ہزاروں لوگ تو رشوت کے دینے اور دلانے کے دلال بنے ہوئے ہیں۔ کچہری میں اہلکاروں کی طرح جاتے ہیں اور ناواقف دیہاتی لوگوں کو جن پر کسی نے نالش دائر کر رکھی ہے۔ یہ دھوکہ دیتے ہیں۔ کہ فلاں صاحب جن کے اجلاس میں ان کا مقدمہ ہے۔ اس کے دوست ہیں۔ سفارش سے مقدمہ اُن کے حق میں کروا دینگے۔ ان غریب لوگوں سے روپیہ وصول کرتے ہیں۔ مقدمہ روئیداد کے موافق اُن کے حق میں ہو گیا تو یہ روپیہ اُن کو ہضم ہو گیا۔ برخلاف ہوا تو سو طرح کے بہانے بنا دیئے اور اپیل میں امداد کا وعدہ کر لیا۔ اس کے آگے چل کر وہ لوگ جن کے اختیار میں فیصلہ کرنا ہے۔ کوئی کوئی لوبھ کے وش میں آہی جاتے ہیں جس سے لے لیا۔ اُس کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ کئی تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو فریقین سے اپنا حق الخدمت بطور امانت کے کسی اپنے دوست دلال کے پاس رکھوا لیتے ہیں۔ روئیداد مسل کے موافق فیصلہ جس کے حق میں ہوا۔ اُس کا روپیہ لے لیا جس کے برخلاف ہوا۔ اُس کا واپس کر دیا۔

روپیہ کا لالچ بڑا بھاری لالچ ہے۔ اور یہ اس قدر زبردست ہے

کہ اُس کے متعلق ایک کہاوت مشہور ہو رہی ہے۔ کہاوت کہتے ہیں
کہ کسی زمانہ میں لوگ اپنی اپنی تکلیف کے دور کرانے کو فریاد لے کر
باری تعالےٰ کی درگاہ میں جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ
گوڑ نے بھی بارگاہ ملنے کا راستہ لیا۔ اور دربانوں سے بچ بچا کر حاضر
ہو گیا۔ ہاتھ باندھ کر سر کو نیچا کر کے کھڑا تھا۔ باری تعالےٰ نے پوچھا
کہو میاں گوڑ تمہاری کیا فریاد ہے۔ گوڑ نے بڑی عاجزی اور کانپتی ہوئی
زبان سے عرض کیا۔ کہ حضور والا میں اور تو سب طرح سے حضور
کے راج میں خوش ہوں۔ مگر ایک بڑی مشکل اور تکلیف کا مجھے
بڑا دکھ ہے۔ جس کے دور کروانے کے واسطے آج اپنے دوستوں
اور آشناؤں کی صلاح سے حضور والا کے دربار میں حاضر ہوا ہوں
مجھے امید ہے کہ حضور باری تعالےٰ میری اس مشکل کا علاج کر کے
مشکل کشائی کرینگے۔ باری تعالےٰ نے پوچھا کہ تم بیان کرو تمکو کونسا
ایسا دکھ ہے جس کے واسطے اتنی تکلیف کر کے یہاں تک آئے
ہو۔ گوڑ نے عرض کیا۔ کہ دکھ بس یہی ہے۔ کہ جو شخص بھی مجھے دیکھتا ہے
مونہہ میں ڈال کر چبا لیتا اور نگل جاتا ہے۔ اس فریاد کو سن کر باری
تعالےٰ سوچ میں پڑ گیا۔ اور بڑی دیر تک غور اور وچار کے بعد
زبان مبارک سے فرمایا۔ کہ میاں گوڑ تمہاری فریاد درست ہے
تم اتنی مہربانی کرو۔ ذرا دور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو۔ کہ
میرے منہ میں بھی پانی بھر آوے۔ اور تجھے میں بھی مونہہ میں نہ
ڈال لوں۔

ہمارے دیش میں تو ایک مذہب ہی اس فلاسفی پر قایم ہے
کہ اشہود پیدا ماتما پار بہہ ہم ہی اس گوڑ کو کہا کہ جیو بن گیا تھا۔ اصل
میں جیو اور روح انسانی اور کوئی چیز نہیں ہے۔

۴- یہ رشوت کیوں چلتی ہے؟ مقدمہ بازی ہوتی ہے۔ مقدمہ
بازی کیوں ہوتی ہے؟۔ لوگوں کو قرض اور اُدھار کے لینے اور دینے
کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ لوگ قرض نہ لیویں تو دینے والے کس کو
دیویں۔ اب سوال ہو سکتا ہے۔ کہ لوگ غریب ہیں مفلس ہیں پیسہ ان
کے پاس نہیں ہے۔ کھانے پہرنے اور کنبہ کا گذارہ چلانے کو روپیہ
پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرضہ نہ لیں تو بھوک سے مرجاویں ایسے
لوگ کیا کریں۔ اس کا علاج کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے
کہ برہمن لوگ دان نہ لیں تو بھوکھ سے مرجاویں۔ اسی دان کی امید پہ
برہمن لوگ رہتے ہیں۔ کبھی ضرورت سے زیادہ بھی مل جاتا ہے۔
اور کبھی بھوکے بھی رہنا پڑتا ہے۔ مگر دوسرے ورنوں کے لوگ کھتری
ویش وغیرہ جو دان نہیں لیتے اگر ملے تو بھی گرہن نہیں کرتے کیا برہمنوں
کی نسبت زیادہ بھوکھ سے مرجاتے ہیں یا مرچکے ہیں ہر کوئی کہیگا کہ ایسا
نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ دان لینے والے برہمنوں کی نسبت زیادہ آسودہ
حال ہیں۔ باوجودیکہ وہ دان بھی نہیں لیتے۔ بلکہ اپنی کمائی میں سے
دان کرتے ہیں۔ جن برہمنوں نے دان لینا چھوڑ دیا ہے۔ اپنی محنت
اور پرشارتھ سے کمائی کرکے کھاتے ہیں۔ وہ بھی ان برہمنوں سے
زیادہ خوشحال ہیں۔ جو دان پر اپنا گذارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح پہ
دیش میں بہت سے لوگ ہیں۔ جو چوری سے اپنا گذارہ کرتے ہیں
وہ بھی کہہ سکتے ہیں تو ہم چوری نہ کریں تو کنبہ کی پرورش کس طرح
سے رکھیں۔ بھوکھ سے مرجاوینگے۔ اُن کو بھی یہی جواب دیا جا سکتا
ہے کہ کیا باقی سب لوگ جو چوری نہیں کرتے وہ بھوکھ سے مر گئے
ہیں۔ ہم نہ صرف یہ کہ بھوکھ سے نہیں مرے۔ بلکہ چوری پیشہ لوگوں
کی نسبت وہ زیادہ تر آسودہ حال ہیں۔ چور اُن کے گھروں سے

کچھ چرالے بھی جانتے ہیں۔ پھر بھی وہ تو چوروں کی نسبت بہت زیادہ
خوشحال ہیں۔ کہا ہے کہ "دھنپ سدا ساوی گھاہی سدا سونجاں"؛
یعنی گھاس تو ہمیشہ سرسبز رہتا ہے۔ مگر گھسیارہ جو ہر روز گھاس کو
کھودتا رہتا ہے۔ ہمیشہ کنگال رہتا ہے۔ اسی طرح چور بھی ہمیشہ
بُری حالت میں رہتے ہیں۔ دُکھ مصیبت اور قید کا شکار ہوتے ہیں
اس سے آگے زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے قرضہ کے دلدادہ
لوگوں کو کہا جا سکتا ہے۔ کہ جس طور سے دان کے نہ لینے والے لوگ
آسودہ حال ہیں۔ اور چوری کے نہ کرنے والے لوگ تنگ حال
نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف دان کے لینے والے اور چوری
کے کرنے والے ہمیشہ در در اور تنگیٔ معاش کا شکار بنے رہتے ہیں اگر
وہ لوگ بھی پکا عہد کر لیں کہ کسی بھی حالت میں وہ قرض کی مرض کے
مریض نہ بنیں گے۔ خواہ بھوکھ سے مرنا کیوں نہ پڑے۔ جیسا کہ کھتری
لوگ کہا کرتے ہیں کہ شیر خواہ بھوکھ سے مر جاتے۔ مگر وہ گھاس کبھی نہیں
کھاتا۔ "سنہہ بھوکھا مرے پر درھبہ نہ چرے"۔ ان کو بھوکھ سے مرنا منظور
ہے۔ مگر دان لے کر اس کے آسرے پر نرواہ کرنا منظور نہیں ہے۔ تو
کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ بدوں قرض کے ان کا گذارہ نہ ہو سکے پرماتما
کے اٹوٹ بھنڈار میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔ جب کوئی اس کا امرت
پتر اپنے دھرم کا پالن کرتا ہوا قرضہ کے پاپ سے بچنا چاہتا ہے اور
سچے دل سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے واسطے ہزار دروازے روزی
کے حاصل کرنے کا کھول دیتا ہے۔ جیسا سنو۔

حکایت۔ جب اس دیش میں ریل جاری نہ ہوئی تھی۔ تو لوگ
تیرتھ یاترا کو یا تو پیادہ یا چلکر جایا کرتے تھے۔ یا کوئی خچر گھوڑا
اونٹ اور بیل گاڑی کی سواری پر سفر کیا کرتے تھے۔ اپنا اسباب

بھی اُنہی ذریعہ سے ساتھ لے جاتے تھے۔ پیادہ چلنے والے لوگ
اپنا ضروری سامان برتن بستر وغیرہ ایک گٹھڑی باندھ کر اپنی پیٹھ پر
ڈال لیا کرتے تھے۔ یا سر پر اُٹھا لیا کرتے تھے اس سفر کو لوگ اکٹھے
ملکر طے کرتے۔ سو سو دو دو سو مرد عورت بچے قافلہ کی شکل میں جمع
ہوکر چلا کرتے اور صبح ایک منزل سے چلکر رات کو دوسری منزل پر
پہنچکر ایک جگہ پر ڈیرہ لگایا کرتے تھے۔ ایسے قافلوں کا نام سنگ
ہوا کرتا تھا۔ جو لوگ اس طور سے سری گنگا جی کے سنان کو جاتے
اُن کو گنگا جی کا سنگ بولتے تھے۔ ہمارے شہر کے لالہ سریرام جی
بھی اُن دنوں اس سنگ کے ساتھ گنگا سنان کو گئے۔ چونکہ بال
بچے ساتھ نہ تھے۔ کسی سواری کی ضرورت نہ سمجھکر پیادہ پا روانہ
ہوئے۔ اپنا ضروری سفر کا سامان گٹھڑی میں باندھ کر اوٹھا لیا
کرتے تھے۔ ہردوار تک گئے وہاں سامان کی گٹھڑی کوئی چور اُٹھا
کرلے گیا۔ اس میں روپیہ پیسہ راستہ کا خرچ تھا۔ تلاش سے کہاں
انبوہ میں کیا پتہ ملتا تھا۔ اسنان کے بعد ساتھی بازار میں گئے۔
رشتہ داروں اور وطن کے واسطے گنگا جی کا پرساد اور بچوں کے
واسطے مٹھائی کھلونے وغیرہ خریدنے لگے۔ سریرام جی نے کچھ نہ خریدا
تو اُن لوگوں نے پوچھا کہ لالہ جی آپ کا ارادہ یہاں سے واپس گھر
جانے کا نہیں ہے۔ کیا آپ آگے کو جائیں گے۔ کہا کہ میرا ارادہ تو
گھر کو واپس جانے کا ہے۔ مگر میری گٹھڑی جس میں میرا ٹکا پیسہ اور
سب سامان تھا۔ چورایا گیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کوئی مضایقہ نہیں
آپ کو جو کچھ درکار ہو ہم سے لے لیویں۔ گھر پر جاکر ہم کو دیدیویں
لالہ جی نے کہا کہ تیرتھ پر لوگ پاپ کا بوجھ اتارنے کو آتے ہیں یہ
واجب نہیں ہے کہ میں قرضہ جیسا مہاپاپ تیرتھ پر آکر اپنے سر

پڑے لوں۔ آپ اتنی کرپا کریں کہ مجھے صرف ایک روپیہ دیدویں۔ ایک روپیہ سے بیوپار کرتے کرتے گھر آنے تک کل خرچ راستہ کا نکال کر مبلغ بیس روپیہ نقد کما لائے۔ اور جس قدر نقصان برتن بستر وغیرہ کا ہوا تھا۔ وہ بھی آتے ہوئے راستہ سے خرید کر لائے اور برادری والوں کے واسطے بتاشا وغیرہ بھی ساتھ لائے۔

(۵) لوگوں میں اس نے کچھ ایسا گھر کر لیا ہے کہ پیسہ پاس بھی ہو۔ تو بھی گرہ سے نکالنا نہیں چاہتے۔ اور نہ گرہ سے دام نکالے کے کام چلانا چاہتے ہیں۔ اس واسطے دوکاندار ونسے لیکھا رکھتے ہیں۔ ہر ایک ضرورت کی چیز اس سے منگوائی جاتی ہے اور دکاندار حساب میں لکھتا جاتا ہے۔ سال دو سال گذر جاتے ہیں۔ دکاندار جانتا ہے کہ وہ نقد روپیہ خرچ کر کے سامان کو لایا ہے جن کے پاس وہ بیچتا ہے۔ وہ نقد دام دیتے نہیں۔ نہ صرف دام نہیں دیتے بلکہ کاغذ اور قلم سیاہی کے خرچ کے علاوہ تحریر حساب کا بوجھ بھی اُس کے ذمہ ہے اور اُسے معلوم نہیں ہے کہ وہ رقوم کب دینگے۔ اور کسطرح سے دینگے۔ اسواسطے وہ بھی پہلے ہی سے دوسری چال چلتا ہے نرخ بازار کے موافق دینے کا زور اس پر چل نہیں سکتا۔ جھوٹھ بولے پورا نہ تولے۔ یہ اس کے اختیار کی بات ہے۔ تھوڑا دیکر زیادہ لکھے بالکل نہ دیکر پھر بھی کوئی رقم درج حساب کرے اس کی پڑتال کون کر سکتا ہے۔ دوکاندار سمجھتا ہے۔ کہ اُس نے بہت سا نفع بیوپار اور حساب میں کمایا ہے۔ خریدار سمجھتا ہے کہ اس نے گرہ سے پیسہ خرچ نہیں کیا۔ اور سب ضرورتوں کو پورا کر لیا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ہی مارے جاتے ہیں۔ کئی دکانوں پر ایک تصویر دیکھی جاتی ہے دو سیٹھ آس پاس بیٹھے ہیں۔ ایک وہ جس نے اُدھار پر مال فروخت

کیا مریل شکل ہے۔ چہرہ پر مردنی چھائی ہے۔ سر جھکائے بیٹھا ہے لوگوں کو ادھار دیا وصول نہ ہوا۔ آہستہ آہستہ کل سرمایہ کھو بیٹھا۔ دوسرا وہ جس نے نقد قیمت لے کر مال کو بیچا۔ شکل بشاش ہے۔ چہرہ پہ رونق ہے خوشی سے مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا بیٹھا ہے۔ نہ کسی کو اُدھار دیا اور نہ کوئی رقم ماری گئی۔ دساوریں اعتبار ہے۔ جتنا مال چاہیے منگوا سکتا ہے۔ کیونکہ قیمت ادا کر سکتا ہے۔ یہ حال تو بیوپاریوں کا ہے۔ دوسری طرف خریدار ہیں ایک وہ جس نے نقد قیمت دے کر بازار سے مال خرید کیا۔ دس دکانوں پر جا کر دیکھا۔ جہاں سے مال اچھا اور سستا ملا خرید کر لیا۔ جب قیمت پاس ہوئی۔ تب سودا خریدا۔ پاس پیسہ نہ ہوا تو جوں توں کرکے دن گذار لیئے۔ نہ کوئی ادائے قرض کا تقاضا کرنیوالا ہو۔ اور کسی سے آنکھ نیچی کرنی پڑی۔ جس قدر آمدنی ہوئی اس کے موافق کچھ بچا کر خرچ مقرر کر لیا۔ چین سے گذارہ کیا۔ خوب آنند اور مزہ سے عمر کو کاٹا۔

دوسرا وہ جس نے ادھار پر سامان لیا دو روپیہ کے سامان کی ضرورت ہوئی۔ چار کا منگوا لیا۔ دوکاندار نے پانچ روپیہ درج حساب کئے۔ حساب بڑھتا گیا۔ اور ادائیگی کے جھوٹے وعدے کر لئے گئے دوکاندار گھر پر مانگنے کو آتا ہے۔ بابوجی! بابوجی!! بابوجی!!!

بابوجی اندر موجود ہیں۔ مگر نوکر کو کہتے ہیں کہ کہدو بابوجی دفتر سے نہیں آئے۔ اب بابوجی اُس راستہ سے گذرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بلا کو سر سے اتارنے کے واسطے کوئی کوئی رشوت اور ناجائز ستانی کا آسرا لیتے ہیں۔ نالش ہوتی ہے۔ بدنام ہوتے ہیں۔ دن رات کی فکر میں اپنی اور بال بچوں کی مٹی خراب کرتے ہیں۔ مہابھارت میں ایک سوال کیا گیا ہے۔ کہ جگت میں سوکھی کون ہے۔ جواب دیا گیا

ہے۔ کہ وہ آدمی جو خواہ مفلس اور غریب ہے۔ دن میں دو وقت کھانا
نصیب نہیں ہوتا۔ صرف ایک وقت کھاتا ہے اور وہ بھی جنگل سے
لایا ہوا ساگ۔ اُسی کو کھا کر اور بال بچوں کو کھلا کر اپنا گذارہ کرتا ہے
مگر اس کے سر پر قرض نہیں ہے۔ وہ جہان میں سکھی ہے۔ اس کلام کی
راستی میں کوئی انکار کر سکتا ہے۔ قرض ایک لمبی زنجیر ہے۔ جس کا ایک
سرا تو قرضدار کی گردن میں باندھا ہوا ہے۔ اور دوسرا قرضخواہ کے ہاتھ
میں ہے۔ قرضخواہ اس زنجیر کو جب چاہے ہلاتا ہے اور اپنی طرف کو کھینچتا
ہے۔ قرضدار کسی حالت میں ہو۔ دکھی ہو سکھی ہو۔ بیمار ہو۔ لاچار ہو
بیاہ شادی میں مصروف ہو۔ خواہ صف ماتم پر بیٹھا ہوا ہو۔ گھر پر ہو
سفر میں ہو۔ جاگتا ہو۔ سویا ہوا ہو۔ دنیاوی کاروبار میں لگا ہو پرماتما
کے بھجن اور عبادت میں ہو۔ سندھیا کر رہا ہو۔ نماز پڑھ رہا ہو غرض
کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ زنجیر اس کے گلے میں ہے۔ اور قرضخواہ اُس کو
کھینچتا رہتا ہے۔ ایک سے زیادہ قرضخواہ ہوں۔ تو ہر کوئی اپنی اپنی
طرف کو کھینچتا ہے۔ اس وقت جو حالت ایسے قرضدار کی ہوتی ہے نرک
سے زیادہ دکھدائی ہے۔ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ قرضخواہ
نالش کر کے ڈگری حاصل کرتا ہے۔ مدیون بیچارہ سر چھپاتا پھرتا ہے
بیلف کو لیکر ڈگری دار قرقی کو آتے ہیں۔ مدیون گھر کے اندر پڑا سوتا
ہے۔ باہر سے قفل لگوا چھوڑتا ہے جس سے معلوم کہ صاحب گھر پر نہیں
ہیں۔ وطن کو چھوڑ کر دوسرے شہروں میں چلا جاتا ہے۔ ایسے ہزار
اوپائے کرتا ہے۔ مگر کچھ سوجھتا نہیں ہے تو کیا میرے دوستو تم لوگ
قرض کے پنجہ سے آپ چھوٹنا اور دوسروں کو چھوڑانا چاہتے ہو یا
نہیں۔ اگر چاہتے ہو تو کرپا کر کے حسب ذیل امور کا خیال رکھو۔

اول۔ بیکار رہ کر وقت کو ضایع مت کرو۔ وقت ہی دولت ہے

جو لوگ دل لگا کر وقت سے کام لیتے ہیں۔ اُن کو قرض لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوم۔ جس چیز کے بغیر تمہارا نرواہ اور گذارہ ہو سکتا ہے۔ اُسے مت خریدو۔ فضول اور نکمی چیزوں کے استعمال کی عادت ہی نہ ڈالو

سوم۔ جس چیز کے بدوں گذارہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اس وقت خریدو جب کہ پیسہ تمہاری جیب میں ہو۔

چہارم۔ چوری کرنے کو جب پاپ سمجھتے ہو اور چوری نہیں کرتے۔ اسی طور سے قرض اور ادھار پر سامان خریدنے کو بھی پاپ سمجھو۔

پنجم۔ قرض اگر تمہارے سر پر چڑھا ہوا ہے۔ تو سب سے ضروری کام اس کے اتارنے اور ادا کرنے کو سمجھو۔ جس طور سے اور جس جائز طریق سے ہو سکے جب تک اس کو سر سے نہ اتار لو۔ تب تک آرام کو اپنے واسطے حرام سمجھو۔

ششم۔ جس کا قرضہ تم نے دینا ہے۔ نمرتا کے ساتھ اُس سے بات چیت کرو۔ تم سے مانگنے کو وہ آیا ہے۔ اُسے کورا جواب نہ دو اگر کچھ پاس موجود ہے۔ تو ادا کر دو جس قدر ادا کرتے جاؤ گے۔ اسی قدر مصیبت تمہارے سر سے ٹلتی جاویگی۔ کھانے پینے پہرنے اور ہر قسم کے خرچوں میں گنجایش کر کے قرضہ کے بھوت کو دور کرنے کی کوشش کرو۔

ہفتم۔ کوئی مال۔ سامان۔ یا جائیداد کا کوئی حصہ فروخت بھی کرنا پڑے تو اُسے فروخت کر دو۔ مگر قرضہ کے وجود کو ہلاک کر ڈالو۔

ہشتم۔ اگر قرضہ کا سود شامل ہو رہا ہے۔ تو ایسا جتن کرو کہ سود ساتھ کا ساتھ ادا ہوتا رہے۔ سود سے کچھ زیادہ بھی ادا کرنے کی کوشش کرو

نہم۔ بھوکھا رہنا منظور کرو۔ مگر ادھار لے کر کھانے کی عادت نہ ڈالو

اس صورت میں کوئی نہ کوئی صورت تمہارے گذارہ کی نکل ہی آوے گی پرماتما دیا کریں گے۔

دہم۔ صحت کا خیال رکھو۔ سب کام وقت پر کرو۔ نیک چلن بنے رہو سدا چار کو قایم رکھو۔ کوئی بیہودہ اور فضول عادت تمہارے میں جاگزین نہ ہونے پاوے۔

دوازدہم۔ اپنے کاروبار کو باقاعدہ جاری رکھو۔ جن لوگوں سے کاروبار میں تمہارا تعلق ہے۔ اپنے سلوک سے اُن پر ثابت کردو کہ تم اُن سے دیانتداری سے برتاؤ کر رہے ہو۔ کسی قسم کا دھوکہ اُن کو نہیں دیتے ہو۔

سیزدہم۔ اپنی کمائی کا ذریعہ دھرم انوکول رکھو۔ پاپ اور جھوٹھ کو پاس نہ آنے دو۔ خیال رکھو کہ جو بیوہار تم کر رہے ہو۔ اس میں تمہارا فریق ثانی خود جگت پتا سروویاپک پرمیشور ہے۔

اس طور سے تم عملدرآمد کروگے تو نہ صرف قرضہ سے نجات پاؤگے اور قرضہ لینے کی ضرورت بھی آپ کو نہ رہیگی۔ بلکہ تمہاری حالت ایسی ترقی کریگی۔ کہ تم اُن لوگوں کی جو کہ مفلس حاجتمند اور محتاج ہیں۔ روپیہ پیسہ سے امداد کرسکوگے۔ ایسی حالت میں تم کو چاہیئے۔ کہ اُن لوگوں کو قرض پر روپیہ دینے سے پرہیز کرو۔ اور جس قدر تمہارے بھی سمرتھ ہے۔ حاجتمندوں کی امداد دان دے کر کیا کرو۔ اور ایسے دان کی کوئی یادداشت نہ رکھو۔ دان دے کر بھول جاؤ کہ کس کو دیا ہے اور کس قدر دیا ہے۔

نوٹ۔ اس تحریر کا تعلق بڑے بڑے بنکوں اور بیوپار کے کاموں میں لگانے کے واسطے روپیہ کے لئے اور دینے کے نہیں ہے اُن لوگوں کے قابل غور ہے۔ جو عام طور سے محنت اور پرشارتھ

سے بھاگتے اور بزرگوں کی جائیداد کی کفالت پر روزمرہ گذارہ کیواسطے قرض لے کر اوسے بنیلام پر چڑھاتے ہیں ؛

استریوں پر اتیاچار

استریوں پر اتیاچار کے کوٹھار جتنے کہ چل رہے ہیں۔ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ پتت ادھار کی بارہ ہزار کا پیاں دیش کے اندر تقسیم ہو چکی ہیں۔ اور اُن سب میں استریوں پر اتیاچار کے مختلف قسم کے حالات کا اظہار ہو چکا ہے۔ عام طور پر یہ کتابیں پُرشوں کے مطالعہ اور ملاحظہ میں آئی ہیں۔ مگر کسی ایک صاحب نے بھی ان دردناک حالات کو پڑھ کر پتت اودھار میں شایع کرنے کو اپنی رائے۔ تجویز یا ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔

استری پُرش کے شریر کا آدھا ہے جس کی ایک ٹانگ پر تلوار چل رہی ہو۔ دوسری ٹانگ کو خبر تک نہ ہو جس شخص کی ایک آنکھ کو نکال لیا جاوے اور دوسری سے آنسو تک نہ نکلے۔ اس شخص کی نسبت کیا کہا جاوے گا۔ بہر حال یہ مضمون کوئی معمولی مضمون نہیں ہے۔ جس کی طرف توجہ نہ ہونے سے جاتی کا کوئی ہرج اور نقصان نہ ہو۔ یہ تو جاتی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہندو آریہ جاتی کی استریوں کی حالت کے سدھار اور اُن پر اتیاچار پر جس طرح بھی ہو سکے پرہار کیا جانا ضروری ہے۔ فی الحال تجویز ہونی چاہئے کہ کسی ایک بڑے تیرتھ استھان پر ایک بدھوا بھون کھولا جاوے جہاں کہ وہ بدھوا استریاں جو کہ مصیبت کی ماری دکھیاری اپنے دکھوں

کے دُور کرنے کے اُپاؤ کرنے کے واسطے یاترا کو جاتی ہیں۔ اور
بردہ فروشوں کے قابو میں آجاتی ہیں۔ بسائی جاویں اور ایسی
بدھوا استریاں جن کے رشتہ دار سکے سمبندھی اپنی مرضی سے
ان کو نکال دینا اپنی نجات کا سادھن سمجھتے ہیں۔ ان بدھواؤں کو
بھی وہاں رکھا جاوے۔ ان کی حالت کے سدھار اور دھرم اور
دستکاری اور ضروری فنون کی تعلیم کا بندوبست کیا جاوے۔
اور پھر ایک بدھوا بھون پنجاب کے کسی بڑے شہر میں کھولا
جاوے۔ جہاں کہ تیرتھ ستھان والی بدھواؤں سے ان استریوں کو
لایا جاوے۔ جن کا لایا جانا مناسب اور ضروری معلوم ہو۔ اس
طور پر پنجاب کے لوگ اگر تھوڑی ہمت کریں۔ اور توجہ دیویں۔ تو
ہزاروں بدھواؤں کا اُدھار ہو سکتا ہے۔ پُرشوں کی طرف سے
بھی گو مجھے ابھی تک نراش ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تاہم استریوں
کی امداد کی اس کام کے واسطے ضرورت ہے۔ اس واسطے میرا وچار
ہے۔ کہ استریوں پر انیاچار کے جس قدر مضامین پترت اُدھار کے
سب حصوں میں شایع ہو چکے ہیں۔ اُن کو ہندی بھاشا میں ترجمہ
کر کے ایک کتاب کی صورت میں شایع کر دوں۔ امید ہے۔ کہ یہ
کتاب چالیس صفحہ پر پوری ہو جاویگی اور دو آنہ فی کاپی کے حساب
سے فروخت کی جاوے گی۔ اس سے پتہ لگ جاویگا۔ کہ تعلیم یافتہ
ودوشی استریوں کو اپنی مصیبت زدہ بہنوں کے واسطے کس قدر
ہمدردی ہے۔

اگر کسی صاحب کو کوئی لاوارث یتیم بچہ کہیں ملے۔ تو

اسکو یتیم خانہ جھنگڑ محلہ موری دروازہ لاہور کے پتہ پر بھیج دیں۔ مینجر

ہمدردی حیوانات

جس بھاؤ کا نام رکھا جاتا ہے۔ وہ دراصل اپنی ہمدردی ہے
چنانچہ لوگ اس بات کی طرف توجہ دینے لگے ہیں مشکل سے مشکل
کام بھی اگر توجہ کی جاوے تو اچھی طرح سے سمجھ آسکتا ہے۔
حضرات برادران اسلام کے خیال میں حیوانی خوراک اور
گائے کی قربانی بہ کیسے پاک اعمال اور ضروری فرائض سمجھی جایا
کرتے تھے۔ کہ ان کو ان سے باز رہنے کے واسطے کوشش کرنا بڑا
خطرناک کام تھا۔ مگر اب جب کہ خود ان صاحبان نے خود فرمایا ہے۔
تو آپ ہی کس نتیجہ پہونچ گئے ہیں۔ وہ آل انڈیا گئو کانفرنس
کے پٹنہ کے اجلاس میں ظاہر ہو گیا ہے۔ اس کانفرنس کے سالانہ
اجلاس کے بولانے والی استقبالیہ کمیٹی کے پردھان ایک نامی ان
لیڈر مسٹر مظہر الحق بنائے گئے جنہوں نے اپنی تقریر میں حسب ذیل بھا
پرکٹ کئے۔ آپ نے ہومینی ٹیرین یعنے جیو دیا دھرم کی طرف توجہ دلا کر
بتلایا۔ کہ ہماری پرانی تہذیب سے اس کا کیا تعلق ہے۔ شری مہاتما
بدھ دیو اور مہاویر نے اس بارہ میں کیا کام کیا۔ اس کا ذکر کرکے
آپ نے فرمایا۔ کہ تاریخ سے پایا جاتا ہے۔ کہ جیو دیا دھرم یا اہنسا دھرم
کا پیغام بھارت ورش کے سوائے دوسرے ملکوں کو بھی دیا گیا تھا
یورپ بھی ان میں شامل تھا۔ جہاں حضرت عیسےٰ مسیح سے عرصہ پیشتر
مہاتما فیثا غورث (پیتھ گورو) اور دوسرے مہاتماؤں نے اس
دھرم کی تعلیم لوگوں کو دی۔ مگر یورپ نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اور
دنیا داری یعنے مادہ کی غلامی میں پھنس گیا۔ جس سے مادی خیالات

سے اُس کی روحانی ترقی کو روک دیا ہے۔ زمانہ حال کی شائستگی نے سائنس کی دریافت اور ایجاد میں بے شک بہت سی ترقی کی ہے مگر روحانیت میں اس کا ہنوز روزِ اول ہے۔ صرف ایک ہندوستان ہے۔ جس نے اپنی پرانی تعلیم اور تہذیب کو پکڑ رکھا ہے۔ مگر اب خوف ہو رہا ہے۔ کہ وہ بھی پیچھے کو گر رہا ہے۔

سال گذشتہ میں سری وجے راگھواچاریہ جی نے جو کہ اس کانفرنس کے پردھان تھے فرمایا تھا کہ بہت سے ہندو نوجوانوں نے اپنی فیشن ایبل سوسائٹی کی نقل کرتے ہوئے گوشت کا استعمال شروع کر دیا ہے اس سے بڑھ کر سخت صدمہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہندو سپوت ایسے عادات اور رسم و رواج کو اختیار کریں۔ جو اُن کے دھرم اور بزرگوں کی قدیمی تعلیم اور ہدایات کے برخلاف ہیں ہندوستان کی قدیم شائستگی کا نچوڑ یہی تھا کہ نفسانی خواہشات اور جذبات کو دبایا جاوے۔ اور آتما کی آتمک ترقی کی جاوے۔ ڈارون صاحب سے مدت ہا پیشتر اہل ہنود کے بزرگوں کو معلوم تھا کہ کل ذی روح مخلوق اور انسان کا کیا تعلق ہے۔ اسی واسطے ہنسا یعنے ایذا رسانی اور جانداروں کی ہلاکت کے برخلاف اُن کی ہدایات موجود ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ حیوانی گوشت کی خوراک انسان کی جسمانی صحت اور روحانی ترقی دونوں کیواسطے مضر اور نقصان رساں ہیں۔ اس خوراک کی تیاری کو جو کہ بڑی فریدار اور خوش ذایقہ معلوم ہوتی ہے۔ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے تو ہر دہ کانپ اوٹھتا ہے۔ اس حقیقت چھپانے کے واسطے بہت سی تجویزیں اور مصالحہ جات ایجاد کیے گئے ہیں۔ مگر اچھے دن آنے والے ہیں۔ جبکہ آخرکار آتما کی پوترتا اور روح کی پاکیزگی کو سب

لوگ محسوس کریں گے۔ زمانہ حال کے سائنس دان اس خیال کے قریب آرہے ہیں۔ کہ گوشت انسان کی قدرتی خوراک نہیں ہو اور اس کا استعمال انسان کے واسطے سخت مضر اور بہانی بکارک ہے۔ ذاتی طور پر بھی کوئی سنکوچ اس بات کے اظہار کرنے میں نہیں ہے۔ کہ میڈیکل سائنس یعنے علم علاج اور روحانیت کے ترقی کرنے پر گوشت کو ممنوع غذاؤں کی فہرست میں شمار کیا جاویگا

اہل اسلام کے قربانی گائے کی نسبت آپ نے فرمایا۔ کہ اس سے ہندوستان میں دو بڑی قوموں میں ٹاکرہ ہوتا رہا ہے ضرورت ہو تو میں دکھلا سکتا ہوں۔ کہ مذہب اسلام کسی خاص جانور کی قربانی کے واسطے اپنے پیرؤوں کو مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا حکم ہے۔ کہ نفع رساں اور مفید جانوروں کو قتل نہ کیا جاوے جیساکہ باوجود حلال ہونے کے گھوڑا عرب میں قربان نہیں کیا جاتا اسی اصول پر ہندوستان میں گائے کی قربانی کوئی ضروری نہیں ہے۔ اور اس صوبہ میں اعلےٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں تو گائے کے گوشت کو پسند کی نظر سے دیکھا بھی نہیں جاتا۔

صاحبان۔ اہل اسلام کے نقطہ خیال سے اب مجھے اس مضمون پر زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی پیشوایان نے امرت سر کے اجلاس مسلم لیگ میں اپنی اہل قوم کو عیدالضحی کے موقعہ پر گائے کی قربانی سے باز رہنے کی سفارش کر دی ہے۔

یہ حصہ تو اپنے دیش کے ایک مسلمان لیڈر کی تقریر کا ہے جو اس نے گئو رکھشا کی کانفرنس کا پردھان بن کر برادران لوگوں کے سامنے بڑے کھلے دل اور فراخ حوصلہ سے بیان فرمائی اس کے علاوہ افغانستان کے تاجدار امیر امان اللہ خاں صاحب کا ایک

حکم بھی اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ کہ مسلمان لوگ خاص ان کی حدود سلطنت کے اندر گائے کو ذبح نہ کریں۔ اور بحیثیت ایک مسلمان بادشاہ ہونے کے دوسرے ممالک۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی انہوں نے حکم دیا ہے۔ کہ گائے کے قتل سے باز رہیں۔ کیونکہ گائے بڑا مفید جانور ہے۔ زراعتکاری کا سارا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ اور دودھ گھی کی مقوی خوراک بھی اس کے وجود سے حاصل ہوتی ہے۔ جن کی کمی اس زمانہ میں لوگوں کو حیرت میں ڈال رہی ہے

یہ آثار نیک ہیں۔ امید ہو سکتی ہے۔ کہ گؤ ہتیا کے بند ہونے سے اور عام گوشت کا رواج بھی کم ہونے سے ہمارے لوگ حالت کے معراج پر جب چڑھنے لگیں گے۔ تو جہان میں امن اور شانتی کے راج کا دور شروع ہونے لگیگا۔

رات کو چوری اور دن کو سینہ زوری

دھرم اور پر اُپکار کے کاموں اور ناموں کو بھی ٹھگی کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ دن کی روشنی میں مردوں کے میدان ٹھگی کرتے پھرتے ہیں۔ ایک اشتہار گولڈ سبری پریس فیروزپور کا چھپا ہوا ایک شخص ریل گاڑی میں تقسیم کرتا اور لوگوں سے ایک فرضی گؤ شالہ کے واسطے دان لیتا پھرتا ہے۔ اشتہار میں درج ہے کہ ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل عبدالدوا میں ایک شخص مسلمان پٹھان مسمی غلام رسول خاں نے دس ہزار روپیہ لگا کر ایک گؤ شالہ

کھوئی ہے۔ اس میں چار صد گائے اور دو صد روپیہ ماہوار کا خرچ ہے۔ لکھا ہے۔ کہ وہاں دو چار گائیں روز جھٹکہ ہوتی تھی۔ غلام رسول نمبردار نے چودھری چینا رام کو کہا کہ اس کا انتظام ہونا مناسب ہے چینا رام نے کہا۔ آج کے دن بعد یہ کام نہیں ہو ویگا۔ ورنہ دو ہزار روپیہ بطور تاوان آپ کو دوں گا۔ کیسی بے بنیاد باتیں لکھی ہیں۔ ضلع مظفر گڑھ میں کوئی بھی مقام "عبداللہ وا" نہیں ہے۔ اور نہ کوئی اس نام کی تحصیل ہے۔ اور نہ کسی اور قصبہ یا گاؤں میں کسی مسلمان غلام رسول نے گوشالہ جاری کی ہے۔ چار صد گائے کا ماہوار خرچ ۲۰۰ روپیہ اس زمانہ میں کیا فضول حساب ہے گائے کا جھٹکہ ہونا بالکل خلاف واقعہ ہے۔ ہندو چودھری کا تاوان دینا کتنا بکواس ہے۔ اس سے تو پایا جاتا ہے۔ کہ ہندو چودھری گائیوں کا جھٹکہ کرواتا تھا۔ اگر وہ بند نہ کریگا۔ تو دو ہزار روپیہ تاوان دے گا۔ کیسی فضول باتیں درج کی گئی ہیں۔ یہ سب معاملہ جھوٹ ہے۔ لوگوں کو چاہیئے۔ کہ ایسے دھوکے بازوں سے بچے رہیں۔ بلکہ ہو سکے۔ تو اُن کو پولیس کے حوالے کریں۔

ضرورت

یتیم خانہ مظفر گڑھ شاخ لاہور واقع چنگڑ محلہ کو اپنے مکان بنوانے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں رام اور کرشن کی یادگار کو قایم رکھنے والے بچوں سے ہمت رکھتے ہیں۔ وہ کرپا کر کے کم از کم دس روپئے از گرہ خود یا چندہ کر کے منیجر یتیم خانہ مذکورہ کے نام ارسال فرما دیں۔ تو یہ ضرورت جلد ہی پوری ہو سکتی ہے۔ پنڈت گنگا رام سیکرٹری

اوم

پتت اُدّہار

حصہ نہم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سُدھار پرچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی کی تجویز سے

بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۰ء

مرتب ہو کر

گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر چھپا

تعداد ۲۰۰ — قیمت فی جلد ۲/

اوم

نشکام سیوا بھاو

گر کوئی سیوا جگت میں سبھو کوں سا کام ہو + کیا بنے صبح جوانی کیسی تیری شام ہو
ہے غنیمت وقت فرصت کام کر کچھ کام کر + ہے کسے معلوم کل کو تیرا کیا انجام ہو
گلشن ہستی میں تو کوئی لگا ایسا شجر + جس سے خاص و عام کو راحت ملے آرام ہو
فیض پہونچے جسکے سایہ اور پھل سے خلق کو + پہ نہ ہو پُر خار اور نہ باعث آلام ہو
ہاں لگانا گلشن ہستی میں کوئی ایسا گل + جس کے رنگ و بو پہ شیدا اور تصدق عام ہو
اور جو ہو باعث صد افتخار و عز و شان + ہاں مشام ہند جسکی بو سے شاداں کام ہو
کرم چھیتر ہیں کوئی شبہ کرم کر اس عمر میں + کنتھ گیتا کا نہ بھولا کام ہو نشکام ہو

سیوا پنتھ

زمانہ حال میں کچھ سالوں سے لوگوں میں خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ دکھی مصیبت زدہ اور بیماروں کی سیوا کی جاوے۔ اور اُن سے کچھ عوض خدمت نہ لیا جاوے۔ اس مطلب کے واسطے بہت سے شہروں میں سیوا سمتیاں بنائی گئی ہیں۔ ایسے لوگ جن کو سیوا کرنے کا پریم ہے مگر اس کام کو کرتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں ریل گاڑیوں پر جا کر مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلاتے ہیں۔ جہاں طاعون۔ ہیضہ وغیرہ وبائی بیماریوں کا دور ہوتا ہے۔ وہاں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر بیماروں کی ہر پرکار کی سیوا کرتے ہیں۔ اپنے سگے سمبندھی رشتہ دار جہاں بیمار کے پاس نہیں آتے دُور دُور رہتے ہیں۔ باپ پانی کے واسطے تڑپ رہا ہے۔ بیٹا اسکے پاس جا کر پانی نہیں دیتا۔ بلکہ بیمار کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے یہ سب لے کے مشکل

بیمار کے بستر کے پاس بیٹھ کر اُس کی ہر طرح کی خاطر تواضع کرتے۔ دوائی
دودھ اور غذا دیتے ہیں۔ اُس کے مل اور موتر کو صاف کرتے ہیں۔ اور
کسی قسم کا خوف نہ کرتے ہوئے بیماری سے بچے رہتے ہیں۔ اور خدمت
کر کے بیماروں کی بیماری دور کرنے کا فخر بھی اُن کو ملتا ہے۔ بجواڑہ ضلع
ہوشیارپور کے رہنے والے پنڈت رلا رام جی ہو گذرے ہیں۔ جنہوں
نے کانگڑہ کے بھونچال میں مکانوں کو کھود کھود کر زندہ اور مردہ لاشوں
کو نکالنے۔ زندوں کی سیوا اور مردوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر شمشان
میں جلانے کا کام کیا۔ ۱۹۰۹ء کے قریب۔ ملتان اور راولپنڈی کے
مقامات پر پلیگ کے بیماروں کی سیوا کی۔ پلیگ کی گلٹی کو چوس کر
بیمار کے جسم سے پلیگ کا زہر نکال لیا کرتے تھے۔ ملتان کی سیوا سمتی کے
لوگ بھی بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ اس دفعہ مظفر گڑھ میں قریب دو ماہ
تک پلیگ کا ڈیرہ رہا۔ ملتان سیوا سمتی کے بھدر پرشوں نے آکر بیماروں کی
سیوا کی۔ مظفر گڑھ شہر کے باشندگان میں سے لالہ گوردتہ رام جی گاندھی
آنریری مجسٹریٹ اور چودھری تھارو لال جی وکیل نے اور چودھری موتی رام
لانگسپال نے بیماروں کی سیوا دل لگا کر کی۔ چودھری ذل احمد صاحب مہتمم
خزانہ نے روپیہ پیسہ کی امداد کا کام بڑی فراخدلی سے کیا۔ جنہوں نے
غریب بیکس بیماروں کی سیوا کی۔ ان کو تو اجر پرمیشور ہی عطا دیں گے
میرا مطلب اس مختصر بیان سے یہ ہے۔ کہ یہ سیوا سمتی کوئی نیا کام نہیں
ہے۔ سکھوں میں ایک سادھوؤں کا فرقہ ہے۔ جو کہ سیوا اپنتھی کہلاتے ہیں
ضلع مظفر گڑھ میانوالی۔ ملتان۔ ریاست بہاولپور وغیرہ میں ان کے
ڈیرے اور دھرم سالائیں بہت سے قصبوں اور گراموں میں ہیں
یہ لوگ کسی سے بھیکھ نہیں مانگتے۔ اپنے ڈیرہ پر محنت مزدوری کا کام
کرتے ہیں۔ ست گلو۔ سیاہی کا بنانا اور مونج کوٹ کر اس کا وان تیار

کرکے اس کو فروخت کرنا۔ اور جو کچھ حاصل ہو اُسے آپ کھانا۔ اور آئے گئے مسافروں کی خاطر تواضع میں خرچ کرنا ان کا کام تھا۔ ان کی دھرم شالاؤں کی بڑی رونق رہا کرتی تھی۔ اس پنتھ کی ابتدا اس طور سے ہوئی۔ کہ جن دنوں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج اور بادشاہ عالمگیر کی فوجوں میں لڑائی ہوا کرتی تھی۔ تو گورو مہاراج کی فوج میں ایک شخص بھائی سیوارام پانی پلانے کا کام کیا کرتا تھا۔ فوج کی لڑائی ہوتی۔ زخمی پانی پانی کی پکار مچاتے۔ تو بھائی سیوارام جی بلاتمیز اپنی اور مخالف فوج کے سپاہیوں کے سب کو پانی پلاتے تھے۔ ایک دن ان کی شکایت گورو جی مہاراج کے پاس ایک سپاہی نے کردی کہ یہ دشمن کے سپاہیوں کو بھی پانی پلاتا ہے۔ گورو مہاراج نے بھائی جی کو طلب کیا۔ اور اُس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ مہاراج میں تو آپ کا سیوک ہوں جس وقت میں پانی پلاتا ہوں مجھے نہ تو کوئی ہندو نظر آتا ہے نہ مسلمان۔ مجھے تو سب کے سب آپ کی ہی مورتیاں نظر آتی ہیں۔ اس واسطے جو کوئی بھی پیاسا میرے سامنے آتا ہے۔ میں اُسے پانی پلاتا ہوں۔ گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے بڑے پرسن اور خوش ہو کر دعا دی کہ بھائی سیوارام تم خوش رہو۔ پرماتما کرے۔ تمہارے جیسے ہزاروں سجن پیدا ہوں جو کہ جگت میں اُپکار کا کام کیا کریں۔ آجکل کے سیوا سمتیوں کے کارکن اپنے کام میں گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی دعا اور بھائی سیوارام کے نشکام سیوا بھاؤ کو ملا کر اگر کام کریں گے تو پرماتما کی دیا سے ان کے کام میں بڑی برکت ہوگی۔

نوٹ

سجن پرش اگر توجہ دیکر امداد دیویں۔ تو دیش اور جاتی کے لئے شمار یتیم اور لاوارث بچے اور ابلا بیوہ استریاں دیش کے سیوک اور سیوکائیں تیار ہو سکتی ہیں

منیجر آدیہ اناتھ آلیہ چنگڑ محلہ موری دروازہ۔ لاہور

ایک میں سُکھ۔ دوسری میں دُکھ۔ ایک میں راحت دوسری میں رنج۔ ایک میں پُن دوسری میں پاپ۔ ایک میں بھلائی دوسری میں بُرائی۔ ایک میں ثواب دوسری میں عذاب۔ ایک میں جزا دوسری میں سزا۔ لازمی اور ضروری انجام ہے۔ اس بات کو جانتے ہوئے بھی لوگ ایک سے نفرت اور دوسری سے اُلفت کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے دُکھ پر دُکھ اُٹھاتے۔ رنج والم کے گرداب میں چکر کھاتے۔ پاپ کے سنتاپ سے پیٹرت ہوتے۔ برائی اور بدنامی کا سیاہ ٹیکا پیشانی پر لگواتے۔ بے اندازہ عذاب میں چیختے چلاتے بدی اور گناہ کی سزاؤں کو آپ پاتے اور دوسروں کو پاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ مگر مایا کا جال کچھ ایسا مضبوط ہے۔ کہ اس کی لپیٹ سے نکل نہیں سکتے۔ اپنے چاروں طرف دیکھنے آگے۔ پیچھے۔ دائیں۔ بائیں اندر باہر اور اوپر نیچے غور کر کے دیکھا جاوے۔ تو محبت اور پریم کا وجود کہیں خال خال نظر آئیگا۔ اور جہاں کہیں دکھائی بھی دیگا۔ اس میں بھی بہت کچھ دکھاوا ہی دکھاوا ہوگا۔ باہر کے بیان کچھ اور اندر کے سامان کچھ اور ہونگے۔

پرماتما پرمیشور۔ خدا تعالےٰ نے اتنے سامان اور بھوگ اس تختۂ زمین پر انسان کے واسطے مہیا کر دیئے ہیں۔ کہ جن کا کوئی اندازہ

نہیں کر سکتا۔ ان کے علاوہ علم عقل۔ تدبیر۔ ہنر اور فنون میں انسان نے جو کمال کر دکھایا ہے۔ یہ بھی کوئی تھوڑا نہیں ہے۔ ان سب کے ہوتے ہوئے دنیا نرک اور دوزخ کا نمونہ بن رہی ہے۔ اور یہ امر واقعہ ہے۔ کہ اس کیفیت کے دیکھنے اور وجوہات پر وچار اور غور کرنے کے واسطے دانایان زمان کو فرصت نہیں ہے۔ یہ ایک عجیب تماشا ہے کہ کوئی غریب۔ نردھن اور کنگال ہو تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُس کو بھو کہہ ستا رہی ہے۔ بھلا جن کے خزانے لعل و جواہرات سے لبا لب بھرپور ہیں۔ ملکوں اور قوموں کا سونا چاندی جن کے اختیار میں ہے۔ تخت زمین کی پیداوار کے جو مالک کہے جاتے ہیں۔ زمین کے پیٹ میں سے بے انتہا دھن دولت کو کھود کھود کر نکال رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے۔ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے جسم اور جان پر جن کی حکومت ہے ایسے لوگ کیوں دُکھی ہیں۔ اور اُن کی جان کیوں عذاب میں ہے بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ بیٹا باپ کا فرمانبردار نہیں ہے۔ نوکر آقا کا خیر خواہ اور تابعدار نہیں ہے۔ بیٹی اپنی والدہ سے بیزار ہے۔ خاوند عورت سے دو چار رہتا ہے۔ راجا اور پرجا میں پریم اور پرتیتی نہیں ہے۔ غرضیکہ جس بھی رشتہ اور پریم کے سمبندھ کو دیکھو اسی میں زہر اور وِش بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ سارے سنسار میں دوڑ دھوپ لگی ہوئی ہے۔ ہر ایک شخص اپنے دھندہ میں غرقاب ہے۔ اور ایسی تیزی سے بہا ہوا چلا جا رہا ہے۔ کہ راستہ میں پڑے ہوئے بیمار دل اپاہجوں۔ اندھے لولے۔ لنگڑے۔ بھوکھ اور پیاس سے بیاکل۔ جسم کے اندر اور باہر کے زخموں سے بے تاب اور لاچار ہاہاکار مچاتے ہوئے نربل بزرگان خدا کی آہ وزاری اور بھوکھ سے آرت پکار کے سننے کی کسی کو بھی فرصت نہیں ہے۔

پرماتما نے تو اتنا مضبوط اور اٹوٹ سمبندھ باہمی محبت اور پریم پیار کا
بنا دیا۔ کہ اس سے بڑھ کر اور کچھ ہو نہیں سکتا۔ دو جسموں کے درمیان
سے بچوں کا پیدا ہونا۔ اس تجویز سے ایک ایک انسان کا سلسلہ قرابت
کا بڑی دُور تک چلا جانا۔ استری اور پُرش کے میل کی وجہ سے مختلف
اور دُور افتادہ خاندانوں میں رشتہ یگانگت کا پیدا کیا جانا۔ یہ
کیسا اُتم اور اعلےٰ انتظام ہے۔ جس سے جہان کے خالق کا منشا
صاف طور پر یہی سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ ان سب لوگوں کی آپس میں محبت
قایم رہے۔ پھر اس کے ساتھ اور اس سے علاوہ دوستی اور مترتا کا
سمبندھ دو انسانوں میں قایم ہو کر خواہ وہ مختلف وطنوں اور ملکوں
کے رہنے والے ہوں۔ مختلف جاتیوں سے ہوں۔ اور ایک دوسرے
کے برخلاف دھرم اور مذہب کے پیرو ہوں۔ کیسا آنند ان کو دیتا
ہے۔ یہ پرتیکش اور ظاہر ظہوریات ہے

اس سب انتظام کے ہوتے ہوئے پھر بھی لوگ کیا کرتے ہیں
پرماتما نے جن کو دوست اور خیر خواہ بن کر گذارہ کرنے کے واسطے
پیدا کیا۔ اب وہ ایک دوسرے کے دشمن اور بدخواہ ہو رہے ہیں
دونوں فریق دانا ہیں اور عقلمند ہیں۔ اور اپنے آپ کو ایسا ہی جانتے
بھی ہیں۔ پھر بھی اتنا وچار نہیں کرتے کہ اپنے دوست کو جس نے
دشمن بنا لیا۔ اپنے بھائی کو جس نے غیر بنایا۔ جو خیر خواہ تھا۔ وہ
بدخواہ بن گیا۔ جس پر اپنے آتما کے سمان وشواس تھا۔ اب اُسی کی طرف
سے خوف ہے کہیں زہر نہ دیدیوے۔ مکان کو آگ نہ لگا دیوے۔ یہ
عقلمندی اور دانائی کتنے درجہ کی ہے اس کا سمجھنا ذرا مشکل سا ہو رہا ہے
میں اپنے دیش کے بزرگوں سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اس سوال
کی طرف بھی ذرا دھیان دیویں اور وچار کریں کہ کوئی صورت ہوسکتی ہے

کہ ایک حقیقی بھائی دوسرے کا دشمن نہ ہوا کرے۔ کیونکہ یہ عداوت کا سبق جن کو اپنے ہی گھر کے مدرسہ اور ماتا پتا روپی اُستادوں سے مل جاتا ہے وہ دنیا میں شانتی اور آنند کس طرح سے پھیلا سکتے ہیں۔ اوم شم

اتفاق اور نفاق

کون شخص دنیا میں ہے۔ جو اتفاق کا حامی اور نفاق کا مخالف ہونے کا دعویدار نہ ہو۔ مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہونگے کہ جب نفس پرستی اور نفسانیت کے پورا کرنے کا موقعہ مل جاوے تو ان سے بچے رہیں۔ یہی نفس پرستی ہے۔ جو دو حقیقی بھائیوں کو ایک دوسرے سے برسر پرخاش بنا دیتی ہے۔ یہی نفسانیت ہے۔ جو کہ ایک ایذا رسیدہ مظلوم انسان کو اپنے ظالم اور موذی دوست پر تلوار چلانے کو تیار کر لیتی ہے۔ دو شخص ایک کاروبار میں حصہ دار ہیں۔ جب تک وہ دیانتداری سے ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرتے رہیں۔ ان کا اتفاق بنا رہتا ہے۔ جس وقت کسی ایک کے دل میں بد دیانتی اور بے ایمانی کا خیال پیدا ہو گیا۔ اُس وقت سے نفاق نے اپنا عمل دخل بلا روک ٹوک کے حاصل کر لیا۔ ایک شخص کتنا ہی دوست نما اور رفیق پارسا ہو۔ اگر وہ اپنے دوست اور رفیق کی عزت پر حملہ کرتا ہے۔ اس کی بہو بیٹی اور ماں بہن کو بُری نظر سے دیکھتا ہے دوستی اور رفاقت کے درجہ سے گر جاتا ہے۔ کوئی بھی بھلا پُرش اگر اُس کی امداد کرتا ہے۔ وہ حق بجانب سمجھا نہیں جاتا۔ افسوس ہے کہ جو بدکار آدمی کسی بھلے آدمی کی بہو بیٹی کو بہکا کر اُسے اپنی بد اعمالیوں کا تختۂ مشق بنانے کو ہی اپنی زندگی کا مقصد

سمجھے ہوئے ہیں۔ اُن کے ہم مذہب نیک اور پارسا آدمی بھی اُن کے
اس مقصد کو اپنی مذہبی ترقی کا ذریعہ سمجھ کر اُن کی حمایت اور طرفداری
ہر جائز اور ناجائز طریق پر کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ پتت اُدھار کے
حصہ ہفتم میں میں نے ایک ایسے ہی مقدمہ کا ذکر اشارتاً کیا تھا۔
اب معلوم ہوا کہ راولپنڈی میں ایک ہندو لڑکی کے اغوا کی وجہ سے
ہندو مسلمانوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ جسکے دور کرنیکے
واسطے شریمان مہاتما گاندھی اور مولانا شوکت علی کی موجودگی میں ایک
پرائیویٹ اجلاس ہوا۔ جس میں ہندو مسلمانوں کی کشیدگی کا معاملہ
پیش ہوا۔ مہاتما جی نے مسلمانوں کے طرز عمل پر افسوس ظاہر کیا اور دو
مسلمان وکیلوں کو یہ کام سپرد کیا کہ اغوا شدہ لڑکی اُس کے وارثوں کو
واپس دلائیں"۔ اس سے بھی یہی پایا جاتا ہے۔ کہ راولپنڈی کے مسلمان
بزرگوں اور لیڈروں نے اغوا کرنے والے حامی دین کی حمایت کی اور لڑکی
وارثوں کو نہ دلائی جس وجہ سے ہندو مسلمانوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی! ایسے
حالات میں ہندو مسلمان کی صلح اور باہمی اتفاق کس طرح سے دائمی طور
پر قایم رہ سکتے ہیں۔ اس کی نسبت مہاتما گاندھی اور مولانا شوکت علی
صاحب و دیگر بزرگان اہل ہنود و اسلام غور فرماویں۔

میرے خیال میں دو صورتوں میں سے ایک پر عمل ہونے کے
سوائے یہ صلح پائیدار نہیں رہ سکے گی۔ ایک تو یہ کہ جو کوئی ہندو یا
مسلمان بدکار کسی مسلمان کی یا ہندو کی عورت یا لڑکی کو اغوا کر کے نکال
لیا کرے۔ عورت کے وارث شور نہ مچایا کریں اور بدمعاشوں کے کام میں
کوئی رکاوٹ نہ ڈالا کریں۔ کیونکہ اتفاق بڑی اچھی چیز ہے۔ دوسرا یہ کہ ایسے
بدمعاشوں اور بدکاروں کی حمایت اُن کے ہم قوم اور ہم مذہب اور قریبی
رشتہ دار اور دوست بالکل نہ کیا کریں۔ اور ایسے نالایقوں کو ایسی سزا دلویں
اور دلاویں۔ جس سے اُن کی خواہش ہرگز پوری نہ ہو۔ آئندہ کے واسطے اُن
کو سبق ملے اور دوسروں کو عبرت ہو۔ اگر ان دونوں صورتوں میں سے

کسی ایک پر عملدرآمد ہونا ممکن نہیں ہے تو ہندو مسلمان کی صلح زبان سے کہنے اور کاغذ پر لکھنے کے واسطے صرف ایک دل کش فقرہ ہے۔ جس کا وجود عملی دنیا میں نظر نہیں آ سکتا۔

لوٹنا اور لوٹے جانا۔ دھوکا دینا اور دھوکا کھانا

سنسار میں ایسے لوگ تو شاید کوئی ہونگے جو نہ خود کسی کو لوٹیں اور نہ آپ لوٹے جاویں۔ نہ کسی کو دھوکہ دیویں اور نہ آپ دھوکہ میں آویں اگر کوئی ایسے لوگ ہیں تو وہ دھنیہ ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو کہ لوگوں کو لوٹتے ہیں اور دھوکہ بھی دیتے ہیں۔ ان کی تعداد سنسار میں بہت کافی ہے۔ تیسرے درجہ پر وہ لوگ ہیں جو لوٹے جاتے ہیں اور دھوکہ کھاتے ہیں۔ ان میں بہت سے ہیں۔ جو کہ دھوکے کھا کر اور لوٹے جا کر آپ بھی دھوکہ دینے والے اور لوٹنے والے بن جاتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں" کہ اے دیانت برتو لعنت از تو رنجے یافتم۔ اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم مثلاً کئی تو ایسے ہیں۔ جو کسی سبھا۔ سماج اور مسجد میں اس نیت سے جاتے ہیں۔ کہ وہاں سے کسی کا عمدہ جوتا اُٹھا کر لے آئیں گے۔ اور لے بھی آتے ہیں۔ جن کا جوتہ اُٹھایا گیا۔ ان میں سے کسی کسی کے خیال میں آتا ہے۔ کہ ہمارا جوتہ کوئی دوسرا اُٹھا کر جب لے گیا ہے۔ تو ہم بھی کسی کا جوتہ کیوں نہ اُٹھا لیویں۔ اس طرح سے دوسرے نمبر والوں کا پروار دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ اگرچہ ایسے لوگوں کے پکڑنے اور سزا دلانے کے واسطے کچھ انتظام موجود ہیں۔ مگر انتظام کرنے اور کرانے والے بھی عام طور پر انہیں انسانوں میں سے ہیں۔ جن کا شمار نمبر دوم اور سوم میں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے یہ انتظام پورے طور پر اس کام کو کامیابی سے نہیں کر سکتا۔ جسکے واسطے یہ کھڑا کیا گیا ہے۔ جب تک کہ لوگ خود اس بات کو نہ سمجھیں

اور اُن کو یقین نہ ہو جاوے۔ کہ لوٹنا اور دھوکہ دے کر دوسروں کا مال غبن
کر لینا اُن کے واسطے مفید نہیں۔ بلکہ نقصان دہ ہے تب تک وہ شخص
اس کے چھوڑنے اور اس سے پرہیز کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہو سکتے عام
طور پر لوگوں کی خواہش یہ ہو رہی ہے۔ کہ اپنی دولت مندی کو بڑھایا
جاوے۔ جس قدر دھن دولت روپیہ پیسہ جس بھی طریقہ سے مل سکے
اُس سے حاصل کرنا چاہیئے۔ جو جس کا محبوب اور مطلوب ہوتا ہے
وہ اُس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اُس کے سوائے وہ کسی دوسرے کی
پرواہ نہیں کرتا۔ اس مطلوب کے حاصل کرنے میں اگر جھوٹ بولنا
پڑے۔ تو اُس کے طالب سمجھتے ہیں کہ جائز ہے۔ چوری کرنی پڑے
تو مباح ہے۔ ایسے ایسے چالاک لوگ ہیں۔ کہ اُن کے ہاتھ میں دس
روپیہ دو۔ گن کر کہتے ہیں۔ کہ یہ تو نو ہیں۔ گن لو کہیں اُڑ تو نہیں گیا
اُڑانے کی ترکیب ان کو یاد ہے۔ ریل پر ٹکٹ لینے جاؤ۔ گاڑی کے چلنے
کا وقت ہے۔ اگر ایسے ہی کسی بابو سے معاملہ پڑ گیا۔ اور روپیہ پیسہ
اُس نے اڑا لیا۔ تو آپ کیا کر سکتے ہیں۔ اچھا صبر کیا۔ ایک روپیہ سمجھ
لیا کہ کہیں گر گیا ہے۔ مگر ایسے لوگوں نے اس کام کو اپنا پیشہ بنا رکھا
ہے۔ جس غریب آدمی کو دھوکھا دے کر آپ نے اس کا روپیہ پیسہ چھین
لیا ہے۔ آپ سے وہ وصول نہیں کر سکتا۔ مگر اپنی کمی اور نقصان کو
وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہ موقعہ کی تاڑ میں لگا
رہتا ہے۔ جب کبھی کسی کا روپیہ پیسہ وہ بھی اسی طرح دھوکہ فریب
اور چھل سے حاصل کر سکتا ہے۔ دریغ نہیں کرتا ہوتے ہوتے
یہ بیماری عام ہو جاتی ہے اور ہو رہی ہے۔ اس ایک بیماری نے لوگوں
کے من کو۔ آتما کو صحت کو۔ جانی کے انتظام اور مریادا کو جس قدر نقصان
پہنچایا ہے۔ اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ایک دوکاندار نے سمجھو
اپنی تکڑی میں پاسنگ رکھا ہوا ہے۔ ایک طرف کا پلڑا دو تین تولہ
یا کم و بیش دوسرے سے بھاری ہے۔ چیز تول کر دینی ہو تو باٹ

کو ہلکے پلڑے میں۔ کھا۔ اور جس چیز کا وزن کرنا ہے۔ اُسے بھاری
پلڑے میں رکھ کر وزن کیا۔ بہت سے لوگوں کو اس ترکیب سے اور
ساتھ ساتھ انگلی کا ٹھونگا لگا کر کم وزن دیتا رہا۔ اور اکثر دیتے رہتے
ہیں۔ اور اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت۔ عقلمند اور چالاک جانتے ہیں
کہ آدھی چھٹانک چیز بچا لی اب ایک دن ایک خریدار آ جاتا ہے
لاؤ دو آنہ کی دال درکار ہے۔ دوکاندار دال کو بھاری پلڑے میں ڈال
کر وزن کرتا ہے۔ دل میں خیال ہے کہ کہیں پاسنگ دیکھ نہ لے
اس واسطے تھوڑا سا زیادہ تولتا ہے کہ خریدار خوش ہو جاوے
خریدار دال کو اپنے پلہ میں باندھ لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک
چھوکرا ہے۔ دوکاندار کو کہتا ہے۔ کہ کچھ چیز اس چھوکرے کے کھانے
کو بطور جھونگا یا اونگھا کے دیوے۔ دکاندار ایک یا ڈیڑہ تولہ گڑ کا
دیتا ہے۔ لڑکا اُسے لیکر مونہہ میں ڈال لیتا ہے۔ اب خریدار بولتا ہے
کہ مہربانی کر کے اپنی تکڑی دکھاؤ۔ اس میں کہیں پاسنگ تو نہیں ہے
دوکاندار کو لاچار دکھانی پڑتی ہے۔ اور جتنی دال اس طرح سے کم
دی ہے وہ بھی دیتا ہے۔ دوکاندار نے تین جگہ پر مار کھائی ہے اس
کے آگے خریدار تکڑی کو پکڑتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ چلو تھانہ میں۔ تم نے
تکڑی دھوکہ کی رکھی ہوئی ہے۔ غریب لوگوں کو لوٹتے ہو۔ اس کا خمیازہ
نہیں اُٹھانا چاہیئے۔ دوکاندار ہاتھ جوڑتا ہے منت کرتا ہے۔ پاؤں پر
ہاتھ رکھتا ہے۔ خدا اور پرمیشور کا واسطہ ڈالتا ہے۔ کہ اُسے معاف کر دیا
جاوے آپ نے تو اپنا حق پورا کر لیا ہے۔ بلکہ حق سے زیادہ بھی آپ
لے چکے ہیں۔ آپ رحم کریں۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم آپ کے
نوکر اور تابعدار ہیں۔ مہربانی کریں۔ مگر خریدار اپنے ارادہ پر جما ہوا ہے
وہ چھوڑتا نہیں ہے آس پاس کے دکاندار یہ حال دیکھتے اور سنتے
ہیں اسنجے بھائی دکاندار کی امداد کو آتے ہیں۔ اور خریدار صاحب کی منت
خوشامد کرتے ہیں۔ اُس نے مان لیا تو اُس کی مہربانی۔ دو چار دس

روپیہ لے کر چھوڑا تو بھی اُس کی مہربانی سمجھی جاتی ہے۔ اگر نہ مانا اور پولیس میں لے گیا تو فوجداری کا مقدمہ بن گیا۔ اب لگے ضمانت دینے پیشیاں بھگتنے اور وکیلوں سے امداد کی درخواست کرنے۔ دوکانداروں کا یہ حال ہے۔ تو لوگوں کا یہ خیال کہ دوکاندار زیادہ ستانی کرتے ہیں چور ہیں۔ لوٹیرے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک جاٹ دوکاندار سے ایک پیسہ کی شکر لینے کو گیا۔ جو باٹ دوکاندار کے پاس وزن کرنے کو تھا اُس سے ایک پیسہ بھر تول کم شکر ایک پیسہ میں دینی تھی۔ شکر تولنے کے وقت دوکاندار نے وہی پیسہ شکر والے پلڑے میں رکھ دیا۔ شکر جاٹ کے پلہ میں ڈال دی۔ پیسہ نکالنے کا خیال نہ رہا۔ جاٹ نے دیکھا کہ پیسہ بھی شکر کے ساتھ اُس کے پاس آگیا ہے۔ لمبا لمبا قدم کر کے روانہ ہوا۔ پیسہ کو اپنے تہبند کی گرہ میں باندھا اور شکر کو کھانے لگا۔ اور کہا کہ دوکاندار بڑے چالاک ہوتے ہیں اس سودے میں بھی اُس نے ضرور کچھ نہ کچھ کمایا ہوگا۔ کئی ایک دوکاندار دو تین قسم کے باٹ رکھتے ہیں۔ کسی سے سامان تول کر لیتا ہے۔ تو بڑے باٹ سے تولا۔ دیتا ہے تو چھوٹے سے۔ پورے وزن کے باٹ بھی موجود رکھتے ہیں۔ کوئی ایسا موقعہ بھی ہوتا ہے۔ کہ برابر تولنا ہے۔ یا کسی سرکاری افسر سے ان کے باٹوں کا امتحان کرنا ہے۔ تو ایسے موقعہ پر پورے وزن کا باٹ پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ باٹ عام طور پر اندر والے کوٹھہ میں پڑے ہوتے ہیں۔ کوئی شخص کچھ لینے یا دینے کو آتا ہے۔ شاگرد کو حکم دیتے ہیں۔ کہ اندر سے دوسیرا لے آؤ۔ شاگرد نادان ہے۔ پوچھتا ہے۔ کونسا دوسیرا لاؤں لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ کوئی دو چار دوسیرے ہیں۔ شاگرد سمجھ لیتا ہے۔ کہ لاحول والا دوسیرا لانا ہے جو سوا دوسیر وزن کا ہے۔ اگر کم وزن کا دوسیرا لانا ہے تو کہہ دیا کہ الله الله تم کیا پوچھتے ہو دوسیرا لے آؤ الله الله کا اشارہ سے وہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ پونے دوسیر والے کی ضرورت ہے

پورا لانا ہوا تو کہہ دیا۔ کہ دوسیرا جو ہے وہ لے آؤ۔ وہ پورے وزن کا دوسیرا لے آیا۔

بات یہ ہے کہ انسان کی طبیعت ترقی کو چاہتی ہے۔ ایک جگہ پر کھڑی ہو کر رُک نہیں جاتی۔ جب انسان دھوکہ فریب اور چھل کے راستہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو ہزار طرح کی اختراع وہ اپنے کام میں کامیابی کے واسطے ایجاد کر لیتا ہے۔ سنار اپنے پیشہ کے اُستاد ہیں: اُن کی بابت مشہور ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ مال ضرور ہی نکال لیا کرتے ہیں۔ زیور بنوانے والا کتنا ہی چالاک ہو ہر وقت سامنے بیٹھ کر ہی کیوں نہ زیور بنواوے۔ مگر وہ ایسے اُستاد ہیں۔ کہ چاہیں تو سارے کا سارا مال ہضم کر جاویں۔ ایک ساہوکار نے سنار کو اپنے گھر پہ بلوایا۔ اپنے مکان میں اُس کا دُکان لگوایا اور سامنے بیٹھ کر ایک بڑا قیمتی زیور بنوانے کو اُسے بہت سا سونا دیا۔ سنار ہر روز آتا۔ اور ساہوکار کے پاس بیٹھ کر زیور تیار کرتا شام کو ساہوکار کے سپرد کر کے گھر کو چلا جاتا۔ رات کو اپنے گھر میں بیٹھ کر اُسی نمونہ کا زیور کھوٹے اور ملاوٹی سونے کا تیار کیا کرتا۔ دونوں زیور برابر برابر بنتے رہے۔ جس روز زیور تیار ہو گیا کہا کہ اب یہ بالکل تیار ہے۔ صرف کھٹہ میں ڈال اس کو صاف کرنا ہے۔ یہ کھٹہ کا برتن ہے۔ آپ اس کو اس کے اندر ڈال دیویں کل صبح آکر اسے صاف کر دوں گا۔ ساہوکار جی نے زیور کو کھٹہ کے برتن میں ڈال دیا۔ اور بڑی خوشی سے رات کو سو رہا۔ ہم نے خالص زیور بنوا لیا ہے۔ سنار کے دھوکہ میں بیوقوف لوگ آیا کرتے ہیں ہم تو بڑے عقلمند ہیں۔ سنار بھی کیا یاد کریگا۔ کہ ایسے ایسے ساہوکار بھی ہوتے ہیں۔ جو ایک رتی بھر کھوٹ ملانے نہیں دیتے اگلی صبح سنار آیا۔ اور گھر کا بنایا ہوا زیور ساتھ لایا۔ ساہوکار جی کو کہا کہ کھٹہ کا برتن لے آویں۔ اس نے برتن لا کر سنار کے سامنے

رکھ دیا۔ ساہوکار کو کچھ فکر تو تھا نہیں۔ زیور تیار رہے۔ صرف اُس کو کُوچی اور بُرش سے صاف کرنا ہے۔ اس میں سے سنار کیا نکال اور ڈال سکتا ہے۔ بیفکر ہو گیا۔ سنار نے صفائی کرتے کرتے اپنا گھر کا بنایا ہوا زیور کھٹہ کے برتن میں ڈال دیا۔ اور اصل زیور کو چھپا کر اپنے کپڑے میں باندھ لیا۔ فوراً تیار کر کے زیور ساہوکار کے سپرد کر دیا۔ وزن میں پورا۔ رنگ ہیں خالص سونا۔ اجرت اور گھڑائی کی محنت بُہت کچھ تو ساتھ ساتھ لیتا رہا تھا۔ باقی کی اُجرت اور انعام بھی اُسی روز ساہوکار جی سے وصول کر لیا جو کہ اُنہوں نے بڑی خوشی سے اُس کو دیدیا۔

اسی طور پر ہر پیشہ کے بیشہ ور اپنے اپنے پیشہ کے اُستاد گنے جاتے ہیں۔ اہلکاران سرکار میں بہت سے ایسے ہیں کہ کوئی کاغذ اُن کے ہاتھ میں آ جاوے۔ جب تک کہ اس میں سے کچھ نہ کچھ وصول نہ کریں اُسے آگے کو چلنے نہیں دیتے۔ پیشی کا پرچہ بھی جب تک کچھ دے نہ جاوے اُن سے الگ نہیں ہو سکتا۔

امیر غریب خواندہ ناخواندہ۔ عالم۔ جاہل۔ نوکر۔ حاکم افسر ماتحت غرضیکہ کسی بھی صیغہ۔ رتبہ اور درجہ کے لوگ ہوں اُن میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جو کہ دھوکہ دیتے اور لوگوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ میں کن کن کا ذکر کروں۔ کیونکہ یہ کام تو اون لوگوں کا اپنا ذاتی کام ہے۔ ہر شخص خود جانتا ہے کہ میں کیا کرتا ہوں۔ مجھے تو سب سے یہی عرض کرنا ہے۔ کہ آپ لوگ کرپا کر کے اپنے اپنے دستور العمل پر وچار کریں۔ میں کسی رشوت لینے والے کو اور لوگوں کا مال چھل فریب اور دھوکہ سے اُڑا لینے والے کو بُرا کہنے کو تیار نہیں ہوں۔ عام طور پر لوگ وہی کام کرتے ہیں۔ جو آپ سے بڑوں اور معزز لوگوں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کو دنیا کی دولت کا پیار باقی سب چیزوں

ہے مگر کسی کسی کو اس سے بھی زیادہ دولت۔ اپنے مذہب عزیز

کے قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور یہ رسم کوئی آج کل
کی جاری شدہ نہیں۔ جب ہمارے باپ داداؤں بلکہ اُن کے
بڑے پڑیروں کے عہد میں بھی یہی حالت تھی تو جو کچھ اس
زمانہ میں ہو رہا ہے۔ یہ اُسی کا نتیجہ یا پھل ہے۔ اب ضرورت
اس امر کی ہے۔ کہ سب لوگ وچار کریں۔ کہ آیا جو لوگ عقلمندی
اور چالاکی سے دُوسروں کا مال لوٹنے اور دھوکہ دے کر اپنا
مطلب حاصل کرنے کو اپنے مفید مطلب جانتے ہیں ان کا یہ خیال
جادہ راستی سے کس قدر دور یا نزدیک ہے۔ اگر وہ غور سے ملاحظہ
فرماوینگے تو ان کو معلوم ہو جاوے گا۔ کہ وہ خود لوٹے جا رہے ہیں اور
دھوکہ میں آئے ہوئے ہیں۔ اگر ایک چالاک آدمی ایک نادان
بچہ کو ایک لڈو دے کر اُس کے ہاتھ کے کنگن اُتارتا ہے۔ اور خوش
ہوتا ہے اس کو اس قدر اور بھی وچار کرنا چاہیئے۔ کہ اس کنگن کے
حاصل کرنے میں نہ صرف اُس نے ایک لڈو ہی دیا ہے۔ بلکہ اپنا دھرم
دیا ہے۔ ایمان دیا ہے۔ امولیہ وقت اور عمر عزیز کا ایسا حصہ دیا
ہے۔ جو کہ کسی حالت میں واپس نہیں آ سکتا۔ اب مقابلہ کر کے
دیکھو کہ جو چیزیں دی ہیں۔ اُن کی قیمت کیا ہے۔ یہ ایسی چیزیں
ہیں۔ کہ اُن کی قیمت کسی بھی بادشاہ کے سونے اور چاندی
کے سکہ میں ڈالی نہیں جا سکتی۔ اور پھر یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جو کہ
ہمیشہ ساتھ رہتی اور سُکھ پہنچاتی ہیں۔ ان کو دیکر لیا گیا ہے وہ کیا
ہیں۔ سو روپیہ لاکھ روپیہ کا مال یا نقد۔ یہ تو ہرگز کسی کے پاس
رہ نہیں سکتا۔ آج آیا کل چلا گیا۔ یہی وقت اگر دھرم کے موافق
محنت۔ پرمارتھ اور کام کے کرنے میں خرچ کیا جاتا۔ تو جن
ضرورتوں کے پورا کرنے کو چوری۔ لوٹ اور فریب کا جال بچھایا
جاتا ہے۔ وہ سب ضرورتیں جائز طریقہ پر پوری ہو جاتیں۔ اور آپ
کی آتما کو پرمانند اور ابھے کا بے بہا خزانہ نصیب ہو جاتا۔

میرے دوست تو میں لوگوں کو یہ کہتے سنتا ہوں۔ کہ تحریر مختصر
ہونی چاہئے۔ جو زیادہ طویل نہ ہو لمبی تحریر کو کوئی پڑھتا نہیں ہے
تو اتنی محنت کرنے سے فائدہ کیا ہے۔ یہ درست تو ہے۔ مگر مختصر
اور دو لفظی باتوں کو بھی کون مانتا ہے۔ بزرگوں کا تو حکم ہے۔ کہ
ستیم بد۔ یعنے سچ بول۔ دھرم چر" یعنے دھرم پر چل۔ اگر لوگ اُس
کو مانتے تو شاستر کاروں کو لمبے لمبے ویاکھیان۔ اتیہاس گاتھا
کتھائیں اور النکار لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس واسطے ضرورت
ہے۔ کہ درخت کی جڑ جس گہرائی تک زمین کے اندر چلی گئی ہے اتنی
گہرائی تک زمین کو کھودا جاوے۔ اور جڑ کو نکالا جاوے۔ لوگ
معمولی اور سادھارن کاموں کو نہیں دیکھتے۔ کہ اُن کا پھل کیا ہوتا
ہے۔ پاپ کا درخت پیدا ہو جاتا ہے لوگ اُس کو پانی دیتے رہتے
اور حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ بڑا ہوتا اور پھل لاتا ہے۔
اُس وقت روتے اور پیٹتے ہیں۔ اُن کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا
کہ یہ پھل کس درخت کا ہے۔ مثلاً معمولی بات ہے۔ کہ لوگ اپنے
بچوں کو جو سکولوں میں پڑھنے کو جاتے ہیں۔ سکول میں بھوکھ کے
وقت کچھ کھانے پینے کی چیز خریدنے کے واسطے کچھ پیسے روزمرہ دیا
کرتے ہیں۔ یہ پیسے دیکر وہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ اپنا فرض ادا کر دیا ہے
وہ نہیں دیکھتے کہ اُن پیسوں سے اُن کے لڑکے کیا کیا بیماریاں خرید
کرکے اپنے جسم کے اندر ڈال رہے ہیں۔ ہم اگر اُن کو یہ کہدوں کہ
آپ لوگ۔ بچوں کو پیسے نہ دیا کریں۔ تو مجھ سے لڑنے لگیں اور کہیں کہ
واہ کیا ہمارے اور ہمارے بچوں کے خیر خواہ اور ناخواندہ مددگار آ
گئے ہیں۔ اس واسطے میں اس کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں
سب لوگوں کی حالت یکساں نہیں ہے۔ کوئی امیر ہے۔ کوئی غریب

اپنی حیثیت کے موافق کوئی تو روزمرہ ایک دو پیسہ اور کوئی دو چار آنہ
بچوں کو خرچنے کو دیتے ہیں بچے اُن پیسوں سے پکوڑے۔ چنے۔ آلو
کچالو۔ حلوہ۔ ملائی کی برف گول گپے۔ سوڈا واٹر۔ لیمونیڈ۔ برف۔ کچوری
بسکٹ۔ ریوڑیاں۔ چٹنی۔ اچار۔ لڈو پیڑے۔ برفی۔ نان خطائی اور سگرٹ
وغیرہ اناپ شناپ چیزیں خرید کر کھاتے اور پیتے ہیں۔ کوئی آدمی ایسا
نہیں ہے۔ جو کہ اُن چیزوں کی ساخت کے وقت اس بات کا نگران
ہو۔ کہ اُن میں ناقص گندہ اور سڑی ہوئی چیزیں۔ خراب آٹا۔ میدہ
گھی تیل وغیرہ نہ لگایا جاوے۔ چھابڑی والوں کی مرضی ہے۔ کہ جو
چاہیں لگاویں۔ اُن کی بڑی کوشش اس امر کی ہوتی ہے۔ کہ وہ چیز
سوادو اور ذائقہ دار ہووے۔ خوب مصالحہ۔ لال مرچ اور امچور کی کھٹائی ڈالتے
ہیں۔ کھانے والوں کو پیٹ کی بھوکھ کے دُور کرنے کا خیال اتنا نہیں ہوتا
جتنا کہ زبان کے چسکہ کا ہوتا ہے۔ اس واسطے جس قدر پیسے اُن کو گھر
سے ملتے ہیں۔ وہ اس سواد کے پورا کرنے کو کافی نہیں ہوتے چھابڑی
والے اُن کو اُدھار پہ سامان دینا شروع کرتے ہیں۔ بچے یا تو گھر سے
چوری کر کے اُن کو دیویں یا کسی بد عادت کا شکار ہو کر زبان کے چسکے کو
پورا کرتے رہیں۔ گھر میں جا کر روٹی اُن کو اچھی معلوم نہیں ہوتی اناپ
شناپ اور گندہ چیزوں سے پیٹ بھر کر وہ روٹی کو کہاں ڈالیں۔ یہ ایسی
تیز۔ تیکھی اور گرم مصالحوں سے بنی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن سے بچوں
کی مردانہ طاقتوں کو بہت سا نقصان پونچتا ہے۔ نظر کمزور ہو جاتی ہے
اور بہت سے انسانیت کے قابل بھی نہیں رہتے۔ میں امید کرتا
ہوں کہ اگر صاحب اولاد لوگ میری اس تحریر کو غور سے ملاحظہ فرماوینگے
تو اس سے اتفاق کریں گے اور ایسا انتظام کریں گے۔ کہ بچوں کو پیسے
نہ دیویں۔ اور اُن کی بھوک کے وقت میں کچھ ناشتہ کھلانے کا ایسا

انتظام کرینگے۔ جس سے مقوی اور صحت بخش غذا اُنکے معدہ میں جاوے
عام دستور ہے۔ کہ پڑھائی کے درمیان لڑکوں کو آدھ گھنٹہ کی رخصت ملا
کرتی ہے۔ اس وقت لڑکے گھروں میں جاکر اپنی ماتاؤں کے ہاتھ سے
پریم اور پریتی سے بنائی ہوئی خوراک اور غذا کو کھاکر پھر سکول میں
چلے جایا کریں۔ سکولوں کے ماسٹر صاحبان بھی اس کا مطالعہ فرماویں
اُن کے شاگرد اُن کے بچے ہیں۔ اُن کی بہبودی کو مدنظر رکھکر جس
قدر انتظام اس بُرائی سے بچانے کا وہ کرسکتے ہیں کریں۔ تو اس قدر
خرابیاں جو کہ بعد میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جن سے جاتی کی مریادا بگڑ رہی
ہے۔ جس کا بیج زمانہ تعلیم میں بویا جاتا ہے۔ جڑوں سے اُکھاڑی جاویں
بھارت کا کلیان بہت جلدی ہو جاوے۔

اچھا یہ تو ایک قصہ درمیان میں آگیا تھا۔ میں نے تمثیل کے طور
پر اس کو بیان کر دینا مناسب سمجھا۔ اور بیان کر دیا۔ بہت سے نازک
طبع ناظرین اگرچہ اس کو غیر موزوں اور بے تعلق مضمون تصور فرماوینگے
تاہم میں تو جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ کے جواب میں ایسا
کہنے والوں میں سے ہوں کہ تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولہو۔ فقرہ موزوں
نہیں بنتا تو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تو بوجھ سے تو دبوگے اس
بے تعلق موقعہ پر مجھے بھی اس بات کے لکھنے کا سامان یاد آگیا۔ کہ
اس کی طرف ناظرین توجہ دینگے۔ تو بہت سی معصوم روحیں پتت ہونے
سے بچ جاوینگی۔ اور جن لوگوں نے اُن کے طفیل سے پتت ہونا تھا
وہ بھی گراوٹ میں نہ آوینگے۔

اب میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ لوٹنے والا
ہونے سے لوٹا جانے والا ہونا اچھا ہے۔ اور دھوکہ دینے والا ہونے
سے دھوکہ کھانے والا ہونا افضل ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے

کہ اگر آپ لوٹے جاتے اور دھوکہ میں آتے ہیں تو آپ کا نقصان
تو ضرور ہوا۔ اور یہ کوئی نفع کا کام نہیں ہے۔ تاہم آئندہ کے واسطے
آپ اس آلس اور غفلت سے بچنے کا سبق لے سکتے ہیں۔ جس کی وجہ سے
آپ نے یہ نقصان اٹھایا۔ مگر اگر آپ لوٹتے اور دھوکہ دیا کرتے ہیں اور
پکڑے نہیں جاتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ آپ کی حرص کی آگ
روز بروز تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور آپ گناہ پر گناہ کرنے کے واسطے دلیر
ہوتے جاتے ہیں آخر ایک وقت آتا ہے۔ کہ کل پاپوں کا بدلا دینا پڑتا
ہے۔ جو آپ کی تباہی کے سامان سر پر لا گراتا ہے۔ میرے دوستو چور
چوری کرتے ہیں۔ مگر سرسبز نہیں دیکھے جاتے۔ جن کے گھروں میں چوری
ہوتی ہے۔ اُن کو پرماتما سب کچھ دیتا ہے۔ اپنے نیک کسب کی وجہ سے
پھر ویسے کے ویسے ہو جاتے ہیں۔ پتت پاون کے دربار میں حاضر ہوکر
اگر آپ اس معاملہ پر وچار کرینگے تو یہ بات آپ کو معلوم ہو جاویگی۔ کہ
لوٹنا اور دھوکا دینا نہایت ذلیل اور مذموم کام ہے۔ جس مطلب کے
واسطے آپ ایسا کرتے ہیں۔ وہ مطلب آپ کا اسی وقت کو محنت پرشارتھ
اور نیک کمائی میں خرچ کرنے سے اس سے بہتر طور پر پورا ہو سکتا ہے
پس اگر آپ اپنا کلیان چاہتے ہیں۔ اپنی سنتان۔ کُل اور خاندان کا کلیان
چاہتے ہیں۔ اپنی جاتی دیش سارے سنسار اور پیارے ہندوستان
کا کلیان چاہتے ہیں۔ تو آپ لوٹنے والوں اور دھوکا دینے والوں میں
سے ہرگز نہیں۔ لوٹے جاویں تو اتنا مضائقہ نہیں ہے۔ لوٹنے والے
نہ نہیں۔

نوٹ

اگر آپ اپنا اور اپنی سنتان کا بھلا چاہتے ہو۔ تو ویش اور جاتی کے یتیم
بچوں کو آوارگی سے بچاؤ۔ کیونکہ انہی کے بگڑنے سے آپ لوگوں کے
بچے بگڑتے ہیں۔

منیجر آریہ یتیم خانہ چنگڑ محلہ موری دروازہ لاہور

استریوں پر اتیاچار

کی کوئی حد نہیں ہے۔ مختلف طریقوں سے ان پر ظلم وستم روا رکھے جاتے ہیں۔ بنگال میں ایک ۷۲ سال عمر کے آدمی کی منگنی ۱۳ سال عمر کی کنواری کنیا سے ہوئی۔ اس کنیا کے ماتا پتا مر چکے تھے۔ کسی سمبندھی نے چار سو روپیہ لیکر کے یہ سمبندھ کر دیا تھا۔ اس مہاشہ کا ایک لڑکا پینتالیس سال عمر کا ہے۔ اور کئی پوتے ہیں جن میں سے بڑا پوتا ۱۷ سال عمر کا ہے۔ کنیا کو جب پتہ لگا۔ کہ اس کیساتھ ایسا اتیاچار ہونے والا ہے۔ اُس نے بواہ سے انکار کر دیا۔ مگر بواہ کا شوقین بوڑھا مہاشہ بواہ کرنے پر مصر رہا۔ لڑکی نے جب دیکھا۔ کہ اس کا پیچھا نہ چھوٹیگا۔ دو بھدر پُرشوں کی امداد سے روپوش ہو گئی اور اس مہاشہ جی نے ان دونوں پر نالش دائر کر دی ہے۔ ہندو جاتی اگر اپنی معصوم کنیاؤں کو اس قسم کے ظلم سے بچا نہیں سکتی۔ تو خود حساب لگا کر دیکھیے کہ اس کا خاتمہ کتنے سالوں میں ہو جاویگا۔

کامی پُرش۔ اپنی کام چیشٹا کی خاطر ایسے نامناسب طور پر بواہ کرکے کنیاؤں کو بدھوا بناتے ہیں۔ جب بدھواپن کی مہر اُن کے نام پر لگ جاتی ہے پھر طرح طرح کی مصیبتیں اُن پر وارد کرتے ہیں۔ جاتی کے نیتا اپنی اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کو اس سوال پر توجہ دینے کی فرصت نہیں ہے۔ اس حالت میں سوائے پرمیشور کے کون ہے۔ جو اُن کی فریاد کو سُنے ایسے ایسے انیک اتیاچاروں کی وجہ سے اور بہت سے انرتھ ہونے لگے ہیں۔ عورتوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔ اس واسطے بواہ کے امیدوار مردوں کو عورتوں

کا ملنا بڑا مشکل ہو رہا ہے۔ اس دقت کو رفع کرنے کے واسطے عجب تجویز نکالی ہے جن
ہندو لوگوں نے دور کرنے کے واسطے عجب تجویز نکالی ہے جن
رشتوں میں بواہ کا کرنا ممنوع تھا۔ یہاں تک کہ ایک ہی باپ
کے بچوں لڑکے لڑکیوں یعنے بھائی بہنوں کا بواہ ہونے لگا
ہے۔ اور ایسے ممنوع بواہ سناتن دھرمی پنڈت دھرم شاستر کے موافق
کرا رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا بواہ گڑھ مکتیشر میں ہوا۔ ایک شخص نتھو گر
نامی کی دو عورتیں ہیں بڑی کے پیٹ سے لڑکا ہے اور چھوٹی
سے لڑکی۔ ان دونوں کا بواہ سناتن دھرم سبھا مراد آباد کے
اُپدیشک نے کروایا۔ اسی گھر سے برات روانہ ہوئی اور دوسرے
راستہ سے ہو کر اُسی گھر میں داخل ہوئی۔

ہندو دھرم شاستروں کے حکموں کی تعمیل کو چھوڑ کر اور
اُن کے عین برخلاف آچار بوہار کر کے بھی اس جاتی کے
لوگ ہندو کہلائینگے؟ اس کو جاتی کے نیتا وچار کریں۔

ہمدردی حیوانات

گذشتہ ماہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں بمقام امرت سر بزرگان اسلام
نے بڑی فیاضی اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا۔ اور ایک ایسا
ریزولیوشن پاس کر دیا کہ آئندہ عید الضحیٰ کے روز مسلمان
لوگ گائے کی قربانی نہ کیا کریں۔ اس ایک احسان سے
ہندوستان اور دیگر ممالک دنیا میں جس قدر بھی اہل ہنود
رہتے ہیں وہ سب اپنے مسلمان بھائیوں کے مشکور اور ممنون

ہیں۔ اس کے بعد سنا گیا کہ مقامات امرتسر اور قصور وغیرہ میں مسلمان بھائیوں نے عام جلسوں میں قرار دیا کہ نہ صرف عید کی قربانی بند ہو بلکہ دوسرے طور پر جو گاواں ذبح کی جاتی ہیں وہ بھی بچائی جاویں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ مسلم لیگ کے اس فرمان کی تعمیل پورے طور سے ہو جاوے چونکہ عام خطہ ہند میں بہت سے علاقے ایسے ہیں۔ جہاں کے لوگ ان پڑھ ہیں۔ اور وہاں نہ کوئی اخبار ہی جاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو اُس کی اطلاع تک نہیں ملی اس واسطے مناسب ہوگا۔ کہ مسلم لیگ کی طرف سے لاکھوں پرچے شایع ہو کر ملک کے ہر ایک حصہ اور گاؤں گاؤں میں مشتہر کئے جاویں۔ ہر علاقہ کے مولوی اور مُلان صاحبان کل مسلمانوں کو خبردار کر دیویں۔ اور برادران اسلام پر ترک گاؤکشی کی ضرورت نہ صرف اس ہنود کی خاطرداری اور رضا جوئی کے اصول پر جتلائی جاوے۔ بلکہ اُن کے مذہب کی روایات اور اُن کے بزرگان دین کی خلق خدا کی نسبت رحم کے جذبات اور مجرب ہدایات پر مبنی ہووے سو بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اس کام کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اور حسب ذیل نوٹ ان کی طرف سے شایع ہوا ہے

ترک گاؤکشی

میں نے ایک کتاب ترک گاؤکشی کے نام سے لکھنی شروع کی ہے جس میں مذہبی۔ تمدنی۔ اقتصادی۔ طبی و سیاسی حیثیت سے ترک گاؤکشی کی ضرورت ثابت کی جائیگی۔ آج تک صدہا رسالے اور مضامین اسی مسئلہ کی نسبت چھپ چکے ہیں۔ مگر

اُن میں شاید یہ مجموعی انداز ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ اور نہ اُنکی عام اشاعت ہوتی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ بقرعید سے پہلے یہ کتاب تمام قصبات اور دیہات میں تقسیم ہو جاوے۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ خلافت کمیٹیاں اس خدمت کو عمدگی سے انجام دے سکینگی چھپائی اور کاغذ کے خرچ کے لئے کم از کم پانچہزار روپیہ درکار ہیں اگر آپ کے ناظرین اس میں حصہ لینا چاہیں تو جناب لالہ پارسداس صاحب گورنمنٹ خزانچی و آنریری مجسٹریٹ دہلی کے نام چندہ بھیج دیویں۔ جنھوں نے اس کی چھپائی کا اہتمام مہربانی سے قبول کر لیا ہے۔ اور خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب پنشنر سشن جج دہلی بھی لالہ صاحب کو چھپائی اور تقسیم میں مدد دینگے۔

دستخط "حسن نظامی"

امید ہے کہ جو لوگ گو ہتیا کو بھارت بھومی سے دور کئے جانے کی تمنا دل میں رکھتے ہیں۔ وہ اس نیک کام میں ضرور حصہ لیں گے جو کچھ آپ دے سکتے اور اپنے دوستوں سے لے سکتے ہیں۔ جمع کر کے مندرجہ بالا پتہ پر بہت جلدی بھیجدینگے۔ وقت بہت تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

خود غرضی جب انسان کی آتما اور من پر قبضہ کر لیتی ہے تو وہ ایسے کام کرتا ہے۔ جس کو فی الفور نفع رساں سمجھتا ہے۔ چاہتا ہے۔ کہ جو کچھ منافع اور مفاد یا پیداوار کسی خاص انسان یا کاروبار سے پیدا ہو جا

یا بیجان پدارتھ سے اُسے مل سکتا ہے۔ وہ فوراً مل جاوے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اس کا فائدہ کوئی دوسرا بھائی اُٹھا لیوے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک مرغی ہر روز طلائی انڈا دیا کرتی تھی اُس نے وچار کیا۔ کہ کیوں نہ ایک ہی دفعہ مرغی کے پیٹ سے سب کے سب انڈے نکال لئے جاویں۔ مرغی کا پیٹ چاک کر دیا۔ اندر سے کچھ بھی نہ نکلا۔ جو لوگ کسی ملازمت یا کاروبار میں سے اپنے واسطے ناجائز مفاد اُٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ ایسا ہی کرتے ہیں ہر روز کا انڈا تو وہ ہے۔ جو اُن کو جائز طور پر بصورت تنخواہ یا منافع کے لگاتار ملتا رہتا ہے۔ جس سے وہ اپنا گذارہ کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ ہم اس سے بہت زیادہ منافع اس کاروبار سے نکال سکتے ہیں۔ وہ نکالنا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں کو اُن سے کام پڑتا ہے۔ اُنکو دق کرکے اُن سے بھینٹ لیتے ہیں۔ اگر اُن کے کام کی نگرانی کرنے والا ڈھیلا ہے۔ اُس نے اُن کے اعتبار پر کام کو چھوڑا ہے۔ تو اس اپنے کاروبار میں بھی ہاتھ مارتے ہیں۔ اگر اُن کی طاقت اتنی ہے۔ کہ وہ سمجھتے ہیں اُن کو اُن کی ناجائز حرکات کے واسطے سرزنش کرنے والا اور روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ تو اور بھی ہر طرح سے غریبوں کو لوٹتے اور نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً کسی عہدہ دار نے رنج کا کام کسی مزدور یا کاریگر سے کروایا۔ اُسے اُجرت کم دی یا نہ دی۔ غرضیکہ ایسے لوگ ہزار طرح کی ترکیب اپنے دھن اور خیالی فائدہ کے واسطے نکال لیتے ہیں۔ اور اُس کو عمل میں لاتے ہیں دیش اور جاتی کے بچوں پر لوگوں کا ادھکار ہے۔ یہ پرماتما کی طرف سے اُس وقت تک کہ اپنے واسطے کچھ کر نہیں سکتے۔ امانت ہیں پہلے امین تو ماتا پتا ہیں۔ جن کے دل میں پرماتما نے بچوں کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر چھوڑی ہے۔ مگر جب اُن کے دل میں ہی خود غرضی آجاتی ہے۔ بچوں کے وجود سے منافع اٹھانے کی ٹھان لیتے ہیں۔

۷۰-۸ سال کی لڑکی کی قیمت لے کر ۵۰-۶۰ سال کے بوڑھے کو بیاہ دیتے ہیں۔ اپنے دل کی خوشی کے واسطے ۸-۱۰ سال کے لڑکے کا بیاہ کر دیتے ہیں۔ اور ایسے ایسے بہت سے کام کرتے ہیں۔ جن سے بچوں کا سراسر نقصان ہوتا ہے۔ ماتا پتا کے بعد دادا اور چاچا وغیرہ رشتہ دار ہیں۔ جن کا فرض ہے کہ اپنے رشتہ دار یتیم بچوں کی پرورش اور نگرانی ایسے طور پر کریں کہ گویا وہ اُن کے اپنے بچے ہیں۔ مگر بہت ہی تھوڑے انسان ہیں۔ جو اپنے اس فرض کو جیسا کہ چاہیئے۔ ادا کرتے ہوں۔ زیادہ واقعات اس قسم کے ہیں۔ کہ ایسے بچوں سے اُن کے قریبی رشتہ دار نہایت ہی نازیبا اور نامناسب سلوک کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک تازہ واقعہ ہے۔ جس سے قریبی رشتہ داروں کے اپنے یتیم برادر زادگان اور بیوہ بھرجائیوں کے ساتھ سلوک پر روشنی پڑتی ہے

واقعہ

ایک شخص مسمی لالہ دھنپت رائے یتیم خانہ مظفر گڑھ کی شاخ لاہور واقعہ چونڈہ محلہ کے منیجر لالہ رام چند جی کے پاس آئے۔ اور بیان کیا کہ ان کو ایک نوجوان بیمار یتیم کے ٹھیرانے کیواسطے ایک فراخ مکان کی ضرورت ہے۔ جو کہ اچھی اور ہوا دار ہو میں نے لاہور میں ہر چند تلاش کی۔ مگر مجھے کوئی ایسا مکان نہیں ملا۔ آپ چونکہ یتیم خانہ کے منیجر ہیں۔ اور یتیم بچوں کی سیوا کا بوجھ آپ نے اوٹھایا ہوا ہے۔ آپ اس کام میں میری سہایتا کریں۔ یہ بچہ ایسا یتیم ہے جس نے یتیمی کی حالت میں اپنے حقیقی رشتہ داروں کے سلوک کا بڑا تلخ تجربہ کیا ہے۔ اور اُسی وجہ سے وہ بیمار ہو گیا ہے۔ لالہ رام چند جی کو سارے حالات سنکر بڑی حیرانی ہوئی اور ہمدردی اور ضروری معلوم ہوا کہ اس لڑکے کی سیوا کی جاوے۔ چونکہ

لالہ دھنپت رائے کو یہ جانتے نہ تھے۔ اُن کو کہا گیا کہ کسی سجن پُرش
کی سفارش اپنی درخواست پر لکھوا لاویں۔ چنانچہ لالہ خوشحال چند جی
اڈیٹر آریہ گزٹ لاہور کی سفارش آنے پر اس بیمار لڑکے کے
واسطے بڑا کمرہ خالی کروا دیا۔ اور اس میں اُسے ٹھیرایا گیا۔

اُس لڑکے نے اپنا حال اس طور سے سنایا۔

اُس کا نام سائیںداس ہے۔ اس کا باپ ضلع گجرات کا باشندہ
اُس کو ۷-۸ سال کی عمر میں یتیم چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ ایک بڑی
ہمشیرہ شادی شدہ تھی۔ اور دوسری ۵-۶ سال عمر کی کنواری
تھی۔ اور ماتا بھی تھی۔ دادا بھی موجود تھا اور ایک چاچا تھا۔ دادا
جو کہ اس کے باپ کے حین حیات میں ان کے ساتھ رہا کرتا تھا
اس کے باپ کے مرنے کے بعد اپنے دوسرے لڑکے کے ساتھ
شامل ہو گیا۔ یہ دونوں ملکر اس کی والدہ کے پاس آئے اور کہا
کہ زیورات جو تمہارے پاس ہیں اب تمہارے کس کام آدینگے
تم بیوہ ہو یہ ہم کو دیدو۔ ہم تمہارے واسطے مکان خرید دینگے
اس کی ماتا ان کی نیت کو تاڑ گئی۔ اور اس نے زیور نہ دیئے۔ یہ
دونوں اس گاؤں سے جہاں کہ اس لڑکے کا باپ مرا تھا چلے گئے
جہاں کہ اُس کا چچا رہتا تھا۔ اور کسی قسم کی ہمدردی اس خاندان
سے نہ کی۔ جبکہ سرپرست اس لڑکے کا باپ اور ان دونوں
میں سے ایک کا لڑکا اور ایک کا بھائی مر چکا تھا۔ اس گاؤں میں
اس کے دو ماموں بھی رہتے تھے وہ کچھ نہ کچھ امداد اُن کی کرتے
رہے۔ اس گاؤں میں یہ سب پانچ چھ سال تک رہے۔ جب
گذارہ کی کوئی صورت نہ رہی تو بیوہ اپنے بچوں کو لے کر ان کے
چچا کے پاس گجرات میں گئی۔ مگر اُس نے ان کو کہا کہ تم یہاں کیوں
آئے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں
ہے۔ مایوس ہو کر یہ تینوں یعنی بدھوا ماتا۔ لڑکا اور لڑکی ضلع

گوجرانوالہ کے ایک موضع میں گئے۔ جہاں کہ بڑی لڑکی اور اُسکا خاوند رہتے تھے۔ ایک سال تک اُن کے پاس رہے۔ یہ لڑکا بہنوئی کا مال مویشی چرایا کرتا تھا۔ اور روٹی سب کو اُس کے گھر سے مل جاتی تھی۔ ماتا بھی گھر کا کام کاج کیا کرتی تھی۔ بڑی لڑکی بیمار ہو گئی۔ اُس کا خاوند علاج کے واسطے اُسے لاہور میں لے آیا اور یہ سب بھی اُن کے ساتھ لاہور میں آ گئے۔ وہ لڑکی لاہور میں فوت ہو گئی۔ بہنوئی اپنے گھر کو چلا گیا۔ اور یہ سب گجرات میں آ گئے۔ بیوہ نے ایک ڈپٹی صاحب کے گھر خدمتگاری کی نوکری کر لی۔ تینوں کو روٹی اور ایک روپیہ ماہوار نقد ملتا رہا۔ اس عرصہ میں چچا گجرات میں نہیں رہا۔

اب چھوٹی لڑکی بارہ سال کی ہو گئی۔ چچا صاحب چک جھمرہ سے۔ جہاں کہ وہ رہا کرتا تھا آئے۔ اور بیوہ بھرجائی کی منت خوشامد کرنے لگے۔ اور بڑے پریم سے فرمانے لگے۔ کہ تم یہاں بڑی دُکھی رہتی ہو۔ تمہارا گذارہ نہیں ہوتا۔ یہ میرا اپنا بچہ ہے۔ میرا گھر تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ ایسی ایسی بہت سی باتیں بنا کر بدھوا کو مجبور کیا۔ کہ گجرات میں نہ رہے اور اس کے ساتھ چلی جاوے۔ والدہ کی مرضی نہ بھی تھی تو بھی وہ ساتھ لے گیا۔ وہاں جا کر بدھوا کو معلوم ہو گیا کہ دیور اُس کی لڑکی کو بیچنا چاہتا ہے۔ اُس کے دل کو سخت صدمہ پہنچا اور اس کے دماغ میں فرق آ گیا۔ چچا جی ان سب کو لاہور میں لے آئے اور بدھوا کو پاگل خانہ میں داخل کر دیا۔ مجھ کو پانچ روپیہ دے کر کہا کہ تم موٹر چلانے کا کام سیکھو میں ماہواری خرچ تم کو بھیجتا رہونگا یہ کہکر اور لڑکی کو ساتھ لے کر چک جھمرہ کو چلا گیا۔ میں نے خرچ کے واسطے اُسے کئی خط لکھے۔ مگر کسی کا بھی جب جواب نہ آیا۔ تو خود چک جھمرہ میں گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ چچا کے گھر میں بیدی گڑی ہوئی ہے۔ ہمشیرہ کے ہاتھ میں مولی بندھی ہوئی ہے۔ ایک پچاس

سال عمر کا بدشکل آدمی دولہا بنا ہوا بیٹھا ہے۔ میں نے اپنی بھین کے ہاتھ سے مولی کو توڑنا چاہا۔ مگر چچا نے خوب زور سے مارا۔ اور دھکے دے کر نکال دیا۔ ہر چند زاری کی۔ مگر کسی نے نہ سنی۔ گجرات میں جا کر ایک دکاندار کے پاس نوکر ہو گیا۔ ایک سال تک نوکری کی۔ وہاں لالہ دھنپت رائے نے میرے حال پر رحم کھا کر ایک گھڑی ساز کی دکان پر کام سیکھنے کو مجھے بٹھلایا۔ مگر چچا صاحب نے مجھے وہاں سے بھی نکلوا دیا میں روزگار تلاش کرنے لگا۔ چچا نے دھمکایا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گے۔ پھر لالہ دھنپت رائے کی مہربانی سے دو گھڑی سازوں سے یہ کام سیکھا۔ اور اپنی دوکان گھڑی سازی کی کھول لی۔ جو بوجہ اکیلا ہونے کے چلا نہ سکا۔ پھر لالہ لکھو رام اینڈ سنز کی دوکان پر ۔ ماہوار کا ملازم ہو گیا۔ مگر گذشتہ حالات کی یاد مجھے لگاتار ستاتی رہی۔ مجھے آرام اور چین نصیب نہ ہوا۔ زار زار رونے اور تفکرات نے میری صحت کو قائم نہ رہنے دیا میں کام کرنے کے قابل نہ رہا۔ اور دو ماہ کے بعد ملازمت سے علیحدہ ہو گیا۔ ان مصیبتوں کو یاد کر کے میرا جگر پھٹ جاتا۔ اور میں پھوٹ پھوٹ کر رویا کرتا تھا۔ میرے اعضائے رئیسہ خراب ہو گئے۔ اور میں سخت بیمار اور لاچار ہو گیا۔ لالہ دھنپت رائے نے اپنا سب کام چھوڑ کر میرا علاج شروع کیا۔ لاہور ہسپتال میں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب مجھے یتیم خانہ میں لے آئے ہیں۔ اپنے خرچ پر لائق دیسی حکیموں کا علاج کر رہے ہیں۔ چار پانچ روپیہ روز کا خرچ ہے۔ چار پانچسو روپیہ میرے پر اپنی گرہ سے خرچ کر چکے ہیں۔ علاج ہوتا رہا۔ آخر ۱۹ یوم کے علاج کے بعد رات کے ۱۰½ بجے آخری الفاظ یہ بولے: "افسوس

لالہ دھنپت رائے جی نے مجھ پر پانچسو روپیہ خرچ کیا۔ مگر میری قسمت ایسی ہی تھی۔ میں راضی نہ ہو سکا۔ پرمیشور ان کا بھلا کرے۔ اور یتیمخانہ کا اُپکار بھی نہ بھولوں گا۔" اتنا کہہ کر پران تیاگ دیئے۔ بر ہم دت ودیا رتھی کا اس وقت پہرہ تھا۔ ساری رات مردہ لاش پر پہرہ دیا گیا۔ دوسرے دن صبح کو انتیشٹھی سنسکار کیا گیا۔ لالہ دھنپت رائے جی کے ساتھ ۲۰ آدمی گجرات کے باشندہ آ گئے۔ اور یتیم خانہ کے کرم چاریوں اور ودیا رتھیوں نے ملکر کام کو کیا۔

لالہ دھنپت رائے جی کا نشکام سیوا بھاو قابل تعریف ہے۔ سجن پرشو وچار کرو۔ کہ آپ کے یتیم اناتھ بچے اور جاتی کے لال کس طرح سے تباہ ہو رہے ہیں۔ اور فرماؤ کہ اس واقعہ پر کسی حاشیہ چڑھانے کی ضرورت ہے؟

پتت جاتی کے لوگوں سے ہمدردی اور بارتالاپ

مہاشہ مول چند آریہ سیوک کوٹ چھٹہ کا پتر جیسا کہ اُنہوں نے بھیجا ہے۔ شایع کیا جاتا ہے۔

متر ورگو۔ شریمان پنڈت گنگا رام جی نے پتت اُدھار نامک پتر نکال کر جو اچھوت اور انیچ جاتی کا اور وشیش کر سارے دیش کا اُدھار کیا ہے۔ اس کے لئے ہر ایک دیش ہتیشی ان کا ممنون احسان ہے۔ پرماتما آپ کو اس سے ادھک بل دھرم سکاریوں کے لئے پردان کر کے دیر گاہ سلامت باکرامت رکھیں یہ میری ہاردک اچھا ہے۔

سجن پرشو۔ آج کل جو سجن بخیال خود اُچیہ جاتی کے ابھمانی بنے پھرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو جو کہ جاتی کے اصلی سیوک اور سچے خادم ہیں۔ انیتج اچھوت کہکر ساتھ لگنا تو درکنار اُن کے سایہ کو اپنے اوپر نہیں پڑنے دیتے۔ اُن سے آپ پوچھیں۔ کہ کیونصاحب آپ کس وجہ سے اُن کے ساتھ ویوہار نہیں کرتے۔ جبکہ وید بھگوان شاستر سمرتی آدی سب دھرم گرنتھ ان کو جاتی کا ایک نہایت ہی ضروری انگ جتلاتے ہیں۔ اور ظاہری معاملات بھی ان کے ساتھ برتنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ دیکھئے

وجہ اول۔ اگر آپ یہ کہیں۔ کہ یہ شودر ہیں۔ تو آپ کے جسم میں پاؤں کا درجہ شودر کا ہے۔ کیا آپ نے اسے کاٹ دیا ہے؟ کیا جب اس پر گندگی پڑتی ہے۔ یا خارش ہوتی ہے۔ اسے اپنے ہاتھ سے دور نہیں کرتے؟ جواب صاف ہے۔ کرتے ہیں۔

وجہ دوم۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ لوگ پاخانے صاف کرتے ہیں تو آپ ہی سوچیں۔ کہ کیا آپ کے گھر میں آپ کی دھرم پتنی یا بہو بیٹی بچوں کا پاخانہ نہیں اٹھاتی۔ اور کیا آپ پاخانہ کرکے جائے پاخانہ کو اپنے ہاتھ سے صاف نہیں کرتے؟ جب کرتے ہیں۔ تو کیا آپ اپنے گھر کی استریوں سے یا اپنے ہاتھوں سے کام لینا یا چھونا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر اُن غریبوں پر یہ ظلم کیوں روا رکھتے ہیں

وجہ سویم۔ اگر آپ کسی کے ان الفاظ پر وشواس کئے ہوئے ہوں کہ کبھی گدھا گائے ہو سکتا ہے؟ جو شودر اونچ بن سکیں۔ تو آپ سوچیں۔ کہ کبھی گائے گدھا بن سکتی ہے؟ جواب ملیگا۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر برہمن مسلمان عیسائی کیوں بن جاتے ہیں۔

صاحب من! معاملہ یہ ہے۔ کہ گدھا اور گائے علیحدہ علیحدہ

قسم کے جانور ہیں۔ اور برہمن شودر ایک ہی قسم کے انسان۔ جیسے
ایک آنکھ والا گدھا کانا گدھا اور دم کٹا گدھا لنڈا اور ٹانگ ٹوٹی
والا لنگڑا گدھا کہلاتا ہے۔ اسی طرح مانس خور انسان راکشس ان پڑھ
اور جاہل گنوار کہلاتا ہے۔ زانی پشاچ کہلاتا ہے۔ پرایا حق کھانے
والا چور کہلاتا ہے۔ مگر جونہی کانے گدھے کی آنکھ۔ لنگڑے کی ٹانگ
درست ہو جاوے۔ تو انہیں کوئی کانا لنگڑا نہ کہیگا۔ اسی طرح جس
انسان میں جو برائی ہے۔ وہ چھوٹ جانے پر انسان اس اوگن سے
بری ہوکر اصلی اودیش کو پالن کرکے اُچیہ کوٹی کا بن سکتا ہے امید
ہے۔ کہ ان تھوڑی سی وجوہات پر غور کرنے سے آپ کے دل میں ان
بھائیوں کے لئے ضرور ہمدردی پیدا ہوگی

اچھوت انیچ بھائیوں سے پرارتھنا

بھائیو! لوگ آپ سے متنفر ہوں یا آپ سے دُور دُور بھاگیں۔ مگر
آپ ان کے اس سلوک سے بُرا نہ مانیں۔ آپ اپنے سچے محسن آریہ
سماج کی طرف دیکھیں جو کہ سب تکلیفوں اور مصیبتوں کو سہن کر رہا
ہے۔ اور آپ کے اُدھار میں رات دن کوشاں ہے۔ آپ کا بھی
فرض ہے۔ کہ آپ اس کی طرف تیزی سے قدم بڑھائیں۔ اگر
آپ آریہ سماج میں پرویش کر چکے ہیں تو آریہ سماج کے نیموں
کے انوسار شدھ وستر شدھ بھوجن اور شدھ ویوہار کا پالن کریں
اور اگر ابھی شدھ نہیں ہوئے۔ تو فوراً شدھ ہوکر دوسرے بھائیوں کو
بھی اتیجت کرکے دیش اور جاتی کا کلیان کریں۔

مول چند آریہ سیوک کوٹ چھٹہ

پتت اُدھار کا سادھن وِدّیا کا پرچار ہے

ضلع مظفر گڑھ میں مظفر گڑھ سے جانب شمال ۷۰ میل کے فاصلہ پر قصبہ لیّہ ایک ریلوے سٹیشن ہے ضلع مذکور کی تحصیل کا صدر مقام یہاں پر ہے۔ اور پولیس کا تھانہ یعنے پولیس سٹیشن بھی ہے۔ اُبتدائے عملداری سرکار انگریزی میں یہ قصبہ کمشنری اور ضلع کا صدر مقام رہ چکا ہے۔ جب سرکاری انگریزی کا راج دریائے سندھ کے اُس پار تک ہوگیا۔ تو ضلع لیہ کا عملہ تو نیوں میں منتقل کیا گیا۔ اور کمشنری کا صدر مقام ڈیرہ اسمٰعیل خان کو چلا گیا۔ اور لیہ کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی ایک تحصیل کا صدر مقام بنا دیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب شمال مغربی سرحدی صوبہ کو پنجاب سے الگ کیا گیا اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا جو علاقہ دریائے سندھ کے پار واقعہ تھا۔ اِسی جدید صوبہ کا حصہ ہوگیا۔ اور دریائے سندھ کے اِس طرف میانوالی کا نیا ضلع بنایا گیا۔ تو لیہ کی تحصیل اس ضلع سے ملحق ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں افسران سرکار نے تجویز کی۔ کہ ضلع میانوالی کو ملتان ڈویژن سے الگ کرکے کمشنری راولپنڈی کے ساتھ شامل کیا جاویگا۔ تو لیہ کے لوگوں نے اعتراض کیا اور گورنمنٹ میں میموریل ارسال کیا کہ اس صورت میں لیہ کی تحصیل کو ملتان ڈویژن سے الگ نہ کیا جاوے۔ سرکار نے اسے منظور کیا۔ اور لیہ کی تحصیل کو ضلع مظفر گڑھ کے ساتھ ملا دیا۔ یہ قصبہ ایک عمدہ موقعہ پر آباد ہے۔ آب و ہوا اس کی بہت عمدہ ہے۔ آبادی ۹ ہزار کے قریب ہے۔ لالہ لیلارام اس قصبہ کے باشندوں میں سے ایک ایسا شخص ہے۔ جس کو اپنے

دیش اور جاتی کی پتن حالت کو ابھارنے کا خیال بچپن ہی کے زمانہ سے بیچین کر رہا ہے۔ اس نے نشچہ کیا۔ کہ جب تک۔ ہمارے دیش کا بچہ بچہ تعلیم یافتہ نہ ہو جاوے۔ اُنتی کا دروازہ ہم پر بند رہیگا۔ یہ شخص زمیندار بھی ہے۔ اور اُس کا عرایض نویسی کا کام بڑی کامیابی سے چل رہا تھا۔ مرد میدان ایسا ہے۔ کہ جن دنوں عرایض نویسی کا کام کرتا تھا دوسرے عرایض نویسوں کی طرح اُن عدالتوں میں جا کر فرش بچھا کر نہیں بیٹھا کرتا تھا۔ اس کی اپنی نشستگاہ پر لوگ آتے اور اپنا کام کروا کر عدالت میں عرایض اور درخواستیں پیش کیا کرتے تھے۔ اچھا قانون دان ہونے اور دیانتداری سے کام کرنے کی وجہ سے لوگوں کو اس پر اعتبار تھا اور افسران وقت بھی عزت سے پیش آیا کرتے تھے۔ اس پیشہ سے کافی آمدنی اُن کو ہوا کرتی تھی۔ مگر دیش کی گری ہوئی حالت کے درد نے اُس کو عیش اور آرام کی زندگی بھوگنے نہیں دی۔ آریہ سماج کی تعلیم کا رنگ بھی چڑھا ہوا تھا۔ سوچتے سوچتے اُس نے وچار کیا کہ اپنے قصبہ کے بچوں کے واسطے تحصیل علم کی سہولیت کو پیدا کرنے سے بہت کچھ ان کا مدعا پورا ہو سکیگا۔ میونسپل بورڈ مڈل سکول لیہ میں تھا اس نے دیکھا کہ جس قدر لڑکے قصبہ میں اس قابل ہیں کہ اُن کو سکول میں جانا چاہیئے۔ اس سکول میں نہیں جاتے اور بہت سے آوارہ پھر رہے ہیں۔ اور بہت سے ایسے غریب لوگوں کے لڑکے ہیں۔ جو کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے خرچ کے بوجھ کو اٹھا نہیں سکتے۔ اُس نے دیکھا کہ میونسپل بورڈ سکول کی پرائمری کلاسوں میں ۳۰ لڑکوں سے زیادہ پڑھنے کو نہیں جاتے۔ ۱۵۔ نومبر ۱۹۱۲ء کو آریہ سماج لیہ کے مندر ہی میں پرائمری کی پہلی کلاس جاری کر دی ایک مڈل پاس لڑکا جو کہ ان دنوں بیکار تھا۔ اُس کے سپرد یہ کام کیا

اور لوگوں کو کہہ دیا۔ کہ ۳ جماعت تک لڑکوں سے کوئی فیس نہیں
لی جاویگی اور تعلیم ہندی بھاشا میں شروع کی۔ لوگوں کے گھروں
میں جا جا کر سکول کے واسطے لڑکوں کو لانا شروع کیا۔ پہلے ہی مہینہ
میں پرائمری کی پہلی جماعت میں ۸۰ لڑکے داخل ہو گئے۔ اور
سکول میں آنے لگے۔ سال بھر کے اندر اس قدر محنت اور کوشش
کی ۲۰۰ لڑکا پرائمری کی پہلی اور دوسری جماعت میں پڑھنے والا
ہو گیا۔ اس طور سے محنت کرکے سنہ ۱۹۱۶ء میں پرائمری کی پانچویں
جماعت تک یہ سکول پہنچ گیا۔ طلبار کی تعداد ۳۵۰ تک ہو گئی میونسپل
بورڈ کے مڈل سکول میں کل تعداد لڑکوں کی اس وقت ۱۵۰ کے
قریب تھی۔ لالہ لیلا رام کا خیال تھا کہ قصبہ میں مڈل سکول موجود
ہے۔ پرائمری تک تعلیم کو پورا کرکے لڑکے اس مڈل سکول میں
داخل ہو جایا کرینگے۔ مگر جب اس سکول کے لڑکوں نے پرائمری کی
پانچویں کلاس کا امتحان پاس کیا اور میونسپل بورڈ کے مڈل سکول
میں داخل ہونے کو گئے تو اس سکول میں وہ داخل نہ ہو سکے
تب لالہ لیلا رام کو آگے چلنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔

بھراتری سکول لالہ لیلہ رام کے سکول کا نام ہے۔ اُس نے
جب دیکھا۔ کہ اس سکول کے لڑکے مڈل سکول میں داخل نہیں
ہو سکے تو شہر میں منادی کرا دی۔ کہ آج سے بھرانتری سکول مڈل
سکول ہو گیا ہے۔ کوئی لڑکا جس کو تعلیم کا شوق ہے۔ تعلیم سے محروم
نہ جاوے۔ جو کوئی آویگا اُسے داخل کیا جاویگا۔ پرائمری تک
لالہ لیلہ رام نے معمولی طور پر کام چلایا تھا۔ اب مڈل کرتا پڑا ضروری
ہوا کہ پرائمری سکول کو ریکگنائز کرایا جاوے۔ یعنے سرکاری منظور شدہ
سکول کا درجہ اس کو دیا جاوے۔ اس نے شہر لیہ کے باشندہ لالہ

گھنشام داس جی جو ایف۔ اے پاس ہیں۔ اور ٹریننگ کالج کا
امتحان جے۔ اے وی بھی پاس کیا ہوا ہے۔ جو کہ گوجرہ میں ۵۵ ماہوار
پاتے تھے۔ اور کئی سالوں سے محکمہ تعلیم میں کام کر چکے تھے۔ بولایا۔ وہ
اپنے وطن کی محبت اور اپنے علاقہ کے اندر تعلیم پھیلانے کے کام
کو ضروری سمجھ کر اپنے دیرینہ ملازمت کے کل حقوق کو چھوڑ کر
اور بجائے ۵۵ کے ۳۵ ماہوار لینا منظور کر کے اپنی سابقہ
ملازمت سے استعفا دے کر آ گئے اور بڑی محنت اور جانفشانی سے
کام کیا۔ پرائمری سکول کو سرکاری سکولوں کا درجہ مل گیا۔ اور مڈل
سکول کی پہلی جماعت جاری ہو گئی۔ آریہ سماج کے وسیع احاطہ میں
حسب ضرورت ساتھ ساتھ کمرے بھی تیار ہوتے گئے۔ چنانچہ ایک کمرہ بلاگت
۷۵۰ روپیہ کے لالہ اندر بھان صاحب پر وکھان سکول کمیٹی نے اپنے
خرچ سے تعمیر کروا دیا اور دوسرے کا خرچ لالہ لیلا رام نے اپنی گرہ سے
دیا۔ لالہ لیلا رام کی ہمت کو دیکھ کر آریہ سماج کے سب ممبروں نے اپنا ماہواری
چندہ دوچند کر دیا تھا۔ اور اور بھی جسطرح سے ہو سکا لالہ لیلا رام نے اس کام
کیواسطے لوگوں سے امداد لینی شروع کی۔ اپنا سارا کاروبار چھوڑ کر اسی کام کے
پیچھے لگ گیا۔ سکول ایک سال میں ایک جماعت کی ترقی کرتا ہوا منزل بمنزل
آگے کو چلنے لگا۔ ۱۹۱۵ء میں مڈل کی تینوں جماعتیں مکمل ہو گئیں۔ اب مڈل
کو ریکگنائز کروانے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ لالہ آسا رام ایف۔ اے ایس
اے وی سکنہ لیہ جو کہ کمالیہ کے ایم بی سکول میں ٹیچر تھا۔ لالہ لیلا رام
کے بلانے پر اپنی سرکاری ملازمت کے کل حقوق اور فوائد کو چھوڑ کر
لیہ میں چلا آیا۔ لالہ گھنشام داس پرائمری کا ہیڈ ماسٹر بنا اور لالہ آسا رام
مڈل کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ بڑی محنت اور کوشش سے مڈل سکول بھی ریکگنائز
ہو گیا۔ ۱۹۱۶ء میں اس سکول سے ۳۳ اور ایم۔ بی اسکول لیہ سے ۳۲

لڑکے مڈل کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اب لالہ لیلہ رام کو اور فکر
دامنگیر ہوگیا۔ کہ اُس کے قصبہ لیہ کے یہ ۵۷ لڑکے تعلیم کے واسطے
سارے کے سارے تو باہر جا نہیں سکینگے۔ بہت سے اعلےٰ تعلیم سے
محروم رہ جاوینگے۔ اور جو باہر جاوینگے۔ اُن کو بھی بہت سی تکلیف اور
خرچ کی زیر باری کا شکار ہونا پڑیگا۔ لالہ لیلا رام یوں تو بڑا سخت
آدمی ہے۔ مگر اپنی جاتی اور دیش کی ادھوگتی کا خیال کرکے اُسکا دل
بڑا نرم ہو جاتا ہے۔ اُسنے فوراً اعلان کر دیا۔ کہ اب یہ پھر اتری سکول
ہائی سکول کی منزل پر چڑھنے والا ہے۔ کوئی لڑکا جو ہائی سکول میں تعلیم
پانے کا خواہشمند ہے لیہ سے باہر نہ جاوے۔ اپریل سنہ ۱۹۲ء لیہ میں
ہائی سکول ہوگیا ہے۔ اور ہائی ڈیپارٹمنٹ میں لڑکوں کی تعداد ۸۰ ہے
جبکہ سارے سکول میں سوا چار سو لڑکا پڑھ رہا ہے۔ لالہ لیلا رام کو
لیہ کے لوگوں نے مدد کافی دی ہے۔ ہائی سکول کے واسطے ہیڈ
ماسٹر کی ضرورت تھی تو لالہ جگدیش متر بی اے بی ٹی جو عرصہ تین سال
سے ملتان ڈی اے وی سکول میں کام کر رہا تھا اور لالہ لیلہ رام نے
اس کی تعلیم ہی کے زمانہ میں اس سے اپنے قصبہ کی تعلیم میں امداد کرنے
کا وعدہ اور اقرار لے لیا تھا۔ لالہ لیلہ رام کے بلانے پر آگیا۔ اور ہیڈ ماسٹر
ہائی سکول کا بنایا گیا۔ لالہ دھرم چند صاحب ساہوکار ساکن چمن شاہ
نے اپنا وسیع اور فراخ مکان جہاں تک پہلے اس کے ایم بی مڈل سکول
لیہ کا مکان شہر کے باہر تعمیر ہوا مڈل سکول ہوا کرتا تھا جو کہ لالہ دھرم چند کے
والد بزرگوار لالہ آسا نند نے نیلام میں خرید لیا تھا۔ سکول کے واسطے برائے نام کرایہ پر
دیدیا۔ اور ساتھ ہی ایک ہزار روپیہ نقد سکول کے خرچ کے واسطے دیا۔ لیہ
کی پنچایت نے ۶۷ کنال اراضی جو کہ پنچایت کی ملکیت تھی مگر وہ کوئی کام نہ دیتی
تھی اس سکول کے واسطے دیدی۔ یہ اراضی بڑی قیمتی ہے۔ بیس پچیس ہزار روپیہ

سے بھی زیادہ قیمت کی ہے۔ اس میں لالہ بیلارام کا خیال ہے کہ سکول اور بورڈنگ ہوس کی عمارتیں تعمیر کی جاوینگی اور پھر بھی بہت سی اراضی بچ رہیگی جس سے بہت سا فائدہ سکول کے فنڈ کو ہو جاویگا۔ سکول کی بلڈنگ کے واسطے لالہ اندربھان جی بردھان سکول کمیٹی نے ۔ دس ہزار روپیہ دینا تو منظور کیا ہوا ہے۔ مگر اُن کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ صرف دس ہزار میں سکول کی عمارت مکمل تیار نہیں ہو سکتی۔ وہ گوارا نہ کرسکینگے کہ اُنکے نام کی یادگار قومی درسگاہ کی تعمیر کیواسطے لالہ بیلہ رام جی کو دوسرے لوگوں سے بھکشا مانگنی پڑے اور وہ دیکھتے رہیں۔ اسواسطے امید قوی ہے کہ سیٹھ اندربھان جی اس عمارت کیواسطے سارا خرچ اپنی گرہ سے دینگے جو خرچ کہ بیس اور پچیس ہزار کے درمیان اندازہ کیا گیا ہے باقی رہا بورڈنگ ہوس لیہ کے رتن لالہ ہرکشن لال جی کا نام بھارت ورش کا بچہ بچہ جانتا ہے جو کہ ہندو یونیورسٹی کے واسطے ایک لاکھ روپیہ بڑی خوشی اور خندہ پیشانی سے دان کر سکتے ہیں۔ جنکے چچا لالہ ہرجس رائے جی کی یادگار ایک بڑی عمدہ پختہ دھرم سال اور سرائے اسی موقعہ پر بنی ہوئی موجود ہے۔ جو وہ اپنے حین حیات اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرا گئے۔ تو کیا لالہ ہرکشن لال جی کے پتا بزرگوار لالہ چیلا رام جی کی یادگار میں لیہ ہائی سکول کے واسطے بورڈنگ ہوس کا اُنکے خرچ پر تعمیر ہو جانا کوئی بڑی بات ہے۔ لالہ بیلارام جی کو یقین ہے کہ لالہ ہرکشن لال جی ضرور اپنے والد بزرگوار کی یادگار میں بورڈنگ ہوس کی عمارت کو مکمل کروا دیگی۔

باوجود ان سب امیدوں کے لالہ بیلارام جی کو روزمرہ اس کام کی تکمیل کی فکر رہتی ہے۔ قریب ۹۰۰ روپیہ ماہوار کا خرچ سکول کا ہے اور ۴۰۰ ماہوار کے قریب آمدنی فیس کی ہے۔ لالہ ہرکشن لال جی نے سائنس اپریشن

کے واسطے مبلغ ۲۳۰۰ روپیہ نقد دیدیا ہے۔ اور خرچ کی کمی کو پورا کرنے کے
واسطے دو سال تک ۵۰ ماہوار کے دینے کا اقرار کیا ہے۔ اور ایک سال
کیواسطے مظفر گڑھ کے وکلا صاحبان نے بھی ۵۰ روپیہ ماہوار دینا کیا
ہے۔ پھر بھی چار سو روپیہ ماہوار کا گھاٹا ہے۔ مگر لالہ لیلا رام کو بھی دُھن تھی
وہ بھکشا کیواسطے بلوچستان کوئٹہ نوشکی۔ دُزداپ اور ایران تک چکر
لگا آیا ہے۔ امید ہے۔ کہ پرماتما کی دیا سے اس کا یہ کام مکمل ہو جاویگا
لیہ نواسی صاحبان جو کہ بیرونجات میں برسر ملازمت ہیں ان میں سے
قریب ایک سو صاحبان نے اپنی اپنی ایک ایک ماہ کی آمدنی کا دینا
منظور کیا ہے جو رقم وصول ہو گئی تو ۶-۷ ہزار تک ہو جاویگی ساتھ
ہی بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہ سردار ہری سنگھ صاحب انسپکٹر مدارس
کی مہربانی سے یہ ہائی سکول بھی ریکگنائز ہو چکا ہے۔ جس طور سے یہ
سکول نومبر ۱۹۱۲ء میں جاری ہو کر ۱۹۱۶ء میں پرائمری مکمل ہو گیا
۱۹۱۹ء میں مڈل مکمل ہو کر ۱۹۲۰ء میں ہائی سکول بن گیا۔ دو تین سال
کے اندر امید قوی ہے کہ ہائی سکول مکمل ہو کر کالج کی دو کلاسیں بھی اس
میں جاری ہو سکتی ہیں۔ اور یہ کچھ بڑی بات نہیں ہے بتعمیل لیہ کے
لوگوں سے خصوصاً اور ضلع مظفر گڑھ میانوالی اور ڈیرہ غازیخان ڈیرہ
اسمعیل خاں کے لوگوں سے بھی امید ہے کہ اگر وہ اس طرف توجہ کرینگے
تو لیہ میں علاقہ مغربی پنجاب کا تعلیمی مرکز بہت جلد قایم ہو جاویگا۔ اور
پنجاب میں ضلع مظفر گڑھ تعلیمی لحاظ سے سب سے پیچھے سمجھا جاتا ہے
پرماتما کی دیا سے پنجاب کے بہت سے اضلاع سے آگے بڑھ جاویگا
سچ کہا گیا۔ کہ ہمت کا حمایتی رب ہے۔ ہمت اور مضبوط ارادہ
ہی کامیابی کا ہمراہ ہیں۔ ہم لالہ لیلا رام کو اسکی کامیابی پر مبارکباد دیتے
ہیں اور پرماتما سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ اُسکے کام میں سپھلتا دیویں

جنوبی ضلع مظفر گڑھ کی سنسکرت پاٹشالا کا حال

پنڈت ادھار کے ضمیمہ ستمبر میں درج ہوا تھا۔ ودیارتھیوں کی تعداد ۵۷ ہے نہ کہ ۲۵ جو کہ غلطی سے چھپ گئی۔ اور پانچوں لڑکے جو کہ پراگیہ پریکشا کیواسطے گئے تھے پاس ہو گئے ہیں پاٹ شالا کے ادھیا پک پنڈت ودیا ساگر اور دوسرے استادوں کا کام قابل تعریف ہے۔

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی شاخ لاہور کے ایک بھاگیرتی راجپوت لڑکے نے ویدک پراج کا امتحان دیا تھا وہ اس امتحان میں پاس ہو گیا ہے اور دو لڑکے جو کہ پراگیہ کے امتحان میں بھیجے تھے۔ دونوں پاس ہو گئے ہیں۔ ان میں ایک آنکھوں سے محتاج یعنے نابینا ہے ؛

یتیم خانہ مظفر گڑھ

کے واسطے ایک ودوان سداچاری اُپدیشک اور ایک بھجنیک کی ضرورت ہے جو کہ دوسرے دھارمک اور ساماجک سردھہنکاری مضامین کے ساتھ ساتھ بھارت کے اناتھ اور یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم کی ضروریات کو اچھی طرح سے جاتی اور دلیش کے سجن پرشوں کے سامنے ظاہر کر سکیں۔ جو صاحبان اس کام کو پسند کرتے ہوں وہ اپنی درخواست معہ سند ہائے کارگزاری کے سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ کے پاس بھیج دیویں۔ درخواست میں یہ بھی ذکر کریں۔ کہاں کی تعلیم کہاں تک ہے کوئی امتحان پاس کیا ہو تو اس کا بھی ذکر کر دیویں

المشتہر

گنگا رام سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ و شاخ لاہور

اوم

پتت اُدھار

حصّہ دہم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سُدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی کی تجویز سے

بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء مرتب ہو کر

گلزار ہند سٹیم پریس لاہور میں
باہتمام شیخ احمد علی چشتی پرنٹر چھپوایا گیا

اوم

حقیقی زندگی

زندگی راحت دوام نہیں ۔ زندگی رنج و غم کا نام نہیں
مطلقاً اپنے واسطے جینا ۔ باعث ہستیٔ دوام نہیں
زندگی ہے تو ہے وہی اے دل ۔ جس میں نفسانیت کا نام نہیں
نہیں سالوں پہ کچھ مدارِ حیات ۔ موت پر زندگی تمام نہیں
خاص بندوں کو ہے بقا حاصل ۔ ذکر محرومیٔ عوام نہیں
بعد مردن بھی زندہ ہیں یہ لوگ ۔ ان کی صبح بقا کو شام نہیں

زندہ ہیں جن کے نام جیتے ہیں ۔ مر کے بھی وہ مدام جیتے ہیں
ہاں سن اے زندگی کے شیدائی ۔ چھوڑ اندیشۂ تن و مائی
لازمی ہے رضائے خالق کو ۔ خدمت خلق سے شناسائی
حسرت آب زیست میں کتنی ۔ کی سکندر نے دشت پیمائی
لے گیا وہم اس کو تا ظلمات ۔ خواہش دل مگر نہ بر آئی
خاک سمجھا وہ رازِ ہستی کو ۔ تھا وہ صحرا نورد سودائی
ذکر ان کا نہیں حیات افزا ۔ موجب راحت و شکیبائی
روشنی کے تو ہیں وہی مینار ۔ جن سے اقوام کے ہوں بیڑے پار

ضروری درستی۔ قیمت ادھار حصہ نہم میں ٹائیٹل پیج پر تعداد ۲۰۰ چھپ گئی ہے۔ یہ غلطی رہ گئی۔ دراصل تعداد دیری ۲۰۰۰ چھاپی گئی ہے ناظرین ناراض نہ ہوویں۔ راقم گنگا رام سیکرٹری تیم خانہ مظفر گڑھ

پتت اُدھار

کے دس حصّے ناظرین کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں۔ گیارہواں حصہ پریس میں ہے۔ پتت ادھار کی پالسی اب ناظرین پر ظاہر ہو چکی ہے۔ جو جو ریویو اور رائیں سجن پُرشوں کی طرف سے اس رسالہ کی نسبت آئی ہیں۔ اور جو ریمارک اخبارات نے اس پر دیئے ہیں۔ وہ بھی ناظرین کے ملاحظہ سے گذر چکے ہیں۔ اس حصہ میں صرف ایک ریویو کا کچھ حصّہ درج کیا جاتا ہے۔ جو کہ شریمان پنڈت ہیم راج جی ویدوشارد گمٹی بازار لاہور نے بھیجا تھا اور وہ اب تک درج نہ ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ آپ جو رسالہ پتت اُدھار کے نام سے نکال رہے ہیں۔ ہم نے ان تینوں نمبروں کو بڑے شوق سے پڑھا ہے۔ ہم اس رسالہ میں وہ سب صفات پاتے ہیں۔ جو اس کے تحریر کرنے والے کی زندگی میں ہیں۔ اس رسالہ کی تحریرات جو ہر طرح کی بناوٹ سے صاف اور سادگی کی مورتی ہیں۔ ہمارے دل پر تو اس قدر اپنا اثر کرتی ہیں۔ جس کا ہم بیان نہیں کر سکتے۔ اس رسالہ کے مضمون کو پڑھتے ہوئے یہ ہی معلوم ہوتا ہے جس طرح پنڈت جی ہمارے پاس بیٹھے ہوئے زبانی بات چیت کر رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ ہر ایک سادگی کو پسند کرنے والا انسان اس رسالہ کا پاٹھ کر کے ضرور ہی اس سے پریم کریگا اور اُس کو ہمیشہ پڑھنے کی کوشش کریگا۔ ہم چاہتے ہیں۔ آپ لوگ کوشش کریں۔ کہ یہ رسالہ ہمیشہ نکلتا رہے۔ اور ہم پنڈت جی کے درشن ان کی سادہ تحریروں کے ذریعہ کرتے رہیں۔ پرماتما جی ہم لوگوں پر کرپا کریں۔ اور پنڈت جی کو ہر طرح سے تندرست اور لمبی زندگی عطا

کریں۔ تاکہ ہم لوگ جو دن رات اپنی خود غرضی میں ڈوب کر ہر ایک دھرم کے کاموں میں بہت کم حصہ لیتے ہیں۔ ان کی زندگی سے فائدہ اٹھاتے رہیں ہم اپنے چیت سے ان بھائیوں کو پنڈت جی کے چرنوں میں ارپن کرتے ہیں۔ اور اُمید کرتے ہیں۔ ضرور ہی قبولیت بخشینگے۔ ہیم راج وید لاہور

اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ ایسے ایک رسالہ کی ضرورت ہے۔ اب اس کا جاری رکھنا ناظرین کی خواہش۔ فراخ حوصلگی اور پرشارتھ پر منحصر ہے۔ ایک تو اتنا کام کریں کہ جن صاحبان نے اب تک اپنے حصہ کا چندہ ادا نہیں کیا وہ ارسال کردیویں۔ دوم اپنے دوستوں اور سمبندھیوں کو بھی پریرنا کریں۔ کہ اسکی خریداری منظور کرکے سال بھر کا چندہ فی الحال ۱؎ بھیجدیویں کاغذ کا نرخ چڑھا ہوا ہے۔ اور چھاپہ خانہ کی تکلیفات اور دقتیں بھی ایسی ہیں۔ جن کا مقابلہ بڑی مشکل سے کیا جاتا ہے۔ اور ڈاک کا خرچ بھی بوجہ نہ ہونے رجسٹری کے زیادہ ہو رہا ہے۔ چونکہ نو حصے نکل چکے اور یہ دسواں حصہ ہے۔ سال کی ایک جلد پورا ہونے میں صرف دو حصے باقی ہیں۔ اسواسطے ارادہ کیا گیا ہے۔ کہ باقی دونوں حصوں کو پورا کرکے پہلی جلد بارہ حصص کی مکمل ہو جانے کے بعد ماہ اکتوبر ۱۹۲۱ء کا رسالہ ڈیکلاریشن دے کر نکالا جاوے۔ اور اس کو ہر طرح سے اس قابل بنایا جاوے۔ کہ جس مدعا کے واسطے اس کا اجرا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس کو پورا کر سکے۔

گنگا رام ریٹائرڈ اوورسیر سکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ

منش جنم اور انسانی جسم بطور ایک درخت کے سمجھا جاتا ہے. اور اُس سے جیو آتما یعنے روح کو چار قسم کے نادر پھل مل سکتے ہیں. اور یہ زندگانی انسان کو اسی واسطے ملی ہے. کہ وہ اس سے ان چار قسم کے من بھاتے. دلربا اور خوشگوار پھلوں کو حاصل کرے. اور اُن کے بھوگ سے آنند بلکہ پرمانند کو پراپت ہووے:

یہ درخت بڑا انوکھا ہے. دنیا میں دوسرے جتنے بھی درخت ہیں. اُن کی جڑیں نیچے کو یعنی زمین میں ہیں. اور تنہ. ڈالی شاخ اور پتے اوپر کو یعنے آکاش میں ہوتی ہیں. مگر اس درخت کی جڑیں اوپر آکاش میں ہیں. اور باقی سب کچھ نیچے کو.

ایک آدمی بازیگر جس نے ورزش کا کام سیکھا ہے. سر کو زمین پر رکھ کر اور ٹانگیں اوپر کو کر کے کھڑا ہو جاوے. اس کی صورت درخت سے ملتی ہے. سر جڑ کی جگہ پر ہے. گردن چھاتی پیٹ کمر اس کا تنہ یعنے ٹرنک ہے. بازو اور ٹانگیں شاخیں ہاتھ پاؤں اور انکی انگلیاں ان کے پتے ہیں. سورگ کا حال بنانے والوں نے ایک درخت کا نام کلپ برکش بتلایا ہے. جو وہ کہتے ہیں. کہ سورگ میں ہے بہشت کا حال بنانے والے بزرگوں نے ایسے ہی ایک درخت کا نام طوبے بتلایا ہے. یہ ایسے درخت کہے جاتے ہیں. کہ اُن سے ہر قسم کے لذیذ پھل مل سکتے ہیں. غور کر کے دیکھا جاوے تو کلپ

برکش اور طوبےٰ اسی انسانی جسم روپی درخت کا نام ہے۔ جس
سے ہر قسم کے اچھے سے اچھے پھل مل سکتے ہیں۔ اگر ان کے حاصل
کرنے کی باقاعدہ کوشش کی جاوے۔

پہلا پھل اس درخت کا دھرم ہے۔ دھرم کو حاصل کرنے کے
جو طریق ہیں۔ اُن پر عمل پیرائی کرے۔ اور بلا روک ٹوک کے ودیا اور
گیان کے لابھ سے دھرم کے سروپ کو جانے اور اُسے اپنی زندگی
میں گھٹانے کا انتظام کر لیوے۔ جس عرصہ میں یہ پھل ملسکتا ہے اُس
عرصہ میں پرماتما نے ایسا انتظام کر رکھا ہے۔ کہ اپنے گذارہ کے
واسطے انسان کو کوئی فکر نہیں ہوتی۔ روزی کے واسطے محنت اور پُرشارتھ
کرنا نہیں پڑتا۔ ماتا پتا کا سایہ سر پر موجود ہوتا ہے۔ ہر قسم کی ضرورت
کے سامان وہ خود مہیا کرتے ہیں۔ اور آپ سکشا دیتے اور گورودں کے
حوالہ کرتے ہیں کہ ودیا اور دھرم کی تعلیم اُن کو دی جاوے۔ یہ عرصہ عام
طور پر پچیس سال کی عمر تک شمار کیا جاتا ہے۔ کیسا اچھا یہ وقت ہے
کوئی فکر نہیں۔ فاقہ نہیں۔ ضرورت کے سب سامان مہیا کرنے والے
موجود ہیں۔ جو بڑے پیار اور پریم سے سب کچھ لا کر دیتے ہیں اور
نہ صرف دیتے بلکہ اس کی ہر قسم کی تکلیف کو دور کرنے کے واسطے جان
تک دینے کو تیار رہیں۔ ضرورت اور آسایش کے ہر قسم کے سامان آپ
دُکھ اُٹھا کر اور بھوکے رہ کر بھی اپنی اولاد کے واسطے تیار کرتے ہیں
واہ پرماتما تو نے کیسی کرپا کی اور کیا ہی عمدہ انتظام اپنے امرت
پتروں کی پرورش اور سکھ کے واسطے کر چھوڑا ہے۔ دھنیہ تو ہے
اور دھنیہ تیری اپار مہما ہے۔ اس سورگی اوسر کو پا کر جنہوں نے
آپ کی آگیا کا پالن کیا۔ سمے کو اکارت نہ کھویا۔ ودیا گیان اور دھرم
کی پراپتی میں لگ گئے۔ انہوں نے سب سے ضروری اور سب سے

پہلے دھرم کے میٹھے پھل کو حاصل کر لیا۔ یہ پھل کیسا میٹھا ہے۔ کہ
سنسار کے اندر اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کی مٹھائی اس کا مقابلہ نہیں کر
سکتی۔ وہ مٹھائی قند ہو۔ شہد ہو۔ اس کی مٹھاس صرف اس وقت تک
ذائقہ دیتی ہے۔ جب تک کہ وہ منہہ کے اندر ہے اور حلق سے نیچے
نہیں گئی۔ ایک ہی چھن کے اندر ساری مٹھاس بیکار ہو جاتی
ہے۔ مگر یہ دھرم کا پھل ایسا میٹھا ہے۔ کہ ساری عمر تک دن اور
رات اس کا مزہ برابر لطف دیتا رہتا ہے۔ اور کبھی اور کسی حالت
میں اس کا سواد بدمزہ نہیں ہوتا۔ یہ پھل صرف میٹھا ہی نہیں اس
کی خوشبو ایسی عمدہ ہے جس کے برابر سنسار کا کوئی ایک پھول
تو کیا سارے پھول اور اُن کا عطر ملکر بھی ایسی فرحت نہیں دے
سکتے۔ جو کہ اس دھرم کے انوکھے پھل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی
مہک ہزاروں کوس تک پہنچتی ہے۔ اور ہزاروں سال تک لاکھوں
انسانوں کے دماغوں کو تازگی بخشتی رہتی ہے۔ پھر یہ پھل خوبصورت
کیسا ہے۔ اس کے آگے دنیا کی کوئی بھی خوبصورتی پر نہیں مار سکتی
ہزاروں اور لاکھوں اس کے طالبوں نے اپنی گردنوں پر تیز تلوار
اور کوہاڑہ کا وار بڑی خوشی سے لینا منظور کیا۔ دنیا کی دولت حشمت
مرتبہ اور کل عیش و آرام پر لات ماری۔ زندگی کو چھوڑا۔ اس
کی خوبصورتی نے ان کو ایسا گرویدہ کیا۔ کہ اس کی طرف پیٹھ دینے
کو وہ تیار نہ ہوئے۔ واہ پرماتما کیسا میٹھا۔ خوشبودار اور خوبصورت
پھل اس زندگی میں حاصل کرنے کا موقعہ آپ نے دیا۔ جس سے
کوئی تردد اور منتیں بھی کرنی نہ پڑے۔ یہ اتنا بڑا دان ہے جس
کے برابر کوئی دان ہو نہیں سکتا۔ پھر دیا کیسا بے منت بلا تکلیف
اور حیل حجت۔ کون ایسا دانی اس سنسار میں ہے۔ جو کسی کو

کوئی معمولی چیز بھی دیتا ہے۔ اُس کا فخر نہیں کرتا۔ تو کیا جو انسان ایسا نادر موقعہ پاکر اس کو کھیل کود۔ آلس اوباشی میں گذارتے ہیں۔ ناٹک تماشوں کشتوں اور وشنوں میں اُس دُرلبھ سمے کو کھوتے ہیں۔ وہ بے نصیب اور بدقسمت نہیں ہیں؟

پس اے چھوٹے بچو اور اے نوجوانو ذرا وچار کرو۔ آپ کو جو وقت ملا ہے۔ اس کی قدر کرو۔ کھانے پینے سونے اور تھپیڑوں میں نیند کے برباد کرنے میں اُس کو ضایع مت کرو۔ تمہاری زندگی کا یہ ایک ایک پل گذر جانے پہ لاکھ لاکھ روپیہ کو نہ ملیگا۔ جن کی قیمت تم نہیں جانتے۔ جیسا کہ ایک گنوار کو ایک لعلوں کا ڈھیر مل گیا۔ اُس نے جانوروں کے اُڑانے کے کام میں غلیلے بنا کر ان کو برباد کر دیا۔ خبردار اس وقت کو ضایع مت کرو۔ پچیس سال کی عمر تک تمہارے واسطے آزادی ہے۔ تم اس تجویہ اور کار بھین کو حاصل کرو۔ آپ کھاؤ۔ دوسروں کو کھلاؤ۔ زندگانی کا لطف اُٹھاؤ۔ اس وقت کا حاصل کیا ہوا یہ پھل تمہاری آخیر عمر تک کام آویگا۔ یہ ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ جوں جوں تم اُس کو خرچ کروگے بڑھتا ہی بڑھتا جائیگا۔ اسکو چور چورا نہیں سکتا۔ بھائی اور شریک تقسیم کروا کر اس کو گھٹا نہیں سکتے۔ راجہ ڈنڈ و بگڑا سے کم نہیں کر سکتا نہ آگ جلا سکتی۔ نہ پانی گلا سکتا اور نہ ہوا ہی اس کو اڑا سکتی ہے یہ ایسا عجیب ہے جتنا خرچ کروگے اٹوٹ خزانہ کی طرح کبھی ختم نہ ہوگا۔ ہمیشہ بھرپور رہیگا اور بڑھتا ہی بڑھتا جائیگا۔ اولگے جنم میں بھی ساتھ دیگا۔ اگر تم نے برہمچریہ کو پورا کر لیا ہے۔ تو شریر اور آتما کا بل خاص حاصل کر لیا۔ گیان کا حصہ لے لیا۔ سنسار میں نرواہ کرنے اور دھن کو کمانے کے قواعد۔ کسب اور فن سیکھ لئے

خیال کرو کہ تمہارے ماتا پتا اور گورووں نے تم کو اپنی منزل مقصود تک پہنچانے میں کتنا کام کیا ہے۔ اب تم ہر طرح سے لایق ہو۔ زندگانی کا سب سے پہلا سب سے میٹھا اور سب سے ضروری پھل تم نے لابھ کر لیا ہے۔ جو تم سے کسی صورت میں جدا ہونے والا نہیں ہے۔ اب وقت آ گیا۔ کہ اس زندگی کے عجیب درخت سے تم دوسرا پھل حاصل کرو۔ اُس پھل کا نام ارتھ ہے۔ دُنیا کا دھن دولت سامان۔ روپیہ۔ پیسہ۔ محل۔ زمین بلکہ املاک جتنے بھی پدارتھ اس سنسار میں ہیں۔ ان سب کو پہلے پھل دھرم کی حفاظت کرتے ہوئے اور اُس کو نہ کھو کر جائز اور مناسب طریق سے بذریعہ محنت پُرشارتھ۔ علم و دیا گیان۔ معرفت و گیان اور سائینس کے جو کہ برہمچریہ کے زمانہ میں حاصل کئے ہیں پیدا کرو۔ اس کا نام ارتھ ہے۔ جس کے کمانے میں پاپ اور جھوٹھ کی امداد نہیں لی گئی۔ یہ اس زندگانی کے درخت کا دوسرا پھل ہے۔ جتنے کہ سنسار میں بھوگ کے پدارتھ ہیں۔ جن کے بھوگنے کی استری پرش کامنا کرتے ہیں۔ ان کے بھوگ سے جو سُکھ اور آنند ملتا ہے۔ وہ کام کہلاتا ہے۔ جو کہ زندگی کے درخت کا تیسرا پھل ہے۔

جو دھن دولت دھرم کو چھوڑ کر پاپ سے کمایا گیا ہے۔ وہ دھن تو ہے۔ مگر ارتھ نہیں ہے۔ انرتھ ہے۔ روپیہ پیسہ سونا چاندی ملک جائیداد گھوڑا ہاتھی گائے بیل تو ہیں۔ مگر ان کے حاصل کرنے والے کو وہ سُکھ اور آنند نہیں ہے۔ جو ارتھ روپی دھن سے ملتا ہے جس شخص نے محنت اور پُرشارتھ سے دھرم انوکول دھن کو کمایا ہے۔ وہ بیفکر اور نشچنت ہو کر اس کو بھوگتا اور اس سے کام کا آنند لابھ کرتا ہے۔ اور جس نے چھل فریب سے چوری ڈکیتی

سے دھن کو حاصل کیا۔ اس کے پیچھے کتنے اُس کے دشمن لگے رہتے ہیں۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ دن بھر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ یہ دولت اس کے واسطے وبال جان ہے۔

ہر ایک شخص اپنی نسبت خود رائے قایم کر سکتا ہے۔ کہ اس کا کمایا ہوا دھن ارتھ ہے یا انرتھ۔ تاہم جو کچھ بھی ہے۔ دھن کا آخری مقام آگے کو چلنا ہے۔ جیساکہ بہتا ہوا پانی تازہ اور نرمل رہتا ہے۔ عفونت اور بدبو سے بچا رہتا ہے۔ گندے کیڑے مکوڑے اس کو اپنا گھر نہیں بناتے۔ زمینوں۔ زراعتوں اور باغات کو سیراب کرتا ہوا وایومنڈل اور سورج بھگوان کی کرنوں کے ذریعہ بادل بنتا۔ پھر بارش بن کر نیچی ہوئی اور دھوپ سے جلی ہوئی زمینوں کو زندگی بخشتا۔ نیا سینچتی۔ سبزی ترکاری۔ پھل پھول۔ اناج کے کھیتوں اور برکشوں کو سرسبز کرتا ہوا اور تازگی دیتا ہے مگر جو دھن قید کیا ہوا ایک انسان کے قبضہ میں رہتا ہے۔ اس سے نہ تو اُسی کا کچھ بھلا ہوتا ہے۔ اور نہ سنسار میں کچھ اُپکار اُس سے ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر حالات میں بُرائی اور پاپ کے کاموں میں اُس سے مدد ملتی ہے۔ غریبوں کو ستایا جاتا ہے۔ جایز طریق پر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی نہ کوئی دوسرا راستہ اُس کے خرچ ہونے کا نکل آتا ہے۔ چور چرا تے ہیں۔ آگ جلا دیتی ہے۔ بیماری اور مقدمہ بازی میں خرچ ہوتا ہے۔

پس اچھے اور سب کی بھلائی کے کاموں پر دھن کا خرچ لازمی اور ضروری ہے۔ لوگ چاہتے بھی ہیں۔ کہ اس طرح پر خرچ کریں مگر دھن کا لالچ ایسا ہے کہ اُس کو جدا کرنے کو دل نہیں چاہتا کوئی نہ کوئی بہانہ مل ہی جاتا ہے۔ جس وقت کوئی آفت آتی ہے مصیبت ستاتی ہے۔ بیماری آ دباتی ہے۔ یا کسی اور واقعہ اور دل

پڑھ کر لگنے کی وجہ سے ویراگ کا خیال دل کے اندر جاگزین ہوتا
ہے۔ تو دل میں خیال آتا ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ دان کریں۔ ایسے بہت
سے موقعے لوگوں کے سامنے آیا کرتے ہیں۔ اُس وقت پختہ ارادہ
کرتے ہیں۔ کہ ہم ضرور اس قدر دان کرینگے۔ مگر وقت گذر جاتا ہے
وہ حالت قایم نہیں رہتی۔ خوف دُور ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ
وہ خیال ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ اچھا اب نہ سہی پھر کبھی سہی۔ جیسا
کہ ایک آدمی کو کھجور پر چڑھنے کا شوق ہو گیا۔ کچھ وچار نہ کیا
چڑھنے لگا۔ اور کھجور کی چوٹی تک جا پہنچا۔ نیچے کی طرف نظر کرکے دیکھا
دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ اگر یہاں سے گر پڑا تو سر کی خیر نہیں ہے
اب چاہتا ہے۔ کہ کوئی غیبی مدد ملے اور صحیح سلامت زمین پر
پہنچ جاوے۔ اپنے اشٹ کو یاد کرتا ہے۔ پیر پیغمبر گورو اوتار کو
دھیان میں لاتا ہے۔ اور منت مانتا ہے۔ کہ اگر خیر و خوبی سے زمین
پر پہنچ جاؤں تو ایک سو روپیہ لے کر آپ کے دربار پہ آؤں اور بھینٹ چڑھاؤں
ارادہ مضبوط کر کے اُترنا شروع کرتا ہے۔ چوتھائی فاصلہ طے ہو گیا۔ پھر
اوپر اور نیچے کی طرف نگاہ کی۔ وہ پہلا سا خوف نظر نہ آیا۔ پہلے اقرار کی
ترمیم کر دی اور کہا کہ [illegible] تو ضرور لاؤنگا۔ آدھے فاصلہ تک اُترا
تو کہنے لگا کہ [illegible] لیکر خود آؤنگا۔ جب فاصلہ ایک چوتھائی رہ گیا
تو [illegible] کر دیئے۔ دو تین قدم کا فاصلہ زمین پر آنے میں رہ گیا۔ تو
وہاں سے کود کر زمین پر آ گیا اور بولا کہ اچھے بچے۔ آئندہ نہ کبھی
کھجور پر چڑھینگے۔ اور نہ دربار میں جاوینگے۔

ایک دولتمند آدمی بیمار ہوا۔ بیماری سخت تھی۔ اسکی عورت
اور رشتہ داروں نے کہا کہ اس وقت کوئی ہتیا دان کی کریں
کہنے لگا کہ اچھا جو دان تم لوگ مجھ سے کروانا چاہتے ہو اس کی

ایک فہرست تیار کرو۔ فہرست تیار ہوگئی تو اُن کو کہا گیا۔ کہ اس پر
دستخط کر دیویں۔ دستخط کرنے کو فہرست ہاتھ میں لی اور دستخط کرنے
سے پہلے اس پر لکھ دیا۔ میں مر گیا تو یہ دان دیا جاوے۔ اگر میں
بچ رہا تو میری مرضی۔ دان کا دینا بڑا اچھا کام ہے۔ من اور آتما
سے بڑا بھاری بوجھ اتر جاتا ہے۔ آدمی کا اُتساہ بڑھتا ہے۔ دل
کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ جسم لاغر۔ نحیف اور کمزور بھی ہو تو آتما
بلوان ہو جاتا ہے۔ جسم میں بھی طاقت آجاتی ہے۔ کئی طرح کی
بیماریوں کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ مگر دان بلا غرض اور مطلب
کے پر اُپکار اور سدھار کی نیت سے ہونا چاہئے اور پاتر میں جانا
چاہئے۔ دان کی پرنالی آجکل بگڑ رہی ہے۔ پیشہ ور دان کے کھانے
والے لاکھوں آدمی بن گئے ہیں۔ خاندانوں کے خاندان اور قوموں
کی قومیں دان پر پل رہی ہیں۔ نہ صرف پل رہی ہیں۔ بلکہ اتیاچار
کر رہی ہیں۔ دان دینے والے وچار نہیں کرتے۔ کہ انکے دان
کو لیکر دان لینے والے کیا کیا کام کر رہے ہیں۔ اس اُلٹی ریت
کو سدھارنے کے لئے سجن پرشوں کا کرتویہ ہے۔ کہ مناسب
طریق پر دان کا خرچ کرکے لوگوں کو دکھائیں کہ دان ایسے طریق پر
کیا جاتا ہے۔ جس سے ودیا اور گیان کی بڑھتی ہو۔ لوگ آلسی اور
لالچی بن کر لوگوں کو لوٹنے کی تجویزوں میں نہ لگے رہیں۔ بھلا غور تو
کرو۔ جس آدمی کو روزی کمانے کے واسطے اپنا وقت خرچ کرنا نہیں
پڑتا۔ گزارہ بلا محنت اور ہاتھ پاؤں ہلانے کے چلا جاتا ہے اس کا
سارا وقت فالتو ہے۔ اگر وہ سچا برہمن اور سنیاسی ہو۔ جیسا کہ پچھلے
زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔ تب تو وہ اپنے اس امولیہ سمے کو پرماتما
کے بھجن کرنے۔ شبھ کرم کا نمونہ لوگوں کے سامنے رکھنے۔ ودیا کے

پرچار۔ دھرم کے اُپدیش اور کوریتیوں کے سُدھار میں خرچ کریگا
اگر وہ مورکھ۔ نادان۔ آن پڑھ۔ آلسی اور کامی پرش ہے۔ تو ضروری
ہے۔ کہ وہ اس وقت کو بھنگ چرس وغیرہ نشیلی چیزوں کو استعمال
اور لوگوں کے واسطے فن فریب اور پاکھنڈ کے جال بچھانے میں
لگاوے۔ اور ایسے کوئی راستے اور طریقے نکالے جس سے لوگ
اُس کی مانتا زیادہ سے زیادہ کریں اور بڑی زیادہ شردھا سے
دھن دھان اور زر مال کو اُس کے چرنوں میں رکھ دیویں۔ اس
طور سے دنیا کے سامانوں کو حاصل کر کے وہ انتیاچار لوگوں کے
بگاڑ اور بھبچار کے سوائے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ جُوں جُوں لوگ
زیادہ شردھا سے اُن کی سیوا کرینگے۔ وہ بھی نئے نئے جال لوگوں
کو ٹھگنے اور وشے بھوگوں میں آپ پھنسنے اور لوگوں کو پھنسانے
کے کاموں کو زیادہ تیزی اور دلیری سے کرنے لگینگے۔ پس دان
کا لینا تو بڑے بھاری وِدوان۔ آپت۔ ستیہ وادی۔ سنسار کے
ہتکاری اور ہتیشی پرشوں ہی کا کام ہے۔ تاکہ جو سمے وہ اپنی روٹی
کے کمانے میں خرچ کر کے صرف اپنے واسطے روٹی پیدا کر سکتے
ہیں۔ اُسی سمے میں وہ ہزاروں آدمیوں کی روٹی کے پیدا کرنے کی
تجویز و نکو سوچ سکیں اور جو لوگ لاکھوں روپیہ کا مال اور سامان ہوتے
ہوئے دن رات دُکھ اور مصیبت کا شکار رہتے ہیں۔ اپنے ستے
اُپدیشوں سے ایسے لوگوں کو شانتی پردان کیا کریں۔ اور دنیا کے
گمراہ لوگوں کو پاپوں سے بچاویں۔ ایسے لوگوں کو دیا ہوا دان
دان نہیں ہے۔ جو شخص ہزار روپیہ ماہوار کا کام دیش اور جاتی
کی بھلائی کا کرتا ہے۔ اور وہ جاتی کے لوگوں سے صرف دو روٹی او
ایک لنگوٹی لیکر اس ذمہ داری کے کام کو کرتا ہے۔ کیا اس کا دیا ہوا

اَنّ اور بستر دان کہلا سکتا ہے یہ دان تو وہ ہے۔ جو کہ ایسے نردھن
درِدر۔ بیمار۔ اپاہج۔ اناتھ اور بدھواؤں کی سہایتا میں دیا جاوے
جنکے واسطے کوئی اور ذریعہ معاش اور گذارہ کا نہیں ہے۔

ارتھ روپی دھن سے سنسار میں آنند پھیلتا ہے۔ پراُپکاری
نرلوبھی۔ سداچاری۔ جگت کے ہتیشی اور نشکام بھاو سے جگت
کے سدھار اور پتتوں کے اُدھار کرنے والے لوگوں کو موقعہ ملتا
ہے۔ کہ اپنی رُچی کے انوسار پریم اور پربھی کیبیا تھ روزی کے کمانے
کے فکر سے رہائی پا کر ان کاموں کو اچھی طرح سے کریں۔

پاپی۔ پاکھنڈی۔ چھلی اور کپٹی لوگوں کے میدان سے نکالنے
کا یہی اُپاؤ ہے۔ کہ پہلے پُرشوں کو کام کرنے کا موقعہ دیا جاوے
یہ کام سدگرہستی دانی پُرشوں کا ہے۔ کہ وہ دان کُپاتر کو نہ دیویں جن
لوگوں نے گرہستی لوگوں سے دھن دان ہیں لے کر اپنے آرام اور
بھوگوں کے سامان اس قدر اور اس قسم کے اکٹھے کر رکھے ہیں
جو دنیا داروں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوتے۔ لوگوں کو تیاگ
کا اُپدیش کرتے ہیں اور آپ دن رات بھاگ کیلئے۔ اور یہی تجاویز
سوچتے رہتے ہیں۔ کہ لوگوں کو مونڈنے کا آسان طریق کیا ہے پھر
جو لوگ بیمار۔ اپاہج۔ لاچار۔ اناتھ اور بدھوا استریاں ہیں۔ اور
بیزبان گاوان جو ہیں۔ اُن کے واسطے سُوکھ کے سامان مہیا کئے
جا سکتے ہیں۔ جو دھن ایسے کاموں پر لگنا چاہئیے انہیں کاموں پر
لگیگا اور پاکھنڈی لالچی لوبھی پینا ڈی سادھوؤں کے پیٹ
میں جانے سے بچیگا۔ تو ضروری ہے کہ اس سے اُپکار کے کام سرانجام
پاویں۔

اب تیسرا پھل انسانی جسم روپی درخت کا جو ہے۔ اس کا نام

کام ہے۔ کام کیا ہے۔ سنسار میں جس قدر بھی بھوگ پدارتھ استری
پرشوں کو سُکھ دینے اور آرام پونچانے کیواسطے موجود ہیں۔ اُن
کے بھوگ سے جو آنند ملتا ہے۔ اور جس بھوگ سے کوئی پاپ
اور خوف اور لجا اور سنکوچ من میں نہیں آسکتا۔ اس خوشی
اور آنند کا نام کام ہے۔ مثلاً استری پرشوں کو اولاد کتنی پیاری
ہے۔ اس اولاد کا جو پیار ہے۔ ماتا کے دل میں جو بچوں کی ممتا
ہے۔ اس میں کوئی بگھن نہ پڑے۔ یہ کام ہے۔ گرہستھ کے اندر
جتنے سامان ہیں۔ پہرنے اور رہنے کے عمدہ عمدہ کپڑے اور
اچھے فراخ ہوادار پختہ مکانات ہیں۔ سواری کے واسطے طرح
طرح کے سامان ہیں۔ جن کے ذریعہ بڑے آرام سے انسان ایک
جگہ سے دوسری جگہ تک جاسکتے ہیں۔ اچھے اچھے باغ اور پھلواڑیاں
اور ہر قسم کے سامانوں سے جو سکھ ملتا ہے۔ یہ کام کہلاتا ہے
اسی سکھ کے واسطے لوگ محنت اور پرشارتھ کرتے ہیں اُسی کے
واسطے دھن کو کماتے ہیں۔ اس کے واسطے انیک پرکار کے دُکھ
اور کشٹ اُٹھاتے ہیں۔ اسی کو کام کہتے ہیں۔ مگر یہ آنند اور سُکھ
اُنہی لوگوں کو ملتا ہے۔ جنہوں نے دھرم کو نہیں کھویا اور پاپ
سے دھن کو جمع نہیں کیا۔ ایک غریب آدمی کے سُکھ سے لے
کرچکرورتی راج کے سکھوں کا نام کام ہے۔ ایک غریب آدمی
جو دن بھر محنت کرکے اپنے پریوار کے گذارہ کے واسطے کچھ دھن
کما کر لاتا ہے۔ رات کو اس کے آنے سے پہلے اس کی استری
بھوجن کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔ وہ گھر میں آتا ہے۔ لڑکے
اور لڑکیاں اس کے پاس آکر کوئی کھیلنے کوئی کلول کرتے ہیں دن
بھر کی محنت کی تکان دور ہوجاتی ہے۔ بچوں کی توتلی آوازیں اُسے

کتنا آنند دیتی ہیں۔ بچوں کے ساتھ بیٹھکر بڑے پریم اور پریتی سے بنایا ہوا اپنی پران پیاری کے ہاتھوں سے بیکر بھوجن کھاتا ہو ایسا شخص جس نے کسی کا قرض نہیں دینا ہے۔ نیز اپنی استری سے بات چیت کرتا ہے۔ اس سارے پروار میں جو آنند بھرپور ہو رہا ہے۔ اسی کا نام تو کام ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل ہمارے لوگوں نے کام کی مہماں کو جانا نہیں ہے۔ صرف یہ گیان لوگوں میں پھیل گیا ہے۔ کہ دولت سے سب سُکھ اور آرام ملتے ہیں اس واسطے دولت کے کمانے میں دھرم ادھرم کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ پاپ سے دولت آتی بھی زیادہ ہے۔ اسواسطے پاپوں کے ذریعہ دھن کمانے میں کوئی سنکوچ نہیں کرتے۔ اور چاہتے ہیں کہ ایسے دھن سے سُکھ اور آنند وہ ملے جسکو کام کہا جاتا ہے۔ یہ مشکل ہے۔ کہ آک کا بیج بویا جاوے۔ اور آم کا پھل ملے پس ہمارے لوگوں میں دھرم کی قدر جب نہیں رہی تو ارتھ دھن بھی جمع نہیں ہوتا۔ جب دھن ارتھ نہیں انرتھ ہے۔ تو کام بھی کام نہیں دُکام ہے۔ دولتمند لوگ خیال کرکے دیکھیں۔ کتنی فکر اور تردد اُن کو دامنگیر رہتی ہے۔ دن کو آرام نہیں ہے اور رات کو نیند اور چین کہاں سے مل سکتی ہے۔

چوتھا پھل اس انسانی جسم روپی درخت کا موکش بتلایا گیا ہے مگر ہماری جاتی کی حالت میں اسکی ابھلاشا کرنا ایسا ہی ہے۔ کہ لولا لنگڑا پُرش جس کا جسم کئی قسم کی بیماریوں کے زخموں سے چھلنی ہو رہا ہے۔ چکرورتی راجا ہونے کی تمنا کرے۔ جس جاتی میں استریوں پہ انیاچاروں کی کوئی حد نہیں ہے۔ سرکار کے دربار میں کسی نے کوئی فریاد کرنی ہو تو اس سے دو چار آٹھ آنہ کا کورٹ فیس اُس

عرضی پر لگانا پڑتا ہے۔ ان بیچاری ابلا استریوں نے اپنے جیتے شریروں
کو بلی دان دیا۔ مٹی کا تیل بدن پر ڈال کر اُسے آگ لگا کر جل مریں مگر
کسی نے اُن کی فریاد کی طرف توجہ نہیں کی۔ اپنی لخت جگر لڑکیوں کو
بھیڑ بکری کی طرح فروخت کرتے ہیں جس جاتی کے لوگوں کو عار نہیں
جس جاتی کے دو بوڑھے ایک دوسرے کے داماد اور خُسر بن کر بڑے
فخر سے ایک دوسرے کے دوست اور متر بن کر پریتی بھوجن کھاتے
ہیں۔ اس جاتی کے لوگ موکش کی اچھیا کریں۔ تعجب اور حیرانی کا مقام
نہیں تو اور کیا ہے۔ جس جاتی کی استریاں ان سے کوئی انصاف نہ پا
کر اور نا امید ہو کر دوسری جاتی کے لوگوں کا آشرا لیویں۔ یا کنوئیں۔
تالاب اور دریاؤں میں ڈوب کر مر جاویں۔ جس جاتی کے ہزاروں
اناتھ اور یتیم بچے بدیشی لوگوں کی دیا سے پرورش پاویں۔ اور دھرم
سے پتت کیے جاویں۔ مگر ان کو اپنی جاتی کے بچوں کا جاتی کے پروار
سے الگ ہو جانے کا کوئی بھی افسوس نہ ہو۔ اُس جاتی کے لوگ
اُنتی کے ادھکاری کب ہو سکتے ہیں۔ جس جاتی کے لوگ اپنے بھائیوں
کی بدھوا استریوں اور یتیم بچوں سے ایسی سختی کا سلوک کریں۔ کہ اُن
کو آنکھوں سے دُور کر کے دم لیویں۔ اُن کے واسطے مُکتی تلاش کر رہی ہو گی
کہ ایسے سجن کہاں رہتے ہیں۔ جس جاتی کے لوگ اپنے ہی بھائیوں اپنے
جیسے پرماتما کے امرت پُتر ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں نرناریوں کو اُن
کے اخلاقی اور مذہبی حقوق سے محروم کرنے ہی کو اپنی بڑائی اور بزرگی
سمجھتے ہیں۔ جو نہ صرف آپ ہی اتنے کمزور اور چھوئی موئی کے بوٹے
کی طرح صرف ایک انسان کا ہاتھ لگ جانے سے بھرشٹ ہو جانے
والے انسان ہیں بلکہ ان کا پرمیشور بھی ایسا ہی ہے۔ کہ وہ بھی ایک
شودر کے ہاتھ لگ جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تھوڑا عرصہ

گذرا پنجاب کے میدانی ایک ضلع کے رہنے والے دو درزی جو چھینبہ
جاتی میں سے تھے سولن کے پہاڑ پر گئے اور وہاں جا
کر اپنا کام سلائی پارچات کا کرنے لگے۔ اپنے اسنٹ کی پوجا کا خیال
ہر انسان کے دل میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے دھرم کی پیاس
کو بجھانے کا سادھن اُس پہاڑ پر ایک شوالہ یعنے شو کے مندر کو پایا
ہر روز صبح وہاں سنان کرکے جاتے اور شوجی کی مورتی پر جل کا لوٹہ
اور پھول پتر وغیرہ چڑھایا کرتے۔ کئی دن کے بعد مندر کے پوجاری
نے اُن کو روکا کہ تم مندر کے اندر مت جاؤ۔ اور جل کا لوٹہ شوجی مہاراج
پر مت چڑھاؤ۔ تم شودر ہو۔ شوجی بھرشٹ ہو جاتے ہیں۔ شرابی کبابی
اور بھنگی چرسی لوگوں کے جل سے تو شوجی بھرشٹ نہیں ہوتے
بیچارے غریب شردھالو بھگتوں کا جل ہی شوجی کو اپوتر بنا دیتا
ہے۔ آخر عدالت میں مقدمہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ ایک دھرم سبھا نے
اس پوجاری کا پکش لیا۔ مقدمہ بڑی دیر تک ہوتا رہا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا
کہ یہ لوگ اینٹ چونہ کی دیواروں کے اندر نہ جاویں جس میں کہ یہ مورتی
شوجی کی رکھی ہوئی تھی۔ مندر کے باہر ایک اور شوجی بنا کر رکھا گیا
کہ یہ لوگ اُس کے اوپر جل چڑھایا کریں۔ اور اندر والے شوجی کے پاس نہ
جاویں۔ جن کا پرمیشور اور شوجی چھوت کی وجہ سے اپوتر ہو جاتا ہے
اُن کے واسطے مکتی کا دوار کتنی دور ہے۔ وہ خود وچار لیویں۔ بس
اس جاتی میں اگر کوئی ایسے لوگ ہیں جو مکتی کے ادھکاری ہیں سب
سے پہلے اون کا فرض بھی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے مکتی پانے کے پروگرام
کو کچھ عرصہ کے واسطے ملتوی کر دیویں اور اس جاتی کے لوگوں کو سمجھا
دیویں کہ سنسار بھر کے لوگوں کو پاویں اور ادھرم سے چھوڑا کر دھرم کے راستہ
پر لانا۔ ارتھ اور کام کو حاصل کرکے موکش آنند کے واسطے تیار کرنا نہیں

لوگوں کا کام ہے۔ جنکو ویدک گیان بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ جس
کی وجہ سے یہ سارے سنسار کے گورو گذشتہ زمانوں میں تھے۔ اور
اب بھی ہو سکتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ نے آجکل دنیاوی دھن دولت
کے حاصل کرنے میں ترقی کی ہے۔ مگر یاد رکھو یہ دنیاوی دھن جو
ارتھ نہیں ہے۔ کسی کو شانتی نہیں دے سکتا۔ مہابھارت کا
جنگ اسی وجہ سے ہوا کہ پانڈوں نے بہت سی دولت جمع کر لی
اب جنگ مہا یورپ اسی وجہ سے ہوا کہ یہ دولت ایک خاص جاتی
اپنے قبضہ میں کرے۔ دوسروں کو اس کا شریک نہ بننے دیوے
اس کا انجام ابھی تک نہیں ہوا۔ نہ معلوم کیا ہوگا۔ ہمارے دیش
کے چند ایک سادھو۔ وویکانند۔ اور رام تیرتھ وغیرہ امریکہ میں گئے
اپنے دھرم کے کسی ایک انگ کا پرچار وہاں کیا۔ کتنے لوگ اُنکے
چرنوں پر جھکنے لگے۔ اور کئی اُن کے ساتھ اس دیش میں آئے ہمارے
دوسرے وِدوان بھی گئے۔ اور وہاں کے لوگوں کی شاگردی میں پڑ
کر اُن کے ہتھیار پکڑ کر اُن کی برابری کے سامان سوچنے اور بنانے
لگے ؛

اُن کو وچار کرنا چاہئے۔ کہ اُن کا پارٹ تو سنسار بھر کے لوگوں کو دھرم
اور سَت دھرم کا انو یائی بنانا ہے۔ جس سے سارے سنسار میں شانتی
کا راج ہو۔ اور قتل عام۔ خون اور غارتگری کا ستیاناس ہو وے
یہ لوگ کرپا کر کے وچار کریں۔ جتنا دنیا کے پیچھے جاویں گے
بھائی بھائیوں کو قتل کریں گے۔ بیٹے باپوں کو قید میں ڈالیں گے
خونریزی اور اشانتی بڑھتی جاوے گی۔ انسانوں کو قتل کرنے کے لئے
جتنے بھی اوزار تیار ہو چکے ہیں۔ اُن سے بڑھ کر مارکرنے والے ہتھیار
تو ہیں تیار کی جاوینگی۔ دنیا دوزخ کا نمونہ بن جاویگی۔ اس لئے بہت

زیادہ جتنی کہ اب ہے۔ دھرماتما تیاگی سچے سادھو سنیاسی اپنے دھرم اُپدیشوں نہ صرف زبانی بلکہ عملی جیون سے سنسار میں نمونہ دکھا دیں۔ لوگوں کو لوبھ لالچ۔ دھوکہ۔ چھل۔ فریب کا جیون تیاگ دینے کی پریرنا کرینگے۔ تب ہی پریم پریتی اور شانتی کا راج سنسار میں قایم ہوگا۔ نہیں تو بزرگوں کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا "دھرم چھوڑ دھن کوئی کھائے"۔ دھرمیو ہتو ہنتی دھرمو رکشتی رکشتا"

محبّت اور عداوت

ہر ایک آدمی جو کسی واقعہ یا نظارہ کو دیکھتا ہے۔ اپنے ہی حال خیال اور اپنے ارد گرد کے اثرات اور معلومات سے متاثر ہونے کی حالت میں دیکھتا ہے۔ اپنے کردار اور اعمال کو جس نظر سے دیکھتا ہے۔ دوسروں کے تعلقات کو اُس سے نہیں دیکھتا۔ مطلب آخر یہ نکلتا ہے۔ کہ عام طور پر لوگ اپنے گنوں۔ تکلیفوں۔ دقتوں اور مصیبتوں کو دیکھتے ہیں۔ اور دوسروں کے اوگنوں۔ نقصوں۔ دولت آرام اور فارغ البالی کو دیکھا کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو سادہ صاف سچا اور دھرماتما جانتے ہیں۔ دُوسروں کو کُٹل۔ پیچیدہ۔ جھوٹا اور پاپی سمجھتے ہیں۔ اپنے جن کاموں کو اچھا خیال کرتے ہیں۔ وہی کام دوسرے سے منسوب ہو تو اس میں کوئی نہ کوئی بُرائی بلکہ بہت بڑے درجہ کا دمبھ اور دکھلاوا دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ آجکل میں ہے یہ بھی ایک وجہ ہے۔ کہ لوگوں میں پریم اور محبت کا نام مفقود اور موہوم ہو رہا ہے۔ بد خواہی اور عداوت کا راج ہے۔ پاپ اور بُرائی

کی شہرت بہت جلدی پھیل جاتی ہے۔ بھلائی اور خوبی کو کوئی جانتا
بھی نہیں ہے۔ سُنی سنائی باتوں پر بہت سا اخبار لوگوں کے تعلقات
میں بگاڑ پڑ جانے کا ہو رہا ہے۔ کئی لوگ ایسے بھی ہیں۔ کہ وہ جن
کو اپنے برخلاف جانتے ہیں۔ وہ خواہ برخلاف نہ بھی ہوں۔ اُن کی
بُرائی ہر جگہ پر کیا کرتے ہیں۔ اور یہ عادت نقش جاتی کی ہو رہی ہو
کہ جو بات پہلے سنی جاتی ہے۔ وہ سُننے والے کے من میں اپنا گھر کر
لیتی ہے۔ اُس کے بعد جو بات اُس کی تردید میں کہی جاتی ہے۔ اُس پر
اتنی جلدی وشواس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پہلی بات کے سُننے سے
ہو گیا تھا۔ یہ بھی دستور ہے۔ کہ لوگ کسی بات کا ٹکڑا یا حصہ سُنکر
اُس کا ایک مکمل جسم بنانا چاہتے ہیں۔ اس جسم کے باقی انگ اور
حصے اپنی رُچی اور خواہش کے موافق اُس کے ساتھ ملا کر دوسروں کے
سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اُس کو سنتا ہے۔ وہ اپنی مرضی
اور تمیز فہمی کے موافق اس کا مطلب نکالتا اور آگے اپنے الفاظ
میں زیادہ موثر بنانے کی غرض سے بیان کرتا یا تحریر میں لاتا ہے
ایک ہی بات ایک مونہہ سے نکل کر دوسرے کانوں میں جاتی ہو
پھر آگے چلتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ جیسے گنگوتری سے نکلا ہوا
سُوچھ نرمل گنگا جل کلکتہ کے نیچے پہنچکر عفونت اور گندگی کا جسم بن
جاتا ہے۔ اسی طور سے بہت سی افواہوں اور خبروں کا حال ہوتا ہی
ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ایک شہر میں لوگوں نے ماگھ مہاتم کی
کتھا رکھوائی۔ ایک خاص روز اس کتھا نے ختم ہونا تھا۔ اور اُس
کا بھوگ پڑتا تھا۔ اُس شہر کے باشندہ ایک منشی پیارے لال پوربچند
جی تھے۔ جو اس کتھا سے پریم رکھتے تھے۔ مگر وہ بوجہ ملازمت اس

دفعہ دوسرے مقام کو تبدیل ہو گئے تھے۔ اور شہر میں موجود نہ تھے
دوسرے کتھا سننے والوں نے ضروری سمجھا کہ لالہ جی کو کتھا کے
بھوگ پر بلایا جاوے۔ فیصلہ اس طور سے ہوا کہ ڈاک کے ہرکارہ
کی معرفت لالہ جی کو پیغام بھیجا جاوے۔ ہرکارہ کو پیغام دیا گیا۔ کہ
ماگھ مہاتم کا بھوگ ہے۔ لالہ جی ضرور آجاویں۔ پہلے ہرکارہ نے
پیغام کو اپنی سمجھ کے موافق اپنے لفظوں میں دوسرے تک پونچایا
دوسرے نے تیسرے تک اور اس نے چوتھے تک پونچایا۔ اب
چوتھا ہرکارہ خود لالہ پورن چند جی کے پاس گیا۔ بڑی غمگین اور
سنجیدہ شکل بنا کر سلام کیا اور کہا کہ افسوس ہے۔ کہ آپ کی ماں کا
ماتم ہو گیا ہے۔ آپ کو جلدی بلایا گیا ہے۔ لالہ پورن چند جی نے
جلدی سے اپنا سر بھدر کروایا یعنے داڑھی اور سر کے بال منڈوائے
تلانجلی دی اور رخصت لیکر گھر کو روانہ ہوئے شہر کے باہر پونچے
تو ایک آدمی نے جو ان کو پہلے ملا۔ پوچھا کہ لالہ جی آپ نے سر کیوں
منڈوایا ہے۔ لالہ جی حیران ہوئے۔ اگر میری ماں مر گئی ہوتی تو مجھ
سے ایسا سوال کیوں کیا جاتا۔ اس سے پوچھا کہ میری ماں کا کیا
حال ہے۔ اس نے کہا۔ کہ وہ ہر طرح سے تندرست ہے۔ بس ایسا
ہی حال سنی سنائی باتوں کا ہوتا ہے۔ لوگوں میں ایرشا اور دویش
بڑھا ہوا ہے۔ ایک کی بڑائی۔ بھلائی اور ترقی کو دیکھ کر دوسرا خوش
نہیں ہوتا بلکہ رنج اور دکھ کا شکار بن جاتا ہے۔ اور دل سے چاہتا
ہے۔ کہ ایسا نہ ہووے۔ اگر کوئی بدنامی۔ برائی یا نقصان ایک شخص
کا ہو جاتا ہے۔ تو دوسرا بڑا خوش ہوتا ہے۔ اور بات کو بڑھا کر اور
کئی گنا پھیلا کر لوگوں میں مشہور کرتا ہے۔ ایسی باتوں سے لوگوں میں
عداوت اور دشمنی کے خیالات دن بدن پیدا ہوتے اور بڑھتے

جاتے ہیں۔ اور ایک ایسا گورکھ دھندہ عوام تو کیا حقیقی رشتہ داروں
بھائیوں اور عزیزوں کے خلافات اور تعلقات کا بن گیا ہے جس کے
سلجھانے کا خیال دشمن اور جاتی کے بزرگوں اور خیر خواہوں کو آنا
ضروری ہے۔ اصل حقیقت کو دیکھا جاوے۔ تو کون ایسا انسان دنیا
میں موجود ہے۔ جس میں کوئی نقص۔ کوئی عیب۔ کوئی پاپ۔ کوئی غلطی
اور کوئی بیوقوفی نہیں ہے۔ بڑے بڑے رشیوں اور مہاتماؤں نے بھی
ایسا دعوے نہیں کیا۔ تو ہم معمولی پاپی انسان کے نمونوں کی تو حالت ہی
کیا ہے۔ پس اول تو کسی کی نسبت سنی سنائی اور افواہی باتوں کا اعتبار
اور یقین بھی نہ کرنا چاہئیے۔ اور تحقیق کرنا چاہیئے۔ کہ دراصل معاملہ
کیا ہے۔ پھر بھی کسی بھائی کے کسی معمولی نقص اور غلطی کی وجہ سے
اس کے برخلاف ہونا اور اس کے دشمن بن جانا اور اس کو اپنا
دشمن بنا لینا کون سی عقلمندی اور دانائی کا تقاضا ہو سکتا ہے
بزرگوں سے ایک کہاوت چلی آتی ہے کہ گنگھا ولے لکھا ہے جیسے
ایک ہی تنکے کے پیچھے مدعائے دلی موجود ہے۔ کوشش شرط ہے
اور تدبیر کار ہے۔ کیوں نہ سب سے پہلے دوسرے کے گنوں اور
ہنروں کو دیکھا جاوے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے
جس میں کوئی نہ کوئی عمدہ خاصیت نہیں ہے اور کوئی بھی ایسا
انسان نہیں جس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ ان خوبیوں کے دیکھنے
کی وجہ سے ایک دوسرے کے دلوں میں محبت کے بھاؤ پیدا ہونگے
دوستی اور خیر خواہی کو دل چاہیگا۔ اس حالت میں جب لوگ ہونگے
پھر نقصوں کا ایک دوسرے کو جتلانا اور اُن سے بچنے کا انتظام
بھی ٹھیک طور پر ہو سکیگا۔

ہندو اچھوت .. ہندو اچھوت

ہندو جاتی میں اچھوت اور چھوت چھات کی مرض بہت مدت سے پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں ایک ہی نسل ایک ہی جاتی اور ایک ہی کُل اور خاندان کے لوگوں میں چھوت کا بھوت تفرقہ اندازی کر رہا ہو۔ وہاں دوسری غریب جاتیوں سے ہمدردی کس کو ہو سکتی ہے۔ ایک خاص سمپردائے کی استری کا بیاہ ایک شخص سے ہوا جو کہ اس کی سمپردائے میں شامل نہیں تھا جب تک وہ اس سمپردائے میں داخل نہ ہو گیا۔ استری نے اپنے پتی کے ہاتھ کی کسی بھی چیز کا کھانا منظور نہ کیا۔ اسی طرح سے یہ رواج بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھ گیا ہے کہ ایک ہی دھرم رکھنے والے بہت سے لوگ ہیں جو کہ ہندو جاتی کے دھرم کو مانتے اور ہندو بزرگوں کے نام کو جپا کرتے ہیں۔ مگر ہندو ان سے ایسے متنفر ہیں۔ کہ ان کے ہاتھ کا کھانا تو دور رہا۔ اُن کے ساتھ چھونا بھی نہیں چاہتے ہندوستان بھر میں کئی کروڑ ایسے اچھوت ہیں۔ صرف پنجاب میں ہی اُن کی تعداد ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے کاغذات کے رو سے ۲۲۶۸۰۴۲ ہے۔ اور کل آبادی اہل ہنود کی مع ان اچھوتوں کے ۱۲۳۰۰۷۷۸ ہوتی ہے گویا ایک چوتھائی سے زیادہ اچھوت ہیں۔ ایسا نہ سمجھا جاوے۔ کہ یہ اچھوت شودر ہیں۔ شودر ان سے الگ ہیں۔ اور وہ بھی اس ۷۸ لاکھ میں شامل ہیں۔ یہ اچھوت حسب ذیل ہیں۔ اور ان کا شمار یہ ہے۔

بنارے ۵۰۲۳۔ بٹوال ۲۱۳۱۲۔ باوریا ۴۰۵۸۔ بھنجڑا ۱۱۱۴۔ چمار ۹۵۲۷۷۰۔ چنال ۱۲۳۲۱۔ چوہڑا ۷۸۹۰۵۷۔ ڈاگی کولی ۱۷۲۲۵۶۔ دھانک ۸۲۶۹۔ ڈومنا ۷۶۱۰۷۔ گگرا ۱۰۴۹۔ کھٹیک ۲۷۷۸۔ سپیلا ۳۰۰۔ میگھ ۱۱۵۹۰۴۔

کھٹیک ۱۲۳۵۹ - کوری ۱۷۹۹۶ - مذہبی ۵۰ - میگھ ۳۹۶۹۴ - موچی ۶۸۶۵
پاسی ۲۳۹۵ - سانسی ۲۳۵۰۵ - سپیلا ۹۱۱ - سیرٹرہ ۹۳۹۴ - میزان کل ۲۲۶۸۰۳۱

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ مثلاً ڈکوت - ساونی اوڈ اور مہتم جو کہ بہت مقاموں پر اچھوت گنے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ اور کہیں کہیں بڑی جلدی اور تیزی سے اپنے باپ داداؤں کے دھرم اور ہندو دیوی دیوتاؤں کی پیروی کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ اور جب یہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تو ان کا رتبہ اور درجہ اونچا ہو جاتا ہے۔ جو ہندو ان کے ہندو رہنے کی حالت میں اُن کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ اُن کے ہندو نہ رہنے پر اُن سے ہاتھ ملاتے اور اپنے برابر دری اور فرش پر بٹھلاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ ایک ساہوکار کے گھر میں لڑکے کی شادی تھی۔ برات میں جانے والوں کے واسطے بہت سے جوتے درکار تھے۔ بہت سے موچیوں کو جوتے بنانے کو حکم دیا گیا۔ ایک دفعہ دو موچی کچھ جوتے تیار کر کے ساہوکار جی کے مکان پر آئے۔ ہندو موچی دروازہ کے باہر کھڑا رہا۔ اگر یہ اندر جاتا تو ساہوکار جی کو اور اُن کے کمرہ کے سارے سامان دری فرش وغیرہ کو چھوت لگ جاتی۔ اسواسطے ہندو موچی نے اپنے بنائے ہوئے جوتے بھی مسلمان موچی کو دیدیئے۔ کہ وہ دکھلا دے اور منظور کرا دے مسلمان موچی جب فیصلہ کر کے باہر آیا تو ہندو موچی نے اُس سے دریافت کیا کہ بھائی صاحب کیا وجہ ہے۔ کہ جو کام ہم کرتے ہیں وہی کام میں کرتا ہوں تم اندر جا کر لالہ جی کے پاس فرش پر بیٹھ کر بات چیت کر سکتے ہو۔ مگر مجھے دروازہ کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مسلمان موچی نے جواب دیا۔ کہ بھائی اس کا کارن تم ابتک نہیں سمجھے۔ میں تم کو بتلاتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے سر کے اوپر جو

چوٹی رکھی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے تم اندر نہیں جا سکتے۔ دیکھو میرے سر پر چوٹی نہیں ہے۔ اس وجہ سے مجھے اندر جانے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ تم بھی اگر چوٹی کو کٹوا دو، اور مسجد میں میرے ساتھ چلو تو پھر دیکھو کل ہی تم میرے ساتھ اندر چلکر لالہ جی کے برابر فرش پر بیٹھ سکوگے۔ ہندو نے منظور کیا اور اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مسجد میں جا کر چوٹی کٹوا دی۔ اگلے دن جوتے لیکر پھر دونوں گئے۔ ہندو موچی رام دین اب غلام رسول ہو گیا تھا۔ فوراً اندر چلا گیا۔ اور سیٹھ جی کے پاس فرش پر بیٹھ گیا۔ لالہ جی نے کہا۔ کہ او رام دین تم بھی اندر آ گئے۔ دوسرے موچی نے کہا کہ لالہ جی اب یہ رام دین نہیں۔ جو اندر آنے کی اس کو آپ اجازت نہ دیتے تھے۔ اب یہ غلام رسول ہے دیکھو اس نے کل چوٹی منڈوا دی ہے۔ لالہ جی نے کہا کہ ہاں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ اب اُسے لالہ جی نہیں کہ سکتے تھے۔ کہ تم باہر کھڑے ہو جاؤ۔ اے بزرگان ہنود گذشتہ مردم شماری کے ایام میں یہ سوال اُٹھا تھا۔ کہ ان اچھوت لوگوں کو کاغذات سرکاری میں ہندو نہ لکھا جاوے۔ کیونکہ ہندو تو ان سے چھوتے بھی نہیں اُسوقت کانشی کے بڑے بڑے پنڈتوں نے فتوے دیا تھا کہ نہیں یہ سب ہندو ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ دس سال گذرنے کو آئے آپ وچار کرو کہ آپ نے ان بھائیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور آپ کی اس بدسلوکی کی وجہ سے کس قدر یہ بھائی آپ کے دھرم کو چھوڑ گئے ہیں۔ اس کا پتہ آپ کو ۱۹۲۱ء کی مردم شماری دے گی اب بھی وقت ہے غور فرماؤ:

نوٹ۔ یتیم خانہ مظفرگڑھ میں اچھوت قوموں کے بچے ماں باپ رکھتے ہوئے بھی بطور یتیم کے داخل ہو سکتے ہیں۔ مینیجر آریہ یتیم خانہ جنگلہ محلہ موری دروازہ لاہور

استریوں پر اتیاچار

مختلف حالات میں مختلف طور پر ابلا استریوں پر اتیاچار کئے جاتے ہیں۔ ریل کے سفر میں ناواقف عورتوں کو دھوکہ دے کر کوئی کوئی ریلوے کے ملازم سفر سے روک لیتے ہیں۔ اور کوئی کوئی کسی چلتی گاڑی میں اکیلی عورت کو دباکر اسپر دست درازی کیا کرتے ہیں۔ مقدمہ کوئی کوئی ہوجاتا ہے کسی کسی کو سزا بھی مل جاتی ہے۔ اور بہت سے ایسے شیطان قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے صاف بری ہو جاتے ہیں۔ مگر کوئی ایسا مکمل انتظام نہ تو سرکار کی طرف سے ہوا ہے۔ اور نہ اہل ملک ہی نے کچھ وچار کیا ہے جس سے ایسے دلخراش واقعات وقوع میں نہ آیا کریں۔ بیسیوں نظیروں میں سے ایک واقعہ کا اس موقعہ پر لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ اس طرح سے ہے۔ کہ ایک ریلوے ٹکٹ کلکٹر کی بیوہ ہمشیرہ جس کی عمر ۲۰ سال کی تھی اپنے بھائی کے پاس رہا کرتی تھی جہاں وہ بوجہ ملازمت ریلوے کے رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک دوسرے مقام کو جانا تھا۔ دوسرے ٹکٹ کلکٹروں کو یہ حال معلوم ہو گیا اور وہ اسی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ جس میں کہ وہ سوار ہو رہی تھی آگے کے ایک جنکشن سٹیشن پر اس نے اس گاڑی سے اتر کر دوسری گاڑی میں سوار ہونا تھا۔ جو کہ سٹیشن پر موجود تھی اور اس گاڑی کی انتظار کے بعد اسنے روانہ ہونا تھا۔ جوں ہی وہ بیچاری گاڑی سے اتری اور اسنے پوچھا۔ کہ وہ گاڑی جس میں اسنے سوار ہونا ہے۔ کہاں ہے؟ ان شیطانوں نے بتلایا۔ کہ وہ گاڑی اب نہیں صبح کو روانہ ہوگی۔ تم مسافر خانہ میں جاکر ٹھیرو۔ بیچاری نراش ہو کر مسافر خانہ میں جب [illegible] وہاں سے یہ دونوں ٹکٹ کلکٹر اور ایک اس اسٹیشن کا اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر اور

ایک کاٹنے والا چار شخصوں نے مشورہ کیا۔ اور اس کو کاٹنے والے
کی کوٹھی میں ڈرا اور دھمکا کر لے گئے۔ رات کو چاروں نے اس کو
خراب کیا۔ بیوہ ذات کی برہمنی تھی اور یہ شیطان تین ہندو تھے۔ اور
ایک مسلمان۔ صبح کو اس کے رونے کی آواز سنکر دوسرے مکان
میں رہنے والے جمعدار نے جب وہ رات کی نوکری کے بعد صبح کو
اپنی کوٹھی میں آیا معلوم کیا کہ کیا معاملہ ہے۔ سٹیشن ماسٹر کو خبر کی گئی
سٹیشن ماسٹر نے بھی باوجود اقبال کرنے کاٹنے والے کے کہ اس نے جو کچھ
کیا۔ اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کے حکم سے کیا۔ اس کی کوئی داد رسی
نہ کی۔ بلکہ حکم دیا کہ ریلوے کے احاطہ سے باہر نکل جاوے۔ بیچاری
رات بھر کی بھوکھی پیاسی تھی۔ اسنے رو رو کر ایک دوکاندار کو اپنا حال
سنایا اور دوکاندار سے پانی لے کر پیا۔ دوکاندار نے سیوا سمتی
الہ آباد کے کسی ممبر کو اطلاع دی۔ سیوا سمتی نے مقدمہ چلایا۔ اعظم
گڈھ کے سشن جج نے صرف کاٹنے والے جمنا کو ۵ سال قید کی سزا
دی۔ باقیوں کو بری کر دیا۔ سرکار کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل
ہوئی۔ باقی سر سہ کو ۔ ۔ سال قید کی سزا ملی۔ ان کے نام یہ ہیں۔
بھگوتی پرشاد۔ نور الحسن اور رام جس سنگھ۔ ایک جج نے تو یہ بھی لکھا۔ کہ
اگر یہ مقدمہ براہ راست میری سماعت میں آتا۔ تو میں بلا تامل ان کو
اتنے کوڑے لگانے کی سزا دیتا جن کی اجازت قانون دیتا ہے۔ کیونکہ
میرے خیال میں یہ سزا ایسے ہی مجرموں کے واسطے تجویز کی گئی ہے
ریلوے سفر میں ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے
انتظام کے واسطے سرکار کی افسروں کی خاص توجہ کی ضرورت ہے
مگر جب تک کوئی توجہ دلانے والا ہو۔ سرکار کو بھی صرف یہی ایک کام
تو نہیں ہے۔ اس مقدمہ میں بھی اگر سیوا سمتی کوئی نہ ہوتی۔ تو یہ

بیچاری بھی رو دھو کر چپ ہو جاتی اور کوئی بھی اس کی بات نہ پوچھتا
سیوا سمتی جو کام کر سکتی ہے۔ اس کی قدر اور قیمت وہی جانتے ہیں
جنکو کسی ایسے علاقہ میں مصیبت سر پہ آئی ہو۔ جہاں کہ سیوا سمتی موجود
ہے۔ پنجاب کے اندر سال گذشتہ میں الہ آباد کی سیوا سمتی نے جو کام
کیا ہے۔ وہ اس قابل ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے تھوڑی ہے۔
پنجاب میں بھی انبالہ۔ چک جھمرہ۔ ملتان وغیرہ مقامات پر سیوا
سمتیاں بنی ہوئی ہیں۔ ملتان کی سیوا سمتی پلیگ کے دنوں میں
بیماروں کی خدمت اور علاج وغیرہ کا قابل تعریف کام کرتی ہے جہاں
تک معلوم ہوا ہے۔ یہ سیوا سمتیاں ہندو لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں
گرمی کے موسم میں ریلوے سٹیشنوں پر مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلانے
کا کام بھی کتنا نیک کام ہے۔ جس پریم اور پریتی سے یہ لوگ دوڑ
دوڑ کر مسافروں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر سورگی نظارہ انسان
کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ان سیوا سمتیوں کو زیادہ مفید
بنانے کے واسطے مناسب ہوگا۔ کہ اگر سناتن دھرم سبھا۔ انجمن
حمایت اسلام۔ سنگھ سبھا۔ جین سبھا اور آریہ سماجیں مل کر کام کریں
اپنے اپنے سبھا سدوں کو جن میں سیوا کے بھاو پربل ہوں ان
سمتیوں میں کام کرنے کی پریرنا کریں تو اس سے اتنا فائدہ دیش
اور جاتی کے لوگوں کو ہوگا۔ جو کہ ہزاروں اور لاکھوں روپیہ کے
خرچ سے نہیں ہو سکتا۔ ہر قسم کی ضرورت اور مصیبت تکلیف
کے وقت سب کے واسطے غیبی اور آسمانی امداد اس طریق سے
مہیا ہو سکتی ہے۔ پرماتما دیا کریں کہ دیش اور جاتی کے بزرگان جہاں
اور بہت سے کام کر رہے ہیں۔ لگے ہاتھ اس کام کی طرف میں بھی توجہ
دیویں:۔

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

اس دیش کے لوگوں نے مایا کے موہ جال میں پھنس کر اپنے آپ کو دوسرے بھائیوں سے ایک جدا جدا ہستی مان لیا۔ اور سمجھا کہ ہم کو اپنی اپنی بہتری اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہم دوسروں کی بلا کو کیوں اپنے سر پہ لیویں۔ اپنی اپنی خواہشات اور ضروریات کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔ اور اپنا نفع جس کام میں سمجھا۔ اس کے پورا ہونے میں دوسرے بھائیوں کا نقصان بھی نظر آیا۔ تو بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ اس رواج سے جاتی کا شیرازہ ٹوٹ گیا۔ اور مریادا بگڑ گئی۔ جہاں اس سے دوسرے قسم کے بیشمار نقصان ہوئے۔ جن کا ذکر رفتہ رفتہ ہوتا رہیگا۔ انھیں ایک نقصان بڑا سخت یہ بھی ہوا۔ کہ جن بچوں کے ماں باپ مر گئے۔ اُن کے رشتہ داروں اور سمبندھیوں نے اُن کی طرف سے بے پرواہی اختیار کر لی۔ نہ صرف بے پرواہی کی بلکہ کئی لوگوں نے تو ایسی بُری کامنا بھی کی۔ کہ ان بچوں کا وجود قایم نہ رہے۔ تو اُن کے واسطے اچھا ہوگا۔ کیونکہ یہ بچے قانون وراثت کے رو سے اپنے داداؤں کی جائدادوں میں اپنے چچاؤں کے شریک تھے۔ ایسے ایسے حالات کی وجہ سے بہت سے بچے لاوارث ہو کر خراب ہونے لگے۔ کوئی تو فقیروں کے چیلے بن گئے۔ کوئی اوباش جوئے باز اور چور چکار ہو گئے۔ اس کا اثر کُل جاتی پر پڑتا رہا جب شہروں اور بستیوں میں کسی کسی بچے کے یتیم ہونے کا بھی یہ نتیجہ ہوا تو جہاں قحط کے دنوں میں ہزاروں آدمی بھوک سے مر گئے۔ اور جو جیتے جی اپنے بچوں کو بھوک سے بلبلاتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے جان بوجھ کر بچوں کو پرماتما کے حوالہ کر دیا۔ مثلاً ایک کوچہ میں بچوں کو ساتھ

لے کر بھیکھ مانگنے کو گئے۔ جو لوگ گھروں میں آباد نظر آتے تھے اور
ابھی تک گھروں سے نکلے نہ تھے وہ خود بھوکھ کا شکار ہو رہے تھے
مانگنے والوں کو کہاں سے دیتے۔ اور ان گلی میں مانگنے والوں نے
دیکھا کہ بچوں کے نام پر اپیل کرنے سے بھی کچھ نہیں ملتا۔ بچوں کو
کوچہ میں ہی چھوڑ کر دوسری طرف کو چلے گئے۔ ایسے ایسے انیک
واقعات اس دیش میں ہو چکے ہیں۔ اور اب دیکھا جاتا ہے۔ کہ
روز بروز کھانے پینے اور بدن کو ڈھانپنے کے ضروری سامان کی
قیمت بڑھتی جاتی ہے۔ قحط کا قیام مستقل ہوتا جاتا ہے۔ نہ معلوم
آئندہ کیا ہوگا۔ یہ حالت دیش اور دیش نواسیوں کی تھی۔ اس
حالت میں اس دیش میں پرماتما کی ایک بڑی بھاری برکت
نازل ہوئی اور وہ مہرشی سوامی دیانند کا وجود تھا۔ انہوں نے جہاں
جگت کے سدھار کی دوسری ضرورتوں کی طرف توجہ دی۔ جاتی کی
اس ضرورت کی طرف بھی خیال کیا۔ اُن کے اُپدیشوں سے ۱۸۷۷ء میں
فیروزپور چھاؤنی آریہ سماج نے ایک یتیم خانہ جاری کیا۔ لالہ متھراداس
جی سپروائیزر اور چودھری بشن داس جی نے اس کے تعلق میں بڑی
محنت اور تندہی سے کام کیا۔ اور دوسرے بھی بہت سے بھائی اس
کام میں ان کے ساتھ تھے۔ راجپوتانہ کے قحط سمت ۱۹۵۶ کے دنوں میں
بہت سے یتیم بچے اس یتیم خانہ میں لائے گئے۔ اور سوامی جی کے
سورگباش ہو چکنے کے بعد اُن کی نام پر اجمیر میں ایک بڑا یتیم خانہ کھولا گیا
اس کے علاوہ بریلی۔ آگرہ لاہور وغیرہ مقامات پر بھی یتیم خانے
ہو گئے۔ اور بھی کئی مقامات پر اب یتیم خانے کھلتے جاتے ہیں۔ مظفرگڑھ
پنجاب میں یتیم خانہ کے جاری ہونے کی خاص وجہ ہات ہو گئیں
جن کا ذکر اگر ضرورت ہوئی تو رسالہ پنڈت اودھار میں آہستہ آہستہ

کر دیا جاویگا۔ اس تحریر کا مدعا یہ ہے۔ کہ اب اہل ملک پر یتیموں کی
پرورش اور نگرانی کا سوال ظاہر اور روشن تو ہو گیا ہے۔ مگر جتنا
کہ چاہئے۔ اس کی طرف جاتی کے بزرگوں نے دھیان نہیں دیا۔
جاتی کے دھنوان لوگ اگر اپنے اپنے پروار برادری۔ شہر اور گاؤں
کے یتیم بچوں کو اگر ایک ایک کرکے اپنے گھروں میں رکھ لیویں اور
اُن کو اپنے ہی بچوں میں سے ایک سمجھ کر اس کی پرورش اور تعلیم
و تربیت کر لیا کریں۔ تو کتنی آسانی سے ایسے بچوں کے یہ ایام یتیمی
کے کٹ جاویں اور اُن کو معلوم بھی نہ ہو کہ ہم یتیم ہیں۔ مگر وہی خود
غرضی جو اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان بچوں سے مناسب سلوک
کرنے نہیں دیتی دوسرے لوگوں کو کب اجازت دیتی ہے کہ ایسے
بچوں کو جن کے ساتھ اُن کے خون کا کوئی بھی رشتہ اور سمبندھ نہیں ہے
اپنا بچہ سمجھ لیویں۔ یوں تو بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم
کو کوئی یتیم لڑکا مل جاوے تو اس کی پرورش کریں۔ مگر زیادہ تر
وہ اسبات کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ کہ ایسے لڑکوں سے نوکروں
کا کام لیا جاوے۔ اس واسطے یتیموں کی بڑی آسانی سے پرورش
کا جو یہ طریق ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا نہیں جا سکتا۔ تاہم امید
ہے۔ کہ جاتی کے لوگوں میں کسی دن اس قسم کی آدارتا پیدا ہوگی
کہ وہ اپنے جاتی کے بھائیوں کے یتیم لڑکوں کو اپنا لڑکا سمجھنے
لگینگے اور اس کام میں آسانی ہو جاویگی :

دوسری صورت یتیم بچوں کی پرورش کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ
جس جس جگہ پر کوئی بچے یتیم ہو جاویں۔ اس مقام کے لوگ اگر
تھوڑا تھوڑا چندہ کرکے کسی مقامی سکول اور بورڈنگ ہوس میں
اس کی رہائش اور نگرانی کا انتظام کر لیویں تو دوسرے بچوں کے

ساتھ ان کی تعلیم اور پرورش کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ سکول کے
ماسٹر صاحبان امید ہے۔ کہ ان بچوں کی نگرانی اور چال چلن کی
حفاظت کا خاص خیال رکھیں گے۔ ایسے بچے محسوس کریں گے
کہ اُن کے یتیم ہو جانے پر اُن کی برادری اور شہر کے لوگوں نے
اُن کی امداد کی۔ جس سے اُن کی حالت سدھر گئی۔ اور آشا ہے
کہ دیش اُپکار کے کام میں وہ بھی حصہ لینے کے قابل ہو جاویں۔
تیسری صورت یہ ہے۔ کہ خاص خاص یتیم خانوں میں پورا
پورا انتظام اور پربندھ یتیم بچوں کی خوراک اور تعلیم کا کر دیا جاوے
کام کرنے والوں کو بھیکھ مانگنے کی ضرورت نہ ہوا کرے۔ سن رسیدہ
تجربہ کار لوگ جو کہ ملازمت سرکار یا اپنے گھر کے کاروبار سے
فارغ ہو چکے ہیں۔ وہ ان بچوں کی حفاظت۔ پرورش اور تعلیم
و تربیت کا کام اپنے ہاتھ میں لیویں۔ اور ایسے سب یتیم خانہ
جات کو ایک انتظام میں لایا جاوے۔ اور تحصیل علم و ہنر اور
دستکاری کی جس قدر شاخیں ہیں۔ ایک ایک کی سکھانے کا
انتظام ایک ایک یتیم خانہ میں کیا جاوے۔ مثلاً ہندی بھاشا
کی پوری تعلیم کا انتظام اور اس کے ساتھ کسی ایک دستکاری کے
کام سکھانے کا انتظام ایک یتیم خانہ میں ہو۔ اور معمولی ہندی
تعلیم اور ایک ایک دستکاریوں کی پوری تعلیم کا انتظام دوسرے
یتیم خانوں میں اور سنسکرت کی تعلیم کا انتظام کسی اور یتیم خانہ میں۔
جو جو لڑکے مختلف کام سیکھنے والے مختلف یتیم خانوں میں ہوں
اُن سب کو اس یتیم خانہ میں بھیجا جاوے جہاں اس قسم کی اس تعلیم کا
انتظام موجود ہے۔ اس طور سے ایک ایک یتیم خانہ میں مختلف قسم
کی تعلیم کا انتظام کرنا نہ پڑے گا۔ صرف ایک قسم کا انتظام جب

ایک جگہ پر ہوگا تو وہ بہت اچھا اور اعلےٰ قسم کا ہو سکیگا۔ ایسا انتظام ہونیسے ملک میں دستکاری کی تعلیم کا پورا پورا فائدہ حاصل ہو جاویگا۔ اور سن رسیدہ تجربہ کار آدمیوں کے اس کام کو ہاتھ میں لینے کی وجہ سے خرچ بھی کم ہوگا۔ کیونکہ ایسے بہت سے سجن پرش نکل سکینگے جو کہ کوئی تنخواہ یا اُجرت اپنے کام کے معاوضہ میں نہ لینگے۔ اگر کوئی ایسے ہیں۔ جو کہ اپنا خرچ آپ برداشت نہیں کر سکتے۔ اور اپنے گذارہ کے واسطے ان کو محنت کرنے کی ضرورت ہے اُس کے واسطے گذارہ کا انتظام یتیم خانہ کے فنڈ سے بھی ہو سکیگا وہ ہر حالت میں بہ نسبت اس خرچ کے کم ہوگا۔ جو کہ ملازمت پیشہ جوان آدمیوں کو کام پر لگانے سے کرنا پڑتا ہے۔ اب سوال کیا جاویگا کہ اتنے بڑے کام کے واسطے روپیہ کہاں سے آویگا۔ یہ تو معمولی بات ہے۔ لوگوں پر بڑے بڑے چندوں کا بوجھ پڑنے کے سوائے بھی یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے سارے گھروں میں ایک ایک مٹھی بھر آٹا روزمرہ رکھنے کا انتظام ہو جاوے بواہ شادیوں اور دیگر خوشی کی تقریبوں اور دان کے موقعوں پر یتیموں کی ضرورت کا خیال لوگ کرنے لگ جاویں اور اپنے روزانہ خرچوں میں ایک روپیہ کے پیچھے ایک پیسہ یا ایک سو روپیہ کے پیچھے صرف ایک روپیہ بھی اس کام کے واسطے دینے کی عادت لوگوں میں ہو جاوے تو دیش اور جاتی کی اس بڑی بھاری اور سخت ضروری ضرورت کے واسطے کافی دھن جمع ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی ضرورتوں کو سجن پرشوں کی سیوا میں پیش کرنے اور اُن کے دور کرنے کی تجاویز کو بھی بتلانے کے واسطے ہی تو رسالہ یتیم ادھار کو جاری کیا گیا ۔ جس قدر زیادہ اشاعت اس رسالہ کی ہوگی اسی قدر زیادہ

میدان کام کرنے کا بڑھتا جاویگا اور بجائے اس کے کہ کوئی خاص انتظام پرورش یتیماں کے واسطے کرنا پڑے۔ جس پر زیادہ دھن کے خرچنے کی ضرورت ہو سب کام آسانی سے ہو جایا کریگا۔ امید ہے کہ ناظرین غور فرماویں گے۔

ہمدردی حیوانات

حیوانات کے ساتھ ہمدردی کی طرف غور کیا جاوے۔ تو یہ بنی نوع انسان ہی کے ساتھ ہمدردی ہے۔ حیوانات کی موجودگی سے جس قدر سکھ آرام اور زندگی کی ضروریات انسان کو مل رہی ہیں۔ اُن کا شمار اندازہ سے باہر ہے۔ مگر انسانی خودغرضی کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ انسان کو اس بات کے واسطے تیار کرتی ہے۔ کہ جو فائدہ اُسے کسی کام سے کل کو ہونا ہے۔ وہ آج ہی ہو جاوے اس واسطے حیوانات کی بیش از وقت موت اُن کے سر پر لائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بھیڑ بکری کا تو کسی کو خیال ہی نہ رہا۔ گائے بھینس جیسے مفید جانوروں کو مارنے کے سامان اسقدر تیار کئے گئے ہیں۔ اور اُنہیں تیار کرنے کا وچار ہے۔ جس کو سنکر ہی کلیجہ مونہہ کو آتا ہے۔ بڑی خوبصورت اور قیمتی گاواں جب بچہ دیتی ہیں۔ بچہ کو مروا دیا جاتا ہے۔ گائے سے دودھ لیا جاتا ہے۔ جب دودھ کا موسم ہو چکا۔ گائے کو بھی چھری کے گھاٹ اُتارا جاتا ہے۔ اس طور سے حاصل کیا ہوا دودھ اور مکھن بڑے بڑے شہروں میں فروخت ہوتا ہے

اور اُسے بڑے دھرماتما ہندو استعمال کیا کرتے ہیں گائے کی رکشا کا خیال ہندو لوگوں کے دل میں اب تک بھی بہت کافی موجود ہے۔ اس کے واسطے اِن لوگوں نے فساد کئے اپنی جانیں دیں۔ اور سزائیں پائیں۔ یہ سب آفتیں کسی معاملہ کو پورے طور پر وچار نہ کرنے کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ مگر دنیا میں ہر ایک انسان سمجھتا ہے۔ کہ ہیں عقل مند ہوں۔ اور جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب درست اور ٹھیک ہے۔ گو رکشا کے بارہ ہیں ہندو لوگوں کو اب معلوم ہو گیا ہے۔ کہ گئو کی رکشا کسی ایسے آدمی سے جو کہ اس کے برخلاف کر رہا ہے لڑائی کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ محبت اور پیار کرنے سے بآسانی ہو سکتی ہے۔ اور پھر جبکہ گئو کی رکھشا سے خالی اہل ہنود ہی کا منافعہ نہیں۔ بلکہ سب کو فائدہ ہے اب حالات اس قسم کے واقعہ ہو گئے ہیں۔ کہ اہل اسلام کے بزرگوں نے مان لیا ہے۔ کہ گائے کی قربانی بقرعید کے موقعہ پر وہ بند کرتے ہیں۔ اور دوسرے موقعوں پر بھی جو ایسا کام ہوا کرتا تھا۔ وہ نہ ہونے دینگے۔ گویا گئو رکشا کی حمایت حضرات اہل اسلام نے بھی شروع کر دی اور اس بارہ میں ہندو مسلمان کی آواز ایک ہو گئی۔ تو ایک اور شگوفہ نکلنے لگا۔ ہندوستان کے وسطی صوبہ کی گورنمنٹ نے ایک تجارت کا پروگرام بنایا۔ ایک گاؤں میں جس کا نام رتونہ ہے۔ ایک ایسا مذبح بنایا جاوے۔ جو ایک کمپنی کیطرف سے جاری ہو۔ وہ کمپنی چالیس لاکھ کا سرمایہ جمع کرے۔ اس میں سے دس لاکھ کے حصے اس علاقہ کے رہنے والے ہندو مسلمانوں کو بھی دیئے جاویں۔ سرکار کی طرف ۲۴۰۰ ایکڑ زمین اور بہت سی امداد اس کمیٹی کو دی جاوے۔ اس مذبح میں اتنا انتظام کیا

جاوے کہ ۲۵۰۰ گائے بیل اور بھینسوں کو قتل کرکے ان کے
مانس اور چمڑے اور ہڈیوں سے طرح طرح کے سامان بنا کر
فروخت کئے جاویں اور بیس لاکھ روپیہ سال کا منافع کمایا جاوے
یہ تجویز ہو رہی تھی۔ کہ ایک مسلمان اخبار نے اس کو مشتہر کر دیا بس
اس کا مشتہر ہونا تھا۔ کہ سارے ہندوستان میں ایک آگ سی لگ
گئی۔ ہندو لوگ اس کو کب بے پرواہی کی نظر سے دیکھ سکتے تھے
انہوں نے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں جلسے کئے مسلمان
بھائی بھی اس کام میں اہل ہنود کے ساتھ شامل ہو گئے سرکار
کی خدمت میں عرضداشت اور میموریل ڈھڑا دھڑ روانہ ہونے لگے
لوگوں نے یہاں تک تجویز کیا۔ کہ اگر سرکار میں کوئی شنوائی نہ
ہووے تو لوگ بطور خود ایسا انتظام کریں۔ کہ اول تو کوئی ہندوستانی
ہندو یا مسلمان اس کمپنی کا کوئی حصہ نہ خریدے۔ پھر جب تعمیر کا کام
شروع ہونے کو ہو کوئی بھی ہندوستانی اس میں ٹھیکہ نہ لیوے
اور نہ کسی کام کی اُجرت اس کے متعلق کرے۔ غرضیکہ کوئی ہندوستانی
کسی قسم کا تعلق اس کارخانہ سے پیدا نہ کرے۔ افسران سرکار نے
جن کے اختیار میں اس کام کا جاری کرنا اور بند کرنا بھی ہے معلوم
ہوا ہے کہ ان عرضداشتوں پر غور فرمایا ہے۔ امید ہو گئی ہے کہ یہ
کارخانہ وجود میں نہیں آویگا۔ پرماتما کرے کہ ایسا ہی ہووے۔ مگر
یہ موقعہ وچار کرنے کا ہے۔ اگر اس قدر توجہ افسران بالادست نے
کی ہے یا کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ
اس کام کو ہندو مسلمان دونوں نے ملکر ایک رائے اور ایکزبان
سے کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کام میں اگر مسلمان بھائی اہل
ہنود کا ساتھ نہ دیتے تو کوئی بھی توجہ نہ کرتا۔ باہمی میل اور محبت

کا جو فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس کا نمونہ یہ سامنے نظر آرہا ہے اتفاق
کی مہما گاتے تو سارے لوگ ہیں۔ مگر پھل صرف اُنہیں کو ملتا ہے
جو کہ اس کو عملی طور پر کام میں لاتے ہیں۔

کہنا کرنا ہیں دو بھائی — کرنے کی ہے دھنیہ کمائی
کہنا کہہ کہہ جاوے تھک — کرنا پہونچے منزل تک

ہمارے شاستروں اور بزرگوں کے بنائے گرنتھوں میں اس
سنسار میں آرام سے رہنے اور دوسرے پرانی ماتر کو آرام
اور سکھ پونچانے کیواسطے بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ مگر ہمارے لوگ
اس پرکار بند نہ ہو کر آپ دُکھ اُٹھاتے دوسروں کو دُکھ دے رہے
ہیں۔ اور دوسروں کو دُکھ دے دے کر اپنے اور اپنی سنتانوں کے
واسطے ان سے بھی بڑھکر دُکھوں کے سامان مہیا کر رہے ہیں۔ مگر
اب امید کی جھلک دکھائی دینے لگی ہے۔ جس سے پریم اور پریتی کے
پرچار سے پروپکار کو پرم ہت کا سادھن سمجھا جاویگا۔
پرماتما دیا کریں کہ لوگ اپنے کرتویہ کو سمجھیں اور ایک دوسرے
کی امداد اور سہایتا کرتے ہوئے پرمانند کا لابھ اُٹھادیں

سردی کا موسم

سر پر آنے والا ہے۔ دولتمند اور امیر لوگ اس کی انتظار
کر رہے ہیں۔ اچھے اچھے مقوی اغذیہ کی تیاری کے واسطے
حکیموں اور طبیبوں سے نسخے لکھوا کر ان کی تیاری کی فکر میں
ہیں۔ بزاز اور پارچہ فروشی کا کام کرنے والے سیٹھ کوٹھی

وار اچھی سے اچھی اور عمدہ بیش قیمت سوتی۔ اونی۔ ریشمی
اور ریشمی پارچات کے گٹھے کے گٹھے منگوا کر اپنی دوکان
کو سجانے لگے ہیں۔ پورانہ مال کو جلد جلد نکالنے کی فکر کر رہے
ہیں۔ دولت مند لوگ اس فکر میں ہیں۔ کہ کب دوکانوں اور
کوٹھیوں میں گرم مال آوے۔ اور کب ہم اپنے اور اپنے
بچوں اور لواحقوں کے واسطے سردی میں کام آنے والے
نئے نئے پارچات تیار کرا دیں۔ ایک طرف تو سردی کی آمد
کو بڑی چاہ اور انتظار سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ
ہی دوسرے لوگ بھی ہیں۔ جن کو سردی کا خوف دور ہی سے
ستا رہا ہے۔ قحط نے اپنا زبردست کٹھار دیش باسیوں کی گردن پر
رکھا ہوا ہے۔ کھانے پینے کی سب ہی چیزیں گرانی کی حد تک پہنچ چکی ہیں
پہرنے کے پارچات نے بھی انکا ساتھ دیا ہے۔ جو کپڑا پہلے چار آنہ گز
کو بڑا عمدہ مل جایا کرتا تھا۔ وہ اب روپیہ بارہ آنہ گز سے کم کو نہیں
آتا۔ جو گرم کپڑے روپیہ ڈیڑھ روپیہ گز کو اچھا مل جاتا تھا وہ اب
پانچ چھ روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔ غریبوں کے واسطے یہ سردی اور
سیالا ملک الموت کا پیش خیمہ نظر آ رہا ہے۔ پھر بھی وہ لوگ اپنی
کچھ نہ کچھ تدبیر کر رہے ہیں۔ پورانے پھٹے ہوئے رضائی اور لحافوں
کی مرمت کرتے ہیں ان کے اوپر دونوں طرف کوئی پورانہ کپڑا
لگا کر اسکی موٹائی کو بڑھاتے ہیں تاکہ رات کو بال بچوں کو فرش زمین
پر لٹا کر ایک ہی گندھولاسب کے اوپر ڈال دیا کریں۔ اور بھی جو کچھ
ان سے ہو سکتا ہے۔ اپنی اور اپنے بچوں کے جسم کو سردی سے بچانے کی
فکر کر رہے ہیں تیسرے اور بھی انسان کے نیچے بھارت کے اناتھ اور یتیم ہیں
انکی امید بھی اپنے دینی اور جاتی کے دھرماتماپرشوں پر لگی ہوئی ہے

جس قدر یتیم خانہ جات دیش میں موجود ہیں۔ ان سب بچوں کے واسطے بھی سردی سے بچاؤ کے واسطے گرم کپڑوں کیفیت ہے۔ ان کا کوئی خاص قسم کا پروگرام اور حکم تو چل ہی نہیں سکتا کوئی اونی گرم کپڑا مل گیا۔ اور جتنے بچوں کے واسطے مل گیا ان کو وہی پہرا دیا۔ ایسا گرم نہ ملا تو معمولی رنگدار سوتی کپڑے کا واسکٹ یا کوٹ بنوا کر اس میں روئی بھروا دی۔ رات کے واسطے کسی کو کمبل یا لوئی مل گئی تو اسی میں گذارہ ہو گیا۔ یا کوئی رضائی روئی دار ہو گئی۔ تو کیا کہنا۔ ان کے واسطے یہ سب سامان دیش اور جاتی کے دہرماتما پرش ہی بہم پہنچا دیں تو کام چلنا ہے سوائے اس کے کوئی صورت تو ہے ہی نہیں۔ پس اب وقت پر جاتی کے خیر خواہوں اور رکشکوں کی سیوا میں التماس کی جاتی ہے کہ جہاں وہ اپنے اور اپنے پروار اور بچوں کے واسطے سردی کے موسم کے واسطے پارچات تیار کرا رہے ہیں یتیم خانہ جات کے بچوں کی ضروریات کا بھی خیال رکھیں۔ جو صاحب اپنے واسطے پانچ پوشاک بنواتے ہیں۔ اگر ایک اور پوشاک کا خرچ یتیم بچوں کے واسطے دیدیا کریں۔ یا جہاں وہ ہیں اپنے پارچات پر خرچ کرنے والے ہیں سوا روپیہ یتیم بچوں کو سردی سے بچانے کے واسطے بھجوا دیویں۔ تو یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔ یتیم بچوں کی اس ضرورت کی طرف جو صاحبان خیال کریں۔ وہ یتیم خانہ مظفر گڑھ اور اس کی شاخوں بیٹ سودہی اور لاہور کے یتیم بچوں کی ضروریات کا بھی خیال فرماویں جہاں کہ ساٹھ لڑکے پرورش پا رہے ہیں؛

نویدک۔ گنگا رام ریٹائرڈ۔ اور سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ

یہ ماہواری رسالہ یتیم خانہ مظفر گڑھ کی طرف سے لاہور و انبالہ ... سے شائع ہوتا ہے۔ جملہ خط و کتابت بنام مہتمم صاحب یتیم خانہ مظفر گڑھ ہونی چاہئے۔ قیمت سالانہ ۱/ ...

اوم

پتت اُدّھار

حصہ یازدھم

دیش اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی کی تجویز سے

بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۲۰ء مرتب ہو کر

گلزار ہند سٹیم پریس لاہور میں شیخ احمد علی تمیمی پرنٹر کے اہتمام سے چھپا

تعداد ۲۰۰۰ — قیمت فی کاپی ۲/

پتت اُدھار کے دس حصے نکل چکے۔ گیارہواں حصہ
یہ ہے۔ جو کہ ناظرین کی سیوا میں آتا ہے۔ اب ایک حصہ
اور نکل کر پتت اُدھار کا نیا انتظام کرنے کا وچار
ہے۔ جن صاحبان کی سیوا میں یہ پہنچتا ہے۔ اُنکی کرپا ہوگی
کہ وہ اپنی اپنی رائے جو کہ اُنہوں نے اسکے بارہ میں قایم کی ہے
اس سے اطلاع دیویں اور جن صاحبان نے اسکا چندہ ابھی تک ارسال نہیں کیا
وہ کرپا کرکے بھیجدیں۔ پتت اُدھار پریس یعنی چھاپہ خانہ
کے جلدی بنائے جانے پر بھی وچار ہو رہا ہے۔ اس واسطے
بھی ضروری ہے۔ کہ ناظرین اپنا اپنا چندہ ارسال فرماویں
اور اپنے جن دوستوں کو اس کے خریدار بننے کی پریرنا کر
سکتے ہیں۔ اُن کا چندہ بھی بھجوا دیویں۔ اپنا پریس ہو جانے
پر جس قدر سہولیت۔ آسانی اور فائدہ پتت ادھار کو
ہر ایک مد کے تعلق میں ہوگا۔ اس کے بیان کرنے
کی ضرورت نہیں ہے۔

گنگا رام سکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ

پتت اُدھارا یجنسی

پتت اُدھار میں جو مضامین استریوں پر انیاچار کی سرخی کے نیچے نکل رہے ہیں۔ اس وجہ سے کہ پتت ادھار ان دنوں اردو حروف میں نکل رہا ہے۔ وہ مضامین استریوں کے پڑھنے میں نہیں آتے۔ وچار کیا گیا۔ کہ اس مطلب کو پورا کرنے کے واسطے ان کو دیوناگری حروف اور ہندی بھاشا میں ترجمہ کرکے چھپوایا جاوے۔ پہلے چھ حصوں کے مضامین کا ہندی ترجمہ شریمتی راج کماری دیوی ادھیاپکہ لائلپور پتری پاٹشالہ نے بڑی محنت سے پورا کر دیا ہے۔ اور یہ ایک چھوٹی پستک کی شکل میں اسی دیوی کی طرف سے چھپوایا جاوے گا قیمت کی بابت ابھی تک کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کم کس قدر رہوگی کیونکہ کاغذ اور چھپوائی کا نرخ بہت چڑھا ہوا ہے۔ بہر حال دو آنہ فی پستک کے قریب اس کی قیمت ہوگی۔ دیش اور جاتی سے پریم رکھنے والے استری پرشوں اور آریہ سماجوں کے سبھا سدوں اور ادھیکاریوں اور پتری پاٹشالاؤں کے مینجروں اور ادھیاپکاؤں کی سیوا میں نویدن ہے۔ کہ اس پستک کو زیادہ تعداد میں منگوا کر استری جاتی میں اس کا پرچار کریں۔ اور دھنا ڈیہ استری پرش اپنے خرچ پر منگوا کر تقسیم کریں۔ اس کام میں نفع نقصان کسی خاص آدمی کا نہیں ہے۔ اور نہ یہ کام نفع کمانے کے واسطے کیا جا رہا ہے۔ صرف اپنی جاتی کی پتت حالت کو ہمدردی سے دیکھنے والے استری پرشوں کے سامنے

پیش کرنے اور اُدھار کے علاج سوچنے کے واسطے یہ کام کیا جاتا ہے۔ امید ہے۔ کہ استری پرشوں کے مل کر وچار اور کام کرنے سے پرماتما کی دیا سے بھارت کا اُدھار ہو جاویگا نویدک۔ گنگارام سکرٹری یتیم خانہ مظفرگڑھ ۔ اڈیٹر پتت ادھار

پتت اُدھار

میں استریوں پر اتیا چار کے مضامین کو پستک کی شکل میں بنانے کے واسطے جس دیوی نے محنت کی ہے۔ اُس نے جو بھومکا اپنی طرف سے لکھی ہے۔ اُس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔
پوجنیہ ماتاؤ۔ بہنو اور بھائیو۔ میں نے پتت اُدھار ماسک پتر کے مضمون جو استری جاتی کے تعلق میں لکھے گئے ہیں مُنے۔ میں یہ کہنے سے رُک نہیں سکتی۔ کہ میرے سامنے استری جاتی کی دُردشا کا چتر کھنچ گیا۔ میں سمجھتی ہوں۔ کہ پتت اُدھار میں اور بھی بہت سے بیش قیمت مضامین ہیں۔ اور یتیم خانہ مظفرگڑھ کی مینجنگ کمیٹی نے پتت اُدھار رسالہ سے بڑی بھاری کمی کو پورا کیا ہے۔ ایسی ایسی باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو بہت ضروری ہیں۔ مگر وہ آج تک اندھیرے ہی میں تھیں۔ میں وچار کر رہی تھی۔ کہ میرے پوجیہ پتاجی نے استری جاتی سمبندھی مضامین کو ایک علیحدہ پستک کی شکل میں دیوناگری حروف میں لکھنے کی مجھے آگیا دی۔ اور میں نے پتاجی کی سہایتا سے پتت اُدھار کے چند حصوں کے مضامین کو پستک کی شکل میں شایع کرنے کے واسطے بڑے ستکار کے ساتھ پردیکار

شبھ پوجیہ پتا تلیہ شری پنڈت گنگا رام جی منتری اناتھ آلہ
مظفر گڑھ کی سیوا میں بھیج دیا۔ بس اسے پوجنیہ ماتاؤ بہنو
اور بھائیو میں آپ کی سیوا میں نمرتا کے ساتھ پرارتھنا کرتی
ہوں۔ کہ آپ اسے ضرور پڑھیں۔ اور دوسروں کو سنا کر
میرے پریشرم کو سپھل کریں۔ یہی پرارتھنا ہے۔ اور امید ہے
کہ مینجنگ کمیٹی اناتھ آلہ مظفر گڑھ مجھے ایسی پتت پاؤنی سیوا
کے لئے موقعہ دیتی رہیگی۔

آپ کی شبھ چنتکا۔ راجکماری

شریمان پنڈت ہرِشچندر جی اُپدیشک آریہ سماج

لائل پور نے پتت اُدھار کے متعلق اپنی رائے حسب ذیل لکھی ہے

شری یُت پوجیہ پنڈت جی نمستے

آپ کے بھیجے ہوئے پتت ادھار کے آٹھ انک میں نے
دھیان دے کر پڑھے۔ اور دوسروں کو سنائے۔ اور لوگوں
میں تقسیم کئے۔ ہر ایک شخص نے خوشی سے اُن کو پڑھا اور سنا
ان کے بارہ میں جو کچھ میری رائے میں آتا ہے۔ وہ لکھتا
ہوں۔ میرے وچار میں پتت ادھار سے بھاری اُپکار جنتا کو
پہنچیگا۔ بدی اس کی سہایتا جنتا نے کی تو پتت اُدھار
پاپ کو جگت میں سے نرمول کر دیگا۔ جس کے نرمول کرنے کے
واسطے اس کا اودے ہُوا ہے۔ سب نرناریوں کو پرتی ماس
اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ استریوں کے واسطے اسے بھاشا
دیوناگری اکشروں میں شایع کرنے سے پتت ادھار اور بھی
تیجسوی اور بہو مانت ہوگا۔

آپ کا بندہ ہرِشچندر

میں امید کرتا ہوں۔ کہ پرماتما کی دیا اور سجن پرشوں کے امداد
سے پتت اُدّھار جیسں مطلب کے واسطے جاری کیا گیا ہے
بہت کچھ پورا کریگا۔ باپ کا سرو شفا نرمول ہو جاتا تو ناممکن
ہے۔ پھر بھی بگڑی کو بنانے میں کچھ نہ کچھ تو ہو ہی رہیگا۔ گنگارام

پتت اُدّھار

ڈیرہ غازیخاں کی غرقابی جون ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ ماتا
اپنی سنتان سے پیار کرتی ہے۔ نہیں چاہتی کہ اُس کے بچوںکو
کوئی تکلیف ہو۔ کوئی بیماری ہو۔ کوئی اُن کو نقصان پہنچاوے
یا اُن سے بدسلوکی کرے۔ ماتا کا ہردہ بڑا کومل ہوتا ہے۔ بیٹا
پردیس میں گیا ہو۔ روٹی کا وقت ہو۔ روٹی نہیں کھاتی۔ یہی
خیال ہے۔ کہ ہے پرماتما میرے بیٹے نے روٹی کھائی ہو۔ وہ
کہیں بھوکھا نہ ہو۔ میں ڈائن اب کھاؤنگی۔ کیا پتہ ہے۔ کہ
میرے بچے کی حالت کیا ہے۔ اُس نے پانی پیا ہے یا نہیں
ماتا کو جو پریم اپنے بچوں سے ہے۔ اس سے بڑھ کر پریم
کی نظیر دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کا معاوضہ اولاد کی
طرف سے ماتاؤں کو جو کچھ ملتا ہے۔ اس کے ذکر کرنے کا یہ
موقعہ نہیں ہے۔ پھر کبھی اس کا بیان ہوسکتا ہے

یہاں تو صرف یہ دکھلانا ہے۔ کہ یہ پریم کیوں ہے اور
کہاں سے ہے۔ باوجود اس پریم کے بچہ اگر ماتا کا اگیاکاری
نہ ہو۔ تو دنڈ بھی دیتی ہے۔ مارتی بھی ہے۔ روٹی کھانے کو

نہیں دیتی اور بھو کبھار کھتی ہے۔ اس کے یہ سارے جتن بھی
پریم سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ماتا بچہ سے ناراض اس
واسطے ہوتی ہے۔ کہ وہ ایسا کام کرتا ہے جو کرنا نہ چاہئیے اس
واسطے وہ ڈنڈ دیتی۔ مارتی اور بھو کھا بھی رکھتی ہے۔ دراصل یہ
پریم اور پیار تو اس سچی پرم ماتا کا پریم ہے۔ جس نے اپنے
بچوں کی پرورش کے واسطے سنسارک ماتاؤں کے ہردے
میں پیدا کر چھوڑا ہے۔ وہ صرف ایک جنم کی ماتا نہیں۔ بلکہ ازلی
اور مدامی ماتا ہے۔ جہاں وہ ماتا ہے۔ ازلی پتا بھی وہی ہے
ماتا کے ہردے میں پریم زیادہ اور سختی بہت کم ہوتی ہے وہاں
پتا کے ہردے میں پریم بھی ہوتا ہے۔ مگر ماتا سے کم اور سختی
ماتا سے زیادہ۔ اس کے ساتھ ہی وہ سچا ازلی گورو اور راجہ
بھی ہے۔ ان سب رشتوں کا پیار اور پریم بھی تو اسی پرماتما
کا پیار اور پریم ہے۔ مگر جب لوگ ظلم کرتے۔ غریبوں کو ستاتے
ایک دوسرے کو دکھ دیتے۔ اس کی دی ہوئی طاقتوں اور
اور برکتوں کا ناجائز استعمال کرتے۔ خون۔ قتل۔ چوری۔ ڈکیتی
زنا کاری اور شرابخوری وغیرہ پاپوں کو اپنے واسطے مفید اور
منافع بخش جاننے لگتے ہیں۔ اور طرح طرح کے اپدرو کرتے
ہیں۔ فن۔ فریب اور عقلمندی۔ چالاکی سے نادان۔ بیوقوفوں کو لوٹنے
لگ جاتے ہیں۔ پرماتما نے جو انتظام دھرم اُپدیش کا کیا ہُوا
ہے۔ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور جو دھرم کا بھاو ہر ایک
آتما میں موجود ہے۔ اُس کی تحقیر کرتے ہیں۔ پرماتما کے امرت
پتر ان لوگوں کے سمجھانے کے واسطے تیار ہوتے ہیں۔ تاکہ
وہ ان کو خبردار کریں۔ پاپ کے پھل انیک پرکار کے سنتاپ

کو سُننا اور دکھا کر عام لوگوں کو پاپ کرنے سے بچا دیں۔ مگر
لوگ اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے تو کئی طرح کی آفتیں۔ قحط
طاعون۔ پلیگ۔ ہیضہ اور انفلوانزا جیسی بیماریاں۔ طوفان
بھونچال۔ آتشزدگی۔ غرقابی۔ جنگ مہابھارت اور مہایورپ
جیسی بھینکر کشت خون اور قتل عام جیسی مصیبتیں انسانوں کے
سر پر۔ ملکوں اور قوموں کے سر پر نازل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ایک
انسان کے جسم کے اندر مواد فاسد کے جمع ہو جانے سے وہ
کسی نہ کسی بیماری کے ذریعہ باہر نکلتا ہے۔ بہت سا کشٹ
اور تکلیف اس بیماری سے ہوتی ہے۔ بہت سے آدمی ان
بیماریوں سے جانبر نہیں ہوتے۔ بہت سے بچ بھی جاتے ہیں
جس طرح سے لائق طبیب آدمی کی نبض ٹمپریچر اور چہرہ اور
آنکھ کی رنگت کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہے۔ کہ بیماری کیا ہے اور
کس درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ موسم کے دیکھنے والے ہوا کے
وزن۔ دباؤ اور سمت کو دیکھ کر نتیجہ نکال لیتے ہیں۔ کہ بارش
ہونے والی ہے۔ یا فلاں قسم کے انقلاب کے آنے کی امید
ہے۔ اسی طرح سے جب دُنیا میں پاپ بڑھ جاتا ہے۔ دھرماتما
اور ہتیشی لوگ چاہتے ہیں۔ کہ لوگ پاپوں سے پرہیز کریں۔ ورنہ
کوئی نہ کوئی آفت ارضی یا سماوی ضرور نازل ہوگی۔ اور ہوتی
بھی ہے۔ کئی آفتیں ایک دیشی ہوتی ہیں۔ خاص مقام خاص
جاتی خاص علاقہ اور خاص شہر کے لوگوں کو جن سے تکلیف
ہوتی ہے۔ جیسا کہ ملتان کی پلیگ اور کانگڑہ کا بھونچال۔ اور
کئی عالمگیر ہوتی ہیں۔ جن کی مار دور دراز دنیا کے ملکوں اور
قوموں پر وار کرتی ہیں۔ جیسا کہ زمانہ حال کی جنگ مہایورپ ہوا

ہے۔ یہ نہ صرف گذر چکا ہے۔ بلکہ اس کا اثر اور نتیجہ نہ معلوم کس قدر عرصہ تک لوگوں کو ستانے اور دوکھ دینے کے واسطے موجود رہیگا

یہ آفتیں بطور ایسی ہی سزاؤں کے ہیں۔ جیسا کہ ماتا اپنے بچوں کو دیا کرتی ہیں۔ تا کہ دنیا میں اُتپات کرنے والے اپنی سزاؤں کو بھوگیں۔ اور آئندہ کے واسطے عبرت پکڑیں۔ اور پاپوں سے بچیں۔ مگر عام طور پر لوگ اس کو سمجھتے نہیں آفت اور مصیبت کے گذر جانے پر پھر ویسے کے ویسے کام کرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ تاہم اُن لوگوں کے واسطے جو کچھ وچار کریں۔ یہ واقعات ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اُنسے کچھ سبق لیا جاوے۔ اور آئندہ کے واسطے عبرت پکڑی جاوے اور پاپوں سے بچنے کا اوپاؤ کیا جاوے۔ جس طرح پر کہ کانگڑہ کا بھونچال ایک خاص علاقہ کے واسطے پرماتما کے قہر کا ایک نشان تھا۔ ایسا ہی ڈیرہ غازیخاں کی غرقابی بھی شہر ڈیرہ غازیخاں کے باشندوں کے واسطے ایک عبرت آموز مصیبت اور آفت تھی۔ جس کو وہی لوگ جانتے ہیں۔ جنھوں نے اس کو بھگتا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا ہے۔ کہ ایک مختصر سی یادداشت اس واقعہ کے متعلق اپنے دیش کے سجن پُرشوں کی سیوا میں پیش کر چھوڑوں تا کہ کوئی ایسے لوگ بھی ہونگے جو اس سے کچھ سکشا حاصل کرکے آپ پاپوں سے بچے رہنے کی تجویز کو سوچیں۔ اور دوسروں کو بھی کچھ سکھا سکیں۔ اگر ایک انسان بھی اس واقعہ کو دھیان میں لاکر کچھ لابھ اٹھاوے۔ تو میری محنت سپھل سمجھی جاوے گی۔

ڈیرہ غازیخاں ایک بڑا خوبصورت شہر دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر ریلوے سٹیشن غازی گھاٹ سے جانب غرب

و میل فاصلہ پر آباد تھا۔ اس علاقہ کے حاکم نواب غازیخاں نے اپنے نام کی یادگار میں قریب سنہ ۱۶۰۰ء میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔ لوگ بڑے آرام سے گذارہ کرتے تھے۔ شری کرشن کی یادگار میں ایک مندر یہاں بنا ہوا تھا۔ جس کو گوپی ناتھ جی کا مندر کہا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اس مندر کے سیوک تھے۔ اس مندر کے پوجاری لال جی کی گدی کے گوسوامی اور مہنت کہلاتے ہیں جاتی کے برہمن ہیں۔ ایک دوسرا مندر کرشن مہاراج کے نام سے تھا۔ جس کے پوجاری شام جی کے گوسوامی اور مہنت کہے جاتے ہیں۔ یہ جاتی کے کھتری ہیں

لال جی کے گوسائیوں کے رشتے ناطے برہمنوں سے اور شام جی والوں کے رشتے ناطے کھتریوں سے ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح سے لال جی کے گوسوامی سیوکوں کے دان بھینٹ پوجا اور مندر کے چڑھاوے کی آمدنی پر گذران کرتے ہیں۔ یہی حال شام جی کے کھتری گوسائیوں کا ہے۔ دوسرے مذاہب کے لوگ دریا کے پوجارے۔ سناتن دھرمی۔ آریہ سکھ اور مسلمان بھی اس شہر میں تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ باوجود افراد مذاہب کے جیسا کہ دنیا کی عام حالت ہے۔ یہاں پر پاپ دن بدن بڑھ رہا تھا۔ اور گھور گہرنت انیاچاروں نے رفتہ رفتہ اپنا ڈیرہ آجایا تھا۔ جس کی تفصیل کا بیان مناسب تو نہیں ہے۔ تاہم مختصر طور پر اُن کا تھوڑا سا ذکر ضروری ہے۔ تاکہ جو لوگ چھپ کر اور ہزار عقلمندی اور چترائی کے ساتھ پوشیدہ رکھ کر پاپوں کو کیا کرتے ہیں۔ اُن کو اس قدر معلوم ہو جاوے۔ کہ پرماتما ہزار دل آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور سارے کرموں کا پھل دینے والا وہ آپ

ہے۔ دوسرے پاپوں کے ساتھ ساتھ جرائم خلاف وضع فطری کا بھی رواج ہو گیا تھا۔ جس کے نمونہ پر ایک فوجداری مقدمہ نے روشنی ڈالی۔ سکول کے طالبعلم گیارہ لڑکوں نے ایک مکان کرایہ پر لے کر اس شرارت کا اڈہ اُسے بنایا ہوا تھا۔ بھولے اور ناواقف لڑکوں کو دھوکہ اور فریب سے بلا کر وہاں لایا کرتے تھے۔ اس مقدمہ میں شہر کے بہت سے لوگ کسی نہ کسی لڑکے کی رشتہ داری کی وجہ سے ہمدردی کرنے والے تھے بہت سی کوشش ان کی صفائی کی کی گئی۔ ضلع کے سارے کے سارے وکیل سوائے ایک صاحب کے ملزموں کی طرف سے پیروکار تھے۔ مگر منصف جج نے جرم کو ثابت پا کر اُن کو نہ چھوڑا۔ سات بالغ لڑکوں کو چار چار سال کی قید کی سزا دی اور چار نابالغوں کو صرف سزائے تازیانہ دے کر چھوڑ دیا۔

ڈسٹرکٹ جج صاحب کے ہاں اپیل ہونے پر یہ سزائیں تین سال کی رہ گئیں۔ اور چیف کورٹ نے بھی اُسے بحال رکھا۔ ضلع کے بڑے بڑے لوگوں ہندو مسلمانوں اور تمن داروں نے لاٹ صاحب کی خدمت میں رحم کی درخواست کی۔ قید کا بہت سا حصہ گذر چکا تھا۔ چند ماہ باقی تھے لاٹ صاحب نے ان لوگوں کی خاطر ان کو چھوڑ دیا۔ تم جانو تمہاری بلا تمہاری گردن پر اب رہا مردوں کا استریوں سے ناجائز تعلق۔ اپنی گلی محلہ ہمسایہ والیاں تو کیا اپنی نزدیکی .... سے بھی دریغ نہ کرنا۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے ہر دہ کانپ اٹھتا ہے اس کا خلاصہ صرف ایک ضرب المثل سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ مشہور ضرب المثل ہے۔ جس کا پہلا فقرہ حسب ذیل

ہے۔ "ڈیرہ بھولاں دا بہرہ"۔ اس کے آگے دو فقرہ اور ہیں۔ جن
کا بیان کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ جن لوگوں کا اس تحریر سے
کچھ تعلق ہے۔ وہ سب اس ضرب المثل کو جانتے ہیں۔ اور اس کا
مطلب بھی اُن کو معلوم ہے۔ کوئی پردیسی جو اس ضرب المثل کو سنیگا
یہی خیال کریگا۔ کہ اس شہر کے لوگوں کے چال چلن گرے ہُوئے
تھے۔ گو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ کُل کے کُل لوگ چلن
میں گرے ہُوئے تھے۔ اچھے۔ بھلے پُرش اور نیک چلن لوگ
بھی ضرور ہونگے اور تھے۔ مگر جن کو بدچلن کہا جا سکتا ہے اُن
کی تعداد زیادتی پر تھی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ میرے
ایک دوست نے سنایا۔ کہ یہاں ایک امیر پارٹی کے لوگ
ایک ضیافت میں کھانا کھا رہے تھے۔ شراب کا دور جاری
تھا۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ مجھے پیشاب آیا ہے۔ جو صاحب
اُن کے پاس بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا
کہ تھالی میں کر لو۔ چنانچہ وہ صاحب اُسی تھالی میں جس میں کہ
کھانا کھا رہے تھے پیشاب کرنے لگے۔ یہ تو ایک معمولی بات
ہے۔ اور بھی خاص خاص بڑے اور معزز خاندانی لوگوں کے
حالات عجیب ہیں۔ جن کو گھور پاپ اور کوکرم کا نام دیا جا سکتا
ہے۔ مگر اس تحریر کا مطلب کسی صاحب کا نام بتلانا نہیں۔ بلکہ
کل جاتی اور سوسایٹی کی حالت کا مطالعہ کرنا۔ اور اس حالت
کا جو نتیجہ سخت سزا کی صورت میں ملا۔ اس سے عبرت پکڑنا اور
آئندہ کے واسطے اپنے جاتی اور دیش کے بھائیوں کو ایسے
کاموں کے نتائج سے آگاہ کرکے ایسے کاموں سے خود بچنا اور
ایسے لوگوں کو بچانا ہی تو ہے۔ اس بارہ میں صرف اسی قدر کہنا کا

ہے۔ جو کہا گیا۔ غرضیکہ حالات اس قسم کے تھے۔ جن کی وجہ سے اس
شہر کے لوگوں پر پرماتما کا قہر غرقابی کی مصیبت کی شکل میں نمودار
ہوا۔ تین سو برسوں تک دریائے سندھ اپنے معمولی اور قدرت
کے دیئے ہوئے راستہ پر بہہ رہا تھا۔ لوگ بڑے آنند اور چین سے
گذارہ کرتے تھے

موسم گرما میں پانی کی بہار نالہ کستوری اور خاص دریا پر دھاونیاں
ہوا کرتی تھیں۔ لوگوں کے آنند اور بہار کی کوئی حد نہ ہوتی تھی
دوست آشنا بھائی بند ہو سب ملکر مختلف منڈلیوں میں نالہ اور
دریا پر جایا کرتے۔ قسم قسم کے کھانے بنوا کر ساتھ لے جاتے
اور بہت سے امیر اور دولتمند لوگ اکل رسد کا سامان موقعہ پر
لے جا کر تازہ بتازہ بھوجن وہیں تیار کرواتے۔ حلوائیوں میوہ
اور پھل پھول کے بیچنے والوں کی دوکانیں لگ جاتی تھیں۔ نالہ
اور دریا میں تاری اور غوطہ لگا کر خوب خوش ہوتے۔ بھوکھ لگتی اور
مزہ سے کھاتے۔ کئی طرح کے تماشے اور ناچ بھی موقعہ موقعہ
پر ہوا کرتے تھے۔ موسم گرما میں ان لوگوں کو گویا سورگ اور
بہشت کا لطف یہیں مل جاتا تھا۔ باغات کی سیر۔ پھل پھول میوہ
جات کا لطف بڑا آنند دیا کرتے تھے۔ چار یاری کے لوگ باہم ملکر
ہنستے۔ کھیلتے۔ ٹھٹھہ مسخری میں پڑ کر دُنیا داری کے سب فکروں کو
بھول جایا کرتے تھے۔ کوئی پردیسی جو اس موقعہ پر پہنچ جاتا
بھول جاتا کہ وہ تختہ زمین کے اوپر ہے۔ یا کہ بہشت بریں میں
پہنچ گیا ہے۔ مگر لوگوں کو کیا خبر تھی۔ کہ یہ سامان انکا ہمیشہ
کے واسطے چھپنا جانے والا ہے۔ آخر پرماتما کے غضب اور
قہر کا دور شروع ہوا

سن ۱۸۹۰ء سے دریا نے بُردی کا کام شروع کیا۔ بھنڈ والا۔ مسوان
اور بوہڑ ستر والی گرائی۔ اور آہستہ آہستہ سال بسال آگے کو
گراتا چلا گیا۔ بستی سمانہ اور پنڈت ہری چند صاحب بجوجہ
پونزہ کا باغ بھی گرایا گیا۔ یہ پنڈت صاحب شریمان پنڈت
جسونت رائے صاحب سول سرجن۔ کے بھائی تھے۔ جو کہ گوپی ناتھ
کے مندر کے گوسائیں کے گھر میں بیاہے ہوئے تھے۔ ان
گوسائیوں کا رواج یہ تھا۔ کہ جب لڑکے کو اپنی لڑکی کا ہاتھ
دیتے۔ اُس کو اس کے ماں باپ کے گھر سے کھینچ کر اپنے ہی گھر
میں رکھا کرتے تھے۔ اس وجہ سے پنڈت ہری چند جی کو
بھی اپنے باپ دادؤں کا گھر جو کہ شاہ پور میں تھا۔ چھوڑ کر ڈیرہ غازیخاں
میں رہائش اختیار کرنی پڑی تھی۔ پنڈت صاحب بڑے بھلے
پُرش تھے۔ ڈیرہ غازیخاں میں آنریری مجسٹریٹ بھی بن گئے
تھے۔ اُنہوں نے ایک باغ بنوایا تھا وہ بھی گر گیا۔ اور سال بہ
سال دریا صاحب ڈیرہ غازیخاں کی آبادی کی طرف کو جانے
لگے۔ ہندو اور مسلمانوں کے جو جو بھی مندر اور مزار تھے
لوگوں کو اُن سے امید تھی۔ کہ وہ شہر کو تباہی سے بچا دینگے
باغ کے بعد پتھر کے مضبوط بندہ کو دریا نے گرانا شروع کیا
ہندو لوگوں نے سمجھا کہ اب بابا بودلہ کی سمادھ رستہ میں
آگئی ہے۔ دریا اس سے پرے ہٹ جاوے گا۔ وہ سمادھ
بھی نہ بچی۔ فقیر مہوال شاہ کا روضہ شمال کی طرف تھا۔ وہ بھی بہہ
گیا۔ اور وہاں سے گری ہوئی دو کھجوریں جو بہتی ہوئی آئیں
وہ محمود شاہ صاحب کراماتی کی خانقاہ کے پاس ٹھہر گئیں اب
لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ مہوال شاہ صاحب نے ڈیرہ غازیخاں

کی چابیاں محمود شاہ صاحب کراماتی کے حوالہ کر دی ہیں۔ اور اُن کو کہا ہے۔ کہ ہم تو اب جانتے ہیں۔ مگر آپ یہاں ٹھیرے رہیں۔ اور شہر کو بچاویں۔

ماہ ساون میں ۱۵ - ۲۰ روز تک بردی کا کام بند رہا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ پیر محمود شاہ صاحب کی کرامات ہے۔ لوگوں نے اب بہت سے چڑھاوے اس خانقاہ پر چڑھائے ہندو مسلمان بہت سے لوگ اسی خانقاہ کے معتقد ہوئے۔ آخر پانی کا زور اس خانقاہ کی طرف بھی بڑھا۔ اور کوئی صورت بچاؤ کی نظر نہ آئی لوگوں میں مشہور ہو گیا۔ کہ اب سارے پیر فقیر اولیا ڈیرہ غازیخاں کے لوگوں سے ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔ کئی آدمیوں نے ایسا بھی کہا۔ کہ ہم ایک کشتی پر سوار دریا میں جاتے تھے۔ کہ ہم نے دیکھا۔ کہ محمود شاہ صاحب کراماتی کے مزار میں سے بہت سے برقعہ پوش بزرگ نکلے اور دور فاصلہ پر ایک کشتی دریا میں نظر آئی اُس میں سب کے سب سوار ہو گئے۔

اُسی طرح سے ہندو لوگوں نے بھی سمجھا۔ کہ اُن کے کسی بھی دیوی دیوتا گورو اوتار نے اس موقعہ پر شہر والوں کی مدد نہ کی اور مسلمانوں نے بھی جان لیا کہ ان کے پیر فقیر اولیا جو کہ کرامات کے مالک تھے۔ مگر اس موقعہ پر وہ شہر کے لوگوں سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر یہ لوگ اپنے بزرگوں کی اس ناراضگی کا خیال اب بھی رکھتے اور پھر ایسے کاموں سے پرہیز کرتے۔ جن کی وجہ سے ان کے بزرگ ان سے ناراض ہو کر چلے گئے۔

لوگوں کو فکر ہوا۔ سرکار نے حفاظت کی تجاویز کو عمل میں لانا
شروع کیا۔ ہر سال دریا کا دھاوا جاری رہا۔ کچھ نہ کچھ ٹکڑہ زمین
کا بہا کر لے جاتا رہا۔ شہر کی حفاظت کے واسطے شمال مشرق کی طرف
ایک میل کے قریب طول میں پتھروں کا بند لگایا گیا۔ سخی سرور
کے پہاڑوں سے پتھر لائے گئے۔ ہند کے وائسرائے گورنر جنرل لارڈ
کرزن بھی تشریف لائے۔ کئی لاکھ روپیہ سرکار نے حفاظتی تجاویز
کے واسطے لوگوں سے بذریعہ ٹکس کے وصول کیا۔

یہ کام مسٹر جانسن صاحب انجنیر اور سردار اوتم سنگھ صاحب اوورسیر
کے ہاتھ میں تھا۔ بڑے بڑے انجنیروں نے وچار کیا۔ دریا کی
تہ میں ایک گہری اور چوڑی کھدوائی کی گئی۔ تاکہ دریا کا بہاؤ
بدل جاوے۔ دریا کے عرض میں تین بند لمبے لمبے ساگوان کے
لٹھے گاڑ کر بنائے گئے۔ سرکار کی طرف سے بہت ہی دلچسپی کے
ساتھ کام کرنے یعنے شہر کو بچانے کی تجاویز ہوتی رہیں۔ دوسری
طرف شہر کے لوگوں نے برہمنوں ساڈہووں اور دریا صاحب کی
خدمت خوشامد بہت کی۔ منوں دودھ کھانڈ مصری پتاشے دریا
صاحب کی نذر کئے گئے۔ کئی لوگ آئے جنہوں نے کہا کہ اپنے جنتر
منتر پڑھکر اور پوجا پاٹھ سے دریا کے بہاؤ کو روک دیں گے
جو کچھ ایسے لوگوں نے مانگا۔ لوگوں نے دیا۔

ڈیرہ اسمعیل خان کے ایک پنڈت ٹھاکر داس جی تھے انہوں
نے کہا کہ میں رسی سے نشان لگا دیتا ہوں۔ اور یہاں بیٹھ کر
پاٹھ کرتا ہوں۔ دریا رسی سے آگے نہیں آویگا۔ تھوڑی دیر
میں دریا نے رسی کو بھی گرایا۔ اور پنڈت جی کو بھی اپنا آسن اٹھا
کر بھاگنا پڑا۔ ورنہ آپ بھی دریا برد ہو جاتے۔

ہر سال موسم برسات میں دریا کا زور ہوتا اور کیا کرایا کام سب
کچھ بہا کر لے جاتا۔ برسات کے بعد موسم سرما میں پھر حفاظتی تجاویز
پر لوگ مصروف ہو جاتے۔ باوجود ہر طرح کی کوشش کے دریا [illegible]
میں کنگن سڑک پر آپہنچا۔ جن لوگوں کے چاہات اور باغات دریا اور
شہر کے درمیان واقع تھے۔ انہوں نے اپنی اراضیات میں سے درختوں
کو کاٹنا اور سستے داموں پر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ ڈوبتی بیڑی
میں سے ہیرڑ کی مثال جو کچھ وصول ہو سکا کیا۔ پھر مکان گرنے لگے
تو لوگوں نے مکانات کی لکڑی شہتیر اور دروازے نکال کر دور
فاصلہ پر کارخانہ جات کے مکانات میں شہر کے جانب غرب لے
جانا شروع کر دیا۔ آپو دھاپ پڑ گئی۔ اب کون کسی کو مدد دے
سکتا تھا۔ جن کے پاس دولت کا زور تھا۔ انہوں نے جتنا ہو سکا
بچا لیا۔ جو غریب تھے۔ اُن کے مکانوں کی لکڑیاں بھی نہ بچ سکیں
دریا میں بہتی ہوئی لکڑیوں کو پکڑنے والے بہت سے لوگ لگے
ہوئے تھے۔ اور بہت سے لوگ اس موقعہ پر لکڑی کے خریدار بھی
موجود تھے۔ جو کہ خرید خرید کر اپنے شہروں اور گاؤں کو لے
جا رہے تھے۔ غرضیکہ ایک قیامت کا نمونہ برپا تھا۔ آخری سال
۱۹۱۰ء میں چودھری جمنی داس جی وکیل۔ پردھان آریہ سماج
ڈیرہ غازیخاں نے مجھے کہا۔ کہ کچھ مزدور کام کرنے کے واسطے
اُن کے پاس بھیج دیئے جاویں۔ میں نے جس قدر آدمی کہ بیٹ سوہنی کی
اراضیات داخل کردہ چودھری چندو رام صاحب کی آبادی اور نصب
درختان پر ملازم رکھے ہوئے تھے۔ سب کے سب روانہ کر دیئے تھے
اُن سے جو کچھ ہو سکا زیر ہدایت چودھری صاحب موصوف کئی روز تک کرتے
رہے۔ میں خود بھی شہر کی اس حالت کو دیکھنے کے واسطے ڈیرہ غازیخاں

میں گیا۔ دریا کوتوالی تک پہنچ چکا تھا۔ چودھری جمنی داس کا مکان
بازار کے اندر ابھی تک کھڑا تھا۔ مسجد اخوند والی کی دیواروں کے
ساتھ دریا کی لہریں ٹکرا رہی تھیں۔ کچھ لوہے کے نلکے وغیرہ سامان
مسلمان لوگ الگ کر رہے تھے۔ تاکہ دریا میں بہہ جانے سے
ان کو بچایا جاوے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ڈیرہ غازیخاں کے وکیل لالہ
روپ چند جی ڈھنگرہ اس روز ایک کوچہ میں مجھے ملے تھے۔ اپنے مکان
کا کچھ سامان اتروا رہے تھے۔ چودھری جمنی داس کے علاوہ اور بھی کئی سجن
پرشوں کے درشن ہوئے تھے۔ ان میں ایک رائے بہادری لال جی تھے
جو کہ ضلع مظفر گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر محکمہ انہار میں رہ چکے تھے۔ یہ سمہ
بڑا بھیانک تھا۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اس واقعہ کو اپنی
یادداشت میں جمع کروں۔ کبھی وقت آوے تو سجن پرشوں کے پیش کردوں
لوگوں کے گھر غرقاب ہو گئے۔ سر چھپانے کو جگہ نہ رہی۔ سردی کا
موسم سر پر آگیا۔ لوگوں نے اردگرد کے شہروں۔ بستیوں اور دیہات
میں جہاں کسی کو سر چھپانے کو جگہ ملی بسیرا کیا۔ جائیدادیں تباہ ہو
گئیں۔ باغات۔ چاہات احاطہ جات جن سے ہزاروں روپیوں کی آمدنی
لوگوں کو ہوتی تھی۔ دریا کے شکم میں آگئے۔ بہت سے لوگوں کے
لاکھوں روپیہ کے مکانات تھے ہزاروں روپیہ کرایہ کے آیا کرتے
تھے۔ کئی بیوہ عورتیں تھیں۔ جن کا گذارہ بزرگوں کے بنائے ہوئے
مکانات کے کرایہ پر تھا۔ ان کے گذارہ کی کوئی صورت نہ رہ گئی۔
اور بھی جو جو مصیبت اس شہر کے لوگوں نے غریبوں نے اور امیروں
نے اٹھائی اس کی تفصیل کو بخوف طوالت لکھنا مناسب نہیں ہے۔ بہت
سے لوگ ایسے بھی تھے۔ کہ مکانوں سے نکلتے نہ تھے۔ سرکار کی طرف
سے زور دیا جاتا تھا۔ کہ لوگ مکانوں سے نکلیں۔ چنانچہ گوپی ناتھ جی کے

مہنت گوسوامی گنج لال جی کو یقین تھا۔ کہ دریا صاحب صرف گوپی ناتھ جی کے چرن چھونے کے واسطے آرہے ہیں۔ جوں ہی کہ مندر کے پاس آویں گے۔ گوپی ناتھ جی کے چرنوں پر دریا کے پانی کا لوٹا ڈال دیا جاویگا۔ دریا واپس چلا جاویگا۔

سرکار کی طرف سے گوسائیں جی کو زور دیا گیا۔ کہ مکان اور مندر کو خالی کریں۔ مگر یہ اپنے نسچے اور یقین کے موافق اُٹھنے میں نہ آتے تھے۔ لوگوں نے دودھ کھانڈ۔ چاول پیڑا۔ برفی کے انبار دریا میں ڈالے اور بہت سی خوشامد کی۔ مگر دریا صاحب نے ایک نہ مانی۔ گوسائیں جی کو آخر کار سرکار نے مندر سے نکالا۔ پھر انہوں نے بھی گوپی ناتھ جی کی مورتی اور اپنا سامان جو کچھ نکال سکے نکال لیا۔

اس نازک وقت میں بہت سے لوگ ایسے تھے۔ جن کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ نہ اوڑھنے کو۔ ان کی امداد کے واسطے سرکاری افسران نے بھی اپیل شایع کی۔ دور دور سے نیک دل فیاض لوگوں نے ان کی امداد کے واسطے روپیہ بھیجا یا۔ آریہ سماج ڈیرہ غازیخاں نے بھی کوشش کر کے بہت سے مستحق لوگوں کو امداد پہنچائی۔ حکیم بدھو رام ایک بڑا پرانا کاری شخص اندنوں موجود تھا اُسنے لوگوں سے مانگ مانگ کر بھی غریبوں کو امداد پہنچائی۔ سیٹھ بھائی بیلا رام نائک نے بھی اس موقعہ پر ایک سدا برت لگایا جس سے بھوکھوں کو کھانے کے واسطے روٹیاں دی گئیں۔

رفتہ رفتہ سارا کا سارا شہر دریا نے چاٹ لیا اور جب سارا شہر دریا کے پیٹ میں جاکر معدوم ہو گیا۔ دریا واپس ہو کر اپنے اصلی مقام پر پہنچ گیا۔ اب وچار یہ کرتا ہے۔ کہ دریا کا اس قدر

کوپ کیوں ہوا۔ بہت سے لوگ کہہ دینگے۔ کہ یہ ایک اتفاقیہ معاملہ تھا
جو کہ اتفاق سے واقعہ ہو گیا۔ مگر پرمیشور کے ماننے والے لوگ جان
سکتے ہیں۔ کہ یہ بہت سے لوگوں کے پاپوں کا ڈنڈ دینے کے واسطے
پرماتما کی طرف سے ایک کوڑا تھا جو کہ نافرمانبردار لوگوں کے جسم
پر پڑا۔ پرماتما کے حکم سے دریا کے وسیلہ سے چلایا گیا۔ ورنہ دریا
تو دریا۔ دریا کے باپ کو بھی کیا طاقت ہے۔ کہ وہ ایک انچہ بھر
زمین کو کاٹ سکے

شاستروں میں ایک کتھا النکار کے طور پر آئی ہے۔ کہ ایک دفعہ
آگ پانی ہوا وغیرہ دیوتاؤں میں بحث ہونے لگی۔ ایک ایک نے
کہا کہ میں سب سے زیادہ زبردست ہوں۔ ان کا جھگڑا مٹانے
والا کوئی موجود نہ تھا۔ اپنی اپنی شیخی بگھارتے تھے۔ اس وقت
پرماتما کی قدرت کا ایک ظہور نمودار ہوا۔ اُس نے ان کو کہا۔ کہ
تمہارا کیا جھگڑا ہے۔ آؤ میں تصفیہ کر دوں۔ پہلے آگ سامنے
آیا۔ کہنے لگا کہ ان سب سے زیادہ میں زبردست ہوں۔ سارے
برہمانڈ کو ایک چھن میں جلا کر خاک سیاہ کر سکتا ہوں۔ شکتی
نے کہا بہت اچھا۔ اپنی طاقت کا پرچہ ہمیں دو۔ اور گھاس
کے اس خشک تنکے کو جلا دو۔ اگنی نے سارا زور لگایا۔ مگر تنکے
کو جلا نہ سکا۔ ہار کر اور شرمندہ ہو کر پیچھے کو ہٹ گیا۔ پھر پانی
سامنے آیا۔ میں سب کچھ گلا اور بہا سکتا ہوں۔ آؤ تم بھی اس تنکے
پر اپنا زور آزماؤ۔ پانی نے سارا زور لگایا۔ شرم کے مارے پانی
پانی ہو گیا۔ وہ تنکا نہ بہہ سکا۔ اور نہ گل سکا۔ پانی پیچھے ہٹ گیا۔ وایو
بڑے جوش سے اکڑتا ہوا سامنے آیا۔ شکتی نے کہا اب تم بھی اپنا
زور لگاؤ اور اس تنکے کو اڑا کر اس کے مقام سے ایک انچ دور

تو لے جاؤ۔ دایو روپیٹ کر ہار گیا۔ وہ خشک تنکا دھرو تارہ کیطرح اپنے مقام سے نہ ہلا۔ ان باتوں کو زمانہ حال کے ناستک بُدھی لوگ نہ مانیں ان کی مرضی ہے۔ مگر جن کو پرماتما کی ہستی کا یقین ہے وہ جانتے ہیں۔ کہ دُنیا میں کرموں کا پھل کئی ذریعوں سے لوگوں کو ملتا ہے۔ بہر حال پاپ کا بدلہ ملنے سے نہیں رہتا۔ یہ تو پرماتما ہی جانتا ہے۔ کہ کس پاپ کا بدلہ کس انسان کو یا کس جاتی کو کتنا دیا جاویگا اور کب دیا جاویگا۔ مگر اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کہ پاپوں کا بدلہ نہ صرف اگلے جنموں میں ہی ملتا ہے۔ بلکہ اس جنم میں بھی برابر ملتا ہے۔ اور ضرور ملتا ہے

خبر شہر سارے کا سارا غرقاب ہو گیا۔ دولتمند لوگوں نے اپنے اپنے مکانوں کا سامان لکڑی شہتیر جوڑی وغیرہ کچھ کچھ بچا لیا اور باقی سب کچھ دریا اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔ لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر جدھر کسی کو سہارا ملنے کی امید تھی۔ چلے گئے۔ ضلع ڈیرہ غازیخاں کے دیہات اور قصبات میں بہت سے لوگ چلے گئے۔ جو لوگ کوئٹہ وغیرہ دور دراز مقامات پر بوجہ ملازمت کے گئے ہوئے تھے وہ اپنے پروار اور سمبندھیوں کو اپنے ساتھ اُن مقامات میں لے گئے۔ بہت سے لوگ ضلع مظفر گڑھ ملتان بہاولپور وغیرہ کے علاقوں میں جا کر گذارہ کرنے لگے۔ گوپی ناتھ جی کے مہنت گوسوامی کنج لال جی نے اپنا مندر اور مکان کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ میں تعمیر کرنے کی تجویز کی۔

سرکار کو خیال تھا کہ یہ شہر جیسا کہ پہلے آباد تھا ویسا بلکہ اُس سے بھی عمدہ حالت میں ازسرِ نو آباد ہو جاوے۔ اور جو جو نقص تنگی مکانات اور گلی کوچوں کے سابقہ شہر میں تھے۔ وہ نے

شہر میں نہ رہنے پاویں۔
سرکار نے سابقہ شہر سے جانب غرب ۹ میل کے فاصلہ پر بستی چوڑلہ کے پاس جہاں کہ مشہور نواب غازیخان صاحب کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ ایک وسیع میدان اس شہر کی آبادی کے واسطے پسند کیا۔ اور ایک بڑا وسیع نقشہ اس کے واسطے تجویز کر کے طبع کروا دیا۔ لوگ عام طور پر اس موقعہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ جنگل بیابان تھا۔ پہاڑ کے نزدیک تھا۔ چونکہ لوگوں کو خیال تھا۔ کہ پہاڑی قوموں کے دندان آز کا شکار ہوتے رہینگے۔ سرکار نے لوگوں کو تسلی دی۔ مگر لوگ ماننے میں نہیں آتے تھے۔ گوپی ناتھ کی گدی کے مہنت گوسائیں کنج لال جی اپنا ارادہ کوٹ ادو میں جانے کا کر چکے تھے۔ سرکار کو خیال تھا کہ اُن کے بہت سے سیوک جو کہ پانچ دفعہ دن میں گوپی ناتھ کی مورتی کے درشن کرنے کے عادی ہیں اُن کے ساتھ چلے جاویں گے۔ شہر آباد نہ ہو سکیگا۔ گوسائیں جی کو بہت کچھ سمجھایا۔ بلکہ افسران مسٹر ولسن جانسٹن ڈپٹی کمشنر۔ نواب بہرام خان مزاری ان کے ڈیرے پر اُن سے ملے۔ اور بہت سی نرم شرائط پر ان کو جس قدر زمین مکانات کے واسطے لینا چاہیں دینا منظور کیا۔ مگر گوسائیں جی نے نہ مانا۔ اُن کے دولتمند سیوکوں کی معرفت سرکاری افسروں نے اُن سے التجا کی۔ مگر انکے کوئی صلاح کار ایسے تھے کہ اس مقام پر آباد ہونے سے اُن کو خطرہ کی موت میں جانا پڑیگا۔ ایسا یقین کروا دیا تھا۔ تاہم سرکاری افسروں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ تقریباً سب لوگ جو کہ سابقہ شہر میں آباد تھے۔ انہوں نے مکانات کے واسطے زمین سرکار سے لے لی اور تعمیر جاری کردی۔ تعمیر کا کام ۱۹۱۱ء میں جاری ہوا تھا۔ اب

۱۹۲۰ء تک خالصہ موقوف ہو گئی ہے۔ گوسائیں جی نے کوٹ ادو میں جا کر مکانات کی تعمیر شروع کی۔ مگر ڈیرہ کے سیوک جیسا کہ اُن کو امید تھی۔ اُن کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوئے۔ جس قدر شردھا ڈیرہ نواسی استری پرشوں میں گوپی ناتھ جی کی مورتی سے ہو چکی ہے۔ اُس شردھا کا کوٹ ادو کے استری پرشوں میں پیدا کرنا گوسائیں جی نے دیکھا۔ کہ اُن کی طاقت سے بالاتر ہے۔ اپنی طرف سے بہت کوشش کی۔ کہ کوٹ ادو بھی اُن کے اشٹ دیو کے سیوکوں کے واسطے ایسا ہی تیرتھ بن جاوے۔ جیسا کہ ڈیرہ غازیخان تھا مگر جب دیکھا کہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تو لاچار ڈیرہ میں آ گئے اور مندر و مکانات کے واسطے اراضی اُن کو غربی طرف بہت دُور فاصلہ پر ملی۔ حالانکہ ابتدا میں اگر وہ یہاں رہنا منظور کرتے تو حسب پسند زمین لیتے اور سرکاری افسروں کو بھی ممنون کر سکتے۔

خیر یہ تو معمولی بات ہے کوئی کہیں رہا کوئی کسی بلاک اور محلہ میں آباد ہوا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اب شہر کی آبادی کی صورت بڑی اچھی نظر آتی ہے۔ ایک بڑی فراخ نہر شہر کے پاس سے جاری ہو گئی ہے جو کہ سینکڑوں مربع میلوں کے رقبہ کی آبپاشی کر رہی ہے۔ پینے کے واسطے واٹر ورکس کا سلسلہ تیار ہو گیا ہے سڑکوں پر شہر کے اندر اور باہر نصب درختان کا کام ہو رہا ہے ضلع کے تمن دار سرداروں نے اپنے اپنے عالیشان مکانات شہر کے باہر کی طرف تیار کر لئے ہیں۔ شہر کے اندر سیٹھ ساہوکار لوگوں نے بڑے بڑے عالیشان مکانات تعمیر کئے ہیں۔ کئی ایک دھرم سالائیں بن گئی ہیں۔ اور جینی لوگوں کے دو بڑے عمدہ مندر

کھڑے ہو گئے ہیں۔ سرکاری مکانات بڑے وسیع بنائے گئے ہیں اور بن رہے ہیں۔ غرضیکہ جیسی مایوسی لوگوں کو انتدا میں تھی وہ اب نہیں ہے۔ لوگ وہ سب دُکھ اور مصیبت بھُول گئے ہیں۔ جو کہ غرقابی کے وقت اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک نظر آیا کرتی تھی۔ غرضیکہ اب یہ علاقہ سرسبز خوشحال اور زرخیز نظر آنے لگا ہے۔ لوگوں کے ذاتی عیش اور آسایش کے سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں سڑکیں پختہ بن گئی ہیں۔ موٹر کاریں جاری ہو گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے ضلع کے دُور دور کے مقامات پر پہونچنے کے واسطے دولتمند اور امیر لوگوں کو بڑی آسانی ہو گی۔ جام پور ڈیرہ غازیخاں سے تنیس میل ہے۔ جہاں کہ ان مقامات کی آمد رفت میں موسم گرما کی ساری رات خرچ ہوا کرتی تھی۔ اب شام کے ۶ بجے ڈیرہ سے چلکر ۸ بجے جام پور پہنچ سکتے اور ساری رات گھر پر رہ کر صبح ۵ بجے چل کر ۷ بجے ڈیرہ غازیخاں میں آ سکتے ہیں۔ غرضیکہ لوگوں کے واسطے ہر طرح کی آسایش کے سامان مہیا ہو گئے ہیں۔ اور جو باقی ہیں جلد ان کے بہم پونچنے کی امید ہے۔

میرا مدعا اس ساری تحریر اور قلم فرسائی کا کیا ہے۔ اس کا بیان کرنا بھی تو ضروری ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ ڈیرہ کے لوگوں نے مجموعی طور پر جیسا کہ نظر آ رہا ہے۔ اس واقعہ سے کوئی سبق نہیں لیا۔ ممکن ہے۔ کہ ایسے سجن پُرش ہونگے۔ جنھوں نے اس واقعہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا ہو گا۔ مگر عوام کے چلن پر اس سے کوئی اثر نہیں ہوا۔ عیش پرستی کے سامان روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک ناٹک کی کمپنی شہر والوں نے تیار کر لی ہے۔ جس کے واسطے کئی ایک ایکٹر باہر سے منگوا کر نوکر رکھے گئے ہیں۔ اور کئی ایک شہر کے لوگ

بھی ہیں۔ جو کہ تماشا کرنے میں شامل ہوا کرتے ہیں۔ ناٹک کے اہتمام
کرنے والوں کا خیال ہے۔ کہ لوگوں کو عیاشی اور اوباشی سے بچانے
کے واسطے یہ کام کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے بھی بازاری عورتوں
کا ناچ اپنے لڑکوں کے بیاہوں پر کرواتے جاتے ہیں ایک
صاحب کو ناٹک والوں نے کہا۔ کہ آپ اپنے لڑکے کے بیاہ پر
بازاری عورتوں کا ناچ نہ کراویں۔ مہمانوں اور براتیوں کی تفریح
طبع کے واسطے ناٹک کا تماشا دکھلائیں۔ اور اس تماشہ کا
انعام ناٹک کمپنی کو دو سو روپیہ دیویں۔ جو کہ ناٹک کمپنی گئوشالا
کو دیدیگی۔ مگر اس صاحب نے اس سے کہیں زیادہ روپیہ
خرچ کیا اور ناچنے والیوں کو بلایا۔ اور شہر والوں کو اُس کا
تماشا دکھلایا۔ ناٹک کا تماشا اور گئوشالا کو دو سو روپیہ دینا
منظور نہ کیا۔ ممکن ہے کہ برات میں شریک ہونے والوں نے
ہی اِن پر زور ڈالا ہو۔ کہ ہم تو بازاری عورتوں کے ناچ ہی
سے خوش ہونگے۔ خیر یہ تو عام سوسائٹی کی حالت ہے۔ اور خاص
خاص حالات اس قسم کے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ ایک لڑکی کا ناطہ
یعنی منگنی کسی ایک آدمی کے لڑکے سے کی گئی دو تین سال تک
منگنی کا رشتہ قائم رہا۔ اور آپس میں اس رشتہ کے موافق بوہار
ہوتا رہا۔ اس کے بعد کسی دوسرے لڑکی والے نے زور دیا۔ کہ
آپ اس ناطہ کو چھوڑ دیویں۔ اور ناطہ دوسری جگہ پر منظور کریں
اس سے آپ کو بہ نسبت پہلے ناطہ کے اتنا زیادہ فائدہ ہوگا۔ پہلی
کنیا کے برخلاف کچھ نہ کچھ کہہ دیا اور ناطہ توڑ کر دوسری جگہ بیاہ
کر لیا۔

چنانچہ ایک واقعہ تو ایسا ہوا کہ پہلی نسبت کی کنیا نے جب یہ

حال سنا۔ تو پران تیاگ دیئے۔ ڈیرہ کے بہت سے سجن پرش کہہ رہے ہیں۔ کہ اب انیاچار کم نہیں ہوا۔ بلکہ دن بدن زیادہ ہو رہا ہے۔ ایسے فضول حالات کا تشریح کے ساتھ بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس واسطے ڈیرہ نواسی لوگوں کی خدمت میں میری یہ التماس ہے۔ کہ وہ اپنے لوگوں کے اُس وقت کے حالات جبکہ ڈیرہ اپنی پہلی شان وشوکت میں دریا کے کنارہ پر آباد تھا اور اس وقت کے حالات کا مقابلہ کریں۔ اور دیکھیں کہ کیا یہ حالات ویسے ہیں۔ اُن سے اچھے ہیں۔ یا کہ اور بھی زیادہ گراوٹ میں آگئے ہیں۔ اور جس قدر اصلاح ان میں ہو سکتی ہے اُسے عمل میں لانے کی تدبیر کریں۔ جن صاحبان نے اس انقلاب کے درمیان رہ کر اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس کی تکلیفات کو برداشت کیا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے واسطے کوئی ہدایت اور نصیحت کریں۔ اور آئندہ نسلوں کے واسطے اس کی کوئی یادداشت چھوڑ جاویں تاکہ وہ لوگ پاپوں سے بچیں۔ ادیاشی اور عیاشی۔ نشوں اور دشو تنے پرہیز کریں۔ تاکہ ایسی کوئی دوسری آفت کا شکار نہ ہونا پڑے

مختصر طور پر میں نے ان حالات کو اسواسطے قلمبند کیا ہو۔ کہ سجن پُرش وچار کریں جو لوگ دھن دولت۔ طاقت جوانی اور پروار اور سمبندھیوں کے سُکھ کو پاکر بھول جاتے ہیں۔ کہ اُن سا کر تو یہ کیا ہے۔ خود بینی۔ فکر۔ غرور۔ اور نفس پرستی میں پڑ کر پرماتما کی دی ہوئی سب قسم کی نعمتوں اور برکتوں کا شکریہ نہ کرتے ہوئے دھرم کے مارگ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اُنکو اس واقعہ کو دھیان میں لاکر کچھ سبق سیکھنا چاہیئے۔ میں نے ان حالات کو بہت ہی تھوڑا اور اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ ڈیرہ نواسی صاحبان توجہ کرکے ایک مفصل یادداشت اس ڈیرہ کی بربادی کی تیار کر کے چھوڑیں تو میرا خیال ہے کہ اگلی نسلوں کیلواسطے بہت فائدہ ہوگا۔ گنگارام سابق اوورسیر ضلع مظفرگڑھ۔

استریوں پر اتیاچار

لڑکی والے دھرماتماؤں کی تکلیفات اور مشکلات

آجکل ہندو جاتی میں لڑکیوں کے ساتھ سلوک کے لحاظ سے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے دھرم کرم اور شرم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ انہیں بہت سے ایسے ہیں۔ جو کہ پردہ میں کام کرتے ہیں اور چاہتے ہیں۔ کہ راز فاش نہ ہووے۔ باہر سے عزت بھی بنی رہے اور مالی فائدہ بھی اندر اندر ہوتا رہے۔ ایسے لوگوں کے حالات کے واسطے علیحدہ دفتر درکار ہے۔ اس تحریر میں ان دھرماتما بھائیوں کی تکلیفوں کے ساتھ ہمدردی کے بھاؤ پیدا کرنا ہے۔ جو اپنی کنیاؤں کو اپنے گھر سے بہت سا دھن اور مال دیکر اچھا گھر اور ور دینا چاہتے ہیں۔ جس سے اُنکی کنیاؤں کی عمر عزت اور آرام سے کٹے اور یہ اُن کے سوبھاگ کو دیکھ اور سنکر خوش ہوا کریں۔ اسواسطے وہ لوگ اچھے گھر اور ور کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور اپنے خیال میں مناسب جگہ پر سگائی کر دیتے ہیں۔ عام خیال لوگوں کا اب یہ ہے کہ لڑکی اپنے سے زیادہ دولتمند خاندان میں جاوے۔ ایسا خیال جب عام طور پر سب لڑکی والوں کو ہو گیا ہے۔ تو ایسے دولتمند خاندانوں کی طرف سب کی نظر جاتی ہے۔ اور ایک ایک ایسے لڑکے کے طلبگار بیسیوں لڑکی والے ہو کر ان کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں۔ یک انار صد بیمار لڑکی والوں کی جس قدر بے قدری اور بے عزتی ہوتی ہے۔ اسکو وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ ایک پورانہ رواج

اور اس کی اصلاح کا ذکر یہاں مناسب ہے

عام طور پر برہمن. کھتری ویش اور شودر چار جاتیاں ہیں. انہیں
ایک ایک کی سینکڑوں جاتیاں اندرونی تفریق اور تفرقہ کیواسطے موجود ہیں
اور ان میں کئی اونچ کہلاتی ہیں. اور کئی نیچے درجہ والی. مثلاً کھتری
لوگوں میں کثیر التعداد جاتی بونجاہی کہلاتے ہیں. اس ٹولہ میں
بہت سی جاتیاں ہیں. جو سب سے نیچا درجہ رکھنے والی ہیں. انسے
اوپر بارہ جاتیاں ہیں. انسے اعلےٰ پنج جاتی ہیں. اور اسکے اوپر
والے اڈھائی گھر کہلاتے ہیں. ان میں یہ رواج تھا کہ بونجاہی جہاں
تک ممکن ہو اپنی لڑکیوں کا ناطہ باہری جاتیوں میں کریں. اور
باہری پنچ جاتیوں کو دیا کریں اور پنچ جاتی اڈھائی گھر والوں کو.
نتیجہ یہ تھا. کہ باہری پنچ جاتی اور اڈھائی والوں کے لڑکے کیسے
بھی نالایق ہوں. انکے واسطے ناطے خواہ مخواہ آتے تھے. اور
بنجاہی بہت سے لڑکے کنوارے رہتے تھے. بونجاہی لڑکیوں کے
بواہ میں بہت سا دھن قیمتی زیور کپڑے اور برتن دیا کرتے تھے
پھر بھی ان کی لڑکیوں کی قدر بہت کم ہوتی تھی. اور مصیبت کا شکار
رہا کرتی تھیں. بیماری میں ان کا علاج بہت کم کیا جاتا. ان کے
مرنے کا کوئی غم سسرال والوں کو نہ ہوتا. کیونکہ جب ان کی نوہ مر
جاتی تھی بہت سے لوگ ان کے گھر میں اپنی لڑکیوں کا ناطہ کرنے
کیواسطے آتے تھے. اور یہ اس لڑکی کو بیاہنا منظور کرتے تھے جس کے
ساتھ بہت سا مال وزر ہو. پس نوہ کا مرنا انکے واسطے منافع بخش
تھا. نئی نوہ بھی آگئی اور بہت سا زیور اور مال بھی آگیا. ان کے
لڑکے اوباش اور آوارہ ہو جاتے تھے. بدچلنیوں کے شکار
ہوتے تھے. ان ایام میں ایک لالہ سچی رام جی بونجاہی کھتری ضلع

ہوشیارپور کے قصبہ نندا چور کے رہنے والے تھے۔ کنیا کیواسطے
اُن کو ور کی تلاش تھی حسب دستور اپنی کنیا کو اونچی جاتی میں پونچانا
تھا۔ اُن کو پتہ ملا کہ قصبہ راہوں ضلع جالندھر میں ایک چوپڑہ
کھتری کا لڑکا اس یوگ ہے۔ کہ اس سے ناطہ جوڑیں۔ لالہ بستی رام جی
نے سوچا کہ لڑکے کو اپنی آنکھ سے دیکھ لینا چاہیئے۔ لڑکا تندرست
ہونہار۔ خوبصورت ہوگا۔ تو ناطہ کر دیا جاویگا۔ وہ اپنے نائی کو ساتھ
لیکر راہوں کو گئے اور خاص انتظام کرکے لڑکے کو دیکھا اور پسند
کرکے فیصلہ کرلیا۔ کہ ناطہ کر دیویں۔ نائی لڑکے والوں کے گھر میں گیا
اور رات کو روٹی اُن کے گھر میں کھائی۔ اگلے دن سویرے لڑکے
کی دادی گلی محلہ میں شکر بانٹے کو اُس راستہ سے چلی جارہی تھی۔ جس
میں کہ لالہ بستی رام ڈیوڑھی میں بیٹھا تھا۔ اُسے ایک عورت نے کہا
کہ بہن بدھائی ہووے۔ تمہارے پوتے کی منگنی ہوئی ہے۔ یہ سُنکر
وہ اُسی مکان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ جس میں لالہ بستی رام بیٹھا تھا
بات چیت میں کہا۔ کہ اچھا بہن تم کو بھی بدھائی ہو۔ ہمارے لڑکے
کیواسطے ناطے تو اچھے اچھے گھروں کے آرہے تھے۔ مگر یہ کھتری آپ
چلکر آیا۔ ہم نے اس خیال سے منظور کرلیا۔ کہ گھر آئی لچھمی کو منظور کر
لینا چاہیئے۔ ورنہ ان لوگوں کے ہاں لڑکیاں تو اتنی ہیں۔ کہ ہماری
جانیاں نہ لیویں۔ تو . . . . بھی منظور نہ کریں ایسی بہت
سی باتیں کہکر وہ چلی گئی۔ لالہ بستی رام نے اپنے کانوں سے اس قدر
سخت کلمات کو سُنا۔ اور اس رواج سے اُس کو بڑی نفرت ہوگئی
اور اپنی برادری کی لڑکیوں کے حال پر اُسے بڑا رحم آیا۔ یہ بے زبان
کنیائیں ایسے لوگوں کو دی جاتی ہیں۔ جن کو اُن کی کوئی قدر نہیں ہے
ان لوگوں کے سلوک کی بہت سی کہانیاں وہ سُن چکے تھے۔ مگر اب

تو اُنہوں نے پرتکش ہی دیکھ لیا۔ کہ یہ لوگ کیسے ہیں۔ اور صرف اس
رواج نے کہ پونجاہی لوگ لڑکیاں اُن کو دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو
اس قدر مغرور بنا دیا ہے۔ اس واقعہ نے لالہ بستی رام کے دل پر
ایسا اثر کیا کہ اس کا دماغ چکر میں آگیا۔ اس کو اس قدر جوش آیا
کہ میں اس گھر میں ہرگز اپنی کنیا کا ناطہ نکرونگا۔ نائی کو بولایا۔ اور
حال سنا کر ایک اٹھنی اُسے دی۔ کہ اُس چوپڑہ کھتری کی دوکان پر
جا کر اُسے دیدو۔ کہہ دینا کہ میں نے گذشتہ رات آپ کے گھر روٹی
کھائی ہے۔ اُس کی یہ قیمت ہے۔ ہمارے لالہ کا ارادہ آپ کے ہاں
منگنی کرنے کا نہیں ہے۔ نائی دوکان پر گیا۔ اور چوپڑہ جی کو کہا
کہ میں نے آپ کے ہاں روٹی کھائی۔ ہمارے لالہ کا خیال بدل گیا
ہے۔ اور وہ منگنی کرنا نہیں چاہتا۔

اس تکرار میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ لالہ بستی رام اور پنجاہی
برادری کے برخلاف بہت کچھ کہا گیا۔ اچھا ہم کو کوئی ضرورت نہیں
ہم کوئی بولانے گئے تھے۔ پھر بھی جھک ماریگا۔ میرے لڑکے کو
نہیں تو میرے دوسرے بھائی کے لڑکے کو اپنا داماد بنا دیگا
ایسی ایسی کئی ایک باتیں چوپڑہ لالہ جی نے اور اُس کے ہم ذات
دوکانداروں نے جوش اور غصہ میں کہہ دیں۔ جو کہ نائی نے آکر
لالہ بستی رام کو حرف بحرف سنا دیں۔ لالہ بستی رام نے جب سے عورت
کے الفاظ سنے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ ان معصوم کنیاؤں کو ان لوگوں کے
ظلم سے کیونکر بچایا جاوے۔ نائی نے جو کچھ بیان کیا۔ اس سے لالہ
بستی رام جی کو اور زیادہ جوش آگیا۔ اس نے وچار کیا کہ جب تک
اپنے لوگوں کو ان ایمانی لوگوں کے گھروں میں اپنی لڑکیاں دینے
سے منع نہ کیا جاوے۔ اس وقت تک اس جور و ستم کا خاتمہ نہ ہوگا

سکیگا۔ اُس کے آتما پر بڑے زور کی ٹھوکر لگی۔ کوئی علاج نہ سوجھتا
تھا۔ آخر اُس نے یہی سوچا۔ کہ جب تک ہمت نہ کی جاوے یہ کام
نہ ہو سکیگا۔

پرماتما کے بھروسہ پر اُسی وقت اپنا نشچے پکا کر لیا۔ نائی کو کہا۔ کہ
بس اب دھرم یہی ہے۔ کہ جب تک یونجاہی جاتی کی لڑکیوں کا اِنکے
گھروں میں آنا نہ ہوگا۔ میں تو سر پر پگڑی نہ باندھونگا۔ تم اگر میرے
لاگی اور خیر خواہ ہو تو تم میرے ساتھ ہو جاؤ۔ ورنہ اپنے گھر کا راستہ
لو۔ میں نے جو نشچے کیا ہے۔ اُسے پرماتما کی دیا سے پورا کرونگا۔ نہیں
تو اس دُھن میں اپنی جان دیدونگا۔ پیارے ناظرین یہ واقعہ اس زمانہ
کا ہے۔ جبکہ دیش کے اندر کوئی بھی سبھا۔ سماج اور سوسائٹی سماجک
اُنتی یا سوشیل ریفارم کا کام کرنے کے واسطے قایم نہ ہوئی تھی۔ اور
نہ سوامی دیانند جی کا نام کوئی جانتا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں یہ واقعہ ہوا۔
اس کھتری بیر نے کمر ہمت کو باندھا۔ اور نائی نے اسکا ساتھ دیا
اس وقت ریل کا سلسلہ ملک کے اندر قایم نہ ہوا تھا۔ پیادہ پا چل کر
سفر کے دکھوں اور مصیبتوں کو سہتے ہوئے۔ نہ گرمی کو دیکھا نہ سردی کو تقریباً
سارا ہندوستان کشمیر سے لیکر حیدرآباد دکن تک اور کلکتہ سے لیکر کراچی تک
چھان مارا اور جتنے بھی بڑے بڑے شہروں کا اُنکو پتہ لگا۔ کہ وہاں کھتری برادری
کے لوگ رہتے ہیں۔ اُنکی یاترا کی۔ اُن شہروں میں کھتری برادریوں کے چودہریوں
سے ملے۔ اپنا حال بیان کیا۔ اور برادریوں کے لوگوں کو جمع کیا اس تجویز
کو منظور کرایا۔ کہ کوئی یونجاہی کھتری اپنی کنیا کا ناطہ باہری وغیرہ کھتریوں
کے گھر میں نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ وہ بھی اپنی کنیاؤں کو یونجاہیوں
کے لڑکوں کو دینا منظور کر لیویں۔
شہر شہر میں گشت کرکے اور وہاں کے چودہریوں اور مانیہ پُرشوں کے دستخط

ایک بھی پیر کراتے اور یہ نشچہ کرکے کہ ایک مہان سبھا کل بھارت ورش
کے پونجاہی کھتریوں کی کسی ایک خاص مقام پر کی جاویگی۔ جس کا لالہ
بسنتی رام کو پتہ نہ تھا کہ کہاں ہوگی۔ لالہ بسنتی رام میں اتنی طاقت نہ تھی
کہ اس مہان سبھا کے اجلاس کا انتظام کرسکے۔ مگر وہ پرماتما کا امرت
پتر تھا اُسے یقین تھا کہ پرماتما اس کے کام کا حامی اور مددگار ہے اس
واسطے وہ ایک آنیوالے مہان اجلاس کا نمترن سب کو دیتا ہوا پنجاب میں
پہنچا۔ جب تک یہ کام پورا نہ ہو۔ اُسے آرام کہاں تھا۔ اب اُسنے ایسے لوگونسے
جو کہ اس بوجھ کو برداشت کرنیکی طاقت رکھتے تھے رجوع کیا۔ نورمحل ضلع
جالندھر کے دیوان نے اس کام کو اپنے سر پر لیا اور ہندوستان بھر کے
چودہریوں کو خطوط بھیجے گئے۔ تاریخ مقررہ پر دُور دُور سے لوگ آنے
شروع ہوگئے۔ ایک بڑا بھاری اجلاس سارے ہندوستان کے پونجاہی
کھتریوں کا قصبہ نورمحل میں منعقد ہوا۔ اور اتفاق رائے سے قرار پایا
کہ چوہیڑہ وغیرہ باہری اور پنج گھر۔ اڑھائی گھر لوگ اگر اپنی لڑکیاں پنجاہی
خاندانوں میں دینا منظور کریں۔ تو ان سے ناطہ نسبت کا سمبندھ قایم رکھا
جاوے۔ ورنہ کوئی پونجاہی کھتری اُنکو اپنی لڑکیاں نہ دیوے۔

یہ مہان اجلاس بڑی کامیابی سے پورا ہوا۔ نورمحل کے سب لوگوں نے مہمانوں
کی خدمت بڑی پریم اور دلدہی سے کی۔ اُنکی رہایش اور کھان پان کی ضرورتوں کو
بڑی اوتم رینتی سے پورا کیا۔ ہر ایک نے ایسا سمجھا کہ یہ سب میرے ہی مہمان
ہیں۔ بستر۔ چارپائی۔ دودھ جس کے گھر میں جو کچھ تھا۔ تواضع کے واسطے
حاضر کردیا۔ اور دیوان صاحب نے جو کچھ خرچ ہوا۔ اپنی گرہ سے ادا کیا۔ پنجاب
کے بہادر شیر دل کھتری جاتی کے بھوشن لالہ بسنتی رام کا نام اور کام سنہری
لفظوں میں لکھنے کے قابل ہے۔ اگر کوئی صاحب پنجاب بلکہ کل ہندوستان
کے سوشیل ریفارم کی تاریخ کو لکھے تو اسکا پہلا فرض ہوگا۔ کہ وہ لالہ بسنتی رام

کے کام کو سب سے پہلی جگہ دیوے۔ اب کنیاؤں کی اور کنیاؤں کے پتا ماتاؤں کی یہ تکلیفیں بہت کچھ دُور ہو گئی ہیں۔ مگر دوسری قسم کی مصیبتوں کے پہاڑ ابھی تک کھڑے ہیں۔ اور کچھ تازہ کھڑے ہو گئے ہیں۔ انکا حال اگلے حصہ میں دیا جاویگا۔

اُٹھ کھڑے ہونے کی کوشش

زمانہ میں ایک خوشگوار ہوا چل پڑی ہے۔ پتت جاتیاں اُٹھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ان لوگوں کی دھارمک اور سماجک حالت کو بہت سی صورتوں میں جان بوجھ کر صدمہ پہونچایا گیا ہے۔ یہ لوگ دل سے چاہتے ہیں۔ کہ جس طرح سے اس دیش کے واسی ہندو مسلمان وغیرہ انسان کہلاتے اور انسانی حقوق کا استعمال کرتے ہیں اُنکو بھی کوئی انسانیت کے درجے سے نہ گراوے۔ مگر جن لوگوں نے اُنکو گرایا۔ اُنہوں نے سمجھا۔ کہ اِنکو گرانے سے وہ خود بھی گر جاوینگے۔ بہت سے لوگ تو ہیں جنہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں۔ کہ اِن لوگوں کو اُٹھانے میں مدد کیجاوے۔ مگر بہت سے ایسے ہیں جو باوجود علم و ہنر کے ماہر ہونے کے ان لوگوں کی ذلیل حالت کو مفید سمجھتے ہیں۔ جن لوگوں نے سمجھا ہے۔ اُن میں بھی بہت تھوڑے ہیں۔ جو اس کام کو ہاتھ میں لیویں۔ تاہم اگر یہ لوگ۔ ان لوگوں کو نہ اُٹھائینگے تو یہ لوگ خود ہمت کر کے اپنا درجہ اور رتبہ حاصل کرینگے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر ان لوگوں نے اس کام کی طرف توجہ دی ہے۔ آریہ سماج نے بھی ان کے واسطے بہت کچھ کیا ہے۔ سیالکوٹ آریہ سماج نے پچاس ہزار کے قریب میگھ جاتی کے لوگوں کو شدھ جاتی کے حقوق دلانے میں مدد کی ہے۔ بھارت شُدھی سبھا نے بہت سے پتت یا اچھوتوں اور رہتیہ

ڈومنہ وغیرہ کو یہ ادھکار دلایا ہے کہ اُن سے چھُو کر دوسرے لوگ پتت نہ ہو جاویں۔ آریہ سماج مظفر گڑھ اور ملتان نے بہت سے اوڈ لوگوں کو جو کہا جاتا تھا۔ کہ نہ اُودھر کے ہیں۔ اور نہ اِدھر کے۔ ایک طرف کا بنا دیا۔ اور بھی کوششیں جا بجا ہو رہی ہیں۔ مگر اب ان پتت لوگوں نے جو کہ در اصل پتت نہیں ہیں۔ خود ہمت اور کوشش شروع کردی ہے۔ اور اپنی حالت کو سدھارنے کے واسطے زور لگا رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۱ ماہ اگست کو شہر بریلی میں عیدگاہ گھاٹ پر ایک ہزار کے قریب ہندو چمار جمع ہوئے۔ دوسری قوموں کے بہت سے لوگ بھی موجود تھے جب ذیل تجاویز منظور کی گئیں۔

اول۔ آریہ سماج سے درخواست کی جاوے۔ کہ اگر انہوں نے ہم کو اُوپر اٹھانا ہے۔ تو سب سے پہلے ہمارا نام جو چمار پڑ گیا ہے اُس کی جگہ کوئی دوسرا اچھا نام تجویز کرے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہم کھشتری ونش سے گرے ہوئے ہیں۔ جتن کرنے سے ہم اپنی اصلی حالت پر آسکتے ہیں۔

دوم۔ ہمارے محلوں کے نام جو چمر ٹولی وغیرہ کہے جاتے ہیں۔ وہ بھی درست کئے جاویں۔ جیسا کہ آریہ بستی ملوکپور۔ آریہ بستی گنج وغیرہ یہ درخواست میونسپل کمیٹی کو دی جاوے

سوم۔ سرکار سے درخواست کی جاوے۔ ہم کو بیگار میں کوئی نہ پکڑے اور اپنے کرنے کا جو کام ہے اُس کے متعلق یہ پرتگیا کی کہ ہم لوگ مانس اور شراب کا استعمال نہیں کرینگے۔ اور دوسری نشہ کی چیزوں مثلاً بھنگ افیم وغیرہ کو نہ برتیں گے۔ اور موشیل کوریتیاں جو کہ رواج پا گئی ہیں۔ اُن کو چھوڑنے کی کوشش کرینگے۔ ان پرتگیاؤں کو ہم میں سے جو کوئی توڑیگا۔ اُسپر برادری کی طرف سے ۵۰ روپیہ جرمانہ

کیا جاویگا۔ اور جب تک وہ برادری کو روٹی دے کر یہ جرمانہ ادا نہ کریگا برادری سے الگ رہیگا۔ اس سبھا میں پنڈت بہاری لال جی اور مہاشہ رام لال جی نے لیکچر بھی دیئے۔ جن کا بہت اچھا پربھاو پڑا۔

دوسرے دن بھنگی یعنے مہتر لوگوں کی ایک سبھا ہوئی۔ جس کو چوہڑا اور خاکروب کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے فی الحال اس قدر تجویز کی کہ وہ شراب سے بالکل پرہیز کریں گے۔ جو کوئی اس تجویز کے خلاف عمل کریگا۔ اُس کو برادری کی طرف سے سخت ڈنڈ دیا جاویگا۔

تحصیل خانیوال ضلع ملتان میں میگھہ اُدھار سبھا سیالکوٹ کو بہت سی اراضی سرکار سے ملی ہے۔ جہاں ایک بستی میگھہ لوگوں کی بسائی گئی ہے۔ یہ لوگ بھگت کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی پنت اوستھا میں تھے۔ ہندو لوگ ان کو اپنے کنوئیں پر چڑھنے نہ دیتے تھے۔ ان کے شامل کرنے میں آریہ سماج سیالکوٹ نے بڑا بھاری پورشارتھ کیا۔ اور بہت سی تکلیفوں کا مقابلہ کیا۔ اس بستی کا نام آریہ نگر ہے۔ ان لوگوں نے اپنی حالت کو بہتر بنانے کے واسطے حال میں حسب ذیل تجاویز اتفاق رائے سے منظور کی ہیں۔

اول۔ چونکہ میں مٹی کے برتن نہ برتے جاویں۔ پیتل کانسی کے برتن استعمال میں لائے جاویں۔

دوم۔ آریہ نگر میں کوئی بھگت اپنی استری کو طلاق نہ دیگا اور نہ کوئی شخص طلاق شدہ استری سے بیواہ کریگا۔ اور نہ کوئی استری اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر سکے گی

سوئم۔ یہ لوگ اپنے ۱۶ سال سے کم عمر کے بچوں کو حقہ پینے نہ دینگے۔ مانس اور شراب کا استعمال پہلے ہی سے آریہ نگر میں متروک ہے

یہ تحریر آریہ نگر کے منیجر مہاشہ شانتی سروپ اور ڈاکٹر گوپی چند
سربراہ نمبردار اور چار سفید پوشوں کی دستخطی آئی ہے۔ جو تجویزیں ہیں
اپنی حالت کو بہتر بنانے کے واسطے کافی ہیں۔ مگر ۱۶ سال سے کم عمر
کے بچوں کو حقہ پینے سے منع کرتا جو لکھا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ
۱۶ سال سے زیادہ عمر کے لڑکوں کو کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور جتنے
مرد ہیں۔ وہ سب حقہ پینے والے ہونگے۔ اچھا تو یہ تھا کہ سب مرد
حقہ پینے سے باز رہیں۔ اگر آپ پیتے رہیں اور کم عمر بچوں کو منع کریں تو
بچے رک نہیں سکینگے۔ اور تماکو نوشی روز بروز بڑھتی جاویگی۔ آریہ نگر میں
تماکو کی دوکان نہ ہو۔ اور نہ کوئی بھگت حقہ پینے والا ہو۔ تب ہی بچوں
کو اس بدعادت سے بچایا جاسکتا ہے۔ اب تو مردوں کے علاوہ
عورتوں نے بھی حقہ اور سگرٹ پینے شروع کردیئے ہیں۔ اگر بھگت لوگ
خود حقہ کا استعمال ترک نہ کرینگے۔ تو ان کے لڑکے تو ایک طرف
رہے۔ آہستہ آہستہ عورتیں بھی شروع کردینگی۔

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

اپنے ایک ایک بچے کی پرورش تعلیم اور تربیت کے واسطے انسان
کو کس قدر محنت تکلیف اور پریشانی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اُس کو ہر ایک شخص
جانتا ہے۔ جس کو پرماتما نے سنتان دی ہے۔ بچہ بیمار ہو۔ روتا ہے
کچھ بتا نہیں سکتا۔ کہ اُسے کیا تکلیف اور کیا دُکھ ہے۔ ماتا پتا کو
نیند نہیں آتی۔ باری باری اُس کو اُٹھا کر چلتے اور پھرتے ہیں اور
ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ کسی طرح سے اُسے آرام ہو اور
وہ چُپ کرکے سو جاوے۔ اس کے علاوہ اور جو جو بھی کام اولاد کے

سُکھ کے واسطے والدین کو کرنے پڑتے ہیں۔ وہ لوگ خود اچھی طرح
سے جانتے ہیں۔ اُن کو بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جن کو
سنتان نہیں ملی یا ہو کر مر جاتی ہے۔ وہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اولاد
کے حاصل کرنے کی کتنی آرزو اور خواہش استری پُرشوں کو ہوتی
ہے۔ پس ایسے سب لوگوں کی سیوا میں التماس ہے۔ کہ وہ جہاں
اپنی اپنی سنتان کے سُکھ آرام اور اقبال مندی کے تعلق میں
سوچتے وچارتے کام کرتے اور تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ اپنے دیش
اور جاتی کے اور اپنے بزرگوں کے اُن بچوں کی حالت پر بھی وچار
کریں۔ جو کہ بچپن ہی کے زمانہ میں اپنے پرم ہتکاری ماتا پتا کے محبت
اور پریم سے محروم ہو گئے۔ یہ تو ہر ایک پراتی کے کرموں ہی کا پھل ہے
ایسے ماتا پتا کب چاہتے تھے۔ کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑے اور اپنی زندگی
کا سہارا چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس حالت میں چھوڑ کر مر جاویں
اور اُن کے بچے اپنی ہر قسم کی ضروریات کے واسطے دوسرے لوگوں
کے محتاج ہو ویں۔ دنیا ایک عبرت کا مقام ہے۔ اس صورت میں
کیا دوسرے لوگوں کا فرض نہیں ہے۔ کہ ایسے بچوں کی پرورش تعلیم
اور تربیت کا کوئی مستقل اور مضبوط انتظام کریں۔ جس سے یہ بچے
آوارہ ہونے سے بچیں۔ اور کُل اور جاتی کو کلنک لگانے کا باعث
نہ بنیں۔

یہ کام جتنا ضروری ہے۔ اتنا ہی مشکل بھی ہے۔ مگر ہمارے لوگوں
نے اس کی طرف جیسا کہ چاہئے توجہ نہیں دی۔ دیش میں ایسے
ہزاروں بھلے پُرش موجود ہیں۔ جو کہ ملازمت سرکار سے فارغ ہو چکے
ہیں۔ اور ان کے گھر کے کاروبار کو بھی اُن کے لائق لڑکوں نے سنبھال
لیا ہے۔ اب ایک طرح سے وہ بیکار سمجھے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کام

وہ کر رہے ہیں۔ تو وہ ایسے کام ہیں۔ کہ اُن کے بدوں بھی چل سکتے ہیں
زیادہ تر بیکاری کی وجہ سے اُن کو اپنا وقت کسی نہ کسی طرح سے کاٹنا
پڑتا ہے۔ تاش۔ سطرنج وغیرہ کے کھیل۔ اور حقہ بھنگ وغیرہ کے
نشوں کے سوائے ان کا کوئی مونس اور غمخوار نہیں ہے اور کھانسی
وغیرہ بیماریوں کا شکار بنے رہتے ہیں۔ وہ عقلمند بھی ہیں۔ اگر وہ
لوگ اتنی کرپا کریں کہ جاتی کے یتیم بچوں کی پرورش کے کام میں
حصہ لیویں۔ تو ایک تو یہ بڑا بھاری کام اُن کی توجہ اور مہربانی سے
سرانجام پاویگا۔ دوسرا اُن کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ بیکاری
میں جو اُداسی اُن کو لگی رہتی ہے۔ اُس سے بچ جاویں گے۔ صحت
میں بھی ترقی کریں گے اپنے جوان اور لایق لڑکوں کے ہر کام میں
جو اُن کی طرف سے رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور اُن لڑکوں سے
اُن کو ناراض اور کبھی کبھی نراش بھی ہونا پڑتا ہے۔ اس بدفرگی
سے انکو اور اُن کے خاندانوں کو نجات ملے گی۔ بہرحال اُن کا
اور اُن کی اولاد کا اور اُن کی جاتی۔ دیش اور قوم کا سب طرح سے
بھلا ہوگا۔ اس بھلائی کے واسطے پرماتما کا حکم ہے۔ کہ گرہستھ
کو بھوگنے کے بعد جب لڑکے کے گھر میں بھی لڑکا پیدا ہو جاوے
تو گرہستی لوگ بان پرستھ آشرم میں پرویش کیا کریں۔ جس زمانہ
سے اس مریادا کو ہمارے لوگوں نے توڑا ہے دُکھوں اور
مصیبتوں کے راج کا آغاز تبھی سے ہو گیا ہے۔ آریہ لوگ کہا کرتے
ہیں۔ کہ ویدک دھرم کا سورج لوپ ہو گیا تھا۔ پورانوں کی تعلیم نے اُس کو
چھپا دیا تھا۔ اچھا اب تو ویدک دھرم کا سورج بادلوں سے نکل
کر پھر چمکنے لگا ہے۔ چالیس سال سے اوپر عرصہ گذرا ویدوں کا یہ
سدھانت اور حکم دوسروں کو نہ سہی آریہ لوگوں کو تو اچھی طرح سے

معلوم ہو گیا ہے۔ کہ بان پرستھ آشرم میں جانا اُن کا کرتویہ ہے
ایسا کرنے سے حالانکہ ان کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ دھن و
دولت مال خزانہ اُن سے کوئی نہیں مانگتا۔ وہ ان لوگوں نے جن
اولاد کے واسطے جمع کیا ہے۔ اولاد ہی کے پاس رہتا ہے صرف
اُن سے الگ ہو کر پھر بھی اُن کو نیک صلاح اگر اُن کو ضرورت
ہو تو دینے کے واسطے موجود رہ جاتے ہیں۔ مگر دنیا نہیں چھوڑتی
مایا کا موہ جال بڑا زبردست ہے۔ پچپن سال سے اوپر عمر والے اور
آریہ پُرشو اور سجنو خیال کرو۔ کہ آپ کے مسلمان بھائیوں میں کس
قدر اپنے دھرم کا پیار موجود ہے۔ جو اپنے مذہب کے احکام
کی تعمیل میں اپنا گھر بار ملک املاک دولت جائیداد اور پیارا
وطن چھوڑنے کو اپنا کرتویہ سمجھتے ہیں اور لاکھوں آدمی اسی خیال
کی پیروی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔ اس صورت میں آپ
اپنے دھرم کو پیارے ویدک دھرم کو زندہ دھرم ہونے کا نام
دلسکوگے ہم جب کہ آپ لوگ خود ہی اُس کے احکام کی تعمیل
نہیں کرتے۔ کرپا کر کے وچار کرو۔ اور گھر بار کو بچوں کے
حوالہ کر کے اپنے بزرگوں کے لاوارث بچوں کو یتیم اور اناتھ
ہونے سے بچاؤ۔ اور لوک اور پرلوک میں یش کے بھاگی ہو

چونکہ یہ کام پرورش یتیمان کا بڑا بھاری اور عظیم الشان کام
ہے۔ جس کی عظمت اور ضرورت کی طرف ہمارے لوگوں
نے ابھی تک جیسا کہ چاہیئے۔ توجہ نہیں دی۔ تاہم پرماتما
کی اپار دیا ہے۔ کہ سجن پُرشوں نے اُس کی طرف خیال کرنا
شروع کر دیا ہے۔ سن رسیدہ اور سنجیدہ دنیاوی کاروبار
سے فارغ شدہ اصحاب نے جب اس طرف توجہ دی۔ تو

یہ کام جیسا کہ ہے۔ اُسی مقدار سے ہونا شروع
ہو جاوے گا۔ سب سے پہلے شہر لاہور میں یتیم
خانہ کا اپنا مکان بنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے
واسطے شریمان پنڈت راجیندر پرشاد جی آپ
پردھان کمیٹی یتیم خانہ مظفر گڑھ نے فی الحال ایک سو
روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور شریمان لالہ گیلارام جی وکیل مظفر گڑھ
نے خرید اراضی کے واسطے مبلغ ایک ہزار روپیہ اپنے دوستوں سے
وصول کر دینے اور اپنی گرہ سے ایک کمرہ کی تعمیر کا خرچ دینے کا
وعدہ کیا ہے۔ اور آپ نے اپنے لڑکے کے پیدا ہونے کے
موقعہ پر مبلغ تین سو روپیہ دیا ہے۔ جس میں سے مبلغ دو
صد روپیہ گئوشالا کے واسطے رکھا گیا۔ اور ایک سو روپیہ
یتیم خانہ کے لڑکوں کے واسطے پارچات بنانے کیواسطے
اس کے علاوہ شریمان مہتہ ہری چند جی پنشنر تحصیلدار
میانی ضلع شاہپور نے بھی اپنے پاس سے مبلغ ایک سو روپیہ
مکان کے واسطے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ امید قوی
ہے کہ سجن پُرشوں کے تھوڑا سا دھیان دینے سے شہر
لاہور میں ایک مرکزی یتیم خانہ کے واسطے ایک وسیع
اور عالیشان مکان تیار ہو سکیگا۔ جس کے ذریعہ پنجاب کے
اور ضرورت پڑے۔ تو دیگر صوبہ جات ہند کے یتیم بچوں
کی بہتری کے سامان مہیا ہو سکیں گے

گنگارام سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ و شاخ لاہور

اوم

پتت اُدھار

حصّہ دوازدھم

ورن اور جاتی کی موجودہ حالت کا فوٹو

اور

اُس کے سُدھار پر وچار

یتیم خانہ مظفر گڑھ کی منیجنگ کمیٹی کی تجویز سے

بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۰ء

مرتب ہو کر

باہتمام ایس احمد علی چشتی پرنٹر گلزار ہند سٹیم پریس میں چھپا

اوم

پتت ادھار کے گیارہ حصے نکل چکے۔ یہ بارھواں حصہ ناظرین کی
بھینٹ میں پہنچتا ہے۔ پرماتما جگدیشور کا دھنباد ہے۔ کہ اُس کی اُپار
کرونا اور دیا سے ایک سال کے بارہ حصے شایع ہوگئے۔ اب
اُس کے آئندہ بصورت ماہواری رسالہ کے جاری رہنے کا سوال
ہے۔ جن صاحبان نے اُس کی اشاعت میں امداد کی ہے۔ اُن کا
تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور اُن سے امید ہے۔ کہ وہ
آئیندہ بھی اِس کی امداد اُسی طرح کرینگے۔ جو جو خریداران پہلے
سال بن چکے ہیں۔ اُن سے بھی یہی امید ہے۔ کہ وہ اپنی سرپرستی
کو برابر قایم رکھیں گے۔ اور اپنے دوستوں اور سمبندھیوں کو
بھی پریرنا کریں گے۔ کہ وہ اس کی اشاعت بڑھانے میں مددگار ہوویں
اور مجھے اپنی عمر کا نصف صدی سے زیادہ عرصہ کا تجربہ جو میں نے اپنی
زندگی میں جمع کیا ہے۔ سروسادھارن کے سامنے رکھنے کا موقعہ دیں
ہر ایک شخص اپنے مال کی فروخت کے واسطے اپنے مال کی تعریف
کرتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے اُس کے مال کو دیکھ کر برت
کر اور استعمال کرکے اُس کی عمدہ پائیدار اور پرتاثیر ہونے کی
تصدیق کرنے کو جو سرٹیفکیٹ اُس کو دیئے ہیں۔ اُنکو اخباروں
اور اشتہاروں میں چھاپ چھاپ کر مشتہر کرتا ہے۔ مجھے بھی
مجبوراً اپنے اس رسالہ پتت اُدھار کے بارہ میں جو سرٹیفکیٹ
سجن پُرشوں نے تحریر فرمائے ہیں۔ وہ چھاپ چھاپ کر شایع
کرنے پڑتے ہیں۔ چونکہ ان کے اندر میری تُچھ ہستی اور ناچیز ذات
کی تعریف اور بڑائی بھی بہت کچھ درج ہے۔ میں اپنے آپ کو جس
کا مستحق نہیں جانتا۔ مجھے شرم آتی ہے۔ کہ میں ایسا گُنا ہگاری

کا کام کر رہا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ جو لوگ اپنی ذاتی آرام اور
سکھ کے واسطے روپیہ کمانے کی غرض سے اپنے کام کی تعریف
کے پُل باندھتے ہیں۔ اُن کو بھی کوئی بُرا نہیں کہتے بلکہ لوگ اُنکے
خریدار بن کر اُن کی امداد کر رہے ہیں۔ تو میرے واسطے جو کہ اپنے
آپ کو پاپی اور پتت بھی کہتا ہوں اور اپنے جیسے بھائیوں کی رہنمائی
کے واسطے اپنے تجربات کو اُن کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اور
کوئی غرض ٹکہ پیسہ کمانے کی اس کاروبار میں میری شامل نہیں
ہے۔ تو میرے واسطے کوئی وجہ نہیں کہ لوگ اس کو قابل اعتراض
ہونے کا فتوے دیویں۔ گو میں خود تو اس کو قابل اعتراض سمجھتا ہوں
بلکہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ کہ اس گناہ کی سزا کو بھی میں اپنے
واسطے اپنے بھائیوں کی خاطر خوشی سے اپنے سر پہ لینا منظور کرتا
ہوں۔ اس واسطے میرے اختیار میں تو اتنا ہی ہے۔ کہ میں جس
قدر ممکن ہو اُن کی تعداد اور اشتہاروں کی تعداد زیادہ شایع کروں
جس کام کی طرف لوگ توجہ کریں۔ میں ایسی سبیل نکالوں کہ اس
کی طرف توجہ کرنے والے پیدا ہوں۔

چنانچہ ایک تجویز تو میں یہ کر رہا ہوں۔ کہ جس قدر ریویو اس رسالہ
کے مختلف حصوں میں نکل چکے ہیں اُن سب کو ایک پمفلٹ کی شکل
میں چھاپ دوں۔ جو بطور اشتہار کے سجن پُرشوں کی سیوا میں بھیج
دیئے جاویں گے۔ ان پر قیمت خرچ ہوگی۔ اور امید ہے کہ اسّی روپیہ
میں ایسے پمفلٹ کی دو ہزار کاپی تیار ہو جاویگی۔ جو صاحبان چاہتے
ہیں۔ کہ پتت اُدھار کی اشاعت بڑھے وہ اپنی طرف سے جس قدر کر سکیں
اس میں امداد کریں۔ جو صاحب اس کام میں ۵ کی امداد دیں گے
اُن کے نام ایک سال کے واسطے پتت اُدھار بھی جاری کیا جاویگا

اپنے دوستوں کو پریرتا کریں۔ کہ وہ امداد دیویں۔ اور آئندہ کے واسطے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ پتت اُدھار کا ماہواری چندہ بھی بجائے ڈیڑھ روپیہ کے دو روپیہ کر دیا جاوے۔ کاغذ اور چھپوائی کا خرچ اُس وقت سے بہت بڑھ گیا ہے۔ جس وقت کے کہ اُس کے جاری کرنے کا خیال پہلے کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ استریوں پر انیاچار کے جس قدر مضامین پتت اُدھار میں نکلے ہیں۔ ان سب کو ہندی بھاشا میں ترجمہ کر کے چھپوانے کا وچار کیا گیا ہے۔ پہلے چھ حصوں کے مضامین سے ایک چھوٹی ہندی پستک استریوں پر انیاچار پرتھم بھاگ کے نام سے شایع ہوگا۔ اس کی قیمت ۲/ فی کاپی ہوگی جن استری پُرشوں کو اپنی جاتی کی دُردشا کے سُدھار کا کچھ خیال ہے وہ اپنے خرچ پر بہت سی کاپیاں منگوا کر استریوں میں تقسیم کریں پُتری پاٹ شالاؤں کی لڑکیوں کو دیویں۔ اور جو جو صاحبان اُردو نہیں جانتے۔ ہندی پڑھتے ہیں وہ بھی ان کا پاٹھ کریں۔ اور استری جاتی کے دُکھوں کے دُور کرنے کے اُوپاؤ سوچیں اور بتلاویں۔

اسی حصہ میں صرف ایک ہی ریویو درج کیا جاتا ہے۔ جو کہ شریمتی دروپدی دیوی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کی اُپدیشکا نے پتت اُدھار کے بارہ میں لکھ کر بھجوایا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

اوم۔ رسالہ پتت اُدھار کے میں نے آج تک جتنے انک نکلے ہیں سب ہی دیکھے ہیں۔ اس کا مدعا گرے ہوؤں کو اُٹھانا ہے۔ اچھوت جاتیوں سے یا شودر آدمیوں سے جو برتاؤ آجکل ہو رہا ہے۔ اُس کا سُدھار بڑے اچھے طریقہ سے اس میں کیا جاتا ہے۔ خاص کر جو استریوں پر انیاچار آجکل کئی قسم کے ہو رہے ہیں۔ اُن کا ذکر تک بھی لوگ نہیں کرنا

چاہتے۔ یہ رسالہ اسی بات کو سپشٹ لکھتا ہے۔ استریوں پر اتیاچار
جتنے انگوں میں نکلا ہے۔ میں نے اچھی طرح سے دیکھا ہے رسالہ
پتت اُدھار شری پنڈت گنگا رام جی نکالتے ہیں۔ آپ کی سیوا
بھاؤ سے لوگ پرچت ہی ہیں۔ آشا ہے کہ یہ رسالہ بہت ہی لابھ
کاری ہوگا۔ اور خاص کر استریوں کے لئے + دروپدی

گنگا رام سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ

پتت اُدھار

رشوت ستانی۔ دو پہلوان اکھاڑہ کے اندر آتے ہیں۔ لنگر لنگوٹہ
کسے ہوئے ہیں۔ کودتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف آتے اور ایک
دوسرے کو پکڑ کر زور آزمائی کرتے اور ایک دوسرے کو گرانے کے
واسطے طرح طرح کے داؤ پیچ بھی کام میں لاتے ہیں۔ کچھ دیر زور
کرتے رہتے اگر جوڑ برابر کے ہیں تو کبھی کوئی نیچے کبھی اوپر ہوتے رہتے
ہیں۔ دونوں زور لگا لگا کر تھک جاتے ہیں۔ مگر پیٹھ کسی کی بھی زمین پر
نہیں لگتی۔ ان کو کشتی کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اور سمجھا جاتا ہے
کہ یہ دونوں برابر اُترے ہیں۔ ان کی کشتی کسی اگلی تاریخ کے واسطے
مقرر کی جاتی ہے۔ اگر ایک ان میں سے غالب آگیا۔ دوسرے کی پیٹھ زمین
پر لگا کر چت کر دیا اور آسمان کے درشن اس حالت میں اُس نے کروا دیئے
تو سمجھا جاتا ہے۔ کہ نیچے والا گر گیا۔ اُس کی ہار ہو گئی۔ کیونکہ وہ پتت ہو
گیا ہے۔ یہ جسمانی دنگل تو کبھی کبھی اور کسی کسی خاص پہلوانوں کی
کشتی اور زور آزمائی کے واسطے ہوا کرتے ہیں۔ مگر آتمک جگت کے

اندر یہ روحانی دنگل دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا نام دیواسر سنگرام بھی رکھا گیا ہے۔ فرشتوں اور شیطانوں کی جنگ بھی اُسے کہہ سکتے ہیں۔ نفس امارہ کا دنگل بھی اِسے کہا جاتا ہے۔ دو ہی قسم کے خواص اس جہان میں پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو دُوسروں کو سُکھ اور آرام دینا اور اُن کے دُکھوں کو دُور کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے آپ کو دوکھ بھی ملے تو بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے دُوسرے وہ جو بلا لحاظ دُوسروں کے سُکھ اور دُکھ کے اپنے آپ کو سُکھ پہنچانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ اپنے واسطے جیتے ہیں اور جو کرتے ہیں۔ اپنی ہی غرض کو مدنظر رکھ کر کرتے ہیں۔ اُن کے اس کام میں دُوسرے کا خواہ کتنا ہی نقصان ہو مگر اس میں سے اُن کا کچھ فائدہ ہو جاوے تو وہ اس کام سے ہرگز ہرگز نہیں چوکتے۔ میرے معزز مہربان ایک مِتر نے ان دونوں قسموں کے انسانوں کے متعلق ایک فیصلہ کُن شعر تیار کیا ہے اور اس کی خوبی اور سچائی کی وجہ سے اس کی اشاعت بہت کچھ ہو چکی ہے وہ شعر حسب ذیل ہے۔

مرنا بھلا ہے اُس کا جو اپنے لئے جیئے
جیتا ہے وہ جو مر چکا انسان کے لئے

اُنہوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے جو کچھ روپیہ پیسہ اپنی زندگی میں پیدا کیا ہے۔ ایسے ایک شعر کی قیمت کے مقابلہ میں ہیں اس سب کو کم قیمت خیال کرتا ہوں۔ حقیقت میں اُن کا یہ کہنا بجا ہے مگر میں اس میں تھوڑی سی ترمیم کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے۔ کہ میرے معزز دوست مجھ پر ناراض نہیں ہونگے۔ میری ترمیم سے یہ شعر اس طور سے پڑھا جائیگا۔

مرنا بھلا ہے اُس کا جو اپنے لئے جیئے

چننا ہے وہ جو مر چکا اُپکار کے لئے

اس میں پرانی ماتر کی بھلائی اور بہبودی کا خمیر بھر دیا گیا ہے خیر یہ تو بات کے بیچ میں بات یاد آگئی اور ہے بھی باموقعہ۔

اب بات یہ ہے کہ جن شیطانی اور نفسانی حرکات نے انسانوں کو اس روحانی دنگل میں چاروں شانہ چت گرا دیا ہے۔ اور دن رات وہ اُٹھنے نہیں پاتے بلکہ آسمان کے ستاروں کو پڑے پڑے دیکھ رہے ہیں۔ ایک اُن میں سے رشوت ستانی ہے۔ بڑے زبردست پہلوان اس نفسانی دنگل کے کام کرودھ لوبھ موہ اور اہنکار ہیں۔ ان پانچوں کا بڑا بھاری پروار ہے اُن کے لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں۔ رشوت ستانی ان میں سے تیسرے نمبر کے پہلوان لوبھ کی بیٹی ہے۔ حرص۔ طمع لالچ بھی اس پہلوان کے نام کہے جاتے ہیں۔ اس نے بنی نوع انسان کے دلوں پر اپنا مضبوط قبضہ جما رکھا ہے۔

انسان کو حاجت روائی کے واسطے دنیا کے سامانوں کی بلاشبہ ضرورت ہے اور یہ سامان روپیہ پیسہ کے بدوں میسر نہیں آسکتے۔ اسواسطے لازمی ہے کہ روپیہ پیسہ کے حاصل کرنیکا جتن کیا جاوے۔ مگر جوں جوں آدمی کی مالی حالت ترقی کرتی جاتی ہے۔ لالچ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ جس شخص کی آمدنی دس روپیہ ماہوار کی ہے۔ وہ دس روپیہ میں خوش نہیں ہے۔ چاہتا ہے۔ کہ پندرہ روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی ہو جاوے تو بڑا آنند ہو۔ آرام وچین سے زندگی گذاریں گے پندرہ ہو گئے تو جلد ہی بیس پر نظر گئی پھر بیس نو حنیکہ ۴۰۔ ۵۰۔ ۱۰۰۔ ۲۰۰۔ اور ۵۰۰ تک پہنچکر بھی یہی حال رہتا ہے۔ لالچ بڑھتا ہی بڑھتا جاتا ہے۔

"مریضِ حرص پر لعنت خدا کی ‌ ‌ ‌ ‌ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

اب ایسا اتفاق تو بہت کم ہوتا ہے کہ ۱۰ والے کو خواہش کرنے پر فوراً ہی ۱۵-۲۰-۳۰-۵۰ تھوڑی دیر کے بعد جایز طور پر ملنے جاویں۔ اس واسطے اکثر لوگ ناجایز طور پر ہاتھ مارتے اور جن غریبوں پر اُن کا زبردست ہاتھ چل سکتا ہے۔ اُن کو تنگ کر کے اپنی آمدنی بڑھاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا تو جو بھی کام اُن کی تحویل میں ہے اُس میں چوری کرتے اور اپنے من کی مراد کو حاصل سمجھتے ہیں۔ ایک کو دیکھ کر دوسرا دلیر ہو جاتا ہے۔ اور یا ہم ملکر ایسے ناجایز کام کرتے ہیں جو افسر اُن سے باز پرس کر سکتے ہیں اُن کی خوشامد کر چھوڑتے ہیں اور تحفہ تحایف اور نذرانہ دیکر اُن کی زبان کو بند کر لیتے ہیں۔ ناجایز طور پر جب آمدنی ہونے لگتی ہے۔ اپنے ذاتی آرام اور سُکھ کے واسطے بہت سی فضول اور غیر ضروری سامان جمع کرنے لگ جاتے ہیں کھانے پینے۔ پہرنے اور آرایش کے خرچوں کو بڑھا لیتے ہیں۔ عورتوں اور بال بچوں کی حیثیت بھی بڑھانی پڑتی ہے۔ رشتہ داروں اور دوست آشناؤں سے برت برتاؤ کے خرچ اسی تعداد پر کرنے پڑتے ہیں وہ ناجایز آمدنی بھی جب اُن اخراجات کے پورا کرنے کو کافی نہیں ہوتی تو آمدنی کے ناجایز وسائل کو بڑھانے کی تجویزیں سوچتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ جس سے اُن لوگوں کو جن کا ان سے واسطہ پڑتا ہے دُکھ ہوتا ہے۔ مگر وہ بیچارے کچھ کر نہیں سکتے۔ ناجایز آمدنی کی وجہ سے جو ناجایز اور فضول خرچ کئے جاتے ہیں۔ اُن میں اکثر ایسے لوگوں کو نشہ اور دیشیہ بھوگ کی بہت سے بدعادتیں دیا لیتی ہیں۔ شراب کے عادی ہو جاتے

ہیں۔ حقہ۔ سگرٹ۔ بھنگ وغیرہ مضر صحت اور دشمن عقل چیزوں کا
استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اور پھر ان ایک ایک عادت کی غلامی
جو جو بدنتائج پیدا کرتی ہے۔ اُس کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں
ہے۔ کیونکہ تھوڑا وچار کرنے سے ہر ایک آدمی کے خیال میں وہ
باتیں آسکتی ہیں۔ شراب کے نشہ نے کتنے دولتمندوں کو بھکاری
بنانا اور کتنے معصوم بچوں کو یتیم اور اناتھ کر دیا۔ بھولی بھالی ناکردہ گناہ
دیویوں کو بدھوا بنا کر بٹھلا دیا یہ سب کچھ اگر کوئی چاہے تو اپنے آس
پاس بھی دیکھ سکتا ہے

ناجائز طور پر لوگوں کو دکھ دے کر جو روپیہ لیا جاتا ہے اُن غریب
لوگوں کی مصیبتوں کا سلسلہ کہاں تک چلتا ہے۔ اور جو لوگ ناجائز
ستائی کرتے ہیں۔ اُن کی عیاشی اور عیش پسندی کہاں تک پہنچتی ہے
اس کا کوئی حد اور حساب نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک
فرد بشر کا انجام ایک ہی سا ہو اور بہت جلدی ہو۔ ناجائز کاموں کا
پھل ہمیشہ بُرا اور دکھدائی ہوتا ہے۔ کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ہے
جو پاپ تو کرے۔ مگر اُس کا پھل بھوگنے سے بچ جاوے۔ لوگ کوشش
کرتے ہیں۔ کہ چوری تو کریں۔ مگر پکڑے نہ جاویں۔ اور اکثر پکڑے
نہیں بھی جاتے۔ اگر پکڑے جاتے ہیں تو بری بھی ہو جاتے ہیں
مگر اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُن کو ان پاپوں کی سزا نہیں ملی
یا نہیں ملیگی۔ سزا ملتی ہے اور ضرور ملتی ہے۔ مگر اُس کی نوعیت کچھ اور
ہوتی ہے۔ پاپ پہلے تھوڑا کیا جاتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ وہ بڑھتا جاتا ہے
اور اُس کے لوازمات جب شامل حال ہو جاتے ہیں۔ تو وہ کچھ کا کچھ ہو
جاتا ہے۔ شراب پینے والے زناکار ہو گئے۔ اور فاحشہ عورتوں کی صحبت میں
لوگ پر لوک سب کچھ کھو بیٹھے۔ ایک پاپ کے ساتھ دوسرا کس طور سے آ

کر مل جاتا ہے۔ اور لازم ملزوم کا سلسلہ کہاں تک پہونچتا ہے۔ اُس کی ایک اور روایت مشہور ہے۔ کہ ایک شخص نوکری کی تلاش میں کسی عہدیدار کے پاس گیا۔ اُس نے پوچھا کہ تم میں کوئی عیب تو نہیں ہے۔ جواب دیا کبھی کبھی پیاز کھا لیا کرتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

اس پر وہ بولا کہ پیاز میں ہمیشہ تو نہیں کھاتا۔ جب کبھی گوشت ساتھ ہو تو اُس میں ملا لیا کرتا ہوں۔ کیا تم گوشت بھی کھاتے ہو کہا کہ ہمیشہ نہیں۔ کبھی شراب مل جاوے۔ تب یہ کام کر لیا کرتا ہوں۔ کیا تم شراب بھی پیتے ہو۔ جواب دیا کہ ہمیشہ نہیں جب کبھی جوئے میں کچھ روپیہ جیت لیا۔ تو ایسا جتن کر لیتا ہوں۔

اسی طور سے جب آدمی پاپ کے ذریعہ دھن کماتا ہے۔ تو بد عادات کا شکار ہو کر کہیں کا نہیں رہتا۔ اور جب بدیوں کا شکار بن جاتا ہے۔ تو اُن بلاؤں سے رہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ ناجائز طور پر دھن کمانے کی جن کو علت پڑ جاتی ہے۔ انسانی صفات بہت کم اُن کے شامل حال رہتی ہیں۔

بعض لوگ جب ایسے طور پر ناجائز حصول کے عادی ہو جاتے ہیں۔ تو عذر پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ مجبور ہیں۔ کنبہ کا خرچ پورا کس طرح سے کریں۔ پانچ سات آدمی گھر میں کھانے والے ہیں ہر ایک چیز بازار میں گراں ہو رہی ہے۔ بھوکے رہا نہیں جاتا ہیں روپیہ ماہوار تنخواہ ہے۔ اس میں ہوتا ہی کیا ہے۔ لاچار ہو کر روپیہ دو روپیہ کسی ضرورت والے سے لے کر اُس کا کام کر دیتے ہیں۔ یہ تو ایک طرح کی محنت ہے کہ کام کر دیا اور دام لے لیا۔

یہ ایسے صاحبان کا بھولاپن ہے۔ اگر وہ اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائیں

تو اُن کو ظاہر ہو جانا چاہیئے کہ اُن کے بہت سے بھائی اُن کے برابر
کنبہ رکھنے والے دس بارہ روپیہ ماہوار میں اپنا گزارہ کر رہے ہیں
اور پھر ایسا خیال کرنا کہ یہ محنت اور اُجرت ہے۔ یہ بھی درست نہیں
ہے۔ خاص محکموں اور خاص خاص ناموں کے تحریر میں لانے کی
ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ بُرا کام تو آجکل ایسا رواج پا گیا ہے۔ کہ
جو لوگ عزت دار۔ تعلیم یافتہ اور مہذب کہلاتے ہیں۔ وہ بھی ایسا
کام کرتے ہوئے شرماتے نہیں۔ اس ناجائز استحصال کو اپنا حق
سمجھتے ہیں۔ گھورتے ہیں۔ کھاتے ہیں اور جن سے لیتے ہیں۔ انہیں کو
دباتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا اپنا مذہبی اعتقاد اور عقیدہ بھی رکھتے ہیں
اِن کے عقیدہ کے برخلاف اگر کوئی ایک لفظ بھی بول دے تو مرنے
مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر ان سب صاحبان کو خواہ وہ ہندو
ہوں خواہ مسلمان یا عیسائی۔ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ان سب کے
دھرم اور مذہب کی کتابوں میں دوسرے کا حق غضب کرنے کا کوئی
حکم نہیں ہے۔ کون ہے جو اپنے مذہب کے ہادیوں کی کوئی ایسی
ہدایت اور فرمان دکھلا سکے کہ تم لوگ دوسروں سے اُن کے اُس کام کے
کرنے کے بدلے میں جس کی تنخواہ اور اُجرت تم حاصل کر رہے ہو۔
رشوت لیا کرو۔ اگر وہ غریب ہیں۔ اور ادا نہیں کر سکتے تو تم اُن کو
تنگ کیا کرو۔ اُن کو تکلیف دیا کرو۔ گالی گلوچ نکالا کرو۔ اور اُن کو
بے عزت بھی کیا کرو۔ اُن کے کاموں کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں
اور جن کے پورا کرنے کی اُجرت تم سرکار سے لے رہے ہو اور اسی
وجہ سے تم عزت دار کہلاتے ہو۔ بگاڑ دیا کرو۔ بڑے افسوس اور
شرم کا مقام ہے۔ کہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ مہذب لوگ اپنے
چال چلن اور سلوک کا اس قسم کا نمونہ ان پڑھ لوگوں کے سامنے

پیش کریں اور مہذب ہونے کا اُن کا فخر بھی قایم رہے۔
چور کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ مگر چور جو اپنے فن کا اُستاد
ہے۔ وہ اپنے آپ کو بُرا نہیں سمجھتا اور اُس کے ساتھ کام کرنے
والے چور بھی اُسے بُرا نہیں بلکہ اچھا سمجھتے ہیں۔ تاہم چور کو جو
علم کی دولت سے محروم ہے۔ کچھ شرم تو ہے کہ وہ رات کو اندھیرے
میں اپنا کام کرتا ہے۔ مگر ایسے لوگوں کو جن کو نقد علم کا فخر بھی ہو
اور جو روز روشن میں عدالت کی چوکی پر یا اس کے پاس بیٹھے
ہوئے غریب اہالیان غرض کو بیرحمی سے لوٹتے ہیں۔ اور ذرا بھی جھجکتے
نہیں کیا کہا جاویگا۔ ان صاحبان کو اگر کوئی کہے۔ کہ یہ کام اچھا نہیں ہے
اور کسی بھی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ اور اس سے غریب بندگان خدا
کو دکھ ملتا ہے۔ تو وہ ہرگز اس سچی کلام کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اکثر
کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ بیوقوفوں کی باتیں ہیں۔ اگر وہ وچار کریں۔ تو
اُن کو پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ اُن کے اس کام سے نہ صرف اہل غرض
ہی کا نقصان ہے۔ بلکہ خاص اُن کو بھی کوئی ایسا فائدہ نہیں ہے
جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں

بھلا جس کام کے کرنے سے آدمی خدا کا چور۔ پرماتما کا چور اپنے
دُنیاوی آقا کا چور۔ اپنی آتما کا چور اور اپنی سرکار کی رعایا کا چور بن
جاتا ہے۔ اُس سے اگر کوئی فائدہ ہے تو صرف یہ کہ انسانیت کی اعلے
صفت دیانتداری کو چھوڑ کر چار پیسے آدمی کے ہاتھ میں آجاویں جو
کسی کے پاس رہا نہیں کرتے۔ کیونکہ اس طریقہ سے کمایا ہوا دھن بہت
جلدی ہوا ہو جاتا ہے اور جائز کمائی کو بھی ساتھ لے جاتا ہے۔ اور
پاک پوتر دھن کو ناپاک اور اپوتر بنا دیتا ہے۔ جس طرح کہ خالص دودھ
کے گھڑے میں ایک ہی قطرہ ناپاک پانی کا سارے دودھ کو خراب کر

دیتا ہے۔ ان لوگوں کی جایز کمائی اور بزرگوں سے ملی ہوئی دولت
کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔

ایسا باپ سے کمایا ہوا دھن اول تو پاس رہتا ہی نہیں۔ اگر رہ
بھی جاوے۔ تو اس سے سکھ کی پراپتی نہیں ہوتی۔ کیونکہ سکھ جڑ
پرکرتی جیسے بے جان مادہ کا تو گن ہی نہیں ہے۔ ہاتھوں ہاتھ اُڑ
جانے سے اگر کچھ بچ جاتا ہے۔ تو چور آگ۔ ڈنڈ بیماری اور مصیبت
پر خرچ ہوتا ہے۔ اور اُسے آدمی جایز طور پر ترقی کرنے سے محروم
رہ جاتے ہیں۔ پرمیشور ہی سارے سنسار کا راجہ اور سب کا پتا
ہے۔ اُس نے آپ کو آپ کی یوگیتا اور لیاقت کے موافق جو کچھ دیا ہے
اُس کو پرماتما کا دھنیاواد اور شکریہ کرتے ہوئے اچھے طور پر دھرم ہا کوں
خرچ کریں۔ مگر آپ سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے۔ وہ آپ کے واسطے کافی
نہیں ہے۔ تو اس کا علاج تو یہ ہے۔ کہ آپ جایز طریق پر محنت کوشش
اور پرارتھنا کریں۔ پرماتما کے پاس بہت کچھ ہے۔ جو کہ وہ آپ کو دے سکتا
ہے۔ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ پرماتما کی دیا سے کس طور سے ایک مفلس اور نردھن
دردر آدمی دھناڈیہ اور دولتمند بن جاتا ہے۔ اور کس طور سے ایک کروڑپتی
سیٹھ تھوڑے عرصہ میں کنگال اور روٹی تک کو محتاج ہو جاتا ہے۔ پھر
کیوں نہیں آپ اُسی پرماتما سے یاچنا کرتے اور بھکشا مانگتے۔ مگر
آپ ناجایز طور پر اپنی اُس خیالی کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ تو
جایز وسایل کی طرف سے روگردانی کی جاتی ہے۔ ناجایز طور پر
پیٹ بھرنے لگا۔ تو خوش ہو گئے اور سمجھ لیا۔ کہ بس اب محنت کی کیا
ضرورت ہے۔ خیال کرو کہ ایک باپ اپنے لڑکوں کو گزارہ کیواسطے
کچھ خرچ دیتا ہے۔ ان میں سے ایک اپنے خرچ کو ناکافی خیال
کر کے باپ کے مال کو چُراتا اور کام میں لاتا ہے۔ مگر دوسرا آدمی

میں گذارہ کرتا ہے۔ اور باپ کے حکم کی تعمیل میں لگا رہتا ہے۔ اس کا کام وقت پر اور درست ہوتا ہے۔ بتلاویں کہ باپ کس پر خوش ہوگا جس پر باپ خوش ہے وہی سُکھ اور آرام کا مستحق بنتا ہے۔ پرمیشور بھی جو سب کا پتا ہے اور سب کو دیتا ہے۔ جو لوگ اس کے دیئے پر شاکر رہ کر اُسی میں گذارہ کرتے اور اپنے فرض کے ادا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کی جایز کمائی اور سُکھ میں دن بہ دن ترقی ہوتی ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتے وہ دن رات لالچ۔ حرص اور قسم قسم کی مصیبتوں کا شکار بنے رہتے ہیں۔ دوسروں کو دُکھ دیتے اور آپ دُکھ پاتے ہیں۔ اور اپنی نظیر سے اپنی اولاد کو بھی گناہوں کے تاریک گڑھے میں گرا جاتے ہیں۔

ایک ناواقف آدمی کوئی پاپ کرتا ہے تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُسے معلوم نہ تھا۔ کہ یہ کام اچھا نہیں ہے۔ اُس نے کہا ہے۔ تو اُس کو خالی تنبیہ ہونی چاہیئے۔ کہ پھر ایسا نہ کرے۔ تاہم ہر ایک بُرے کام کی سزا سب کو ملتی ہے۔ ناواقفی کا کوئی عذر سُننے کو عدالت تیار نہیں ہے۔ اگر کوئی کوئی شخص انسان ہو کر ناواقف اس امر سے ہے۔ کہ گناہ کیا ہے۔ اور ثواب کیا تو یہ بھی تو اُسی کا قصور ہے۔ پس جو لوگ عالم فاضل اور مہذب ہو کر اتنا نہ جانیں کہ رشوت ستانی گناہ ہے۔ اُن کے اس عذر لنگ کی پذیرائی کہاں ہو سکتی ہے۔ پھر بھی سرکار دولتمدار نے جو قانون اس جرم کے تعلق میں بنا رکھا ہے۔ وہ یہ ہے:-

تعزیرات ہند دفعہ ۱۶۱۔ کوئی شخص جو سرکاری ملازم ہے یا سرکاری ملازمت کا امیدوار ہے۔ کوئی منصبی عمل کرنے یا اُس سے باز رہنے کے لئے یا اپنے لوازم منصبی کے نفاذ میں کسی شخص کی

طرفداری یا اس شخص کے خلاف پر ہونے یا اُس سے باز رہنے
کے لئے یا ہند کی لیجسلیٹو یا اگزیکٹو گورنمنٹ یا کسی پریذیڈنسی کی
گورنمنٹ یا کسی لفٹننٹ گورنر یا سرکاری ملازمین کی حیثیت سے
کسی سرکاری ملازم کے روبرو کسی شخص کے ساختہ بھلائی یا بُرائی
کرنے کے لئے یا اس کا اقدام کرنے کے لئے اجرِ جائز کے سوا
کسی شخص سے کسی طرح کا کوئی مابہ الاحتظاظ وجہ تحریک یا حق
السعی کے طور پر اپنے واسطے خواہ کسی اور شخص کے واسطے قبول
کرے یا حاصل کرے یا قبول کرنے پر راضی ہو یا حاصل کرنے کا
اقدام کرے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی
قید کی سزا دی جاویگی۔ جس کی معیاد تین برس تک ہو سکتی ہے
یا جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں دی جاوینگی"۔

سرکار کا یہ قانون اگرچہ قائم ہے۔ مگر بہت سے لوگ ہیں۔ جو
کہ اس قانون کی زد سے بچے رہتے ہیں۔ مگر پرمیشور اور خدا تعالےٰ
جو سارے جہاں کا مالک ہے۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ موسائی
سب ہی مذاہب کے لوگ جس کی پوجا اور پرستش کرتے ہیں۔ خواہ
وہ ایک دوسرے سے مختلف طریقوں پر کریں۔ تاہم یہ تو سب ہی
کہتے ہیں۔ کہ وہ سب جگہ حاضر ناظر اور سب کے کرموں کو دیکھتا ہے
بُرائی اور چوری کرنے کا اُس کا حکم نہیں ہے۔ اب جو لوگ تعلیمیافتہ
ہو کر اور اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہوئے مال حرام کو شیر مادر سمجھیں اور
دن رات اُس کے حصول کے واسطے جوڑ توڑ کرتے رہیں۔ وہ
اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے
پابند اور پیرو ہیں؟ وہ لوگ کبھی ایسا حوصلہ نہیں کر سکتے۔ اب
انہیں لوگوں میں سے کوئی اپنا عقیدہ بدل لیوے۔ اور مذہب کو

ترک کرے۔ تو اُس کے دوست سمبندھی اور رشتہ دار کتنا رولا مچاتے ہیں اور کتنا جتن کرتے ہیں۔ تا کہ وہ اپنے باپ دادوں کے دھرم اور مذہب پر قایم رہے۔ مگر دوسروں کے دھن کو ناجایز طور پر اُڑانے والوں کو کوئی بھی نہیں کہتا۔ کہ وہ اپنے دھرم اور مذہب سے خارج ہو رہے ہیں۔ دنیا کے تھوڑے لالچ اور آرام کی خاطر دھرم ایمان سب کچھ کھوتے ہیں۔ اور اپنی آتما کا بھی گھات کرتے ہیں۔ پھر بتلاؤ کہ ایسے لوگوں نے دنیا میں جنم لے کر کیا حاصل کیا اور کیا کھو دیا۔ اپنی آتما جو کہ ازلی اور ابدی ہے۔ اس کا ستیاناس اس چیز کی خاطر کر لیا جو کہ گھڑی اور پل کے اندر ہاتھ سے نکل جانے والا ہے۔

جن لوگوں نے زمانہ حال کی مروجہ تعلیم کو حاصل کیا ہے۔ اُن کو معلوم ہے۔ کہ قوم انگریزی میں کیسے کیسے عالم۔ فاضل۔ دانا۔ عقلمند فلاسفر اور منصف لوگ ہوئے ہیں۔ انگلستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جو پہلا گورنر جنرل ہندوستان میں آیا تھا۔ اُس نے اپنے ایام حکومت میں یہاں رشوت لی تھی۔ قوم کے لوگوں نے اُس کو نہ چھوڑا۔ جب وہ اپنا عہد ختم کر کے وطن کو گیا۔ وہاں اُس پہ رشوت ستانی کا مقدمہ چلا دیا۔ جو کئی سال تک جاری رہا اور گورنر جنرل صاحب کا ناک میں دم کر دیا۔ سب کچھ کمایا ہوا خرچ ہو گیا۔ اور کنگال بن گیا۔

اب یہاں بھی سرکار کی طرف سے کئی ایک بڑے بڑے افسروں پر رشوت ستانی کے مقدمات دایر ہوتے رہتے ہیں۔ اور ثابت ہونے پر وہ لوگ کیفر کردار کو پا لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ ہیں جو اپنی عادت سے باز نہیں آتے۔ وہ سمجھتے ہیں اور جانتے

ہیں۔ کہ ایک ہی مقدمہ میں رشوت لے کر جو بے انصافی وہ کرتے ہیں
اُس کا بُرا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ حقدار محروم ہو جاتا ہے
اور جس کا حق نہیں ہے اُس کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے
تو دوسرے لوگوں کو بھی جرأت ہو جاتی ہے اور وہ بھی ایسے ایسے
فریب ہتھکنڈے۔ اور داؤ پیچ کر کے ناجائز طور پر مقدمات کو
جیت لینے کی تجویزیں سوچتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ گویا جس قدر
ظلم۔ بے انصافی اور ناجائز ستانی ملک میں ہو رہی ہے اُس کے
ذمہ وار ہمارے وہی بھائی ہیں۔ جن کو سرکار نے اعلےٰ عہدے
عطا کئے۔ منصف مجسٹریٹ اور جج جن کے القاب ہیں جو ہزاروں
اور لاکھوں کی جائیداد کو اِدھر سے اُدھر کرنے کی طاقت کے مالک
بنائے گئے ہیں۔ لوگوں کی دولت۔ عزت۔ جان اور مال جن کے
قلم کی ایک حرکت سے برباد ہو سکتے ہیں اور جن کو یہاں تک
طاقت اور قدرت پرمیشور اور سرکار عالیہ نے دی ہے کہ وہ
اپنے بھائی اور اپنے جیسے انسان کی روح کو جسم سے الگ کر
دینے کا حکم دیویں اور اُن کے حکم کی تعمیل ہو جاوے

تھوڑی تنخواہ والے اہلکار تو رشوت لینا اس بہانہ کو آگے کہہ
کر لیویں کہ اُن کی تنخواہ کافی نہیں ہے۔ مگر جو لوگ ہزاروں روپیہ
ماہوار کی جائز آمدنی رکھتے ہیں۔ اور پھر بھی ایسا کام کرتے ہیں
اُن کے واسطے کوئی بہانہ اور عذر قابل سماعت ہو سکتا ہے! کوئی
عذر اور بہانہ نہیں ہے۔ صرف عادت سے لاچار ہیں اتنی ہمت
طاقت نہیں کہ اس بدعادت کا مقابلہ کر سکیں اور اس پر غالب
آجاویں۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک زرگر کو اس کی والدہ نے ایک زیور
تیار کرنے کو دیا اس کی عادت زیورات میں سے کچھ نہ کچھ نکالنے کی

تھی ہمت کی کہ ماتا کی چوری نہ کی۔ اور زیور بلا ملاوٹ کھوٹ کے تیار
کر کے دیدیا۔ مگر رات کو نیند نہ آئی۔ صبح اُٹھ کر کوئی بہانہ بنا کر زیور
ماتا سے واپس لے لیا۔ اور اپنا حصہ نکالکر از سر نو تیار کر کے دیا تب
اُسے چین آیا۔ ایسا ہی ایک درزی کا ایں ہم پر علم والا قصہ بھی مشہور
ہے۔ میرے دوستو آدمی عادت سے لاچار ہو جاتا ہے رشوت سے
تو بھلا روپیہ آتا ہے۔ جن لوگوں کو حقہ پینے اور کوئلہ اور مٹی کھانے
کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ باوجودیکہ بڑے بڑے عقلمند ہیں۔ پھر بھی
اس عادت سے بچ نہیں سکتے۔ تو بھی انسان اگر کوشش کرے ہمت
سے کام لے تو ایسی کوئی بری عادت پڑ گئی ہے۔ وہ باوجودیکہ بڑے
بڑے عقلمند ہیں۔ پھر بھی اس عادت سے بچ نہیں سکتے۔ تو بھی انسان
اگر کوشش کرے ہمت سے کام لے تو ایسی کوئی بری عادت اور پاپ
نہیں ہے جس پر غالب نہ آ سکے۔ کام کے انجام پر وچار کرے اور
پرماتما سے بل مانگے۔ اُس کے پاس بڑی طاقت ہے۔ جو لوگ
سچے دل سے پاپ پر غالب آنے کی طاقت اُس سے مانگتے ہیں
اُن کو برابر ملتی ہے۔

سب لوگ خواہش کرتے ہیں کہ اُن کو سورگ ملے اور مرنے
کے بعد وہ بہشت میں جاویں۔ یہ خواہش تو بڑی عمدہ ہے مگر کچھ
وچار بھی کرنا چاہیئے۔ سورگ اور بہشت میں تو کہا جاتا ہے کہ
سب کے سب اُس میں رہنے والے سکھی ہوتے ہیں۔ اور
کوئی کسی کو دکھ دینے کا خیال بھی دل میں نہ لاوے۔ اگر ایسا نہ
ہو۔ تو سب کو سکھ نہیں ہو سکتا۔ فرض کرلو کہ اس میں رہنے والے
لوگ اس قسم کے ہیں جو اپنے بھائیوں کی بھلائی کو دیکھ نہیں
سکتے۔ اگر اُن کے بھائی کو پھانسی ملنے لگے۔ رسہ موجود نہ ہو تو فوراً

اپنی پگڑی اُتار کر پیش کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے لوگ اُس قسم کے لوگ اُس مقام میں پہنچائے جاویں۔ جس کو بہشت کہا جاتا ہے تو کیا وہاں جا کر یہ لوگ اپنی عادات کو چھوڑ دیں گے؟ امید تو ہرگز ایسی نہیں تاہم اگر وہ لوگ ایسا دعوے کرنے کو تیار ہیں کہ بہشت میں جا کر وہ ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرینگے اور دُکھ نہ دینگے۔ کسی کو دھوکہ اور فریب کا شکار نہ بنا وینگے۔ ایک پرماتما اور خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل اور اُس کی عبادت میں اپنا وقت خرچ کرینگے۔ تو کیوں نہیں وہ اسی جہان میں ایسا عمل کرتے اور اسی کو بہشت بنا لیتے۔ یا درکھو کہ جن کو اس جہان میں بدکاری نے نہیں چھوڑا اگر اُن کو اتفاق سے وہ بہشت بھی مل گیا تو وہاں رہ کر بھی بدکاری کرینگے۔ اور اُس بہشت کو بھی دوزخ بنا ئینگے۔

مرنے کے بعد تو کسی نے دیکھا نہیں ہے۔ کیا ہونے والا ہے مگر یہ تو پرتیکش اور ظاہر ظہوریات ہے کہ جو آدمی دوسروں کو دُکھ دینے کی عادت کو چھوڑیگا۔ اس کو یہیں اور اسی جہان میں سُکھ ملے گا۔

میرے مہربان ناظرین آپ ان سطور کا بغور مطالعہ فرماویں۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ کہ ہمارے دیش اور ملک کے سب لوگ رشوت خور ہیں۔ مگر سب کے سب اس بدعادات سے بچے ہوئے بھی نہیں۔ جو بھائی اس بدعادات کے تابع ہو چکے ہیں وہ اُس سے بچنے کا انتظام سوچیں اور عمل میں لاویں۔ اور جن پرماتما کی دیا ہے اور اُس سے بچے ہوئے ہیں وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو پریم اور محبت سے سمجھاویں۔ کہ ایسا کرنا یعنے رشوت کا لینا نہ صرف اُنہیں لوگوں کا نقصان ہے۔ جن سے کہ رشوت لی جاتی ہے

بلکہ لینے والوں اور اُن کی اولاد اور خاندان کے حق میں بھی نہایت قاتل سے بُرا اثر رکھتا ہے۔ رشوت خوری کے بدعمل نے اگر صاف لفظوں میں کہا جاوے۔ کہ ہندوستان جنت نشان کو دوزخ بنا رکھا ہے۔ تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا

آؤ سب بھائی مل کر پرماتما سے دعا مانگیں

کہ ہم کو بُرائی سے بچا کر بھلائی کا راستہ دکھاوے۔ جھوٹھ سے بچا کر سچائی کی شاہراہ پر چلاوے۔ پاپ سے بچا کر پُن کی کمائی میں لگاوے جنم اور موت سے بچا کر نجات اور موکش کا بھاگی بناوے۔

استریوں پر اتیاچار

سے جو دُکھ اور تکلیف استریوں کو ہو رہی ہے۔ اُس کو مرد محسوس نہیں کر سکتے۔ گو بہت سے لوگ ہیں۔ جو کہ اُن کی دشا کو سدھارنے کی فکر کر رہے ہیں تاہم اس کام کو ضروری ہے۔ کہ استریاں اپنے ہاتھ میں لیویں۔ اور پُرش بھی اُن کو ان کے اس کام میں سہایتا دیویں۔ استریوں میں اس کام کو پورا کرنے کی طاقت ہے۔ تیاگ اور ویراگ کے گُن استریوں میں زیادہ تر موجود ہیں۔ ایسی ایسی پتی برتا ستونتی دیویاں موجود تھیں۔ جو کہ بال اوستھا میں بدھوا ہوئیں ۔۔ سال کی عمر بھوگ کر مر گئیں۔ اپنے پتی کا مُنہہ نہیں دیکھا بعد پرائے پُرش کا دھیان تک من میں نہیں آیا۔ اور اب تک بھی ایسی بیویاں موجود ہیں۔ تاریخیں بتلاتی ہیں۔ کہ کس طرح بہت سی بیبیوں نے میدان جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ کس طرح سے

سلطنت اور حکومت کا انتظام کیا کس طرح سے بے بسی کی حالت میں اپنے دھرم کو بچانے کے واسطے پرچنڈ اگنی کی چتا میں کود کود کر بھسم ہو گئیں۔ آج ایک استری کا عجیب چرتر یاد آیا ہے۔ گو وہ استری مسلمان جاتی میں سے ہے۔ مگر استری پن کے خیال سے ہندو۔ آریہ سکھ مسلمان عیسائی استریاں سب ایک ہی ہیں۔ اچھے گن سب میں پائے جاتے ہیں۔ مردوں کا فرض ہے۔ کہ سب استریوں کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔ خواہ وہ کسی دوسرے قوم مذہب اور دیش سے بھی تعلق رکھنے والی ہوں وہ واقعہ حسب ذیل ہے۔

۱۹۰۷ء کے قریب کا واقعہ ہے۔ کہ ملک بلوچستان علاقہ کھوسٹ میں غفور نام کے ایک لوہار کا بیاہ ایک نوجوان لڑکی سے ہوا لڑکی کو اس زنانہ حالت میں رہنا پسند نہ آیا۔ خاوند کے گھر سے وہ ایک رات نکلی۔ گم ہو گئی۔ ہر چند تلاش کی گئی۔ کوئی پتہ نہ لگا۔ غفور بیچارہ ہار تھک کر چپ ہو گیا۔ اور صبر کیا۔

عورت کہاں گئی۔ اس نے کس میدان میں قدم رکھا۔ یہ سرگزشت عجیب ہے۔ اس نے مردانہ لباس زیب تن کر لیا اور پولیس میں بھرتی ہو گئی۔ کسی نے نہیں پہچانا کہ یہ عورت ہے۔ پولیس کی فوجی قواعد۔ پریڈ۔ چاند ماری وغیرہ سب قسم کا کام جو کہ سپاہیوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس نے سیکھا اور کرتی رہی۔ افسروں کی اردلی میں کام کیا۔ پہرہ چوکی کا کام۔ قیدیوں کے چالان کے ساتھ جانے کا کام۔ افسروں کی ڈاک کے پہنچانے کا کام غرضیکہ پولیس کانسٹبل کے متعلق ہر قسم کے کاموں کو اس نے بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ اور افسران و حکام کی خوشنودی کو حاصل کیا

مرد سپاہیوں کے شامل ایک بارک میں رہتا۔ اُن کے ساتھ کھانا پینا۔ سونا۔ بات چیت اور ہنسی مخول میں کسی سے نہ دبنا۔ مردانہ وار اپنے ساتھیوں کے زبانی حملوں سے اپنے آپ کو بچاتا۔ ان سب حالات میں اُس کی کوئی ایسی حرکت کسی کو معلوم نہ ہوئی۔ جس سے شبہ بھی ہوسکے کہ یہ مرد نہیں عورت ہے۔

بڑے لطف کی بات اور عجیب اتفاق ہے۔ کہ اس حالت میں اُس کے حسن اور جوانی کو دیکھ کر کئی عورتیں اس پر موہت ہو گئیں کئی ایک عورتوں نے تو اُس کے ساتھ اپنا بیاہ کرنے کی بڑی زبردست خواہش ظاہر کی اور دو کے ساتھ تو مختلف وقتوں میں اس کا بیاہ ہو بھی گیا اُس نے اپنا گھر بنا کر جیسا کہ ایک مسلمان سپاہی رہتا ہے عورتوں کو گھر میں رکھا۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کتنی معجزہ کی بات ہے۔ کہ ان عورتوں میں سے یہ راز کسی نے بھی دوسروں پر ظاہر نہ کیا۔ کہ کمالا مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔ اس کی خوش خلقی۔ پیار اور پریم نے اُن کو گرویدہ کر لیا۔ تھوڑا تھوڑا عرصہ اس کے پاس رہ کر اور طلاق لے کر وہ چلی گئیں۔ مگر اس کے گھر سے جا کر بھی کسی کو اس کا راز نہ بتایا۔

۱۲ سال سے زیادہ عرصہ پولیس کی ملازمت میں گذر گیا ۱۹۱۷ء ۱۹۱۸ء میں بلوچستان کے اقوام کہتران اور مری نے اس ملک میں شورش مچائی۔ کئی مقامات کو لوٹ لیا۔ ان کی سرکوبی کے واسطے سرکار انگریزی کو اپنی فوج دینی پڑی۔ اس فوج میں یہ بھی لڑائی کے واسطے گئی۔ لڑائی میں خوب ہاتھ دکھائے۔ دشمن کے بہت سے آدمیوں کو مارا اور زخمی کیا۔ پھر آپ بھی زخمی ہو کر گر گئی۔ اور بھی بہت سے سرکار انگریزی کے سپاہی زخمی ہوئے تھے۔ اُنکے

ساتھ اُٹھائی جاکر میدان جنگ سے لاکر فوجی ہسپتال میں لائی گئی
ڈاکٹر جو علاج کے واسطے موجود تھے۔ اُنھوں نے سب زخمیوں
کو ہسپتال میں داخل کرکے زخموں کا ملاحظہ شروع کیا۔ ایک ایک
کے زخموں کو جسم کے ہر ایک حصہ پر دیکھ کر ڈاکٹر علاج کا پرچہ
لکھ لکھ کر ڈریسروں اور کمپونڈروں کو دیتے جاتے تھے۔ زخموں
کے دھونے صاف کرنے دوائی لگانے اور پلانے اور پٹی باندھنے
کی ہدایات دیتے تھے۔ جب اس کی باری آئی تو ایک مرد ڈاکٹر
اُس کے پاس آیا۔ زخموں کے ملاحظہ کے واسطے چاہتا تھا۔ کہ اِس
کے بدن کے کپڑے اُتار دے۔ اُس وقت فوراً اس نے کہا۔ کہ خبردار
کہ میرا کپڑا نہ اُٹھایا جاوے۔ میں مرد نہیں عورت ہوں۔ یہ سُن کر
ڈاکٹر پرے ہٹ گیا۔ اور اُس کو کوئیٹہ کے ہسپتال میں بھیج دیا گیا
جہاں کہ زنانہ ڈاکٹروں نے اُس کا علاج کیا۔ یہ راضی ہو گئی اور
سرکار نے مبلغ ۵۰۰ روپیہ اس کے واسطے انعام منظور کیا۔
یہ خبر عام ہو گئی۔ تو غفور لوہار کو بھی پتہ ملا۔ کہ اُس کی گم شدہ
عورت ظاہر ہو آئی ہے۔ اُس نے اس کے برخلاف بازو عورت
کا دعوےٰ دایر کر دیا۔ کہ یہ اُس کی عورت ہے۔ اُس کے باپ کو اُس
نے ۳۰۰ روپیہ دیا تھا۔ اور اُس کا نکاح اُس کے ساتھ ہو گیا
تھا۔ یہ عورت اُس کو دلائی جاوے۔ اب کما لاکو جو اس عورت کا
نام فوج میں تھا۔ حاضر عدالت ہو کر جواب دینا پڑا۔ اُس نے
کہا کہ بارہ سال سے زائد عرصے سے جو چیز قبضے سے نکلی رہے
اس پر مالک کا کوئی حق قایم نہیں رہتا۔ میں بارہ سال سے زیادہ
عرصہ ہوا۔ کہ مرد بن گیا ہوں۔ اب میں عورت بن کر اپنی مردمی
کو بٹہ لگانا نہیں چاہتا۔ جب میرا پختہ خیال ہے۔ کہ میں گرہستھ

نہیں کرونگا۔ تو مجھے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔ البتہ میں یہ اقرار کرتا ہوں۔ کہ اگر کبھی میرا خیال خانہ داری کے اس جنجال میں قید ہونے کا ہو گیا۔ اور یہ غفور جس کیساتھ اُس کے باپ نے اس کا نکاح پڑھوا یا تھا۔ زندہ ہوا۔ تو وہ اس کے ساتھ ایسا منظور کرے گی۔ کسی دوسرے آدمی سے شادی نہیں کرونگی۔ وہ ساری عمر کے واسطے اسکی اٹل پڑگیا ہے۔ کہ وہ ایسا کام ہرگز نہ کریگی۔ باقی رہا۔ غفور کا یہ دعوے کہ اُس نے عورت کے باپ کو تین سو روپیہ دیا ہے۔ اُس کو چاہیئے کہ روپیہ اُسی سے وصول کرے۔ جس کو دیا ہے۔ مجھے نہیں دیا اس کا باپ اپنی لڑکی کو اُس کی بابت کسی سے روپیہ لیکر مجبور نہیں کرسکتا یہ لڑکی اُس کی عورت بن کر اُس کے گھر میں رہے

جن دنوں میں یہ مقدمہ دائر تھا۔ ۱۹۱۸ء ستمبر کا مہینہ تھا۔ کہ میں نے کمالا اور غفور دونو کو گھوسٹ بلوچستان کے ریلوے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ یہ مقدمہ بہت عرصہ تک دائر رہا۔ آخر تھوڑے دن ہوئے کہ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے فیصلہ کمالا کے حق میں دیدیا۔ یہ عورت ہر دو سے آزاد ہو گئی۔ اب بھی اس کا نام کمالا ہے۔ اور وہ بلوچستان کی سرکاری فوج لیوی میں ملازم ہو گیا ہے۔

دردِ نتیجہ اور مستقل ارادے کوئی کام نہیں جو نہ ہو سکے ہندو آریہ دیویوں پر جو انیا چار ہو رہے ہیں۔ اور کوئی اُن کی فریاد سننے کو تیار نہیں ہے۔ اس کمالا کی نظیر اگر کچھ کر سکتی ہے۔ تو اُن کی سیوا میں التماس ہے۔ کہ وہ اپنی مصیبتوں کے علاج کے واسطے خود دکھڑی ہو جاویں۔ اور پھر کوئی بھی اُن کو پیر کی جوتی نہ بنائیگا۔ اور نہ کسی کو حوصلہ ہو گا۔ کہ وہ اپنی کنیا کو بھیڑ بکری کیطرح بازار میں کھڑا کرکے اُس کے ایک ایک انگ کی قیمت خریداروں کو بتاوے

اگر پھر کسی کو ہمت ہوگی۔ کہ بارہ سال کی معصوم کنیا کو ستر سال کے
بوڑھے آدمی سے بیاہ ڈبوے۔ جس سے بدھواؤں کی تعداد دن
بدن بڑھتی جاتی ہے۔ میری بہنو دیویو تم وچار کر کے دیکھو۔ تمہارے
واسطے کتنا بڑا کام ہے۔ تم ہی تو اس سنسار کی ماتا ہو۔ جتنا
بھی اپدرو گھور پاپ لڑائی جھگڑا جنگ جدال اور خون گشت اس
سنسار کے اندر نہ صرف اپنے پیارے بھارت ورش میں۔ بلکہ
یورپ افریقہ امریکہ۔ آسٹریلیا وغیرہ دنیا کے ملکوں میں ہو رہا
ہے۔ یہ سب آپ کی حالت کے ادھوگتی میں جانے کی وجہ سے ہے
آپ اپنا اشٹ بھجی اور چنڈی کا روپ دھارن کر کے سنسار سے
اسروں کا سنگھار کریں گی تب ہی۔ اور ضرور تب ہی پاپوں کا ناش
اور شانتی کا راج ہوگا۔

ہمدردی حیوانات

سب حیوانات میں سے گائے کو بھارت ورش کے بزرگوں نے
اونچا درجہ دیا ہے۔ اس کی پرورش کو بڑا پن کا کام بتلایا ہے
اس کی ایذا رسانی کو بہت بُرا اور پاپ کا کام کہا گیا ہے اس
کی وجہ بھی صاف ہے۔ کہ اس ملک کے لوگوں کی بھلائی اور
بہتری اور مفاد کا سب کچھ دارومدار گائے کے وجود پر ہے
دودھ گھی کا سرچشمہ یہی ہے۔ اور اسی کے بیٹوں کی محنت سے
کل کام کاشتکاری کے سرانجام پاتے ہیں۔ ایسے مفید جانور کے
مارنے کو وہ لوگ پاپ کیوں نہ کہتے جو کسی بھی پرانی کو دکھ دینا

اور ستانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ جب تک اس ملک میں گاوان کی
حفاظت اور مناسب خدمت ہوتی رہی۔ تب تک اس ملک میں
دودھ کی نہریں برابر جاری رہیں۔ مگر کئی صدیوں سے وہ پہلی
حالت قایم نہ رہ گئی۔ ہندو لوگ اس کی حفاظت کے واسطے بہت
کچھ کہتے رہے۔ مگر کچھ بھی ہو نہ سکا۔ اب جبکہ سب لوگوں نے دیکھ لیا
کہ ان کے ضایع کرنے کا نتیجہ بہت برا نکل آیا ہے۔ دودھ آٹھ
آنہ کا ایک سیر اور گھی چار روپیہ کا ایک سیر تک نوبت آ پونچی ہے
لوگوں کے خیال میں یہ بات کچھ کچھ آنے لگی ہے کہ ہندوؤں کے
بزرگوں نے جو کچھ کیا ہوا ہے۔ اس میں کچھ سچائی ضرور ہے فریق
ثانی نے جب اس پر کچھ وچار کیا اور بزرگان اسلام نے مان لیا
کہ گائے کے وجود کو نابود کرنا نہ چاہئیے یہ حکم تو ہو گیا۔ مگر ملک کے
بستی بستی اور کونہ کونہ میں پونچنے کے واسطے بھی تو کچھ عرصہ درکار ہے
اس واسطے جہاں تک معلوم ہوا ہے۔ ابھی تک بہت سے مقامات پر
سینکڑوں گاوان بغرض بیوپار چھڑے اور گوشت کے ماری جاتی ہیں
چونکہ برادران اسلام اس کام کو اپنا حق مذہبی سمجھے ہوئے تھے۔ کوئی
دوسرا اگر ان کے مذہبی حقوق میں دست اندازی کرتا تو وہ سرکار کیطرف
سے بھی مجرم سمجھا جاتا تھا۔ اس واسطے مفصلات میں جو کچھ بھی ہوتا
اہل ہنود اس کی بابت کچھ بھی بول نہ سکتے تھے۔ جہاں کوئی شخص
بدہ کرتا ہوا نظر آتا۔ آنکھوں کے آگے کپڑا یا ہاتھ دے کر دوسری
طرف گذر جایا کرتے تھے۔ مگر اب بزرگان اسلام کے اس فیصلہ
اور فتوے سے جو کچھ حوصلہ ان کو مل گیا ہے۔ تو اپنا دکھ اور درد
ظاہر کرنے کا موقعہ دیکھ کر ان لوگوں نے اس کا اظہار شروع
کر دیا ہے۔ اور مسلمان بھائیوں کی بڑی مہربانی ہونی چاہئے کہ

اُن میں جو قصائی تھے۔ وہ بھی بھائی بننے کو تیار نظر آتے اور
بنتے جاتے ہیں۔ ملک اور ملک والوں کے بھلے دن نظر آتے
ہیں۔ کہ جگہ جگہ پر اب لوگوں کی توجہ گئوؤں کی حفاظت اور رکشا
کی طرف ہو رہی ہے

لائل پور میں مسلمان بھائیوں نے گوشالہ گوبند وال کی
بھجن منڈلی کو بلایا اور تین چار ہزار کی حاضری میں اُنکے
بھجن بڑے شوق سے سُنے گئے۔ ان کا اثر یہ ہوا۔ کہ میاں کرم دین
قصاب نے ویدی پر کھڑے ہو کر کہا کہ میں صدق دل سے گئوہتیا
سے توبہ کرتا ہوں۔ گئو کو ماتا سمجھونگا۔ اور ڈیڑھ سو روپیہ مالیت
کی ایک گائے گئوشالہ کو دان دی۔ اور ایک روپیہ نقد بھی دیا
قلعہ سوبھا سنگھ میں اس کا اپنا ذاتی ملکیت کا بوچڑخانہ تھا
اُس کو بند کرنے کے واسطے اپنے ملازموں کے پاس بذریعہ تار
کے حکم بھیجدیا۔ میاں کرم دین کا یہ ایک روپیہ اسی سبھا میں
نیلام پر چڑھایا گیا۔ اور اُس کی قیمت سوا سو روپیہ ملی۔

دوسری خبر یہ ہے کہ ضلع حصار میں سو سے اوپر دیہات کی
ایک پنچایت پرانے زمانہ سے چلی آتی ہے۔ جو کوئی سنگین اور پیچیدہ
مقدمہ ان لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ اس پنچایت میں طے ہو
جایا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک کنواری لڑکی کو اس کا بہنوئی بھگا کر
لے گیا۔ لڑکی کے باپ نے چیف کورٹ تک فریاد پہنچائی مگر اس
کی دادرسی نہ ہوئی۔ اُس نے اس پنچایت میں اپنا دعوے دائر کیا
پنچایت کے روبرو ملزموں نے جرم کا اقبال کیا اور ۶۵۰۰ جرمانہ
ادا کیا۔ اس فیصلہ کے وقت قصبہ ٹوہانہ کے ہندو لوگوں نے
کہا۔ کہ ٹوہانہ میں ہمارا رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ موسم سرما میں چار

سو اور موسم گرما میں ایک سو سے زیادہ گاواں روزانہ ذبح ہوتی ہیں۔ کوئی باقاعدہ ذبح خانہ نہیں ہے۔ کھلے میدان میں ماری جاتی ہیں۔ چیلیں اُن کی ہڈیوں کو اُٹھا کر اُڑتی ہیں۔ جو ہمارے چوباروں پر گرتی ہیں۔ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اس کا کوئی انتظام ہونا چاہئیے جو قصائی اس پنچایت میں موجود تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم تو توبہ کرتے ہیں۔ قصائیوں کے ۲۰۰ گھر موجود ہیں۔ ان سب کو کہا جاوے اسپر تجویز ہوا کہ جون ۲۹ کو خاص ٹوہانہ میں پنچایت کی جاوے اُس موقعہ پر اس کا فیصلہ ہووے۔ اس خبر کو سنکر ٹوہانہ کے قصائیوں نے ایک تو آگرہ کے قصائیوں کو لکھا کہ وہ اس موقعہ پر ضرور آدیں اُن کا تعلق یہ تھا۔ کہ ٹوہانہ سے گائے کا خشک گوشت اور چھڑہ جو فروخت کے واسطے جاتا رہتا تھا۔ اُس کے بیوپاری وہ لوگ تھے۔ اور اپنے نفع کی خاطر اُن کے خاص مطلب کا یہ کام تھا۔ دوسرا کام ٹوہانہ کے قصائیوں نے یہ کیا کہ ضلع کے افسران کو لکھا۔ کہ اُن کے تعلق میں بڑی بھاری پنچایت جمع ہونے والی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ سب لوگ مل کر جس میں ہزاروں آدمی ہونگے اُن کو کوئی نقصان پہنچا دیں۔ ان کی حفاظت اور نگرانی سرکار کرے چنانچہ اس موقعہ تاریخ مقررہ پر جہاں آگرہ سے بہت سے قصائی آ گئے۔ وہاں صدر ضلع حصار سے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور صاحبان سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو مجسٹریٹ درجہ اول بھی تشریف لے آئے۔ تاریخ مقررہ پر دس ہزار آدمی کی پنچایت جمع ہو گئی۔ پنجاب کے راجہ چودھری شوراam نے بڑی نرمی سے قصائیوں کو مخاطب کر کے فرمایا "آپ گئوہتیا بند کر دیویں اس میں سب کا بھلا ہے۔ آپ جس

قسم کی مدد ہم سے چاہیں گے۔ ہم دینے کے لیئے تیار ہیں قصائیوں
نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ جس طرح سے پٹھان صاحبان
فیصلہ کر دیں گے ہم کو منظور ہو گا۔ پٹھانوں نے کہا کہ ہم کل
تک فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ دوسرے دن پھر اجلاس شروع
ہوا۔ راجہ شورام نے کہا بھائیو ہم کسی زور سے گئو ہتیا بند کرانا
نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہمارا کوئی زور نہیں ہے۔ ہمارا زور ہماری
محبت ہے۔ آپ پر زور ہے اس لئے آپ کو کہتے ہیں۔ جس پر
زور ہوتا ہے۔ اُن کو کہا جاتا ہے۔ آگرے والوں پر یا دوسروں
پر ہمارا کیا زور ہے۔ ہماری درخواست ڈہانہ والوں سے ہم
ان سے جواب چاہتے ہیں۔

اس کے جواب میں ڈہانہ والے قصائیوں نے کہا کہ آپ
کا حکم ہمکو منظور ہے اور حسب ذیل تحریر لکھی گئی۔

اول۔ کوئی گائے چمڑے کے لیئے نہ ماری جائیگی

دوم۔ گو مانس باہر نہ جائیگا

سوم۔ گائے کے ذبح کرنے میں کوئی شخص مدد نہ دیگا

البتہ مقامی ضرورت کے واسطے ایک دو کے مارنے کی ضرورت
ہو تو نہ روکا جاویگا۔ امید ہے کہ مسلمان صاحبان یہ بھی مان
لیں گے۔ کہ کوئی بھی گائے کسی بھی صورت میں نہ ماری جاوے
کیونکہ اس کے بدون اہل ہنود کا گذارہ بھی چلا ہی جاتا ہے
اس کے بعد مسلمانوں کی درخواست پر یہ فیصلہ ہوا کہ کسی
گاؤں میں مسلمان بھائیوں کو مسجد کی تعمیر سے روکا نہ جاوے
چار صد روپیہ بھی ایک مسجد کی تعمیر میں امداد کے واسطے اہل ہنود
کی طرف سے دیا گیا اور کوئی ہندو دیہات میں سور بغرض

پرورش نہ دیکھیگا۔

مسلمان تھانہ دار نے اس موقعہ پر بڑی فیاضی اور ننک بھاؤوں سے کام کیا۔ پنچایت کی طرف سے اُس کو ایک طلائی گھڑی اور سرکار کی طرف سے ۱۵۰ روپیہ انعام دیا گیا۔ سبھا کا اجلاس بڑی کامیابی سے ختم ہوا۔ دونوں فریق کے رابطہ اتحاد میں اس سے جس قدر ترقی ہوگی۔ اس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی۔

ہندو مسلمان کا روزمرہ کا فساد زیادہ تر اسی بنا پر ہوا کرتا ہے کہ گاؤکشی نہ ہونے پاوے۔ اور اہل ہنود اگر اہل اسلام کو اپنے کھانے اور چوکہ تھالی میں شامل نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ مسلمان لوگ عام طور پر گائے کا گوشت استعمال کرتے ہیں اور بعض متقی مسلمان صاحبان نے بھی اس بنا پر اہل ہنود کی بنائی ہوئی چیزوں کا کھانا ترک کر چھوڑا ہے۔ کہ کوئی کوئی ہندو لوگ سور کا گوشت کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں۔ دیکھو کیا عمدہ فیصلہ اور انصاف ہے۔ گائے کی جان بھی بچے۔ سور کی جان بھی بچے۔ ہندو مسلمانوں کی جان بھی بچے۔ کٹارپور کے فساد میں کتنے مسلمان جان سے مارے گئے۔ کتنے ہندو پھانسی پر چڑھائے گئے اور کتنے جیل میں سڑ رہے ہیں۔ ان سب مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور اُن سب سے بڑی بات اور ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنے مسلمان مہربان دوست کے گھر جاوں۔ اُس کو میرے کھانے کے واسطے کسی ہندو سے سفارش نہ کرنی پڑے۔ کہ ہمارے دوست کے واسطے اپنے گھر سے کھانا بھجوا دو۔ تو کیا اب یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ گئی۔ کہ گائے کی ہمدردی صرف ایک حیوان کی ہمدردی نہیں۔ بلکہ ہندو مسلمانوں کی ہمدردی ہے

میں امید کرتا ہوں۔ کہ ہمارے عیسائی بھائی بھی اس برادری میں
شامل ہو کر اپنے مسلہ تثلیث تین میں ایک اور ایک میں تین
کی تصدیق فرما دیں۔

ہندو اچھوت

(۱) اے شخص جو کچھ بھی تیرے ساتھ بیتتا ہے۔ نیک و بد سکھ و دکھ وہ
تیرے ہی کئے کرموں کا پھل ہے۔ اور یہی حالت جاتی زاد کے
مشترکہ کرموں کے سبب سے ہوتی ہے۔ دیا یا ظلم محبت یا نفرت جو
کچھ بھی کرم عمل میں لایا جاتا ہے۔ ویسا ہی سلوک ہر ایک کو بھگتنا
پڑتا ہے

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

بہادر میں بخش دینے اور دیا کرنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر
نربل آتما نیچ پاپ کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں پر ظلم کرتا اور
زبردستوں سے ڈرتا جاتا ہے۔ پرتی دن دیہاتی ہندوؤں کا خاص
کر غلط انعام اچھوت ہندو لوگوں کا بڑی تعداد میں عیسائی ہوتا
رہنا اسی آتمک کمزوری کا نتیجہ ہے۔ نربل آتما ہندو زمیندار لوگ
یا دوسرے ہندو لوگ ان بیچاروں پر حد سے زیادہ بے ظلم کرتے ہیں
مگر جیووں کے اندر فطرتاً آزادی ہونے کے سبب وہ لوگ موقع
ملنے پر رام کے گلے سے نکل کر۔ جیسے میرا رام رمیا۔ جیسے میرا کرشن
کنہیا کہتے ہوئے عیسیٰ کی بھیڑوں میں جا شامل ہوتے ہیں۔ اور
بیگاروں۔ ظلموں پھٹکاروں سے بچ کر بے فکری کی زندگی گزارتے
ہیں۔ پہلے ان کا تعلق کمزور جاتی سے تھا۔ اور بے عزتی سہتے تھے

بھارت کے اناتھ اور یتیم بچے

اس مضمون پر بہت ادھار کے گیارہ حصوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ صرف ایک بھومکا یا تمہید کے طور پر ہے۔ تاکہ سجن پرشوں کو پتہ لگ جاوے کہ ان بچوں کے متعلق سب لوگوں کا فرض اور کرتویہ کیا ہے۔ جو صاحبان اس وچار میں حصہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اُن پر تو ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ جاتی کے سب لوگوں کا ایک مقدس فرض یہ ہے۔ کہ اپنی جاتی۔ بھائیوں اور اپنے باپ داداؤں کے اُن بچوں کو جن کے اپنے ماتا پتا یا دوسرے سمبندھی ایسے نہیں رہ گئے جو ان کی پرورش تعلیم و تربیت کا کام بطور مناسب کر سکیں۔ تباہی اور بربادی سے بچا دیں۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اپنا کچھ تھوڑا سا حصہ دھن اور وقت کا اس کام پر خرچ کریں۔ اب کئی صاحبان تو ایسے ہیں۔ جو دونوں قسم کی امداد کر سکتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں۔ جو صرف ایک قسم کی مدد دے سکتے ہیں۔ دھن سے اور یا وقت سے۔ کئی ایسے ہیں جن کے وقت اور سیوا کی اس کام کے واسطے ضرورت ہے۔ مگر وہ اپنا وقت بدوں تھوڑے سے معاوضہ کے نہیں دے سکتے۔ مثلاً ایک صاحب تجربکار اور سن رسیدہ ہیں۔ جو ان بچوں کی پرورش اور ہر قسم کی نگرانی تو بھلی پرکار کر سکتے ہیں۔ مگر اپنے گزارہ کا کوئی اور انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اپنا وقت بلا معاوضہ کے نہیں دے سکتے۔ گزران کے واسطے ان کو کسی نہ کسی قسم کی دستی۔ یا دماغی محنت کرنی پڑتی ہے اب یہی محنت وہ بجائے اس کے کہ دوسری جگہ پر کریں۔ یتیم بچوں

کی پرورش کے انتظام میں شامل ہو کر کریں۔ اور اُن کے گذارہ کا
انتظام اسی مد سے کیا جاوے۔ تو اس میں کوئی اعتراض کی بات
نہیں ہے۔ چونکہ یہ ایک بڑا ضروری۔ مفید۔ اور عظیم الشان کام
ہے۔ جس کے عمدہ طریقہ اور انتظام کے ساتھ سرانجام پانے
پر جاتی کی بہتری اور ترقی کا دارومدار ہے۔ اور جس کے کامل طور
پر نہ ہونے سے کل جاتی کو بڑے سخت خطرہ کے مونہہ میں آ
جانے کا اندیشہ ہے اس واسطے ضروری ہے۔ کہ جاتی کے سب
کے سب لوگ اس طرف توجہ فرماویں۔ کوئی بھی شخص ایسا نہ ہو
جس کے کانوں تک اناتھ جاتی کے بچوں کی پرورش کی ضرورت
کی خبر کو نہ پہنچایا جاوے۔ اگر دلی شوق اور پریم سے کام کرنیوالے
آدمی ہوں تو کوئی غریب سے غریب گھر بھی ایسا نہ ہوگا۔ جس
میں سے جاتی کے ان بچوں کے واسطے کم از کم چار آنہ ماہوار
یا ایک آدھا پیسہ روزانہ کی امداد نہ مل سکے۔ جو صرف ایک
مٹھی بھر آٹا رکھنے ہی سے ہو سکتی ہے۔ ہمارے صوبہ پنجاب ہی
میں اندازاً بارہ لاکھ گھر اور خاندان ایسے ہیں جن سے امداد
کی درخواست کی جا سکتی ہے۔ ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو کہ
پانچ دس بیس پچاس سو بلکہ اس سے بھی زیادہ ماہوار کی
امداد دے سکتے ہیں چنانچہ ملتان کے سیٹھ پربھو دیال جی ہیں
جنھوں نے اپنے خرچ پر ملتان میں یتیم خانہ جاری کروا دیا ہے
دو ہزار روپیہ پہلے دیا ہے۔ اور دو سو روپیہ ماہوار خرچ کے
واسطے دیا کرتے ہیں۔ یہ صاحب مظفر گڑھ یتیم خانہ کو بھی دس
روپیہ ماہوار دیا کرتے ہیں۔ گویا دیش کے اندر ایسے بہت سے
سجن اور مہاشے ہیں جو اگر اس بات کو سمجھ لیویں۔ کہ جاتی کے بچوں کی

پرورش کا انتظام اچھے اور سوارتھ رہت لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ تو
اس کام کے واسطے بہت سی مالی امداد دینے کو تیار ہو سکتے ہیں اس
طور سے جو کچھ حاصل ہوگا۔ اس سے تو اور بہت سے مفید کام یتیم بچوں
کی ہر قسم کی تعلیم اور ترقی کے واسطے کئے جاویں گے۔ ان پانچ لاکھ گھروں
سے جو چار آنہ ماہوار کی امداد ہوگی اس سے تین لاکھ روپیہ ماہوار
آسکتا ہے۔ خیال کر کے دیکھا جاوے۔ یہ تین لاکھ روپیہ ماہوار کا
کتنا بڑا خزانہ ہوگا۔ اس سے نہ صرف یتیم بچوں بلکہ بدھوا استریوں کی
کی امداد اور ان کو خاص ان کے اور جاتی کے واسطے مفید انگ
بنانے کا کتنا بڑا کام بھلی پرکار سے ہو سکتا ہے

ہماری جاتی کے لوگوں کی طرف سے کئی ایک یتیم خانے بن
تو گئے ہیں۔ مگر ان کی طرف سے عام طور پر جاتی کے ان لڑکوں کی
بے پرواہی اور بے توجگی کی وجہ سے جیسا کہ چاہیئے۔ نہ تو ان کا
انتظام ہی کافی ہے۔ اور نہ کوئی مفید نتیجہ ہی ایسا نکلتا ہے جیسا
کہ نکلنا چاہیئے۔

یتیم خانہ مظفر گڑھ کا اجراء اسی غرض کو مد نظر رکھ کر
کیا گیا ہے۔ کہ دیش کے کل اناتھ بچوں کی ضروریات کی طرف
جاتی کے لوگوں۔ بزرگوں۔ ماتاؤں اور بہنوں کو توجہ دلائی جاوے
اس کی ایک شاخ عرصہ چار سال سے زیادہ گذرا کہ شہر لاہور
میں ایک مرکزی یتیم خانہ اس قسم کا بنایا جاوے۔ جس سے
اناتھ لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے ہر قسم کا انتظام پرورش
تعلیم علمی اور تعلیم دستکاری کا اچھے اور اعلے پیمانہ پر ہوا
کرے یتیم خانہ مظفر گڑھ کی مینجنگ کمیٹی بڑی خوشی سے لاہور
کے سجنوں کو اس انتظام میں شامل کریگی۔ جن کو اس کے مدعا

اور مقاصد سے اتفاق ہو۔ اور جو صاحبان اس مطلب کے واسطے
اپنا وقت دینا چاہیں۔ بڑی شکر گذاری کے ساتھ ان کے ہاتھ
میں اس کام کو مناسب شرائط پر دیا جاویگا۔ جو صاحبان اس کام
میں شامل ہونا اور حصہ لینا چاہیں وہ کرپا کر کے بابو نہال کشن
صاحب وکیل پردھان یتیم خانہ کمیٹی مظفر گڑھ کے پاس اپنی
اس مطلب کی ایک تجویز لکھ کر بھجدیں

چونکہ اس کام کو تکمیل تک پونچانا ہے۔ اور یہ بدوں اپنے مکان
کے حاصل کئے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اسواسطے شہر لاہور میں ایک امید
مکان درکار ہے۔ جس میں ہر قسم کی ضرورت کے پورا کرنے کی مکانیت
موجود ہو۔ مکان سے پہلے زمین کا انتظام ضروری ہے۔ ایک اچھی باموقع
زمین لاہور کے اندر پچیس ہزار روپیہ مانگتی ہے

پترت اودھار حصہ ششم میں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے
درخواست کی گئی ہے۔ کہ اس مکان کے واسطے کم ازکم دس روپیہ
وہ صاحبان دان دیویں۔ یا جمع کر کے بھیجدیں۔ جن کو اپنے
بزرگوں کے ناموں کی یادگار دنیا میں قایم رکھنے کی ضرورت
معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو صاحب
دیویں وہ صرف دس روپیہ ہی دیویں۔ جو صاحب دو چار یا کچھ
اور ہزار دو ہزار دے سکتے ہیں۔ وہ اتنا ہی دیویں۔ مگر جو زیادہ
سے زیادہ دس روپیہ تک بھی دے سکتے ہیں۔ وہ بھی اس قومی
ترقی کے کام میں حصہ دار ہو سکیں اور جو اپنی گرہ سے دس
روپیہ بھی نہیں دے سکتے۔ وہ اپنے دوستوں سے ہی ایک ایک
روپیہ یا آٹھ آٹھ آنہ لے کر دس روپیہ جمع کر کے بھیجدیں جو صاحبان
اس کام میں امداد دیں گے ان کے نام بطور یادگار مکان...

سکے منظرِ عام پر کشیدہ آکر لگائے جاوینگے
اور بھی کئی طرح سے اس کام میں امداد ہو سکتی ہے جو صاحبان
اپنی دریا دلی اور فراخ حوصلگی سے امداد دیا کرتے ہیں۔ اس کا
ذکر عام طور پر رسالہ ستت اُدھار میں بہت کم کیا گیا ہے۔ یتیم
خانہ مظفر گڑھ کی مینیجنگ کمیٹی کے ماتحت جو جو کام یتیم خانہ مظفر گڑھ
اُس کی شاخ بہٹ سوہنی اور شاخ لاہور۔ گوشالہ بہیٹ سوہنی
گجرات اور پنت جاتی کے بچوں کے سکول وغیرہ ہیں ان کے
واسطے کوئی خزانہ کمیٹی کے پاس نہیں ہے۔ یہ سب کام بھجن جاتی
اور ودیش کے ہتکاری مہانو بھاوؤں کے دان ہی سے چلتے
ہیں۔ ستت ادھار کی دوسری جلد میں ان دانیوں کے دان کا
ذکر بھی کیا جایا کریگا۔ اس میں صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ
شریمان لالہ شنکر داس بجاج فوٹو گرافر کی معرفت اس یتیم خانہ
کی لاہور شاخ کے اُن بچوں کے واسطے جو کہ سلائی کا کام سیکھتے
ہیں۔ ایک سینے کی مشین قیمتی مبلغ ایک سو بیس روپیہ کی لالہ
ہرکشن داس کما... کے پتر کے دان میں آئی ہے۔ جس کے واسطے
میں کمیٹی کی طرف سے لالہ شنکر داس و ہرکشن داس صاحبان کا
دھنیاد کرتا ہوں۔ پرماتما لالہ ہرکشن داس کو شانتی پردان کریں
امید ہے۔ کہ دوسرے صاحبان بھی جن کو پرماتما نے اپنے بھنڈار
سے سب... کچھ دیا ہے۔ اگر اسی طرح سے توجہ کرتے رہیں۔ تو
یتیم خانے کے واسطے در در پر جاکر بھکشا کرنے کی ضرورت نہ رہے
اور سیوکوں کا جو وقت اس بھکشا کرنے میں خرچ ہوتا ہے
وہ اندرونی انتظام اور بچوں کے سدھار پر خرچ ہوا کرے
میں ... صاحب اڈیٹر اردو بنس سدھارک کا شکریہ ادا کرتا

ہوں۔ کہ اونہوں نے اپنی اروڑبنس برادری کو توجہ دلائی ہے۔ کہ اس یتیم خانہ کا جس میں ۲/۳ حصہ لڑکے اروڑبنس کے پرورش اور تعلیم پا رہے ہیں۔ دان کے وقت خیال کیا کریں

اب وہ زبردستوں کے پلے لگے ہیں۔ اور اب وہ . . . . . . وہ کی ہاتھوں پہ سرسوں جم رہی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اُن لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ اور دور سے ڈر ڈر کر کہا جاتا تھا مگر تپسیہ کا سنسکار ہوتے ہوئے ہی وہ نڈر۔ اور شدھ ہو کر اُنہی زمینداروں کے مکانوں میں آرام اور عزت سے بیٹھتے ہیں۔ اُن کا بدبودار جسم اب خوشبو دار بن گیا ہے۔ پہلے کنوؤں کے بیٹھنے کی جگہ بھی اُن کے آنے سے اپوتر ہو جاتی تھی۔ اب پلنگ اُن کے بیٹھنے سے شوبھا پاتے ہیں۔ پرماتما نہ کرے اگر کچھ عرصہ وہ عیسائیت میں رہے تو گارڈ ہیڈ ماسٹر تحصیلدار بن کر وہ اُنہی مغروروں کو ٹھیک ہینڈ کے لئے ترسائینگے۔ جو کنوؤں سے پانی بھی نہیں بھرنے دیتے تھے۔ یا دکان کے تختے کے ساتھ لگنے سے پرے پرے کے شبد کہتے تھے۔ اور اُن کے لڑکے اُنہی بدنصیبوں یا خوش نصیبوں کے سکولوں میں وِدیا گرہن کرنے کے لئے جائینگے۔ وہ کیا ہی حسرتناک سماں ہوگا۔ مگر یہ کوئی قانون قدرت سے بھن بات نہیں ہے۔ ایک ہی جگہ پر کبھی دھوپ ہوتی ہے کبھی چھاؤں ایسے مغرور لوگوں کو تو شاید اس تبدیلی کی سمجھ ہی نہ آدیگی۔ وہ تو مردہ بدن کفن پوش ہیں۔ اُن کو یہ بھی پتہ نہ لگتا ہوگا۔ کہ ہماری قومی طاقت تو کیا شخصی طاقت ہی کتنی کم ہو گئی ہے۔ وہ فی یادست کی حالت میں اپنے آپ کو میعفہ کے بیمار نہیں سمجھتے۔ شوک ہے اُس بیمار

پر جو اپنی بیماری کو ہی نہیں سمجھ سکتا۔ اور ایسے بیمار کا نتیجہ عیاں ہے۔
اے جاتی کی فرضی رکھشا کرنے والے۔ اے خوشبودار جسم رکھنے
والے اور پرماتما سے خیالی اعلےٰ مذہب کی سند حاصل کرنے
والے رئیسوں اور سجنوں کیا آپ ان بڑے نام اچھوتوں پر
نظر حقارت جماؤگے (جو تم سے نکل چکے ہیں) اب تمہاری طاقت
سے یہ بات باہر ہو چکی ہے۔ اب آن ہیں

worth not birth shall rule

کا مسئلہ جاری ہوگا۔ گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرو

گرت جاہ باید مکن چون خساں — بچشم حقارت نگہ در کساں
چو ایستادہ بر مقام بلند — بر افتادہ گر ہوشمندی مخند
بسیا ایستادہ در آمد ز پائے
کہ افتادگانش گرفتند جائے

مگر عبرت کس کو آئے۔ ہم لوگ بھی تو ابھی سکتے ہیں پڑی ہوئی جاتی
کے ہی افراد ہیں جو سینکڑوں برس سے بیہوش پڑی ہے۔ جس کے
بازو اور ٹانگیں کٹ رہی ہیں۔ اور تیس کروڑ سے اکیس کروڑ آ
بچے ہیں۔ اور پتہ تک نہیں۔ اگر کبھی زیادہ چوٹ لگی۔ اور دماغ میں
خراش سی پیدا ہوئی: تو خود بینی کی مونچھ مروڑ کر پہلو الٹ دیا اور
پھر وہی مستی۔

پرماتما کیا ہمارے جاتی کرم اتنے برے ہیں۔ کہ ان کو سن کر
ہم بہرے ہو چکے ہیں۔ کہ مظلوموں کی آہ وزاری بھی نہیں سن سکتے
ہمیں اندھا ہونے کی سزا ملی ہے۔ کہ ہم کٹے ہوئے بازو بھی نہیں
دیکھ سکتے خشک ہو گئی اور سکتے سے سمجھ ہی اڑ گئی ہے۔ تاہم ہم
پرستی ہی لئے جائینگے۔ بے شک اگر ایسے ہی کرم رہے تو ایسی نتیجہ

ہو گا کسی کا کیا دوش۔ دیکھو وحدانیت جاتی رہی۔ اخوت اور بھراتری بھاؤ نابود ہو گئے۔ منش منش سے بھائی بھائی سے گھرنا کرنے لگے۔ سب نیکیاں اور گن پستکوں میں بند کر کے تالے لگا دیے گئے۔ اُلٹے حیران ہو گئے۔ اس پر اسلام نے وحدانیت اور اخوت کا بل حاصل کر کے ایک طرف سے کھپڑ لگایا۔ عیسائیت نے سمانتا سیوا اور پرشارتھ کا بھاو لے کر دوسری طرف سے زور لگایا۔ انگریزی راج نے عملی طور پر سبق سکھایا کہ اب نہ سید کا امتیاز صحیح۔ نہ برہمن کو شودر پر ترجیح۔ جس نے بی اے پاس کیا۔ اُسی نے سند حاصل کی۔ چاہے وہ چمار ہو یا بھنگی۔ برہمن ہو یا کھتری۔ جیسا کہ عملی طور پر دیکھ رہے ہیں۔ کہ نائی۔ میراسی دھوبی وغیرہ مدرسوں کے پاس سید برہمن کے لڑکے پڑھ رہے ہیں اور اُن کے پاؤں چومتے ہیں۔ اور اُستاد یا گورو ہونے کے سبب سے بھی جھبک۔ مگر خود بیں بے سمجھ جاتی اب تک تو سیکھنے اور ماننے میں نہ آئی دیکھ زمانے کی چال کیا ہے۔ اور ہوا کا رخ کدھر ہے۔ زمانے کی نبض پہچان اور سکھشا گرہن کر۔ اے کمزور اور ناتواں جاتی تیرے اندر شرابی کبابی زنا ہی رہ سکتے ہیں۔ مگر تیرے اندر کار آمد انگوں چماروں ڈوموں بھنگیوں وغیرہ کے لئے جگہ نہیں۔ جن کے بغیر تیرا ایک پل بھی گذر سکے۔ کیا اُن لوگوں میں۔ جو اپنے آپ کو اونچی ذات والے کہتے ہیں۔ میلے کچیلے چرسی بھنگی جواری بدکار پاپی کوئی نہیں۔ اگر ہیں۔ تو وہاں میگھ قوم چمار وغیرہ کیوں نہیں سما سکتے۔ کیا وہ سب کے سب پاپی ہیں۔ ہرگز نہیں شاید وہ اس لئے تیرے اندر نہ رہ سکتے ہوں۔ کہ شری رام شری کرشن مہادیو جی کا نام لے کر اپنی آتماؤں کو شانت کر لیتے ہیں یا اس لئے کہ اُن کے اندر کبیر اور دھنے جیسے بھگت جن کے رہے ہے

آپ کو گنگا نے پڑتے ہیں۔ یا سوری جیسی بھگتنی ہو گذری ہیں۔ یا اس لئے کہ وہ تیرتھ یاترا کرتے اور کرنا چاہتے ہیں۔ یا اس لئے کہ وہ تیرے تیوہاروں کی رونق بڑھاتے ہیں۔ یا اس لئے گؤ واں کی رکھشا کرتے ہیں۔ یا اس لئے ریت رسم بواہ شادی پر برہمنوں کو دکشنا دیتے ہیں۔ یا اس لئے کہ تمہاری عزت طاقت اور تعداد کو بڑھاتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ شری رام کرشن کا نام لڈووں کا محدود پرساد ہے جو جتنا کم لوگوں میں بانٹا جاویگا۔ اتنا زیادہ حصہ ملیگا۔ یعنے جتنے لوگ کم ہوتے جاوینگے۔ باقی لوگ اتنا ہی زیادہ پرشاد اُڑاویں گے کوتاہ بین خودغرض لوگوں کے خیالات ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اے بے بس جاتی مشرقی بنگال اور کشمیر میں اسلام تیری ہی اندرونی خرابیوں کے سبب زور کر گیا۔ مدراس میں عیسائیت نے تیرے ہی نقائص سے فائدہ اُٹھا کر جال پھیلایا۔ اور اب سارے دیش میں یہ جال بکھر رہا ہے۔ اندرونی بیماری سخت بیماری ہے۔ تو اُس کا وقت پر علاج کر۔ تیرے لیڈر زبانی باتوں اور ریزولیوشنوں میں تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ کب تک

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

انہیں اپنی حاکم قوم سے کب کی آزادی مل گئی ہوتی۔ اگر انہوں نے اپنے ہی بھائیوں کو آزاد کر دیا ہوتا۔ بتلا تیرے چوٹی کے لائق ملکی لیڈروں نے اپنے گرے ہوئے بھائیوں کو اُٹھانے میں کیا کیا عملی کام کئے۔

باقی آئندہ

پنڈت گنگا رام سیکرٹری یتیم خانہ مظفر گڑھ و شاخ لاہور۔

لئے کہ
وہاؤں
یا اس
لئے
تو
ہے
جتنے
گئے

اندرونی
سے
یش میں
کا وقت
نہیں

وں تے
لایق
نے میں